صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات و خدمات پر مشتمل مجموعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصۡحَابِكَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ ﷺ

صحابۂ کرام کی حیات وخدمات پر مستند مجموعہ

معارف صحابہ رضی اللہ عنہم

جلد اول

عمدۃ المدرسین، ادیب شہیر حضرت علامہ محمد عارف صاحب قادری برکاتی رضوی
استاذ الجامعۃ الغوثیہ، غریب نواز، کھجرانہ
خطیب وامام، امام احمد رضا مسجد، شری نگر، اندور (ایم پی)

ناشر
امام احمد رضا، ایجوکیشن فاؤنڈیشن
شری نگر، اندور (ایم پی)

مصنف : عمدۃ المدرسین، ادیب شہیر حضرت علامہ **محمد عارف** صاحب قادری برکاتی رضوی

نظر ثانی : ★ حضرت مولانا **مفتی رضی الدین احمد** صاحب قبلہ فیضی

دار العلوم اہلسنّت فیضان غوث اعظم، اولپاڑ، سورت

★ حضرت مولانا **محمد ضیاء المصطفیٰ** صاحب قبلہ قادری

تصحیح : حضرت **مفتی محمد شمس الدین** صاحب قبلہ مصباحی

حسب فرمائش : حضرت مولانا **عبد الجلیل** صاحب قبلہ نظامی

کمپوزنگ : حضرت مولانا **قاری بدر الدین احمد** مصباحی

پروف ریڈنگ : طلبۂ جامعہ غوثیہ غریب نواز، کھجرانہ، اندور

ناشر : **امام احمد رضا، ایجوکیشن فاؤنڈیشن**، اندور (ایم پی)

باراول : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق مارچ ۲۰۱۵ء

تعداد : گیارہ سو (۱۱۰۰)

صفحات : ۶۲۴

قیمت :

تقسیم کار

کتب خانہ امجدیہ، ۴۲۵، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

ملنے کے پتے

★ **خواجہ بک ڈپو**، مٹیا محل، دہلی ۱۱۰۰۰۶

★ **برکاتی کتب خانہ**، بڑوالی چوکی، اندور (ایم پی)

★ **نوری کتاب گھر**، بڑوالی چوکی، اندور (ایم پی)

کلماتِ دُعا

وارثِ علوم اعلیٰ حضرت، قاضی القضاۃ فی الہند، تاج الشریعہ
حضرت علامہ **مفتی محمد اختر رضا خاں** صاحب قبلہ قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ بریلی شریف

Hazrat Allama Maulana Mufti

Mohammed
Akhtar Raza Khan Qadri Azhari
President: All India Sunni Jamiatul Ulema
Head Mufti: Central Darul Ifta - Bareilly.

82, Raza Nagar, Saudagran, Bareilly Sharif
U.P. 243003, (INDIA)- Tel: 0581- 2472166, 2458543

Ref. No. ____________ Date ____________

محب مکرم عزیز القدر مولانا فریاد ... قادری رضوی سلمہ
استاذ جامعہ خواجہ غریب نواز ...
نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر ایک کتاب بنام "معارف صحابہ" لکھی
مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور مولانا موصوف کو مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

فقط ...
محمد اختر رضا قادری ازہری

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

★★★

انتساب

میں اپنی اس حقیر کوشش کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو وجہ تخلیق کائنات ہیں آپ کے تمام اہل وعیال، خلفا، صحابہ، صحابیات، جو اسلام کی اساس وبنیاد ہیں، تابعین تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیاے کاملین، فقہا ومحدثین، علماے عاملین، مجددین صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین جو اسلام کے سچے مبلغ، ترجمان اور داعی ہیں ان تمام آقایان نعمت کی عالی مرتبت بارگاہوں میں پیش کر رہا ہوں۔ ان سے برکت حاصل کرتے ہوئے تمام مدارس اہل سنت واساتذۂ امت کے نام جو قوم کی تعمیر وترقی میں ریڑھ کی ہڈی ہیں بالخصوص الجامعۃ القادریہ رچھا ریلوے اسٹیشن اس کے بانی، ارکان اوران بلند پایہ اساتذۂ کرام کے نام جنہوں نے مجھ ان پڑھ گنوار کو اس خدمت کے لائق بنایا اور الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز کے نام جو میری تعلیمی خدمات کا مرکز ہے اور گلشن فاطمہ نیوریہ پیلی بھیت کے نام جو میرے خوابوں کی حسین تعبیر ہے اور میرے والد محترم احمد حسین صاحب اور والدہ محترمہ انیسہ صاحبہ کے نام جنہوں نے اپنی معاشی کمزوریوں کے باوجود بھی میری تعلیم کو رکنے نہیں دیا، میری پیاری بیٹی حمیرا اور بیٹے غلام عبدالقادر کے نام جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ اس امید پر کہ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

محمد عارف قادری برکاتی رضوی

تقریظ جلیل

نمونۂ اسلاف، عطائے خواجہ، محبوب الاولیا حضرت علامہ مفتی انوار احمد صاحب قبلہ قادری، برکاتی، رضوی بانی و سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز کھجرانہ اندور (ایم پی) ومصنف انوار البیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم

وآلہ واصحابہ اجمعین

بے حد و بے شمار حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہماری ہدایت کے لیے مصطفیٰ کریم جیسا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم عطا فرمایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا تجھے حمد ہے خدایا

اور بے حد و بے شمار درود وسلام کے گلدستے پیش ہیں ہمارے رحیم وکریم نبی، مشفق ومہربان رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی جناب پاک میں کہ ؎

زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے
چنین وچناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور بے حد و بے شمار سلام و رحمت کے پھول نچھار ہوں اہلِ بیتِ عظام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بارگاہوں میں کہ ؎

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرات! دورِ جدید کے طرح طرح کے اٹھنے والے فتنوں سے بچنے کے لیے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعلیمات وارشادات سے واقفیت وآگاہی کے لیے اس امر کی ضرورت تھی کہ عام مسلمانانِ اہل سنت کے لیے آسان اردو زبان میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت وسوانح پر ایک مستند کتاب مرتب کی جائے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کرم وفضل ہے کہ فاضل جلیل، عالم نبیل، حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی محمد عارف صاحب قبلہ قادری برکاتی رضوی زید مجدہم صاحب قلم وبیان کے ساتھ عمیق النظر، صاحب تحقیق ومطالعہ مدرس ہیں جب کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں تو دلائل کے انبار ان کی علمی عظمت کا شاہکار ہوتے ہیں، آپ کی شخصیت ذی علم بھی ہے اور باعمل بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ عاطفت میں ہمیشہ رکھے۔

عزیزم موصوف کئی سالوں سے اس کار عظیم میں مصروف ہیں بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سیرت وسوانح اور حیات وخدمات پر مستند مجموعہ مرتب کیا جس کا نام معارف صحابہ رکھا، جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔

حضرات! صحابی اس خوش نصیب، فیروز مند فرزند اسلام کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں رسول خدا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کی ملاقات کا شرف حالت بیداری میں حاصل کیا۔

امام المحدثین حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخاری شریف ج:۱ ص ۵۱۵ پر، شارح بخاری حضرت امام بدرالدین عینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۱۶۹ پر اور

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری ج ۷ ص ۳ ۰ ۲ پر اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱۱، ص: ۲۷۲ پر لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مسلمان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی صحبت ملی، دیدار نصیب ہوا اور مسلمان ہونے کی حالت میں اس کا وصال ہوا وہ صحابی ہے۔

اور شارح بخاری حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید رقمطراز ہیں: صحابی وہ ذات ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر ایمان لاتے ہوئے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور حالت اسلام پر ہی اس کا وصال ہوا۔ پس اس تعریف میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جنہوں نے آپ سے ملاقات کی، وہ آپ کی صحبت میں طویل مدت ٹھہرے یا کم، آپ سے روایت کی یا نہ کی، آپ کے ساتھ جہاد میں گئے یا نہ گئے، آپ کی زیارت کی خواہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع نہ ملا یا کسی عارضے کی وجہ سے آپ سے ملاقات تو کی لیکن زیارت نہ کر سکے جیسے نابینا صحابی۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج:۱، ص:۷)

قرآن کریم میں ذکر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ذکر جمیل کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نیکی و پرہیزگاری، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ محبت و وفاداری کو قرآن کریم میں جا بجا بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ﴿الفتح:۲۹﴾

یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس

میں نرم دل، تو انھیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل ورضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان والے اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔(کنزالایمان)

اسی طرح سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۲۱۸، پ ۲، رکوع ۱۱ میں۔سورۂ نساء آیت نمبر ۵۴، پ ۵، رکوع ۵ میں۔سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۱۷، پ ۱۱، رکوع ۳ میں۔سورہ جمعہ آیت نمبر: ۲، پ ۲۸، رکوع ۱۱ میں، سورہ حجرات آیت نمبر ۷، پ ۲۶، رکوع ۱۳ میں۔سورۂ حدید آیت نمبر ۱۰، پ ۲۷، رکوع ۱۷ میں اس کے سوا اور بھی کئی جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر جمیل فرمایا ہے۔

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

احادیث کریمہ میں ذکرِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

جاں نثاران نبی، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عزت وعظمت، نیکی و بزرگی، پارسائی وسربلندی اور سرفرازی کو احادیث طیبہ کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے:

حضرت امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار رقمطراز ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ اِخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ سِوَی النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ

(مجمع الزوائد ج: ۱۰ ص: ۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے علاوہ تمام عالم پر میرے صحابہ کو فضیلت عطا کی ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔

(ابوداود شریف ج: ۳،ص: ۲۷۹، مشکوۃ ص: ۳۰۔۳۱، ابن ماجہ ص: ۵، ترمذی ج: ۲،ص: ۹۲)

یعنی جو تم میں میرے بعد زندگی گزارے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، پس تم پر میری سنتوں اور خلفاے راشدین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی سنتوں کو اختیار کرنا لازم ہے۔

حضرت شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔

(مشکوۃ شریف ص: ۵۵۴، مرقاۃ ص: ۲۸۰)

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

امام المحدثین حضرت محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں: لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ۔ (صحیح البخاری ج: ۱ص ۵۱۸، صحیح المسلم ج ۲ص ۳۷۲)

یعنی اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرے تو وہ صحابہ کے ایک مد یا اس کے نصف تک نہیں پہنچ سکتا۔

محدث جلیل حضرت ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَمُقَامُ اَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ اَحَدِكُمْ عُمْرَهٗ (ابن ماجہ ص ۱۵)

یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے صحابہ کو برا نہ کہو، ان کا ایک گھڑی کا قیام تمہاری ساری زندگی کی نیکی سے بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی!

فَاِنَّهٗ يَجِيْئُ قَوْمٌ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ يَسُبُّوْنَهُمْ فَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُصَلُّوْا مَعَهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ وَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَاِنْ مَرَضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ۔ (شفا شریف، ج:۲، ص:۲۶۶، کنز العمال، ج:۱۱، ص:۵۲۹)

یعنی آخری زمانے میں ایک جماعت میرے صحابہ کو برا کہے گی تم ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا، اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنا، اور ان سے رشتہ داری نہ کرنا، اور ان کے ساتھ نہ بیٹھنا اور اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرنا۔

حضرت امام بخاری وحضرت امام مسلم دونوں بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھتے ہیں کہ محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (صحیح البخاری ج:۱، ص:۳۶۲، صحیح المسلم ج ۲ ص ۳۰۹)

یعنی سب میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا جنہوں نے صحابہ کو دیکھا، پھر ان کا جنہوں نے تابعین کو دیکھا، پھر ان کا جنہوں نے تبع تابعین کو دیکھا۔

اللہ اکبر! احادیث طیبہ سے روز روشن کی طرح ظاہر و ثابت ہوا کہ اللہ ورسول جل شانہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو کس قدر

ارفع واعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے کہ اب صبح قیامت تک کسی بھی زاہد و عابد، متقی و پرہیزگار کو صحابیت جیسی رفعت جلیلہ، عظمت عظیمہ نصیب میں نہیں آسکتی۔ ع

یہ مقام بلند جس کو ملنا تھا مل گیا

اور یہ بھی ظاہر و ثابت ہے کہ اس جنتی گروہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مودت و محبت اہل بہشت کا حصہ ہے اور اس پاک جماعت سے بغض و کینہ رکھنا ان کی شان میں گستاخیاں کرنا اہل دوزخ کا شیوہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے آقا کریم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ كُلُّهَا فِي النَّارِ اِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً مَّنْ كَانَ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَ اَصْحَابِیْ۔ (ابوداؤد، ج:۲،ص:۲۷۵، ابن ماجہ:۲۹۶)

تمام فرقے دوزخ میں جائیں گے ایک گروہ کے علاوہ، جو اس طریقہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

محدث ابوزکریا محی الدین یحییٰ امام نووی اور حضرت ملا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھتے ہیں:

ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ اِلٰی اَنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ عَدُوْلٌ۔

(نووی برمسلم، ج:۲،ص:۲۷۲، شرح فقہ اکبر،ص:۸۵)

یعنی اہل حق جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اچھا گمان رکھنا، اور انہیں حق کی مخالفت سے پاک سمجھنا واجب ہے۔ فَاِنَّهُمْ اُسْوَةُ اَهْلِ الدِّيْنِ وَمَدَارُ مَعْرِفَةِ الْحَقِّ وَالْيَقِيْنِ۔ (شرح عقائد نسفی حاشیہ:۴،ص:۸۵)

اس لیے کہ وہ دین والوں کے لیے نمونہ اور حق ویقین کی معرفت کا دارومدار ہیں۔

اور حضرت ابوحفص عمر بن محمد نسفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ وَيُكَفُّ عَنْ ذِكْرِ

الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ (شرح عقائد نسفی، ص:۱۱۶)

اور صحابۂ کرام کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

ہزاروں سلام ورحمت کے گلدستے نذر ہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خدمتوں میں جن پاک ہستیوں نے ہر قسم کی مصیبتوں، تکلیفوں اور کلفتوں سے دوچار ہونے کے باوجود اپنے محبوب آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے عشق ومحبت کی خوشبو اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سیرت وسنت، اقوال و افعال، عادات واحوال کے انوار وتجلیات کو روز روشن سے زیادہ امت پر ظاہر کیا جو آج بھی اظہر من الشّمس ہے اور صبح قیامت تک رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تنگی داماں کی وجہ سے صرف ایک نمونہ پیش ہے۔ محدث عظیم، حاکم حدیث حضرت حافظ نیشاپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوایوب انصاری صحابیٔ رسول کا ایک رقت انگیز واقعہ بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد اس حدیث کا سننے والا میں تھا یا صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور کوئی تیسرا شخص روئے زمین پر موجود نہ تھا۔ اور صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامر اسلامی فتوحات کے زمانے میں مصر تشریف لے گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیوانگی کا عجب عالم تھا، نہ بڑھاپے کی پرواہ، نہ طویل سفر کی صعوبتوں کا کچھ خیال۔ جذبۂ عشق محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہے جو کشاں کشاں لیے جارہا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر پہنچ گئے۔ مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا: مَا جَاءَ بِكَ يَا اَبَا اَيُّوْبَ؟ اے ابوایوب انصاری! کس لیے تشریف لانا ہوا؟ حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا: ایک حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم سے سنی ہے اور اس کا سننے والا میرے اور آپ کے علاوہ اب کوئی دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور وہ حدیث مومن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ قَالَ عُقْبَۃُ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ سَتَرَ مُوْمِنًا عَلٰی خِزْیَۃٍ سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَقَالَ لَہٗ اَبُوْ اَیُّوْبَ صَدَقْتَ (مسند حمیدی ج ۱ ص: ۲۰۴، حدیث نمبر ۴۰۹)

صحابی رسول حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص کسی مومن کے عیب کو چھپاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب کو چھپائے گا۔ صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ نے سچ فرمایا یہی بات میں نے بھی سنی ہے۔ پھر اس کے بعد بیان فرماتے ہیں کہ اتنا سن کر صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری کے پاس آئے فَرَکِبَھَا رَاجِعًا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ

(مسند حمیدی ج ۱ ص: ۲۰۴، حدیث نمبر ۴۰۹)

پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ لوٹ گئے۔

حضرات! حدیث شریف سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے مصر تک دور دراز کا سفر اور وہ بھی بڑھاپے کی عمر شریف میں صرف اس لیے کیا تھا کہ جس حدیث شریف کو میں نے اپنے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم سے سنا تھا اس کی تصدیق ایک اور صحابی سے کر لی جائے۔

سبحان اللہ! اس نورانی واقعہ سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اللہ و رسول جل شانہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم کے کس حد تک عاشق اور وفادار تھے۔ اسلام و شریعت اور دین و سنت اور محبوب خدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وسلم کے اقوال و افعال، تعلیمات و ارشادات سے ان کی وابستگی اور محبت کا کیا عالم تھا۔

اسلام تیری نبض نہ ڈوبے گی حشر تک
تیری رگوں میں خوں ہے رواں چار یار کا

اور عاشق مصطفیٰ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان کے مولیٰ کے ان پر کروروں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم اس کتاب کے ذریعہ ایمان والوں کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلند مقام ومرتبہ کو سمجھنے اوران کے نورانی طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور عزیزم موصوف زید مجدہم کی اس ترتیب موسوم بہ معارف صحابہ جلد اوّل کتاب کو قبول فرما کر مقبول انام بنائے۔آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم وآلہ وصحبہ وابنہ الکریم الغوث الاعظم الجیلانی وابنہ الکریم الخواجہ الاجمیری اجمعین۔

گدائے غوث وخواجہ ورضا

انوار احمد قادری برکاتی رضوی
خادم (بانی وسربراہ اعلیٰ) الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز
کھجرانہ، اندور (ایم پی)
۱۲ ربیع الغوث ۱۴۳۶ھ مطابق ۳ر فروری ۲۰۱۵ء

کچھ باتیں کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی رفیق الاسلام صاحب قبلہ
استاذ و مفتی جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم بنگلور

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلاۃ والسلام کو تمام امتوں میں خیر امت ہونے کا شرف عطا فرمایا اور اس خیر الامم میں ایک مقدس جماعت ایسی ہے جس نے اپنی ایمانی نگاہوں سے سید المرسلین رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلال و جمال نبوت کو دیکھا اور آپ کی مبارک صحبت پائی، آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر اشارے پر اپنی متاع جان و مال قربان کر دینے کو اپنی معراج کمال سمجھا، وہ مقدس و مسعود جماعت صحابہ کی ہے اور اسی جماعت کو اس خیر الامم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ صحابۂ کرام کی عظمتیں خود خالق کائنات جل جلالہ نے اپنے کلام مقدس میں بیان فرمائی ہیں: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبۃ:۹/ ۱۰۰) اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی

ہے۔(کنزالایمان)

ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدح صحابہ فرماتے ہوے ارشاد فرمایا: فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران: ۳/ ۱۹۵) تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا اور ضرور انھیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں اللہ کے پاس کا ثواب اور اللہ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے۔(کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک جماعت کو یہ بشارت عظمیٰ بھی سنائی: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (النساء: ۴/ ۹۵) اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو الصحابة کلهم عدول کی سند عطا فرما کر اپنی امت کے سامنے راہ ہدایت کو یہ فرما کر واضح کر دیا: "اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم" میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جن کی بھی تم اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کی یہ جامع فضیلت بھی بیان فرمائی: عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم لاتسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا مابلغ مد احدهم ولا نصیفه ،متفق علیه۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کی شان میں بدگوئی نہ کرو اگر تم میں کا کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم اذا رأیتم الذین یسبّون اصحابی فقولوا لعنة الله علیٰ شرکم۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو

میرے صحابہ کی شان میں بد گوئی کرتے ہیں تو تم کہہ دو کہ تمہارے شر پر خدا کی لعنت۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیاں آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ روشن و تابناک ہیں جبھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اقتدا کا حکم نافذ فرمایا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات کا ہر شعبہ و گوشہ اس امت کے لیے مشعل راہ ہے، لیکن یہاں مجھے اتنا عرض کرنا ہے کہ کسی کی زندگی کو مشعل راہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی زندگی کا ایک ایک گوشہ واضح ہو، ان کے اخلاق و کردار، رفتار و گفتار، ان کے بچپن کا زمانہ، جوانی کے احوال اور بڑھاپے کا طور و طریقہ سب ظاہر و باہر ہو جبھی ان کی اقتدا ممکن ہو سکے گی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و سوانح کے حوالے سے عربی دنیا میں کام ہوا ہے اور بہت مبسوط ہوا ہے اس میں کلام کی گنجائش میں نہیں پاتا البتہ ہم جس ماحول و زمانہ میں زندگی گزار رہے ہیں یقیناً اس میں علمی انحطاط ہے اور بالخصوص برصغیر ہندو پاک اوران سے متصل جو ممالک ہیں ان کی مادری زبان عربی نہیں بلکہ اردو یا کوئی اور ہے اور ذریعۂ تدریس و تعلیم بھی غالباً اردو ہی ہے یہاں کتنے لوگوں کو عربی ادب پر دسترس حاصل ہے یا کتنے لوگ عربی داں ہیں یہ قارئین پر مخفی نہیں۔ ظاہر ہے عصر حاضر میں عوام اہلسنت کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس زندگیوں سے روشناس کرانے کے لیے عربی مواد کو اردو، ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں منتقل کرنا ضروری ہے اور یہ ضرورت ایک زمانے سے محسوس کی جارہی ہے یہ اور بات ہے کہ آج اس ضرورت میں مزید شدت آگئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارے اکابر اس ضرورت سے غافل رہے بلکہ ہمارے اکابر علماء نے اس ضرورت کو محسوس بھی کیا اور اس کے ازالے کی کوشش بھی کی جس کے نتیجہ میں اردو زبان میں بھی سیرت صحابہ کے حوالے سے اچھا خاصا مواد موجود ہے البتہ زبان و ادب کے بدلتے ہوئے اسلوب کے مطابق جس حسن و خوبی اور جامعیت کے ساتھ مناقب صحابہ اور حیات صحابہ پر اس دور میں کام ہونا چاہیے تھا میں سمجھتا ہوں اب تک ایسا نہ ہو سکا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس

اہم اور تشنہ کام کو کرنے کے لیے ایک معتبر عالم دین کا انتخاب فرمایا اور اسے گونا گوں خوبیوں سے سرفراز فرمایا، جو ایک اچھے اور باصلاحیت عالم دین ہیں، بہترین حافظ وقاری ہیں، حالات حاضرہ اور اصلاح معاشرہ پر خطاب کرنے والے شاندار خطیب ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہیں عربی، اردو زبان وادب پر کافی دسترس حاصل ہے، ان کے سینے میں ملت کا بے پناہ درد بھی ہے، اہلسنت وجماعت کی تبلیغ واشاعت کا جذبہ بھی، اس کے لیے انہوں نے کئی تنظیمیں بھی بنائیں، جن کے تحت کام بھی ہو رہے ہیں۔ فقیر راقم کے ساتھ مل کر موصوف نے ''امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک تنظیم تشکیل دی، اس تنظیم کے تحت متعدد رفاہی، فلاحی اور دینی وسماجی کام انجام پارہے ہیں، فقیر راقم کی تالیف ''آخرت کا سہارا، کپڑے موڑ کر نماز پڑھنے کا حکم؟'' اور مؤلف موصوف کی ایک اہم تالیف ''نزول رحمت کی رات'' اسی تنظیم نے شائع کی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

موصوف مکرم، ادیب شہیر، حضرت علامہ، مولانا، مفتی، حافظ وقاری محمد عارف صاحب قبلہ رضوی بریلوی (استاذ جامعہ غوثیہ غریب نواز، کھجرانہ، اندور (ایم پی) کی ذات ہے۔ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ پر قلم اٹھایا ہے اور بڑی جامعیت کے ساتھ اس کام کو انجام دے رہے ہیں، مولانا محترم کی کاوشوں کا نتیجہ ''معارف صحابہ جلد اوّل'' کے نام سے منظر عام پر آ رہا ہے یہ کتاب سولہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ کو جامع ہے اور تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یقیناً ان کا یہ منفرد اور ممتاز کام اہلسنت وجماعت کے لیے سرمایۂ افتخار ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور یہ حق بھی ہے۔ کتاب کی خصوصیات سے تو آپ کما حقہ دوران مطالعہ ہی واقف ہوں گے، چند خصوصیات بطور براعت استہلال پیش کر دینا مناسب ہے (۱) جس صحابی پر بھی آپ نے قلم اٹھایا ہے اس کی زندگی کے تقریباً تمام ضروری گوشوں کو اجاگر کر دیا ہے (۲) بہت سلیس اور شستہ زبان کا استعمال کیا ہے اور پر تکلف الفاظ سے حتی الامکان اعراض کیا ہے جو عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں مفید ہے (۳) مضامین

کو بڑے دلنشیں اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے جس سے دوران مطالعہ قارئین کو اکتاہٹ کا شکوہ نہیں ہوگا (۴) حوالہ جات کا جدید انداز میں التزام ہے اور ہر حوالہ کو اصل ماخذ سے دیکھنے کے بعد ہی درج کیا گیا ہے بغیر دیکھے حوالہ کو عالی بنانے کی کوشش بالکل نہیں کی گئی ہے۔ ماخذ ومصادر کا نام اور اس کے ابواب تفصیل سے درج ہیں تا کہ نسخہ بدلنے پر بھی ماخذ کی تلاش میں دشواری نہ ہو، اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ محب مکرم کی اس مبارک کاوش کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں قبول فرما کر مقبول ومفید انام بنائے۔ **وما توفیقی الا باللہ وھو الموفق والمستعان۔**

محمد رفیق الاسلام مصباحی دیناج پوری
خادم التدریس والافتاء: جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم
ضیا اسٹریٹ، ڈی جے ہلی، بنگلور ۴۵ (کرناٹک)
۱۹ / ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۸ / فروری ۲۰۱۵ء

اپنی باتیں

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ اجمعین

یہ کوئی ۱۹۹۶، ۹۷ء کی بات ہے جب میں الجامعۃ القادریہ رچھا ریلوے اسٹیشن ضلع بریلی شریف میں جماعت ثانیہ کا طالب علم تھا اس وقت وہاں کے نصاب میں صور من حیاۃ الصحابۃ داخل درس تھی، سیرت صحابہ کے موضوع پر یہ پہلی کتاب تھی جو میرے درس اور مطالعہ کا حصہ بنی، کتاب پڑھی تو بہت اچھی لگی اور کیوں کر اچھی نہ لگتی اس کا موضوع بھی تو بڑا اچھا تھا، کتاب میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مذہب اسلام سے محبت، دین کی خدمت اور دین پر مر مٹنے کا جذبہ جا بجا نمایاں دکھائی دیتا تھا۔ صحابۂ کرام کی قربانیاں پڑھ کر دل ہل بھی جاتا اور مچل بھی جاتا لیکن جماعت ثانیہ کا طالب علم اس کتاب کو یا کسی بھی عربی کتاب کو از خود کتنا حل کر سکتا ہے یہ اہل علم پر خوب واضح ہے۔ یہ تو جامعہ قادریہ کا عمدہ نظام اور اساتذۂ کرام کی خصوصی توجہات تھیں کہ ذوق بیدار ہو گیا تھا۔

بار بار خیال آتا تھا اے کاش! اردو زبان میں کوئی ایسی کتاب مل جاتی جس سے دل کھول کر استفادہ کیا جاتا اور صحابۂ کرام کے حالات جانے جاتے پھر کبھی کبھی یہ صدائے دل بھی بلند ہوتی کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کرم اس کے نبی کے صدقے ہوا اور میں اس لائق بنا تو ایک ایسی کتاب ضرور لکھوں گا۔ ماہ وسال گزرتے چلے گئے تعلیمی سفر آگے بڑھتا رہا ذہن کبھی کبھار اس بات کو دہراتا بھی رہا یہاں تک کہ میں اکتوبر ۲۰۰۲ء میں جامعہ سے فاضل کی سند لے کر

رخصت ہوگیا اور دسمبر ۲۰۰۲ء سے الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز گھر انہ اندور میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا۔ (یہ جامعہ وسط ہند کا عظیم الشان ادارہ ہے جو اپنی تعلیم اور تعمیر کے اعتبار سے خواص وعوام سب میں اپنی خاص پہچان رکھتا ہے اور بانی جامعہ حضرت علامہ مفتی انوار احمد صاحب قبلہ قادری کی سربراہی میں ترقی کی طرف رواں دواں ہے) تدریسی دنیا کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں میں بھی انہیں کا حصہ بن گیا اور مکمل آٹھ سال گزر گئے اس موضوع پر ایک حرف بھی نہ لکھا جاسکا۔ لیکن اس آٹھ سالہ دور میں میرے کرم فرما دوست حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب قبلہ نظامی بانی وسربراہ اعلیٰ گلشن فاطمہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ نیوریا پیلی بھیت مجھ سے کچھ لکھنے کے لیے تقاضے پر تقاضہ اور اصرار پر اصرار کرتے رہے نہ جانے کیوں انہوں نے مجھ جیسے ہیچ مداں سے کچھ لکھنے کی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ جب انہوں نے مجھے زیادہ ہی تنگ کیا تو میں نے معلوم کیا کس عنوان پر لکھوں؟ فرمایا جو چاہو لکھو مگر لکھو۔

اپنی علمی بے سروسامانی کے باوجود بھی میں کمر ہمت باندھ کر تیار ہوا موضوع تو ذہن میں ایک زمانے سے متعین تھا اس پر کچھ لکھنے کا عزم کر لیا۔ جامعہ غوثیہ غریب نواز کی لائبریری میں جب موضوع سے متعلق کتب پر نظر ڈالی تو لائبریری اپنی کشادگی کے باوجود بھی میرے موضوع پر تنگ دکھائی دینے لگی۔ جن کتابوں کی مجھے ضرورت تھی وہ کافی مہنگی تھیں جنہیں خرید پانا میرے بس میں نہ تھا لیکن عزم کر چکا تھا۔ ۱۳ جنوری ۲۰۱۱ء کو کام شروع کر دیا اب میرے پاس صرف صور من حیاۃ الصحابہ تھی اس کتاب میں سب سے پہلے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت بیان کی گئی ہے میں نے اسی طرز پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کا مختصر اردو خاکہ تیار کر دیا لیکن جب اہل قلم سے مشورہ ہوا تو انہوں نے فرمایا: اس فن کی امہات الکتب کا ہونا تو اشد ضروری ہے پھر طبیعت حیران ہوئی اور میں پریشان ہوگیا کہ آخر کیا کروں اسی کشمکش میں بریلی شریف اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگری چلا گیا جس کا ایک گاوں (سمراوہ) میرا وطن اصلی ہے۔ اس بابرکت شہر کی برکتیں ظاہر ہوئیں اور مجھ پر

خدا کی خصوصی مدد نازل ہوئی۔کسی کام سے بہیڑی گیا تو وہاں میری ملاقات میرے عزیز دوست مولانا محمد شاہد صاحب قبلہ سے ہوئی میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک ڈی وی ڈی ہے۔پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اس میں بہت ساری کتابیں لوڈ ہیں اصل میں یہ ڈی وی ڈی انہیں میرے جلیل القدر دوست حضرت مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب قبلہ ازہری نے دی تھی وہ اسے جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے لے کر آئے تھے۔مولانا شاہد صاحب سے میں نے کہا: کہ اس ڈی وی ڈی کی ایک کاپی میرے لیے تیار کرا لیجیے گا میں ان کے اس احسان کو نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے یہ ڈی وی ڈی کاپی کرا کر مجھے دے دی میں واپس اندور آیا اور محترم وسیم بھائی اندوری کی خدمات حاصل کر کے جب میں نے کمپیوٹر پر اس میں موجود کتابوں کو دیکھا تو میری خوشیوں کی انتہا نہ رہی کیوں کہ مجھے جو کتابیں درکار تھیں وہ زیادہ تر اس میں موجود تھیں لیکن اب دشواری یہ تھی کہ اس میں کتابیں تو تھیں لیکن پی،ڈی،ایف،نہیں تھیں لہٰذا حوالہ جات کے اندراج میں دقت باقی رہی خیر میں نے کتاب کا نام،باب،صاحب تذکرہ کا نام اور تذکرہ نمبر لکھ کر حوالہ جات کو بیان کرنا شروع کیا اور پی ڈی ایف کتب کی تلاش میں لگا رہا میری یہ ضرورت میرے استاذ مکرم ادیب شہیر حضرت علامہ مفتی اشتیاق القادری صاحب قبلہ اور مولانا محمد اسلم ازہری صاحب قبلہ نے کافی حد تک پوری کر دی تو پھر از سر نو کتاب کی جلد اور صفحہ کے اعتبار سے حوالہ جات کا اندراج کیا،محنت دوبارہ کرنی پڑی لیکن کام میں سدھار ضرور ہوا۔میں نے جو بھی لکھا وہ کاپیوں پر لکھا تھا اب اس کو صاف کرنا بھی ایک بڑا کام تھا کیوں کہ میری تحریر کچھ ہی لوگ پڑھ پاتے ہیں۔

القصہ حضرت مولانا رضی الدین صاحب قبلہ فیضی نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور اپنے خارجی اوقات میں انہوں نے یہ کام انجام دیا۔ابھی کام کافی کچھ باقی تھا کہ وہ ادارہ چھوڑ کر دار العلوم اہلسنّت فیضان غوث اعظم،اولپاڑ،سورت جا پہنچے،میں ایک مرتبہ پھر پریشانیوں کا شکار ہو گیا اللہ بھلا کرے قاری ومقری حضرت مولانا بدر الدین صاحب قبلہ

مصباحی استاذ جامعہ غوثیہ غریب نواز کا کہ وہ اس کے لیے تیار ہوے اور اپنی امامت کے اوقات میں کمپیوٹر پر یہ کام انجام دیتے رہے۔ حضرت مفتی شمس الدین صاحب قبلہ مصباحی استاذ و مفتی جامعہ غوثیہ غریب نواز و حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ استاذ جامعہ غوثیہ غریب نواز اس کے نوک و پلک سنوارتے رہے۔ کتاب کی کچھ کمپوزنگ دہلی میں ہوئی اور کچھ اندور میں اس طرح یہ کتاب کمپوزنگ کے دور سے گزری۔ میں نے زیادہ تر کام اپنی ای لائبریری کے ذریعہ کیا ہے اور جامعہ کی لائبریری نے بھی مجھے خوب سہارا دیا ہے میں اس کے لیے جامعہ، ارکان جامعہ اور اساتذۂ جامعہ کا بے حد مشکور ہوں کچھ کتابیں میرے محسن مکرم حضرت علامہ مفتی اشفاق صاحب قبلہ دہلوی نے بھی فراہم کیں میں ان کا بھی بے حد ممنون ہوں۔ اسی لائبریری کو بہتر ڈھنگ سے چلانے کے لیے محترم محمد وسیم بھائی، محمد افروز بھائی، محمد پرویز ملتانی اور سمیر بھائی پتر کار صاحب نے خصوصی تعاون پیش فرمایا یہ لوگ وقت بے وقت میری پکار پر حاضر ہوتے رہے۔ محترم عمران انجینئر صاحب نے بھی اپنے کمپیوٹر اور پرنٹر پر مجھے کام کرنے کی پوری آزادی فراہم کی۔ عزیزم مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب گوالیاری، حافظ بلال احمد، محترم محمد مدثر بھائی اور اسحٰق بھائی اور محمد زبیر بھائی انجینیر سید ناظم صاحب اور میرے عزیز محترم اکبر بیگ صاحب، محمد سرور غوری، محمد سرفراز احمد بھی اپنے حسب حال خدمت انجام دیتے رہے۔ جب بات اسی لائبریری کی ہو رہی ہے تو ناسپاسی ہوگی کہ میں مرحوم حاجی محمد امین نورانی (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) اور ان کے بیٹے محترم حاجی احمد صاحب کا ذکر نہ کروں کیوں کہ انہوں نے مجھے ایک کمپیوٹر عطا فرمایا یہ پہلا کمپیوٹر تھا جس پر میں نے کام شروع کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے راہیں کھول دیں میں خصوصی شکر گزار ہوں اپنی مسجد کے صدر عالی جناب محترم محمد یحیٰ صاحب نورانی کا کہ انہوں نے روز اول سے ہی مجھے حوصلہ دیا کہ طباعت کو لے کر آپ بالکل فکر نہ کریں اور مجھے بھرپور آسانیاں فراہم کیں (اللہ تعالیٰ ان کے والد مرحوم حاجی صدیق صاحب نورانی

اور والدہ مرحومہ حجانی آمنہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے)۔حوصلہ دینے والوں میں محترم حافظ محمد اسلام نوری، حاجی عبدالرزاق صاحب، حاجی عبدالقادر صاحب، حاجی اصغر صاحب، محترم شبیر بھیا، چاند بھائی، حسن بھائی اور اختیار بھائی انجینیر ،سلیم بھائی نورانی، محترم مقصود حسین غوری محترم محمد نورالہدیٰ ومحمد بابر بھائی اور میرے چھوٹے بھائی محمد یعقوب ومحمد وسیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اللہ تعالیٰ بہتر صلہ عطا فرمائے، میرے والدین کو کہ انہوں نے جس دن سے کتاب کے بارے میں سنا اس دن سے کبھی بھی اپنی دعاؤں میں اس کو فراموش نہیں کیا میری بہنیں اور شریکۂ حیات کو اللہ جزا عطا فرمائے کہ کام میں تیزی لانے کے لیے یہ مجھ سے برابر مطالبہ کرتی رہیں۔اور اللہ تعالیٰ سلامت رکھے امام احمد رضا مسجد شری نگر اندور کو اس کے بانیان کو اور جملہ نمازیوں کو کہ اس کتاب کا اکثر کام اسی مسجد کے حجرے میں بیٹھ کر انجام پایا اور مجھے وہاں جملہ سہولیات فراہم رہیں۔

دلی خواہش تھی کہ میرے پیر ومرشد حضور **تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان** صاحب قبلہ ازہری دام ظلہ کے دعائیہ کلمات اس کتاب کی زینت بنیں میری یہ خواہش بھی پوری ہوئی اس کے لیے میں خصوصی شکر گزار ہوں اپنے استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد افضال صاحب قبلہ (مفتی مرکزی دار الافتا بریلی شریف) کا کہ جن کی مہربانیوں سے مجھے یہ نعمت ملی میں ان کلمات کو کتاب کی مقبولیت کی ضمانت سمجھتا ہوں۔

اخیر میں میں اپنے ان محسنین کا تذکرہ کردوں جن کے بغیر اس کام کے پورا ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا یہ حضرات ہر موڑ پر میری رہنمائی کرتے رہے۔

استاذ مکرم مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی صغیر احمد صاحب قبلہ جوکھن پوری، حضرت علامہ، مفتی انوار احمد صاحب قبلہ بانی جامعہ غوثیہ غریب نواز اندور، استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد عاقل صاحب قبلہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف، استاد مکرم حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب قبلہ رضوی رامپوری، استاذ مکرم حضرت علامہ

مفتی اشفاق صاحب قبلہ رامپوری، استاذ مکرم حضرت علامہ نفیس احمد صاحب قبلہ، استاذ مکرم حضرت علامہ فرید صاحب قبلہ، استاذ مکرم حضرت مولانا حافظ وقاری فخر الدین صاحب قبلہ رضوی (اُتراکھنڈ) استاذ مکرم حضرت قاری امیر الحسن صاحب قبلہ، حضرت مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب قبلہ از ہری، حضرت مفتی محمد طاہر صاحب، مفتی مناظر صاحب مولانا مختار احمد صاحب، مولانا محمد امین صاحب، قاری افضل صاحب، قاری حسیب صاحب، مولانا یوسف تحسینی ومولانا محمد صادق بلاس پوری مولانا محمد عمر رضوی ومولانا محمد ادریس صاحب واساتذۂ جامعہ غوثیہ غریب نواز۔ اللہ تعالیٰ میرے مربی اساتذہ، مشفق والدین اوران تمام احباب کواپنی رحمت وغفران کی چادر میں ڈھانپ لے جنہوں نے اس کتاب میں کسی بھی طور پر تعاون فرمایا۔ پروردگار سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کواپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اپنے محبوب کی نظر رحمت میں اس کومقبول بنا کر مفید انام بنائے۔ آمین بجاہ سید المر سلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ از کی التحیات والتسلیمات

محمد عارف قادری رضوی

تقدیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خالق ارض وسما نے جب جاں بلب انسانیت کو حیات نو بخشنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سرزمین عرب میں مبعوث فرمایا۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں لوگ بستے ضرور تھے لیکن انسانی اقدار سے کلیۃً عاری تھے۔ کفر وشرک، فسق وفجور، ظلم وجبر، بداخلاقی وبدکرداری وغیرہ امور ان کی زندگی کا لازمی حصہ بلکہ ان کی حیات کا زیور باوقار تھے وہ کون سی گمراہی تھی جو اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ ان میں موجود نہ ہو، لیکن اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ عرب کے اجڈ وبدو لوگوں کے سروں پر تاج صحابیت کیا سجا ان کی ذات میں ایسا انقلاب برپا ہوا جس انقلاب کی مثال تاریخ میں مفقود ہے اور وہ ہمیشہ مفقود رہے گی۔ وہی جو کبھی انسانیت کے لیے سراپا ننگ وعار تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر اور تربیت بے بدل سے بنی آدم کے لیے باعث عز وشرف اور وجہ صد افتخار بن گئے۔ وہی جنہیں کبھی امی کہہ کر پکارا جاتا تھا اب تو وہ بزم علم ودانش کے قیم ونگراں تھے۔

تھے وہ کبھی اجڈ، بدو اب تو وہ علم میں سمندر سے زیادہ گہرے، حلم وبردباری میں آسماں سے زیادہ بلند، اخلاق میں ریشم سے زیادہ نرم تھے۔ ان کی ذاتیں شب دیجور میں ستارہ تھیں، عالم کو نور کی خیرات دینے میں وہ شمس وقمر اور ستاروں کی بزم کہکشاں پر فائق تھے۔ صحابۂ کرام نے نگاہ نبوت سے تربیت پائی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

جلووں کو نظر کا سرمہ بنایا، محبت رسول واتباع رسول سے اپنی شخصیتوں کو اسوۂ حسنہ بنایا۔ ماں باپ، زن واولاد، کنبہ وقبیلہ، دولت وثروت اور وطن کی محبت اور ہر اس چیز کو انہوں نے ٹھکرادیا جو دین کی راہ میں حائل ہوتی نظر آئی۔ امتحان، ابتلا اور آزمائش کے ہر سمندر کو نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کے سہارے عبور کرتے چلے گئے اور ہر موڑ پر وہ کامیاب اور سرخرو ہوتے ہی رہے۔

اللہ کے دین کو آفاق کی وسعتوں تک پھیلانے کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہ کر دکھایا۔ ایثار وقربانی، خلوص ووفا، سرفروشی اور کامل سپردگی کی جتنی تاریخیں ان کے دور تک رقم ہوئی تھیں اور ان کے بعد جو مرتب ہوں گی وہ سب مل کر بھی تاریخ صحابہ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

صحابۂ کرام اسلام کے قصر عالی کے ستون اور دیواریں ہیں، یہی وہ مقدس جماعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی صحبت وسنگت کے لیے منتخب فرمایا، جس کی سیرت حضور کا آئینہ ہے۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جس کی بارگاہ رب العالمین میں اس درجہ پزیرائی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے صحابہ کی زندگی کو معیار حق قرار دیا اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اپنی رضا مندی کا پروانہ دیا اور حقیقی فوز وفلاح ان کا مقدر بنادیا۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٠٠

﴿التوبۃ:۱۰۰﴾

ترجمہ: اور سب میں اگلے پہلے مہاجرین اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیروکار ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ہمیش ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ نے بڑے واضح طور پر بتادیا کہ اگر بعد میں آنے والے مسلمان

اللہ کی رضا جنت اور فوز و فلاح کی ابدی نعمت سے سرفراز ہونا چاہتے ہیں تو اس کی راہ یہی ہے کہ صحابۂ کرام کی عمدہ طریقہ پر اتباع کریں۔

اب ہم صحابی کی تعریف اور کچھ دیگر کارآمد معلومات نذرِ قارئین کر رہے ہیں:

صحابی کی تعریف: "الصحابی من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمناً بہ ومات علی الاسلام"، ترجمہ: صحابی وہ ہے جس نے ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور حالت ایمان پر اس کا وصال ہوا ہو۔ (الاصابہ ج۱ص:۴)

علامہ ابن حجر نے اس تعریف کو ساری تعریفوں سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس تعریف کے اعتبار سے ہر وہ مومن صحابی ٹھہرے گا جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہو چاہے صحبت کچھ دیر رہی ہو یا لمبی چلی ہو۔ چاہے اس نے حضور سے راویت کی ہو یا نہیں کی ہو۔ غزوات میں حضور کے ساتھ رہا ہو یا نہ رہا ہو اور وہ بھی جس نے حضور کو دیکھ لیا ہو اگر چہ مجلس میں بیٹھا نہ ہو اور وہ مومن بھی صحابی رہے گا جو بارگاہ میں حاضر تو ہوا لیکن کسی عارض کی وجہ سے حضور کو دیکھ نہ سکا جیسے کہ نابینا۔ اور ایمان کی قید سے ہر وہ شخص صحابی ہونے سے خارج ہو جائے گا جس نے حالت کفر میں حضور سے ملاقات کی ہو اگر چہ وہ کافر بعد میں مسلمان ہو گیا ہو جب کہ وہ ایمان لا کر دوبارہ حضور سے نہ ملا ہو اور "بہ" کی قید سے وہ شخص نکل جائے گا جو کسی اور نبی پر ایمان رکھتا ہو جیسے کہ اہل کتاب کے وہ مومن جنہوں نے بعثت سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہو۔ البتہ اہل کتاب کے وہ مومن جنہوں نے حضور سے قبل بعثت ملاقات کی اور وہ اس بات پر ایمان لائے کہ عن قریب حضور مبعوث ہوں گے آیا وہ لوگ صحابی کہے جائیں گے یا نہیں یہ بات محل نظر ہے ایسے لوگوں میں بحیرہ راہب وغیرہ شامل ہیں اور "مؤمناً بہ" کہنے سے ہر مکلف (بالفعل یا بالقوۃ) صحابی کی تعریف میں داخل ہو جائے گا وہ انسان ہو یا جن ہو۔ "مات علی الاسلام" کہنے سے وہ سب اشخاص صحابی ہونے سے نکل جائیں گے جنہوں نے مومن ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضری دی لیکن بعد میں وہ مرتد ہو گئے اور مرتد ہی

مرے۔(العیاذ باللہ تعالیٰ) ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جیسے عبید اللہ بن جحش۔

اور وہ شخص صحابی کی تعریف میں داخل رہے گا جس نے مومن ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کی پھر وہ مرتد ہو گیا (معاذ اللہ) لیکن مرنے سے پہلے وہ پھر سے اسلام کی طرف پلٹ آیا چاہے دوبارہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کی ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔علامہ فرماتے ہیں: یہی صحیح اور معتمد ہے۔

اس مقام پر ایک مذہب یہ ہے کہ وہی شخص صحابی کہلائے گا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات ظاہری میں اسلام کی طرف پلٹ آیا ہو علامہ نے اس مذہب کو دلیل کے ساتھ رد فرمایا ہے۔

جس شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بعد وصال دفن ہونے سے پہلے دیکھا اس شخص کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں کہلائے گا۔(الاصابہ ج ۱ ص:۵)

امام سیوطی نے تدریب الراوی میں فرمایا: ''ولایشترط البلوغ علی الصحیح'' صحابی کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں اگر بلوغ کی شرط کو قبول کر لیا جائے تو کئی وہ صحابہ جن کی صحابیت پر اجماع ہے وہ صحابی ہونے سے نکل جائیں گے جیسے حسنین کریمین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ۔(تدریب الراوی ج ۲ ص:۲۱۰، اسد الغابہ مقدمہ ج ۱ ص:۱۰)

صحابی کی معرفت کے طریقے: علمائے اسلام نے صحابی کی معرفت کے پانچ طریقے بیان فرمائے ہیں:

۱) خبر متواتر: اس قسم کے صحابہ میں خلفائے راشدین اور باقی عشرۂ مبشرہ ہیں۔

۲) خبر مشہور یا خبر مستفیض: جیسے ضمام بن ثعلبہ کی صحابیت۔

۳) کوئی صحابی خبر واحد کے ذریعہ کسی کا صحابی ہونا بیان کرے جیسے کہ ابوموسیٰ اشعری نے حممہ بن ابی حممہ کے بارے میں گواہی دی کہ حممہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سماعت کی ہے۔

۴) ثقہ تابعین کا کسی کے حق میں گواہی دینا کہ یہ صحابی ہیں۔ایک تابعی کی گواہی سے

بھی اثبات ہو جائے گا۔

۵) کسی کا اپنے بارے میں خود گواہی دینا کہ وہ صحابی ہے لیکن خود کی گواہی سے اسی وقت کسی کی صحابیت ثابت ہوگی جب کہ گواہی دینے والا انسان علماے جرح وتعدیل کے نزدیک عادل ہو اور اس کی معاصرت بھی ثابت ہو۔ (یہ شرط صحابیت ثابت ہونے کے لیے ہے جب صحابیت ثابت ہو چکے گی تو پھر عدالت اسے لازم ہوگی)۔

(الاصابہ ج ا ص:٦، اسد الغابہ ج ا ص:١٧، الصحابة لو مكانتهم عند المسلمين ص:١٦)

طبقات صحابہ: صحابۂ کرام کے طبقات کے سلسلے میں علما مختلف ہیں۔

امام ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں صحابہ کے پانچ طبقات بیان فرمائے ہیں:

۱) بدری مہاجر۔

۲) بدری انصاری۔

۳) وہ صحابہ جو بدر میں شریک تو نہ ہو سکے لیکن انہیں اسلام لانے میں سبقت حاصل ہے۔

۴) جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

۵) جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔

امام حاکم نے صحابہ کے بارہ طبقات بیان فرمائے ہیں:

۱) وہ حضرات جو مکہ میں ایمان لانے میں مقدم رہے جیسے خلفاے راشدین وغیرہ

۲) اصحاب دار الندوہ۔

۳) حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے حضرات۔

۴) اصحاب عقبہ اولیٰ۔

۵) اصحاب عقبہ ثانیہ۔

۶) وہ مہاجر جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قبا میں جا ملے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے۔

۷) اہل بدر۔

۸) وہ حضرات جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے معرکوں کے درمیان ہجرت فرمائی۔
۹) اصحابِ بیعت رضوان۔
۱۰) وہ حضرات جنہوں نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت فرمائی۔
۱۱) وہ حضرات جو فتح مکہ میں ایمان لائے۔
۱۲) وہ بچے جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے وقت دیکھا۔ (مقدمۃ اسد الغابۃ ج ا،ص:۸۱،الصحابۃ ومکانتھم ،ص: ۱۳)

قارئین !اگر ابن سعد اور امام حاکم کی تقسیم پر غور کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ امام ابن سعد کی نظر غزوات میں شرکت کرنے اور اسلام میں پیش قدمی کرنے دونوں امور پر ایک ساتھ ہے جب کہ امام حاکم کی نظر صرف اسلام میں پیش قدمی پر ہے اس کے سوا امام حاکم نے تمام عوامل اور اسباب سے صرف نظر فرمایا ہے۔

یہ نظریات کے تفاوت کا نتیجہ ہے کہ طبقات کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا۔

سب سے افضل صحابی: طبقات صحابہ سے طبقہ وار اجمالاً صحابۂ کرام کی ایک دوسرے پر فضیلت معلوم ہوئی اگر اس اجمال کی تفصیل کی جائے تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک صحابۂ کرام کی ایک دوسرے پر فضیلت علامہ نووی کے بیان کے مطابق اس طور پر ہے:

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے افضل صحابی حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (بعض حضرات نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دی ہے لیکن صحیح اور مشہور قول وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا) پھر باقی عشرۂ مبشرہ پھر اصحاب بدر پھر اصحاب احد پھر اصحاب بیعت رضوان اور بیعت عقبہ اولیٰ او اور ثانیہ والے حضرات جو انصار اور سابقین اولین میں سے ہیں۔

(شرح مسلم للنووی علیٰ صحیح المسلم ج ۲،ص: ۲۷۲،الصحابۃ ومکانتھم ص: ۱۳)

صحابہ کی تعداد: صحابہ کی تعداد کا بیان ایک دشوار گزار مرحلہ ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تئیس سال تک لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے اور اس

دوران خلق کثیر آپ سے فیض پا کر اسلام کی آغوش میں سماتی رہی، کتنے لوگ آپ کے دست حق پرست پر اسلام لاتے اور آپ ہی کے ساتھ رہنے لگتے اور کتنے وہ جو دور دراز مقامات سے آتے اور ایمان لا کر اسلام کی ضروری تعلیم حاصل کرتے اور جہاں سے آئے تھے وہیں چلے جاتے۔ کتنے لوگوں کو اصحاب رسول آتے جاتے دیکھتے اور بسا اوقات آنے والوں کے ایمان پر کوئی مطلع نہ ہوتا، نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی تعداد بیان فرمائی۔ لہٰذا صحابہ کی تعداد عدد معین کے ساتھ بیان کر پانا بہت مشکل ہے۔ اب اس تناظر میں جس نے جو بھی تعداد بیان کی وہ برائے تقریب ہے برائے تحدید نہیں۔

تاہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک اتنا طے ہے کہ اصحاب رسول کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی جیسا کہ علی بن زراعہ رازی سے روایت ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ان لوگوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو سنا۔ (الاصابہ ج۱ص:۳)

یہ معاملہ تو صحابہ کی تعداد سے متعلق تھا لیکن رہی بات تاریخ کی یادداشت کی تو تاریخ صحابہ کے دسویں حصہ کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکی ہے۔ سیرت صحابہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے وسیع اور جامع کتاب علامہ ابن حجر عسقلانی کی معرکۃ الآرا تصنیف الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ہے۔ اس کتاب میں جن صحابہ کو ان کے اسما کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان کی کل تعداد ۹۴۷۷ ہے اور جن کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ ہے ان کی تعداد ۱۲۶۸ اور ۱۵۲۲ صحابیات بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ (کل مذکورین ۱۲۲۶۷)۔ (الصحابۃ ومکانتھم ص:۱۵)

یہ تو وہ تعداد ہے جو اصابہ میں ذکر ہیں لیکن اس تعداد کا حال بھی یہ ہے کہ ان میں سے کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جن کا صحابی ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں جیسا کہ خود علامہ نے مقدمہ میں اس کا بیان فرمایا ہے: "القسم الرابع فیمن ذکر فی الکتب المذکورۃ علی سبیل الوھم والغلط"۔ (الاصابۃ ج۱ص:۴)

اس سے ثابت ہوا کہ تاریخ نے صحابہ کی جو تعداد ان کی سیرت کے ساتھ محفوظ کی ہے

وہ ان کی کل تعداد سے بہت کم ہے۔

فضائل صحابہ: اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابۂ کرام عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اولیا اور اصفیا ہیں۔ نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ ان کی عظمت شان کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد آیات نازل فرمائیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی احادیث کریمہ میں ان کی خوب توصیف فرمائی۔ ان تمام آیات اور احادیث کے احاطے کی کوشش کرنا مضمون کو بہت طویل کر دے گا۔ ہم مختصراً چند آیات کریمہ اور احادیث پاک پیش کر رہے ہیں:

(۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ﴿الفتح ۲۹﴾

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اصحاب کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے اور سجدے میں گرتے وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہے، ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی ہو اس نے اپنی باریک کونپلیں نکالیں پھر اس نے طاقت پکڑی اور موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور عمل صالح والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

اس آیت کریمہ میں پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی رسالت کی گواہی عطا فرمائی اور آپ کو تسلی دی کیوں کہ کفار قریش نے صلح حدیبیہ کے صلح نامے پر محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تھا اور انہوں نے کہا تھا ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے، اللہ نے فرمایا: کفار نہیں مانتے تو اس میں انہیں کا نقصان ہے آپ تو یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کی چند مایۂ ناز خوبیاں بیان فرمائیں۔ وہ کفار پر بہت سخت ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں یعنی جس حال میں وہ کفار پر سخت ہوتے ہیں اس حال میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں، اے مخاطب! تو ان کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے یعنی وہ بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جنت اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے اصحاب کی مثال بیان فرمائی کہ وہ پہلے تھوڑے تھے پھر آہستہ آہستہ زیادہ ہوتے چلے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دعوت دیتے گئے اور لوگ ایک ایک کر کے ایمان لاتے گئے یہاں تک کہ آپ کا دین بہت مضبوط ہو گیا جیسا کہ کھیت میں ابتداً ایک بیج ہوتا ہے پھر ایک باریک اور کمزور سی کونپل نکلتی ہے پھر وہ کھیت دن بدن قوی ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ہرا بھرا ہو کر لہلہانے لگتا ہے، کھیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور شاخیں اور کونپلیں آپ کے اصحاب ہیں جو ابتداً کمزور تھے اور پھر قوی ہوتے چلے گئے اور ان کی اس مضبوطی اور ترقی پر اعدائے دین جل بھن کر کباب ہو گئے۔

ہم نے مختصراً آیت کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس انداز میں اپنے محبوب کے غلاموں کی شان بیان فرمائی ہے۔ یہ صرف اور صرف اصحاب رسول ہی کا حصہ ہے۔

(۲) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿الحشر ۹﴾۔

ترجمہ: (یہ اموال) ان فقرا اور مہاجرین کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں اور اموال سے نکال دیا گیا وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ کے (دین) اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں اور وہ جنہوں نے پہلے سے اس شہر (مدینہ منورہ) اور ایمان میں گھر بنا لیا وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجرین کو دی گئی ہے اور اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں خود شدید ضرورت ہو اور جن کو ان کی نفسوں کے بخل سے بچایا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

آیت نمبر ۸ میں مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور نصرت کے لیے مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مہاجرین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اپنے گھر بار، مال ومنال، اہل وعیال اور مقام ووطن کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تا کہ کمر سیدھی رہ سکے اور کوئی ایسا ہوتا کہ سردی سے بچنے کے لیے گڈھے میں پناہ لیتا کیوں کہ سردی سے بچاؤ کے لیے اس کے پاس کپڑے نہ ہوتے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جن لوگوں نے مہاجرین کے مدینہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنا گھر مدینہ میں بنایا وہ انصار ہیں اور ہجرت سے پہلے ایمان میں گھر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔
(تفسیر قرطبی آیت نمبر ۸،۹)

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾

﴿الانفال ۷۴﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے جگہ دی (رہنے کے لیے مہاجرین کو) اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

اس آیت میں صحابہ کے دونوں گروہ مہاجرین اور انصار کے ایمان کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے احسن طریقے پر فرمائی اور انہیں رحمت الٰہی کا خصوصی حق دار قرار دیا۔

(۴) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ ﴿الفتح ۱۸﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کو اس چیز کا علم ہے جو ان کے دلوں میں ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

یہ آیت مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان سے متعلق نازل ہوئی اور بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی کی بشارت دی گئی اس لیے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔

حدیبیہ میں اکثر صحابۂ کرام نہتے تھے اور حالت احرام میں تھے اور دشمن ان کے سر پر کھڑا تھا، ان نامساعد حالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر تادم آخر لڑنے اور مرنے کی بیعت کرنا ظاہراً عقل وخرد کے خلاف تھا لیکن وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت میں ایسے سرشار تھے کہ وہ موت وحیات سے بے گانہ ہو گئے تھے اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد چھ صحابہ کو چھوڑ کر سب کے سب مرتد ہو گئے تھے (معاذ اللہ) بفرض غلط اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انہیں مرتد ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جو عالم مافی الصدور اور علام الغیوب ہے وہ ان سے کبھی راضی نہ ہوتا اور نہ ان کے حق میں اپنی رضا مندی کا اعلان کرتا۔ اسی طرح سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۰۰ ر میں بھی مہاجرین وانصار اور ان کے متبعین سے متعلق فرمایا: "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

ان آیات سے صحابہ کی شان نمایاں ہوتی ہے اور روافض کے عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

(۵) لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ ﴿الحدید ۱۰﴾

ترجمہ: تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا مرتبہ ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ ان سب سے اچھے انجام (جنت) کا وعدہ فرما چکا۔

علامہ بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل (تفسیر بغوی) میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" ای کلا الفریقین وعدھم اللہ الجنۃ" یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دونوں گروہوں (فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے، فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے) سے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔

اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ چاہے ایمان لانے میں مقدم ہوں یا مؤخر ہوں اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابہ کل کے کل جنتی ہیں البتہ ان کے درجات آپس میں مساوی نہیں بلکہ

درجات الگ الگ ہیں ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

(۶) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ ﴿اٰل عمران ۱۶۴﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہوا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر خدائے تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یہ لوگ رسول کی بعثت سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

ہم نے صرف چھ آیات ذکر کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خدا کی رضا حاصل ہونے، سچا ہونے، کامیاب ہونے، جنتی ہونے اور پاک وصاف ہونے وغیرہ امور کی سند عطا فرمائی ہے۔ انبیا ورسل کو چھوڑ کر انسانی دنیا کی اس سے عظیم جماعت اور کون سی ہوسکتی ہے جس میں مجموعی اعتبار سے اتنے اوصاف جمع ہوں اور پھر یہ کہ اس جماعت کو محبوب پروردگار سے شرف لقا حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نائب مطلق کی ایمان کے ساتھ زیارت یا اس کی بارگاہ میں حاضری ہی سب سے بڑا اشرف ہے۔

احادیث اور اصحاب رسول:

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیوں کہ تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تب بھی وہ میرے صحابہ کے ایک کلو یا آدھا کلو کی برابری نہیں کرسکتا۔

(صحیح البخاری کتاب فضائل الصحابة باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا حدیث نمبر ۳۷۷۳)

(۲)عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ صَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قُلْنَا لَوْ جَلَسْنَا حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَهُ الْعِشَاءَ قَالَ فَجَلَسْنَا فَخَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ مَا زِلْتُمْ هٰهُنَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّيْنَا مَعَكَ الْمَغْرِبَ ثُمَّ قُلْنَا نَجْلِسُ حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَكَ الْعِشَاءَ "قَالَ أَحْسَنْتُمْ أَوْ أَصَبْتُمْ قَالَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِيْرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوْعَدُوْنَ وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوْعَدُوْنَ"

ترجمہ: حضرت ابو بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے (دل میں) کہا اگر ہم بیٹھے رہیں اور آپ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھیں (تو بہتر ہوگا) ہم بیٹھے رہے آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم جب سے یہیں بیٹھے ہو؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے سوچا ہم یہیں بیٹھے رہیں حتی کی آپ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا یا فرمایا: صحیح کیا پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور بہ کثرت آسمان کی طرف سر اٹھاتے تھے، سو آپ نے فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امان ہیں، جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر اس کی وعید آجائے گی اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کے پاس وہ چیز آجائے گی جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کے امان ہیں، جب وہ چلے جائیں گے تو پاک

امت کے پاس وہ چیز آجائے گی جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے۔ (صحیح المسلم کتاب فضائل الصحابہ باب بیان ابقاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم امان لاصحابہ حدیث نمبر ۲۵۳۱)

(۳)عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ لَا تَمُسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَاٰنِي۔"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس مسلمان کو آگ نہیں جلائے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا اس کو دیکھا ہو جس نے مجھے دیکھا ہو۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب باب ما جاء فی فضل من رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حدیث نمبر ۴۲۳۱)

(۴)عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْرُ أُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ -

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میرا قرن (زمانہ) ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حدیث نمبر ۳۶۵۰)

(۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهَ اللهَ فِيْ أَصْحَابِيْ اللهَ اللهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لاَ تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللهَ وَمَنْ

اٰذَی اللهَ فَیُوْشِكُ أَنْ یَأْخُذَهٗ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے بعد تم انہیں نشانہ نہ بنالینا، جوان سے محبت کرتا ہے تو مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی بنیاد پر ان سے بغض رکھا، جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی (ناراض کیا) اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے۔ (سنن الترمذی کتاب المناقب باب فیمن سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر ۴۲۳۶)

(۲) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ لَهُمْ فِيْكُمْ مَنْ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ لَهُمْ فِيْكُمْ مَنْ رَأَى مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ فِيْكُمْ مَنْ رَأَى مَنْ صَحِبَ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی چند جماعتیں جہاد کے لیے جائیں گی ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ وہ

کہیں گے ہاں! پھر ان کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک جماعت جہاد کے لیے نکلے گی ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی زیارت کی ہے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ پھر ان کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک جماعت جہاد کے لیے روانہ ہوگی ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی زیارت کرنے والے کی زیارت کی ہے؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر انہیں بھی فتح حاصل ہوگی۔ (صحیح المسلم کتاب فضائل الصحابة باب فضل الصحابة ثم الذین یلونھم حدیث نمبر ۴۵۹۷)

اختصار کے پیش نظر ہم نے چھ احادیث بغیر کسی تبصرہ اور تشریح کے ذکر کی ہیں ورنہ بات بہت طویل ہو جائے گی۔

سب صحابہ عادل ہیں: علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

اتفق اهل السنة ان الجميع عدول ولم يخالف في ذالك الا الشذوذ من المبتدعة"

ترجمہ: سارے صحابہ عادل ہیں اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے اور اس معاملے میں چند بدعتیوں کو چھوڑ کر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

پھر علامہ ابن حجر نے علامہ خطیب کے حوالے سے تحریر فرمایا: صحابہ کی عدالت ثابت ہے اور حقیقت معلومہ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عدالت وطہارت بیان فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن پاک کی ان آیات میں موجود ہے۔

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ٥ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا"

(ان کے سوا کچھ وہ آیات جن کو ہم ذکر کر آئے ہیں) علامہ نے اس مقام پر ذکر کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: ان کے سوا کثیر آیات جن کے ذکر کا سلسلہ بڑا طویل ہے اور

احادیث شہیرہ جن کی تعداد کثیر ہے اس مفہوم سے متعلق موجود ہیں جو سب اس بات کی مقتضی ہیں کہ صحابہ قطعی طور پر عادل ہیں اور جب خالق تعالیٰ نے ان کی عدالت کا بیان فرما دیا تو انہیں اب کسی کی ضرورت نہیں کہ عام مخلوق میں سے کوئی ان کی عدالت بیان کرے۔

(الاصابۃ ج ۱، ص: ۷)

صحابہ کا عادل ہونا عقل کا تقاضا: علامہ ابن حجر مزید تحریر فرماتے ہیں: صحابۂ کرام کے بارے میں جو نصوص ہم نے ذکر کیے اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہوتا تب بھی ان کی وہ حالت جس پر انہوں نے زندگی گزاری اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ قطعاً و یقیناً عادل ہیں۔

یاد کرو! ایمان لانے کے بعد ان کا ہجرت کرنا، راہ خدا میں ان کا جہاد، ہر موڑ پر اسلام کی مدد، اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی، دین کے لیے اپنے ماں باپ، زن و اولاد کو قتل کر دینا، ہر لمحہ دین حق کی خیر خواہی اور پھر ان کے ایمان و یقین کی لازوال قوت، یقیناً یہ سب ان کی عدالت اور ہر باطل چیز سے نزاہت (ستھرا پن) کے لیے کافی ہے۔

حضرت ابوزراعہ سے روایت ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی رسول کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے وہ اس طور پر کہ رسول حق، قرآن حق، اور جو قرآن میں ہے وہ سب حق اور یہ سب کا سب ہم تک پہنچایا ہے صحابہ نے اور یہ زندیق لوگ صحابۂ کرام پر جرح کر کے (انہیں غیر عادل بتا کر) ہمارے گواہوں کی گواہی کو غیر معتبر کرنا چاہتے ہیں تا کہ کتاب و سنت سب باطل ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

لہٰذا صحابہ پر جرح قبول کرنے سے ہمارے لیے یہ بات آسان اور اولیٰ ہے کہ جو لوگ صحابہ کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم ان پر زندیق ہونے کا حکم نافذ کر دیں۔

یہاں تک کہ پوری بحث حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ خطیب کے حوالے سے بیان فرمائی ہے۔ (ایضاً)

فضیلت کا سبب: عمل کرنے والے کو فضیلت ان کے عمل کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہے کہ معمول بہا اپنی ماہیت کے اعتبار سے کیا ہے آیا وہ فرض ہے یا کچھ اور پھر فرائض

میں بھی درجات کا تفاوت برقرار ہے۔ انسان پر سب سے اہم فرض ایمان لانا ہے۔ ظاہر سی بات ہے فرض پر عمل کرنے والے کا درجہ فرض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونے والے سے زیادہ ہوگا۔

کبھی عمل کرنے والوں کے اعمال کمیت اور کیفیت میں مختلف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے عاملین کے درجات متفاوت ہوجاتے ہیں جیسے کہ ایک انسان خلوص دل سے اللہ کو راضی کرنے کے لیے کام انجام دیتا ہے تو دوسرے کے فعل میں ریاکاری کی ملاوٹ ہے۔ ایک انسان چار رکعات نفل پڑھتا ہے اور دوسرا دو رکعات، ایک کا عمل معمول بہا کے جمیع حقوق کو ادا کرنے پر مشتمل ہے اور دوسرے کا عمل کچھ نقصان کے ساتھ وارد ہوا ہے وغیرہ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں دونوں برابر ہیں لیکن ایک کے ساتھ نوافل کی ادائیگی مزید ہے۔

عاملین کے اجر و ثواب بڑھانے اور ان کے فضائل میں اضافہ کرنے میں زمان و مکان اور اضافت سب سے بڑے عوامل واسباب ہیں۔ زمان سے ہماری مراد وہ کام کس زمانے میں کیا گیا۔ مکان سے مراد وہ کام کہاں کیا گیا۔ اضافت کا مطلب وہ کام کس کی صحبت وسنگت میں کیا گیا۔ جیسے حرم کعبہ اور مسجد نبوی و بیت المقدس میں ادا کی گئی نمازوں کا ثواب دوسری جگہ پر ادا کی جانے والی نمازوں سے بہت زیادہ ہے۔

ہمارے ذکر کردہ اسباب میں زمان و اضافت یہ دونوں وہ اسباب ہیں جو اصحاب رسول کے سوا دنیا کے کسی دوسرے مسلمان کو حاصل نہیں۔ کیوں کہ جس زمانے میں اصحاب رسول نے اسلام پر عمل کر کے دکھایا یہ وہ زمانہ ہے جو اپنی سختی، شدت، فاقہ کشی، نزول مصائب و آلام، تنگ دستی، اجنبیت، عددی قلت، کمزوری، ظلم و جبر اور تعدی میں اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ نے اس سے پہلے اہل حق کے ساتھ اتنے کثیر مہلکات کو کبھی روا نہ رکھا نہ اب قیامت تک یہ تاریخ کبھی دہرائی جائے گی۔

اور پھر ان کی اضافت تو رحمت عالمیاں، فخر آدمیاں، خاتم پیغمبراں کے ساتھ تھی۔ یہ ان کی بلندی، عظمت اور بزرگی کی ایسی علت، سبب اور سند ہے کہ روز آفرینش سے لے کر صبح

قیامت تک ان کے سوا کسی دوسرے کے لیے احاطۂ امکاں سے باہر ہے۔ ؎

یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر شخص کے نصیب میں دار و رسن کہاں

یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ جیسے غالی، ضال، مضل شخص کو بھی یہ کہنا پڑا کہ جماعت صحابہ کا ہر ہر فرد بعد میں آنے والوں کے ہر ہر فرد پر فضیلت رکھتا ہے (خواہ بعد میں آنے والا اپنے وقت کا متقی اعظم ہی کیوں نہ ہو) (الصحابۃ ومکانتھم ص:۲۲)

اس پر مزید یہ کہ صحابہ ہی پیغام الٰہی، قرآن کریم اور احادیث کریمہ کے ناقل بھی ہیں اور نزول پیغام الٰہی کے ناظر بھی اور دین حق کے ناشر بھی۔ یہ انہیں کی محنت و مشقت، جان و مال اور روح و جسم کی خدمات کا ثمرہ ہے کہ عالم کے لیے ہدایت ارزاں ہوئی، ان کے بعد جس کو بھی ہدایت نصیب ہوئی یا ہوگی، علم و عمل کی جتنی بھی قندیلیں روشن ہو کر عالم کو منور کریں گی، اکناف عالم میں جہاں جہاں بھی کفر والحاد، گمراہی و بد عملی کے طلسم ٹوٹیں گے ان سب کا سبب وعلت صحابۂ کرام کی پاکیزہ ذات ہی قرار دی جائیں گی۔

اب آنے والی دو احادیث کریمہ کے ذریعہ صحابۂ کرام کے علو مکان، ان کی رفعت و منزلت، شان و شوکت اور اجر و ثواب کا اندازہ کیجیے۔

میرا دعوی ہے کہ انسانی دنیا میں پائے جانے والے حد وعد کے تمام پیمانے کارآمد ہونے کے باوجود بھی بیکار ثابت ہوں گے اور انداز و تخمینہ کے سوا کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہ کر سکیں۔ اگر اس کا صحیح علم ہے تو اس کو ہے جس کا علم ازلی و قدیم غیر حادث لامتناہی ہے یا پھر اسے جس پر اس کی عطا خاص ہو جائے۔

(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا"

جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو داعی کو عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔ (صحیح المسلم حدیث نمبر ۶۹۸۰)

(۲) "مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهٗ أَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهٖ، لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الْعَامِلِ"

جس نے کسی کو علم سکھایا تو اسے اس کا ثواب بھی ملے گا جس نے اس پر عمل کیا اور عمل کرنے والے کا اجر کم نہ ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۴۰)

سوچیے اور سوچتے رہ جائیے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کا احترام: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت وہ عظیم نعمت ہے جس کا بیان کر پانا ہمارے لیے ممکن نہیں، غیر صحابی تو اصحابِ رسول کا احترام کرتے ہی ہیں خود صحابۂ کرام بھی آپس میں اس نسبت کا مکمل پاس ولحاظ رکھتے تھے۔ دلیل کے طور پر ملاحظہ ہو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حال کہ انہوں نے اس نسبت کا کیسا احترام فرمایا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفیق سفر تھے کہ ہمارا پڑاؤ ایک آبادی میں ہوا وہاں پر ایک حاملہ عورت بھی تھی اور ہمارے ساتھ ایک اعرابی شخص تھا۔ اس دیہات کے رہنے والے ہمارے ساتھی نے اس حاملہ سے کہا کیا تو چاہتی ہے کہ تیرے پیٹ سے لڑکا پیدا ہو۔ اس عورت نے کہا ہاں! یہ سن کر بدوی نے کہا اگر تو مجھے ایک بکری عطا کرے تو تجھے لڑکا ہی پیدا ہوگا عورت کو یہ بات اچھی لگی اور اس نے اسے ایک بکری دے دی۔ پھر بدوی نے عورت کے ساتھ مقفّی کلام کیا اور بکری کی طرف چلا گیا اور اس کو ذبح کر دیا، ذبح کر کے اس کو پکایا اور ہم لوگ کھانے بیٹھے، ہمارے ساتھ ابوبکر بھی کھانے بیٹھے لیکن کھانے کے دوران ہی جب انہیں ماقبل کا پورا واقعہ معلوم ہوا تو آپ کھانے سے اٹھ بیٹھے اور جو کچھ آپ نے کھایا تھا سب کچھ قے کر دیا۔ (لیکن اس بدوی سے کچھ نہ کہا کیوں کہ اس کو شرف صحابیت حاصل تھا) پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اس بدوی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں دیکھا اور اس نے حضرات انصار کی ہجو کی اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر اس بدوی کو شرف صحابیت حاصل نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ میں اس کے ساتھ کیا کرتا

لیکن اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقاب تو کیا اس پر عتاب تک نہ کیا۔ (الاصابہ ج۱ص:۸)

اصحاب اور اسلاف امت: اہل ایمان کا یہ وطیرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ کے محبوب رسول سے بھی محبت کرتے ہیں اور جب رسول سے محبت کرتے ہیں تو رسول کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں۔ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ اس لیے دور صحابہ سے لے کر آج تک مومن اصحاب رسول کی تعریف وتوصیف بیان کرتے رہے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود صحابہ کی توصیف بیان فرمائیں تو امت کیوں نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو انبیا ورسل کے سوا ثقلین پر اختیار فرمایا۔ (فضیلت عطا فرمائی)

پیش خدمت ہیں چند اقوال:

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول "قل الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ" سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (ایضا)

حضرت امام نووی نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہ عادل ہیں۔

حضرت ابوزراعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب تم کسی کو اصحاب رسول کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ زندیق ہیں۔

حضرت ابن صلاح نے فرمایا: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔ ہر خبر دینے والے کی شخصیت کو جانچا جائے گا سوائے اصحاب رسول کے کیوں کہ صحابہ کی عدالت وطہارت کا بیان خدا فرما چکا۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص بھی صحابہ کی شان میں نازیبا کلمات کہے اسے اس میں سے کچھ نہ ملے گا جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

(اسد الغابہ ج۱ص:۲۴)

اصحاب رسول سے محبت واجب: علامہ مرعشی نشر الطوالع میں فرماتے ہیں: تمام اصحاب رسول کی تعظیم کرنا ان پر طعنہ کشی کرنے سے بچنا اور ان کے ساتھ حسن ظن وابستہ رکھنا واجب ہے۔ اسی طرح کسی بھی صحابی سے تعصب نہ رکھنا بھی ضروری ہے اور کسی کی محبت میں ایسی افراط سے رکنا بھی واجب ہے جو کسی صحابی کی عداوت یا طعنہ کشی کی طرف لے جاتی ہو، اس لیے کہ یہ وہ جماعت ہے جس کی ثنا اللہ تعالیٰ نے مقامات کثیرہ پر فرمائی ہے، انہیں میں سے اللہ تعالیٰ کا قول بھی ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ ﴿التحریم ٨﴾

ترجمہ: جس دن اللہ تعالیٰ رسوانہ فرمائے اپنے نبی اور ان کے صحابہ کو ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنے دوڑ رہا ہوگا۔

اور خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے محبت فرمائی اور ان کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی اور اپنی امت کو وصیت بھی فرمائی کہ وہ اصحابِ رسول پر طعنہ کشی نہ کریں، ان سے بغض نہ رکھیں اور انہیں تکلیف نہ دیں۔ (اسد الغابۃ ج ١، ص: ٢٧)

علامہ بغوی آیت کریمہ: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ﴿الحشر ١٠﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جس کے دل میں کسی بھی صحابی کے لیے کینہ ہو اور وہ تمام صحابہ سے محبت نہ کرے تو وہ اس آیت کریمہ کے مصداق میں شامل نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مومنوں کے تین اقسام بیان فرمائے ہیں: (١) مہاجر (٢) انصار (٣) تابعین (تابعین سے مراد مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آنے والے وہ مسلمان جو صحابہ کے لیے دعا کریں)

تو جو تابعین کی مذکورہ بالا صفت پر قائم نہ ہو وہ شخص مومنین کی کسی بھی قسم میں شامل نہیں ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی سورۂ حشر آیت نمبر ١٠)

سبِّ صحابہ کرنے والوں کا حکم: علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: روافض کا حکم یہ ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلفاے ثلاثہ پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے اور جو حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

(فتح القدیر کتاب الصلاۃ باب الامامۃ)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

شیعہ تین قسم ہیں:

اوّل غالی کہ منکر ضروریات دین ہوں مثلاً قرآن مجید کو ناقص بتائیں، بیاض عثمانی کہیں یا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ خواہ دیگر ائمۂ اطہار کو انبیاے سابقین علیہم السلام خواہ کسی ایک نبی سے افضل جانیں یا رب العزت جل وعلا پر بدع یعنی حکم دیکر پشیمان ہونا، پچھتا کر بدل دینا یا پہلے مصلحت کا علم نہ ہونا بعد کو مطلع ہو کر تبدیل کرنا مانیں یا حضور پرنور رسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تبلیغ دین متین میں تقیہ کی تہمت رکھیں الیٰ غیر ذالك من الکفریات یہ لوگ یقیناً قطعاً اجماعاً کافر مطلق ہیں اور ان کے احکام مثل مرتد۔

دوم تبرائی کہ عقائد کفریہ اجماعیہ سے اجتناب اور صرف سب صحابہ (صحابہ کو برا کہنا) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ارتکاب کرتا ہو ان میں سے منکر خلافت شیخین رضی اللہ عنہما اور انہیں برا کہنے والے فقہاے کرام کے نزدیک کافر و مرتد ہیں مگر مسلک محقق قول متکلمین ہے کہ یہ بدعتی ناری جہنمی کلاب النار ہیں مگر کافر نہیں۔

سوم تفضیلی کہ تمام صحابۂ کرام کو خیر سے یاد کرتا ہو، خلفاے اربعہ رضی اللہ عنہم کی امامت برحق جانتا ہو صرف امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل مانتا ہو، انہیں کفر سے کوئی علاقہ نہیں بدمذہب ضرور ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ملخصاً ج ۱۱، ص: ۳۴۶)

صحابہ کے آپسی اختلاف: علامہ نووی فرماتے ہیں: (۱) صحابۂ کرام میں جو جنگیں ہوئیں ان میں سے ہر ایک کو شبہ لاحق ہوا اور ہر گروہ اپنے شبہ کی بنیاد پر اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صحابی عادل و نیک ہے جنگی معاملہ ہو یا کوئی مختلف فیہ معاملہ اس میں ہر فریق کے پاس اپنی تاویل تھی اور ان اختلاف کی وجہ سے کوئی صحابی نیک وعادل

ہونے سے خارج نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ وہ مجتہد تھے جیسے دوسرے مجتہدین میں اختلاف ہوتا ہے ایسے ہی ان کا اختلاف تھا۔ لیکن اس سے کسی کی بھی شان میں نقص لازم نہیں آتا، ان جنگوں کا سبب یہ تھا کہ بعض قضایا ان پر مشتبہ ہو گئے اور اس شدت اشتباہ کی بنیاد پر ان کے اجتہاد میں اختلاف ہو گیا اور صحابۂ کرام تین جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

(۱) بعض صحابہ پر یہ واضح ہوا کہ وہ خود حق پر ہیں اور دوسرا باغی ہے لہذا ان پر واجب ہے کہ باغیوں سے جنگ کریں اور اپنی جماعت کی مدد کریں۔ تو انہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور فریق مخالف سے جنگ کی۔

(۲) بعض صحابہ پر اجتہاد سے اس کے خلاف ظاہر ہوا یعنی حق دوسری جانب ہے اس لیے ان پر ان کے اعتقاد کے مطابق اس جماعت کی مدد کرنا اور باغیوں سے قتال کرنا واجب تھا۔

(۳) بعض صحابہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے وہ حیرت میں پڑے رہے کہ حق کس طرف ہے اور کسی کی جانب ترجیح نظر نہ آئی لہٰذا وہ دونوں فریقوں سے الگ ہو کر بیٹھے رہے اور ان پر یہی لازم تھا کیوں کہ مسلمان سے لڑنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ وہ واقعی مستحق قتال ہیں۔ اس تیسرے درجے والے صحابہ پر اگر کسی فریق کی ترجیح ظاہر ہو جاتی تو ان پر اس جماعت کی مدد اور مخالف سے قتال کرنا واجب ہوتا لہٰذا تمام صحابہ معذور ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس وجہ سے اہل حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان سب کی شہادت و روایت قبول ہے اور سب نیک و عادل ہیں۔

(شرح مسلم للنووی علیٰ صحیح المسلم ج ۲، ص: ۲۷۲)

سب سے اول وآخر: صحیح قول کی بنیاد پر آزاد مردوں میں پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں لہٰذا یہی سب سے پہلے صحابی ہوئے (سب سے پہلے ایمان لایا یہ بحث آپ کتاب میں پڑھیں گے)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں جس ذات نے سب سے آخر تک مسلمانوں کو اپنی صحبت سے فیضیاب فرمایا اس کا نام نامی ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی ہے۔

حضرت امام مسلم نے مسلم شریف میں بیان فرمایا:

حضرت ابوالطفیل نے ۱۰۰ھ میں وصال فرمایا اور اصحاب رسول میں سب سے آخر میں انہیں کا وصال ہوا۔

اس کے بعد امام مسلم نے حضرت ابوالطفیل سے ایک روایت بیان کی ہے وہ روایت آپ پڑھ لیں تو بات اور واضح ہو جائے گی۔

''حضرت ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تھا اور اب میرے سوا روئے زمین پر کوئی نہیں ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا ہو۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت ابوالطفیل سے پوچھا آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کس حلیہ میں دیکھا؟ جواب دیا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ حضور سفید (گورے رنگ والے)، ملیح (بہت خوبصورت) تھے۔ (صحیح المسلم کتاب الفضائل باب کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ابیض ملیح)

حضرت ابوالطفیل کے سن وصال کو لے کر علما میں اختلاف ہے۔ ۱۰۰ھ، ۱۰۲ھ، ۱۰۷ھ، ۱۱۰ھ میں آپ کا سن وصال ہونا علما نے بیان فرمایا ہے۔

وہب ابن جریری نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے بیان فرمایا: ۱۱۰ھ مکہ مکرمہ میں تھا تو وہاں میں نے ایک جنازہ دیکھا اور اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے بتایا یہ حضرت ابوالطفیل کا جنازہ ہے۔ امام ذہبی کے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مقدمۃ اسد الغابۃ ج ا،ص: ۸۲)

مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں حضرت جریر بن حازم، بعض حضرات نے سہیل بن سعد کا نام ذکر کیا ہے۔ بصرہ میں حضرت انس بن مالک۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ۔ شام میں عبداللہ بن بسر مازنی۔ مصر میں عبدااللہ بن حارث۔ یمامہ میں ہرماس بن زیاد۔ خراسان میں برید بن حصیب۔ اصبہان میں نابغہ جعدی۔ سمرقند میں فضل بن عباس اصحاب رسول کا انتقال ہوا۔ اور بعض حضرات نے دوسرے اسما بھی ذکر کیے ہیں۔

(مقدمۃ اسد الغابۃ ج ا،ص: ۸۴)

صحابی کا قول وفعل: صحابیٔ رسول کا قول وفعل کبھی تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اس وقت اس کے حجت ہونے میں کسے شک ہوسکتا ہے۔

حکماً مرفوع یہ ہے کہ کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہا ہو ایسی خبر جس میں عقل کو دخل نہ ہو جسے بغیر حضور سے سنے نہ جانا جاسکتا ہو۔ مثلاً گزشتہ واقعات کی خبر دینی یا آئندہ کے حالات بتانا مثلاً قیامت کے احوال، ملاحم، فتن وغیرہ یا کسی فعل پر مخصوص ثواب یا عقاب کی خبر یا صحابی کا یہ کہنا کہ لوگ حضور کے زمانے میں ایسا کرتے تھے یا یہ کہنا یہ کام سنت ہے۔ (نزہۃ القاری ج ا ص:١٣١)

صحابہ کے وہ اقوال وافعال جو حدیث مرفوع کے حکم میں نہ ہوں ان سے متعلق امام اعظم کا مذہب یہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابۂ کرام کے متفقہ فیصلے پر پھر اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں (اور ان میں جو قوی ہوں) (نزہۃ القاری ج ا ص:١٣٦)

زیادہ فتویٰ دینے والے صحابہ: صحابۂ کرام میں جن کے فتاویٰ کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ مطلقاً سات صحابۂ کرام ہیں کہ اگر ان کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو بڑی ضخیم کتاب تیار ہوجائے۔ ان کے مبارک اسماء یہ ہیں:

(ا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (٢) حضرت علی رضی اللہ عنہ (٣) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (٤) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (٥) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (٦) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (٧) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

ان حضرات کے بعد جن کے فتاویٰ زیادہ ہیں وہ یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت ابوموسیٰ، حضرت معاذ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت سلیمان، حضرت جابر، حضرت ابوسعید، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن

عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوبکرہ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (الاصابہ ج۱ ص:۹)

یہ ترتیب فتویٰ دینے اور محفوظ ہونے کے اعتبار سے ہے علم کے اعتبار سے نہیں۔ رہا علم کا معاملہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلم الصحابہ ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے ''کان ابوبکر اعلمنا''، لیکن چوں کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہت کم وقت دنیا میں ٹھہرے اور جب تک دنیا میں رہے وہ وقت بھی اسلام اور مسلمانوں کے بہت ضروری کاموں میں صرف ہوتا رہا اس لیے آپ کے فتاویٰ زیادہ جمع نہ ہو سکے یہی حال آپ سے مروی احادیث کا بھی ہے جیسا کہ آپ کتاب میں پڑھیں گے۔

میں نے حضرت مولانا رضی الدین احمد قبلہ فیضی سے کتاب پر تقدیم لکھنے کی گزارش کی تھی لیکن وہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے میری خواہش پوری نہ کر سکے ویسے اس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے موصوف کی بڑی کرم فرمائیاں رہیں لیکن اب تک سفر کی تکمیل سے پہلے ہی وہ اندور چھوڑ کر چلے گئے پھر آگے بچا ہوا کام حضرت قاری و مقری بدرالدین احمد مصباحی صاحب قبلہ و مفتی جامعہ حضرت مفتی محمد شمس الدین صاحب قبلہ مصباحی و ہمارے کرم فرما دوست حضرت مولانا محمد ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ نے انجام دیا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

میں نے خود ہی چار چھ صفحہ تقدیم کے نام پر لکھنے کا ارادہ کیا لیکن بات بڑھتی چلی گئی اور صفحات پھیل گئے اور حقیقت یہ ہے کہ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔

اللہ رب پاک اصحاب رسول کے تذکرے کو اپنے محبوب کے صدقے قبول فرمائے اور میری اور میرے اساتذہ، والدین، اقربا اور احباب کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

محمد عارف قادری برکاتی رضوی

شبِ جمعہ ۱۷ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ، ۱۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ ذوالجلال کی اس وسیع وعریض کائنات میں مختلف اوصاف وطبائع کے لوگ پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے جس ذات میں جتنا کمال ہوتا ہے وہ ذات اتنی ہی معظم اور محترم ہوتی ہے۔ مذکورہ جملے سے کسی بھی انسان کو اختلاف نہیں لیکن لوگ اس بات کو لے کر ضرور مختلف ہیں کہ کمال کہتے کسے ہیں؟ ذہن وفکر کی توانائیوں کو بروئے کار لانے پر یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ لوگ اپنے ذوق اور پسند کے اعتبار سے کمال اور عدم کمال کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ایک ہی شئ سے متعلق دو مختلف نظریات کے حامل افراد کا فیصلہ جدا اور الگ ہوتا ہے۔ ایک گروہ اسے کمال تسلیم کرتا ہے تو دوسرا طبقہ یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتا۔ لیکن اہل ایمان کے نزدیک دل میں خداوندِ قدوس کی محبت سما جانا سب سے بڑا کمال ہے اور یہ کمال اتباعِ رسول کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔ بالفاظ دیگر اتباع رسول انسانی دنیا کا سب سے بڑا کمال ہے، جب حقیقت یہی ہے اور یقیناً یہی ہے تو انسانوں کا کوئی بھی طبقہ فضائل ومناقب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ نہیں ہوسکتا، ہم پلہ ہونا تو بڑی بات، ان کے مراتب کے آس پاس بھی نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ دوسرے تمام انسان اتباعِ رسول میں صحابۂ کرام ہی کے محتاج ہیں بلکہ صحابۂ کرام کی پیروی کرنے ہی سے دوسرے افراد باکمال بنے ہیں۔

صحابۂ کرام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متبع کامل بھی تھے اور عاشق صادق بھی، یوں تو عشق ومحبت کی داستانوں سے دنیا بھری پڑی ہے اور مؤرخین نے اس کو

بڑے حسین پیرائے میں مدون ومرتب بھی کیا ہے۔لیکن کوئی تاریخ ایثار، قربانی، خلوص، وفا، سرفروشی، کامل سپردگی اور محبوب کے قدم ناز پر جاں فگنی میں تاریخ صحابہ کے مشابہ نہیں، محبت والفت کی حسین دنیا میں ایک محب امکانی حد تک عالم تصور میں جو سوچ سکتا ہے یا زبان سے صرف اس کا قول کرسکتا ہے، صحابۂ کرام نے ان ساری باتوں کو محسوس ومشاہد دنیا میں واقعات کی صورت میں پیش کردیا ہے، جس کا انکار کوئی بھی منصف مزاج انسان نہیں کرسکتا خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب وملت سے ہو۔

تمام صحابہ عشق ومحبت، دل سوزی اور وارفتگی کا کامل نمونہ تھے۔وہ حضور کے غسالے کو زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ بوقت وضو گرنے والے قطرات کو آب حیات سمجھ کر پی لیتے اور بسا اوقات اپنے جسموں پر مل لیتے حضور کا مبارک کھنکار ہو یا لعاب دہن وہ اسے مشک وعنبر سمجھ کر اپنے چہروں کی زینت بنا لیتے۔ سنسناتے نیزوں کے سامنے نبی کی ڈھال بن کر کھڑے ہوجاتے، اپنے سر کٹوا لیتے، پر محبوب کے قدم ناز میں کانٹا نہیں چبھنے دیتے، محبوب کے اشارۂ ابرو پر پورے عالم سے برگشتہ ہوجاتے، اگر حکم پاتے تو سمندر میں چھلانگ لگادیتے، محبوب کا حکم پاتے ہی متاع زندگی قدموں پر نچھاور کردیتے۔ ہر صحابی محبت کے اس میدان میں بازی اپنے نام کرنا چاہتا ہے، کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا، ہر ایک اس میدان کا مجاہد اعظم اور بطل جلیل ہے، صبر ووفا کی خونخوار وادی کا جبل اٹل، لیکن محبت کی وارفتگی، سوز عشق کا گداز اور تسلیم ورضا کا جو رنگ حضرت ابوبکر کی زندگی میں پایا جاتا ہے وہ کتاب محبت کے کسی اور ورق پر نظر نہیں آتا۔ کون ابوبکر! ان کا قدرے تعارف کرانے کے لیے ہم علامہ پیر کرم شاہ ازہری کو آواز دے رہے ہیں۔

وہی، جب ظلمت کدۂ عالم میں رسالت محمدی کا چراغ فروزاں ہوا تھا تو مردوں میں سب سے پہلے جو پروانہ وار اس پر سوجان سے قربان ہونے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ جس نے بارگاہ جمال میں نذرانۂ دل پیش کرنے سے پہلے کوئی معجزہ کوئی دلیل طلب نہیں کی تھی۔ جس نے نگاہ ناز کا اشارہ پاتے ہی بلاتامل نقد جاں حاضر کردی تھی۔ عرب کے خودسر معاشرہ

میں جس کی شخصیت اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث بڑی محترم اور انتہائی قابل دید تھی۔

آپ کے مشرف باسلام ہونے سے مکہ کے چیدہ چیدہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے تھے، ان میں حضرت زبیر، حضور کے پھوپھی زاد، حضرت عثمان، بنی امیہ کے رئیس اعظم حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت طلحہ جیسی عالی مرتبت ہستیاں شامل تھیں رضی اللہ عنہم۔

وہی رحم دل اور کریم النفس جو اپنے غریب مسلمان بھائی بہنوں کو ان کے ظالم آقاؤں کی جور وستم کی چکی میں پستے دیکھ کر بے تاب ہو جاتا۔ اپنی جیب سے قیمت ادا کر کے ان کو خریدتا پھر انہیں رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیتا، حضرت بلال، عامر بن فہیرہ نیز کئی کنیزیں، زنیرہ، نہدیہ، اس کی بچی اور ام عبیس ان کو آپ نے ہی ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

وہی ابوبکر جس نے اپنے حبیب سے پیمانِ وفا باندھا اور تادم واپسیں اسے مردانہ وار نبھایا۔ جس نے ہر ضرورت کے وقت اپنے آقا کی دعوت پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ لا کر قدموں میں ڈال دیا۔ عزیمت و مردانگی کی راہ پر جس کا ہر نقش قدم کاروان ملت کے لیے خضر راہ ہے۔ جرأت و یقین کی جو قندیلیں راہ عشق و وفا میں آج سے چودہ صدیاں پہلے اس مرد حق آگاہ نے روشن کی تھیں، ابتلا و آزمائش کی کٹھن اور پرخار وادیاں آج بھی اس کی روشنی سے جگمگا رہی ہیں، جو سپہر اسلام پر آفتاب بن کر طوع ہوا اور تا ابد ضوفشانی کرتا رہے گا۔ نگاہِ قدرت نے جس کو روز ازل سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے لیے چن لیا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بھی جس کا دامن شرک سے کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ جس نے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ جس کے خلوص و ایثار کو بارگاہِ نبوت سے یوں داد ملی۔

"عن ابی هريرة قال قال النبی صلی الله عليه وسلم مالا حد عندنا يدالا وقد كافاناه ما خلا ابابكر فان له عندنا يداً يكافيه الله بها يوم القيمة وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بكر لو كنت متخذاً خليلا لاتخذت ابابكر خليلا الا وان

صاحبکم خلیل اللہ۔ "

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کسی نے ہم پر احسان نہیں کیا اور ہم نے اس کا بدلہ اسے دے دیا سوائے ابوبکر کے، اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے دیا ہے، اگر مجھے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار! تمہارا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے"

جس کو زبانِ رسالت نے یہ مژدہ سنایا: "یا ابابکر انت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار۔

ترجمہ: "اے ابوبکر! تو حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا اور غار میں بھی تو میرے ساتھ ہوگا۔"

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا "نمازیوں کو جنت میں ایک خاص دروازے سے بلایا جائے گا، مجاہد کو باب جہاد سے اذن باریابی بخشا جائے گا، روزہ دار کو باب ریان سے اندر آنے کی دعوت دی جائے گی لیکن اے ابوبکر! تجھے جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔"

جس کے بارے میں اللہ کے محبوب نے ارشاد فرمایا: "ارحم امتی بامتی ابوبکر" ترجمہ۔ میری امت میں سب سے زیادہ میری امت کے ساتھ رحم دلی کرنے والا ابوبکر ہے۔"

جس کو حضور نے اپنے آخری سفر جہاد (غزوۂ تبوک) میں اسلام کے لشکر کا پرچم عطا فرمایا تھا، جسے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آخری علالت کے دنوں میں حکم دیا تھا کہ ابوبکر امامت کے فرائض انجام دے۔

"مروا ابابکر فلیصل بالناس" ترجمہ: ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

وہی ابوبکر جس کے بارے میں حضرت علی مرتضیٰ نے یہ ایمان افروز ارشاد فرمایا تھا:

”عن الحسن عن علی لقد امر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم ابابکر ان یصلی بالناس وانی لشاهد وما انا بغائب وما بی مرض ورضینا لدنیا نا ما رضی النبی صلی الله علیه وسلم لدیننا“

ترجمہ: ”حضرت امام حسن سیدنا علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، جب یہ حکم ہوا تو میں بھی اس جگہ موجود تھا، غیر حاضر بھی نہیں تھا اور بیمار بھی نہیں تھا، پس جس ہستی کو نبی کریم نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا اسی کو ہم اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کرتے ہیں“

وہی ابوبکر جس کو اسد اللہ الغالب نے اشجع الناس یعنی سب لوگوں سے زیادہ شجاع اور بہادر کہا تھا۔ جس کی اولوالعزمی نے حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد سفینۂ ملت کو طوفانی موجوں اور خطرناک گردابوں سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچایا۔

جس کی ضربت قاہرانہ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔

جس کی ایک نگاہ عتاب آلود نے شیطان کے بھڑکائے ہوئے شعلوں کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ (مقالات ص: ۴۹۱ تا ۴۹۵)

نام ونسب: آپ کا نام عبداللہ اور والد کا نام عثمان ہے، عثمان اپنی کنیت ابوقحافہ سے مشہور ہیں، پورا نسب نامہ اس طور پر ہے:

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی قرشی تیمی۔ آپ کی ماں کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ، سلمی ابوقحافہ کی چچازاد بہن ہیں۔

بعض علما نے فرمایا: آپ کا پہلا نام عبدالکعبہ تھا حضور نے اس کو عبداللہ سے بدل دیا، دیگر علما کے نزدیک آپ کے گھر والوں نے ہی آپ کا نام عبداللہ رکھا۔

لقب: آپ کا مبارک لقب عتیق ہے، البتہ اس بات کو لے کر اختلاف پایا جاتا ہے

کہ آپ کا لقب عتیق کیوں کر قرار پایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا: ایک دن حضرت ابوبکر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''انت عتیق من النار'' اے ابوبکر! تم آگ سے آزاد ہو۔ اس دن سے حضرت ابوبکر کا لقب عتیق پڑ گیا۔ (اس حدیث کو امام ترمذی نے مناقب میں ذکر کیا ہے)

لیث بن سعد اور ان کے ہم نوا حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے حسن و جمال کی بنیاد پر آپ کو عتیق کہا جاتا ہے۔ زبیر بن بکار اور ان کے ساتھیوں کے مطابق حضرت ابوبکر کو اس لیے عتیق کہا جاتا ہے کہ ان کے نسب میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے عیب لگایا جا سکے۔ (اسد الغابہ ج ۳، ص: ۳۱۰، تاریخ الخلفاص: ۲۲)

آپ کا دوسرا مشہور لقب صدیق ہے۔ آپ کے اس لقب سے متعلق بھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: ''جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی تو آپ نے صبح لوگوں کے سامنے اپنے اس عجیب وغریب سفر کا تذکرہ فرمایا، کچھ وہ لوگ جو آپ پر ایمان لا چکے تھے (مگر ان کا ایمان کمزور تھا) اس خبر کو سن کر مرتد ہو گئے اور فتنے میں مبتلا ہو گئے، لیکن جب حضرت ابوبکر نے سنا تو آپ نے فرمایا: میں اس واقعے کی تصدیق کرتا ہوں اور میں اس کی تصدیق کیسے نہ کروں جب کہ میں آپ کی زبان مبارک سے سنی گئی اس سے بھی عجیب تر چیزوں کی تصدیق کر چکا ہوں۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۳۱۱)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کے علاوہ بھی کئی اسباب ذکر کیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ سچ بولتے تھے اس لیے آپ کو صدیق کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے میں جلدی کی اس لیے آپ کو صدیق کہا جاتا ہے۔ (تاریخ الخلفاص: ۲۳)

پیدائش: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش واقعۂ فیل کے دوسال چھ ماہ

بعد ہوئی۔ (الاصابۃ ج ۴،ص:۱۰۱)

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ولادت ووفات اور آپ کے جو ابتدائی حالات تحریر فرمائے ہیں ہم اس کا خلاصہ نذر قارئین کررہے ہیں: ''حضرت ابوبکر کی پیدائش ولادتِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا سے دوسال اور چند ماہ بعد ہوئی اور وصال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ رسال تھی، حضرت ابوبکر کی پرورش اور نشوونما مکہ شریف میں ہوئی، تجارتی مہم کے سوا آپ نے کبھی مکہ شریف سے باہر کا سفر نہیں کیا، آپ کا شمار قوم کے بڑے دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا، آپ کی شناخت ایک باوقار معزز وصاحب مروت انسان کے طور پر ہوتی، لوگوں پر فضل وکرم کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ ہمارے اس دعوے پر ابن دغنہ کے آنے والے الفاظ شاہد ہیں وہ کہتا ہے: ''اے ابوبکر! آپ رشتوں کو بخوبی نبھاتے ہو، سچ بولنے والے ہو، ناپیدا شیا کی تلاش آپ کا شیوہ ہے، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہو اور حوادث زمانہ کا بڑی آسانی سے مقابلہ کرتے ہو، مہمان نوازی آپ کی زندگی کا لازمی حصہ ہے''

حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ''زمانۂ جاہلیت میں آپ اپنی قوم کے سردار تھے، لوگ آپ سے مشورہ طلب کرتے آپ کے دولت کدہ پر آتے، آپ قریش کے محبوب نظر اور ان کے معاملات سے باخبر تھے، جب آپ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے تو سب معاملات سے کنارہ کش ہو گئے اور صرف اسلام کے ہو کر رہ گئے۔

حضرت معروف سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان گیارہ افراد میں سے ایک ہیں جو زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں معزز شمار کیے گئے۔ قریش کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کے معاملات کا تصفیہ کرتا بلکہ ہر قبیلے کے ذمہ کچھ کام تھے جو ان کے سردار انجام دیتے تھے، چناں چہ بنو ہاشم حجاج کرام کی خدمت کرتے، ان کے خورد ونوش کا انتظام سنبھالتے، بنی عبد دار کے ذمہ کعبہ شریف کی دربانی، علم برداری اور مجلس شوریٰ کا انتظام تھا وغیرہ... حضرت ابوبکر اس زمانہ میں دیت اور قرض داری وغیرہ معاملات کے قاضی اور فیصل تھے۔ (تاریخ الخلفاص: ۲۴)

حلیۂ مبارکہ: آپ کا رنگ گورا، بدن اکہرا، (موٹا نہیں) رخسار اندر کو دبے ہوئے، چہرہ عرق آلود رہتا، پیشانی ابھری ہوئی (الاصابہ ج ۴، ص: ۱۰۲)

حضرت عائشہ سے ایک شخص نے پوچھا: آپ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سراپا سے آگاہ فرمائیں؟ تو حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ کا رنگ سفید تھا، بدن موٹا نہ تھا، دونوں رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے، پیٹ بڑھا ہوا تھا کہ ازار نیچے کھسک جاتا، چہرہ عرق آلود رہتا، نظریں جھکی رہتیں، پیشانی بلند تھی، انگلیاں موٹی نہ تھیں، گھائیاں نظر آتی تھیں۔ (تاریخ الخلفاص: ۲۵)

ابوبکر عہدِ طفلی میں: حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی، آپ ہمیشہ اس کے خلاف رہے، یہاں تک کہ آپ کی عمر شریف جب پندرہ برس کی ہوئی تو اسی زمانہ میں آپ نے بت شکنی فرمائی۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالۂ مبارکہ تنزیہ المکانۃ الحیدریہ ص: ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بعد میں صحابی ہوئے) زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانہ لے گئے اور بتوں کو دکھا کر ان سے کہا "هٰذہ اٰلهتك الشم العلٰی فاسجدلها"۔ یعنی یہ تمہارے بلند و بالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو، وہ تو یہ کہہ کر واپس چلے گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور برائے اظہار عجز صنم و جہل صنم پرست ارشاد فرمایا: "انی جائعٌ فاطعمنی"۔ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: "انی عارٍ فاکسنی"۔ یعنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر مارتا ہوں "فان کنت الٰھا فامنع نفسك"۔ اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر آپ نے بقوت صدیقی اس کو پتھر مارا تو وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گر پڑا۔ اسی وقت آپ کے والد ماجد واپس آرہے تھے، یہ

ماجرا دیکھ کر فرمایا: کہ اے میرے بچے! تم نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ وہی کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔
آپ کے والد انہیں آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (جو کہ بعد میں صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو کہ جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا تھا۔"

"یا امۃ اللہ علی التحقیق ابشری بالولد العتیق اسمہ فی السماء الصدیق لمحمد صاحب ورفیق"

یعنی اے اللہ کی سچی باندی! تجھے خوش خبری ہو اس آزاد بچے کی جس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے اور جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔

(خطبات محرم ص:۸۶)

اعلانِ نبوت سے پہلے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے چن لیا تھا۔ لہٰذا پہلے ہی انہیں جوہر قابل بنا دیا گیا تھا، انہیں فطرت سلیمہ ودیعت کی گئی تھی، عادات و اطوار حدِ اعتدال پر اس لائق کہ انسان کامل کی نظر میں مقبول ہو جائیں، فطری رجحانات بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی حد تک میل کھاتے تھے اس لیے دونوں زندگیاں آپس میں ہم آہنگ تھیں آپسی ملاقات یا مراسم کو بہتر بنائے رکھنے کے لیے جو چیزیں ضروری شمار کی جاتی ہیں وہ ساری چیزیں ابوبکر کی ذات میں پیدا کی جا چکی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوبکر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے مقبول ہو گئے۔

آمد و رفت، نشست و برخاست کے سلسلے دراز ہوتے گئے۔ جس ذات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سراپا خیر و برکت بنایا ہو، جو وجہ تخلیق کائنات اور قیامت تک کے لیے مقتدیٰ اور امام ہو، مختصر یہ کہ جو مظہر ذات ذوالجلال ہو اس کے ساتھ رہنے والا انسان اس کا شیدائی اور

دیوانہ نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا؟ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلان نبوت سے پہلے ہی بارگاہ مصطفیٰ میں نقد جاں حاضر کرچکے تھے اور اس دن کے انتظار میں تھے جس دن سرکار کی بعثت ہوگی اور حضور اعلان نبوت فرمائیں گے، وہ اس خبر کے حصول کے اتنی شدت سے منتظر تھے کہ بار بار سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دولت کدے کے چکر لگاتے رہتے تھے۔

ابن شرحبیل سے روایت ہے کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خدیجہ کو ایک آواز کے متعلق خبردار کیا تو حضرت خدیجہ نے آپ سے تسلی آمیز کلمات کہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: آپ میرے شوہر کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس جائیں اور سارا واقعہ ان کو سنائیں، حضرت خدیجہ کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر حضور علیہ السلام کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچے اور ورقہ کے سامنے پورا واقعہ کہہ سنایا۔'' (الریاض النضرہ ج۱ص:۸۰)

زمانۂ جاہلیت میں آپ کا کردار: حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں اپنے آپ کو شعر گوئی سے دور رکھا، والد گرامی اور حضرت عثمان نے زمانۂ جاہلیت ہی میں شراب (خمر) کو ترک کردیا تھا۔ ابونعیم نے سندِ جید کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ دور جاہلیت میں ہی حضرت ابوبکر نے اپنے اوپر شراب کو حرام کرلیا تھا۔

ابن عساکر روایت کرتے ہیں: ایک مجمع میں حضرت ابوبکر سے سوال کیا گیا کیا آپ نے زمانۂ جاہلیت میں مے خوری کی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اعوذ باللہ'' پھر دریافت کیا گیا آپ نے شراب کیوں نہیں پی؟ تو آپ نے فرمایا: میں عزت و ناموس اور انسانیت و مروت کو بچاتا تھا جب کہ شراب ان چیزوں کو ضائع کرنے والی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جب حضرت ابوبکر کا جواب پیش کیا گیا تو آپ نے دومرتبہ فرمایا: ''صدق ابوبکر''۔ (تاریخ الخلفاص:۲۴)

علامہ پیر کرم شاہ از ہری رقم طراز ہیں: ''سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا، اخلاق باختگی کے اس دور میں مے خوری، قمار بازی سے آپ ہمیشہ دور رہے، دولت مند ہونے کے باوجود غرور اور تکبر کی انہیں ہوا تک نہ لگی تھی، بات کے سچے، وعدے کے پکے، بڑے خوش خلق، بلند کردار، عالی ظرف، تحمل و بردباری کے پیکر، الغرض ان صفات کے باعث تمام اہل مکہ دل سے ان کا احترام کرتے تھے، معاشرہ کے ہر طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ (سیرت الرسول ج ۲، ص: ۲۳۲)

قبول اسلام: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حسان بن ثابت، حضرت عمرو بن عبسہ، ابراہیم نخعی اور علما کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حضرت عبداللہ بن حصین تمیمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جس انسان پر بھی اسلام پیش کیا اس انسان نے اس میں شک وتردد اور غور وفکر کیا لیکن ابوبکر نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: ''میں مبعوث ہونے والے نبی کے متعلق سنتا رہتا تھا، میں اپنی تشنگی بجھانے کے لیے ورقہ بن نوفل کے پاس گیا جنہیں کتب سماویہ کی خاصی معرفت حاصل تھی، میں نے ان سے جا کر اپنی بات بیان کی، تو ورقہ نے فرمایا: ہاں بھتیجے اہل کتاب اور علما اس بات پر متفق ہیں کہ ایک نبی مبعوث کیے جائیں گے اور ان کا تعلق عرب کے بہترین نسب سے ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے نسب کی خاصی معلومات تھی مجھے معلوم تھا کہ حضور کی قوم نسب کے اعتبار سے اوسط العرب ہے۔ (سب سے بہتر ہے) میں نے ورقہ سے پوچھا نبی کیا کہیں گے؟ تو ورقہ نے جواب دیا وہ وہی کہیں گے جو انہیں حکم دیا جائے گا مگر یہ کہ ظلم سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۳۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعثت سے پہلے یمن کا سفر کیا اور یمن میں آپ کی ملاقات اہل کتاب کے ایک بزرگ عالم سے

ہوئی، پھر دونوں میں ایک مکالمہ ہوا۔

عالم آپ مجھے حرم کے رہنے والے معلوم ہو رہے ہو؟

ابوبکر آپ کا گمان صحیح ہے میں حرم ہی کا رہنے والا ہوں۔

عالم آپ قبیلۂ قریش کے تمیمی فرد ہیں؟

ابوبکر ہاں میں قریشی ہوں اور تمیم بن مرہ کی اولاد سے ہوں۔

عالم اب آپ سے متعلق ایک علامت کی جستجو میرے ذہن میں باقی ہے؟

ابوبکر پوچھیے! آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟

عالم میری تلاش تب مکمل ہو سکے گی جب آپ اپنا پیٹ مجھے دکھائیں گے۔

ابوبکر یہ تو میں تب ہی کر سکتا ہوں جب آپ مجھے مطمئن کریں کہ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟

عالم میں اپنے صحیح اور صادق علم کی بنیاد پر جانتا ہوں کہ سرزمین مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوں گے، ایک جوان اور ایک ادھیڑ عمر کا انسان ان کے معاملے میں ان کے مددگار ہوں گے، جوان شخص کی خوبی یہ ہوگی کہ وہ مہمات کو سر کرنے والا اور مشکل معاملات کو آسان کرے گا، اور ادھیڑ عمر والے شخص کا رنگ سفید ہوگا، جسم لاغر و نحیف ہوگا، اس کے پیٹ پر تل ہوگا اور بائیں ران پر ایک علامت ہوگی۔ اے مکی انسان! مجھے ساری نشانیاں تمہاری ذات میں نظر آ رہی ہیں وہی نشانی باقی رہی ہے جو میں نے ابھی تمہارے سامنے بیان کی ہے اب دیر کیوں کر رہے ہو، چلو جلد مجھے میرا مطلوب دکھا دو۔

ابوبکر تم دیکھ سکتے ہو، کہا اور اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا۔ جیسے ہی کپڑا ہٹایا تو آپ کے اوپر بزرگ عالم کو ایک کالا تل نظر آیا۔

عالم رب کعبہ کی قسم! تم وہی انسان ہو، میں خود چل کر تمہارے پاس آنا چاہتا تھا، آنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ تم راہ ہدایت سے نہ ہٹنا اور اللہ نے تمہیں

جو نعمت بخشی ہے اس کے بارے میں ہوشیار رہنا اور ڈرتے رہنا۔

ابوبکر میرا یمن کا کام پورا ہو چکا ہے اب میں یہاں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

عالم تم مکہ جا رہے ہو لیکن وہاں جانے سے پہلے میرے وہ شعر سنتے جاؤ جو میں نے اس نبی کی شان میں کہے ہیں، یہ کہہ کر اس بزرگ عالم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چند شعر سنائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب میں واپس مکہ پہنچا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت فرما چکے تھے، میری ملاقات عقبہ بن ابی معیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل، ابوالبختری جیسے رؤسائے قریش سے ہوئی، میں نے ان سے کہا: کیا یہاں کوئی معاملہ پیش آیا ہے؟ انہوں نے کہا ابوبکر! یہاں ایک امر عظیم درپیش ہے ابوطالب کے یتیم نے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ وہ اللہ کا رسول اور پیغمبر ہے۔، ہم ابھی تک تمہارے انتظار میں تھے، اب فیصلہ تمہارے اوپر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان لوگوں کو اچھے طریقے سے واپس کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آپ حضرت خدیجہ کے گھر تشریف فرما ہیں، میں وہاں پہنچا دروازہ کھٹکھٹایا آپ باہر تشریف لائے، میں نے عرض کیا! آپ یہاں تشریف فرما ہیں؟ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر دیا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! مجھے تمام لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔ میں نے کہا اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بوڑھا شخص جو تمہیں یمن میں ملا تھا وہی میرے دعوے کی دلیل ہے، میں نے کہا وہاں تو میں نے کئی بوڑھوں سے ملاقات کی ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ بوڑھا جس نے تمہیں اشعار سنائے تھے۔ میں نے عرض کیا! یہ خبر آپ کو کس نے دی؟ آپ نے فرمایا: اس فرشتے نے جو مجھ سے پہلے انبیائے کرام کے پاس حاضر ہوتا رہا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور اپنا دست کرم بڑھائیں ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں'' حضرت

ابوبکر فرماتے ہیں: جب میں ایمان لاکر واپس جارہا تھا تو پوری وادئ مکہ میں حضور مجھے سب سے زیادہ خوش نظر آرہے تھے۔(اسد الغابہ ج ۳،ص: ۳۱۳)

سب سے پہلا مسلمان: ہم اسد الغابہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حسان بن ثابت، حضرت عمرو بن عیینہ اور حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم اور علما کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے اسلام لانے والی ذات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔

لیکن یہ امر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مسلمان کون ہوا؟ اس میں علمائے اسلام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے،اس سلسلے میں امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں کثیر اقوال ذکر فرمائے ہیں۔(جسے تفصیل درکار ہو وہ تاریخ الخلفا کا مطالعہ کرے)

امام ابونعیم کے حوالے سے چند اقوال ذکر کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ان مختلف اقوال میں تطبیق اس طور پر دی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی نے اسلام قبول کیا اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئیں، یہ تطبیق وتوضیح سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔

(تاریخ الخلفا ص:۲۶)

علامہ پیر کرم شاہ ازہری اس سلسلے میں رقمطراز ہیں: اب رہا یہ سوال کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف کس کو حاصل ہوا اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس امر پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ ساری امت اسلامیہ میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی،ان کے بعد اولیت کا شرف حضرت علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا یا صدیق اکبر کو،اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں علمائے کرام نے ان مختلف

روایات میں یوں تطبیق کی ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو حاصل ہوا بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا اور بالغ عربی مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حضرت ابوبکر صدیق کو نصیب ہوئی، انہوں نے اسلام قبول بھی کیا اور اس کا اعلان بھی کیا۔ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے زید بن حارثہ تھے۔ لیکن ابن جوزی صفوۃ الصفوہ میں شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ ''قال ابن عباس اول من صلی ابوبکر وتمثل بابیات حسان بن ثابت''

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة
فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا
خیر البریة اتقاها وافضلها
بعد النبی واوفا ها بما حملا
والثانی التالی المحمود مشهدُه
واول الناس منهم صدق الرسلا

ترجمہ: جب تم اپنے قابل اعتماد بھائی کے حزن وملال کو یاد کرنا چاہو تو اپنے بھائی ابوبکر کو یاد کرو ان تکالیف کے باعث جو انہوں نے برداشت کیں۔ نبیؐ کریم کے بعد وہ ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ متقی اور سب سے افضل تھے انہوں نے جو ذمہ داری اٹھائی اس کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔ حضور کے بعد آنے والے دوسرے آپ تھے، آپ کا مشہد قابل تعریف تھا اور ان لوگوں میں سب سے پہلے تھے جو رسولوں پر ایمان لائے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مدحیہ اشعار حضرت صدیق اکبر کی شان میں لکھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سنا اور ان کی تردید نہیں کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت صدیق اکبر کو نصیب ہوا۔ آزاد شدہ غلاموں میں زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال کو اسلام لانے میں اولیت کا شرف حاصل ہوا۔ (سیرت الرسول ج ۲، ص: ۲۲۹)

حضرت ابوبکر اور تبلیغ اسلام: اسلام کے ابتدائی دور میں جن مصائب و آلام کا سامنا بانی اسلام اور آپ کے متبعین کو کرنا پڑا اس کے تصور ہی سے اہل ایمان کے دل سینوں میں کانپنے لگتے ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اس شاہ راہ کے مسافر اول ہیں وہ کتنی پُرخطر اور مہلک وادیوں سے گذرے یہ اللہ و رسول جل مجدہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہمارا قلم کما حقہ حقیقت کی عکاسی کرنے سے عاجز ہے۔

ہزاروں درود اور ہزاروں سلام ہوں اللہ کے رسول اور ان کے سچے یار غار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ تمام تر رکاوٹوں کے باوجود اشاعت اسلام کے لیے جاں توڑ کوشش جاری رکھے ہوے ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم میں ایک معزز انسان تھے لوگوں کے دلوں میں آپ کا خاصا وقار قائم تھا، اس وقار و عزت کو بھی داؤ پر لگانے کا عزم مصمم کر چکے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں آپ کے جن لوگوں سے دوستانہ مراسم تھے ان کے پاس آمد و رفت بڑھائی۔ اسلام کا بنیادی پیغام جو انہیں ان کے آقا نے پڑھایا اور سکھایا تھا اپنے دوستوں کے سامنے بیان کرنا شروع کیا، کل تک لوگ آپ کے در پر اپنی حاجتیں اور ضرورتیں لے کر آتے تھے لیکن آج تصویر کا رخ بدل گیا ہے، خود ابوبکر چل کر لوگوں کے دروازے پر پہنچتے اور لوگوں کو پیغام حق پہنچاتے، نتیجہ کیا ہوگا اس کی انہیں فکر نہیں ان کے سامنے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا رخ زیبا ہے وہ اپنے آقا کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ اسلام کی ترقی کے لیے کتنے فکر مند ہیں لوگوں کو جہنم کے راستے سے ہٹا کر صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر لمحہ یہی فکر دامن گیر ہے کہ وہ اس راہ میں اپنے آقا کو کتنا سہارا دے سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سچی کوشش کرنے والوں کو مایوس نہیں فرماتا، کوششوں کے بار یاب ہونے میں وقت کتنا لگے گا یہ تو عالم الغیب کی حکمتیں ہی جانتی ہیں لیکن اتنا طے ہے کہ کوشش ضائع نہیں جاتی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش کا

نتیجہ عطا فرمایا اور خوب خوب عطا فرمایا، چند لوگ آپ کی کوشش پر ایمان لے کر آئے، آپ کی ابتدائی کوششوں پر جو لوگ ایمان لے کر آئے وہ کہنے کو تو چند افراد ہیں لیکن حقیقت میں وہ اسلام کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔

حضرت ابوبکر کی کوشش سے اسلام لانے والے لوگ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں: جب حضرت ابوبکر ایمان لا چکے تو آپ عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، یہ تمام حضرات اسلام لے آئے، پھر دوسرے دن عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن جراح، عبدالرحمن بن عوف، ابوسلمہ اور ارقم بن ابوارقم کے پاس پہنچے اور دعوت اسلام دی تو یہ حضرات بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔''

(الریاض النضرہ ج ۱ ص: ۷۹، البدایہ والنہایہ ج ۴، ص: ۷۶)

جرأت وحوصلہ: مخالف حالات میں کسی کام کو جرأت وحوصلہ کے ہی سہارے انجام دیا جاسکتا ہے ساز گار حالات میں مقصد حاصل کر لینا کارنامہ تو ہے لیکن اتنا عظیم نہیں کہ اس کی داستانیں بیان کی جائیں ہاں نامساعد حالات میں جب کہ دنیا آپ سے برگشتہ ہو گئی ہو، مخالفت کی آگ لگی ہو، دشمنی کے شعلے بھڑک کر آسمان سے باتیں کر رہے ہوں اس وقت بھی آپ مقصد کے حصول کے لیے کوشاں اور ہمہ تن مصروف ہوں اور آپ کی کوششیں بتدریج نتیجہ خیزی کی طرف قدم بڑھا رہی ہوں تو کہا جائے گا کہ آپ نے عظیم کارنامہ کر دکھایا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے کارہائے نمایاں ایسے ہی حالات میں منصۂ شہود پر آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ابتدائی کوشش میں عرب کے کئی نامور ذی ہوش اور قابل قدر افراد کو اپنی جماعت میں شامل کر چکے ہیں، اور عجیب توفیق خداوندی ہے کہ جو بھی اس جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ توحید کا علم لے کر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر آن ہر لمحہ تیار نظر

آتا ہے، غلامانِ مصطفیٰ کی یہ جماعت رفتہ رفتہ اپنی تعداد بڑھا رہی ہے، جیسے جیسے اس جمعیت میں اضافہ ہو رہا ہے ویسے ویسے کفر وشرک کے ایوانوں میں کھل بلی بڑھتی جا رہی ہے، صحابۂ کرام کی یہ مٹھی بھر جماعت طاغیان قریش کے ظلم وستم سے بچتے بچاتے اپنے آقا سے ملاقات کرتی، اگرچہ یہ ملاقات بھی آسان نہ تھی، مکہ سے شام وروم کا سفر آسان تھا لیکن محلہ میں رہتے ہوئے بھی محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کرنا آسان نہ تھا، مگر یہ قدسی صفات انسان جان پر کھیل کر اپنے آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے۔

اسلام کی ترقی اور اس کے فروغ کے نقشے کھینچتے، اپنے حوصلے اور قوت ایمانی کو حضور کے سامنے ظاہر کرتے، پیغمبر اسلام ان کی ہمت پر خوش ہوتے، انہیں صبر کی تلقین اور وقت کا انتظار کرنے کی نصیحت فرماتے، اپنے آقا کی زبان سے تسکین بھرے کلمات سن کر یہ غلامانِ وفادار پھر سمٹ کر بیٹھ جاتے، یوں تو سارے ہی لوگ اب اسلام کی تبلیغ کھلم کھلا چاہتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر کا جذبہ اس معاملہ میں سب سے جدا تھا ہم اس جذبے کو تاریخ کی دو اہم کتاب ''البدایہ والنہایہ اور الریاض النضرہ'' کے حوالے سے ذکر کر رہے ہیں مگر قارئین کی ظرافت طبع کے پیش نظر اسے ادبی پیرائے میں ڈھالنے کے لیے الفاظ علامہ پیر کرم شاہ از ہری کے ذکر کر رہے ہیں علامہ نے ان واقعات کو السیرۃ النبویۃ لابن کثیر کے حوالہ سے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے۔

اسلام کی ابتدائی شاندار کامیابیوں نے کفر وباطل کے ایوانوں میں ایک کہرام مچا دیا اور انہوں نے حق وصداقت کے اس ابھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کے لیے پردے تاننے کی مہم کا آغاز کر دیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ باطل کے اندھیروں کو حق کی ان روپہلی اور تابندہ کرنوں کی یلغار سے بچا سکیں گے، جو بالکل ناممکن تھا ان کے جور وستم کی مہم کا آغاز ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوا، جس کو علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں:

جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے بارگاہِ رسالت پناہ

میں عرض کی یارسول اللہ! اب ہمیں کھل کر میدان میں نکل آنا چاہیے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت سے انجام دینا چاہیے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے، حضرت صدیق کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دارارقم کے حجرہ سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں اپنے غلاموں کی معیت میں تشریف لے آئے اور تمام مسلمان مسجد کے کونوں میں بکھر گئے اور اپنے اپنے قبیلہ میں جا کر نشستیں سنبھال لیں، جب سب لوگ بیٹھ گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے، دنیائے اسلام کا سب سے پہلا خطیب صدیق اکبر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوا، کافر صدیق اکبر کے اس خطبہ کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر ابوبکر صدیق اور باقی مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور ان کو خوب مارا پیٹا، ابوبکر پر تو ان کا غصہ بڑا شدید تھا چناں چہ آپ کو دھکا دے کر زمین پر گرایا اور اوپر چڑھ گئے پاؤں سے لتاڑتے اور ڈنڈوں سے زدوکوب کرتے رہے، اتنے میں بدبخت عتبہ بن ربیعہ آ گیا اس نے اپنے بھاری بھرکم جوتے اتارے اور ان سے آپ کے چہرے پر پے در پے ضربیں لگانے لگا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنے لگا، آپ کا چہرہ سوج کر پھول گیا یہاں تک کہ ناک اس سوجن میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔

آپ کے قبیلہ بنی تیم کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر حضرت ابوبکر سے دور ہٹایا اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے آئے، آپ کی موت میں کسی کو شک نہ تھا، پھر بنو تیم مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ اگر ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور تہ تیغ کر دیں گے۔ یہ اعلان کرنے کے بعد پھر وہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے جہاں وہ مدہوش پڑے تھے آپ کے والد ابوقحافہ اور آپ کے قبیلہ والے آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دیتے تھے سارا دن غشی طاری رہی، جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو کچھ ہوش آیا اور پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا ''ما فعل رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم'' مجھے بتاؤ میرے آقا، میرے ہادی کا کیا حال ہے۔

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ملامت کرنے لگے، پھر وہ لوگ وہاں سے واپس جانے کے لیے اٹھے اور آپ کی والدہ ام الخیر کو کہا کہ خیال رکھنا انہیں ضرور کچھ کھلانا پلانا، جب والدہ اکیلی آپ کے پاس رہ گئیں اور اصرار کرنا شروع کیا کہ آپ کچھ بولیں، آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا "**مافعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" کہ اللہ کے پیارے رسول کا کیا حال ہے۔ والدہ نے کہا: بخدا مجھے تیرے صاحب کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ ان کا کیا حال ہے۔ آپ نے کہا کہ اماں! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور کے بارے میں اس سے دریافت کرو۔

آپ کی والدہ وہاں سے نکل کر ام جمیل کے پاس آئیں اسے کہا کہ ابوبکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتا ہے، اس نے جواب دیا نہ میں ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو، اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلتی ہوں، ام الخیر نے کہا: بہت بہتر، چناں چہ ام جمیل ان کے ساتھ ان کے گھر آئیں، دیکھا کہ ابوبکر مدہوش پڑے ہیں اور نزع کی حالت میں ام جمیل آپ کے قریب گئی اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے بے شک وہ فاسق وفاجر اور کافر ہے، اللہ تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا لیکن صدیق اکبر نے اس سے بھی وہی سوال کیا "**مافعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم**'' کہ میرے آقا کا کیا حال ہے؟ ام جمیل نے کہا کہ یہ آپ کی ماں سن رہی ہے آپ نے جواب دیا اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، مطمئن ہونے کے بعد ام جمیل نے کہا کہ حضور صحیح وسلامت ہیں۔ آپ نے پوچھا حضور کہاں ہیں؟ اس خاتون نے بتایا کہ حضور دار ابن ارقم میں ہیں۔

اپنے آقا کی خیریت سن کر آپ کے (ہوش ٹھکانے لگ گئے) کہا بخدا میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ ناز میں حاضری کا شرف حاصل نہ کروں۔ گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور کی

خیریت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، ان دونوں خاتون نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمدورفت ختم ہوگئی، سناٹا چھا گیا وہ آپ کو لے کر گھر سے نکلیں حضرت صدیق اکبر ان پر ٹیک لگائے ہوئے حضور کی بارگاہ میں پہنچے۔

"فاکب علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم فقبله واکب علیه المسلمون ورق له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم رقة شدیدة"

ترجمہ: ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے، اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور آپ کی حالت زار کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر بڑی رقت اور گداز طاری ہوا۔''

صدیق اکبر نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں، باپ حضور پر قربان جائیں مجھے کوئی تکلیف نہیں سوائے ان جوتیوں کی ضربوں کے جو عتبہ نے میرے چہرے پر ماری ہیں۔

"وهذه امی برة بولدها وانت مبارك فادعها الی الله وادع الله لها عسی الله ان یستنقذها بك من النار"

ترجمہ: ''یہ میری ماں برہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہے، حضور سراپا برکت ہیں، اسے اللہ کی طرف بلائیں اور اس کے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، مجھے امید ہے حضور کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے آگ سے نجات دے گا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی جناب میں اس کی ہدایت کے لیے التجا کی پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چناں چہ وہ مشرف باسلام ہوگئیں۔

(سیرت الرسول ج ۲، ص: ۲۳۸ تا ۲۴۰)

علامہ طبری اور علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کے اخیر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دن ایمان سے مشرف ہوئے جس دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ ظلم وستم

ڈھائے گئے۔(البدایہ والنہایہ ج ۴،ص:۸۷،الریاض النضر ہ ج ۱،ص:۶۶)

حضرت ابوبکر کا ہجرت فرمانا: جیسے جیسے لوگ دامنِ اسلام سے وابستہ ہورہے ہیں کفار کی بے قراری بڑھ رہی ہے، اپنے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے غریب اور کمزور مسلمانوں پر سختیوں میں اضافہ کیا جارہا ہے یہاں تک کہ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا اب ان کے لیے مکہ کی کھلی فضا میں سانس لینا آسان نہ رہا، سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ جس مذہب کے لیے انہوں نے اپنا سب کچھ تج دیا ہے اس پر انہیں عمل نہیں کرنے دیا جارہا ہے، کئی دن سے بھوکے پیاسے انسان کو اگر کھانا پانی سے روک دیا جائے تو اس کی کیا حالت ہوگی وہ کیا کچھ نہ کر گزرے گا۔ بلاتشبیہ، صحابۂ کرام پابندیوں بھرے ماحول سے مضطرب ہوگئے تھے، انہیں ایک ایسی جگہ چاہیے تھی جہاں وہ اپنے نبی کی زبانی بتائے گئے احکام پر عمل پیرا ہوسکیں، وہ اب اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کمزور مسلمانوں پر رحم فرمایا، اور انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بارگاہ نبی میں حاضر ہو کر حبشہ جانے کی اجازت چاہی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:''جب والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق پر مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی اور ظلم وستم کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف دشمنی بہت تیز ہوگئی۔ اسی وقت صدیق اکبر رسول کریم کی بارگاہ میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت لینے حاضر ہوئے رحمت عالم نے انہیں ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔'' (البدایہ والنہایہ ج ۴،ص:۲۳۱)

بظاہر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پیارے صدیق کو ہجرت کی اجازت عطا فرمادی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابوبکر کو ان کے رب نے اپنے حبیب کی معیت کے لیے چن لیا تھا، انہیں تو ثانی اثنین فی الغار کے تمغۂ لاثانی سے نوازنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، حضور کا یارِ غار بننے کے لیے صدیق اکبر کی ذات بارگاہِ

ذوالجلال میں منتخب ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر اپنے آقا سے اجازت لے کر ہجرت کے لیے نکل پڑے، سفر شروع ہو گیا لیکن نوشتۂ قدرت بیچ میں حائل ہو گیا، وہ بھی کتنے عمدہ طریقے پر اس کو سمجھنے کے لیے ہم اپنے قارئین کو امام بخاری کی بارگاہ میں لے چلتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں: میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دین اسلام پر پایا کوئی ایسا دن ہو گا جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔

ابتدائی دور میں جب مسلمان پریشانیوں کے دور سے گذر رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور برک غماد تک پہنچ گئے، اتفاقاً وہاں ابن دُغُنہ سے ملاقات ہو گئی، ابن دغنہ وادئ مکہ کے سردار کا نام ہے۔ ابن دغنہ نے کہا ابوبکر! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ مجھے میری قوم نے مکہ سے نکال دیا ہے، لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کی وسیع وعریض زمین میں مکہ سے باہر نکل کر اپنے رب کی عبادت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ابن دغنہ بولا ابوبکر! نہ تو تم جیسا انسان خود نکل سکتا ہے اور نہ اسے نکلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے کیوں کہ (تمہاری عادتیں اتنی بہتر ہیں) تم ناداروں کے لیے کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، عاجز و درماندہ کا بوجھ اٹھاتے ہو، اچھے مہمان نواز ہو، حق کی راہ میں پیش آئند مصیبتوں پر صبر کرتے ہو۔ میں تمہارا پڑوسی ہوں تم واپس چلو اور وہیں اپنے ملک میں رہ کر اپنے خدا کی عبادت کرو۔

چناں چہ ابن دغنہ حضرت ابوبکر کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آ گیا، مکہ آ جانے کے بعد ابن دُغُنہ مکہ کے سرداروں کے پاس پہنچا اور سب سے یہی بات کہی کہ ابوبکر جیسا انسان نہ تو خود نکل سکتا ہے اور نہ اسے نکالا جا سکتا ہے۔ اے اہل مکہ! کیا تم اپنے شہر سے ایسے انسان کو نکال دو گے جو غریبوں کے لیے کماتا ہو، لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہو، عاجزوں کا بوجھ اٹھاتا ہو، مہمان نواز ہو اور راہِ حق میں آنے والی مصیبتوں پر مدد کرتا ہو۔ بہرکیف قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو منظور کر لیا۔ قریش نے ابوبکر کو پناہ دے کر ابن دغنہ سے کہا۔ تم ابوبکر کو کہہ دو کہ وہ اپنے گھر میں

اپنے رب کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور جو جی چاہے کریں مگر ہمیں تکلیف نہ دیں اور اس کا اعلان نہ کریں، ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور بیویاں فتنے میں پڑ جائیں گی۔

ابن دغنہ نے وہاں سے آ کر سب کچھ ابوبکر کو سمجھا دیا۔ چناں چہ ابوبکر اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے، وہ نہ تو علانیہ نماز پڑھتے نہ تلاوت قرآن کرتے۔ پھر ابوبکر کے دل میں آیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور باہر نکل کر اس میں نماز اور قرآن پاک پڑھنے لگے، مشرکین کی عورتیں بچے انہیں دیکھتے تو بہت پسند کرتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کثرت سے گریہ کرنے والے انسان تھے، وہ جب بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو بے اختیار آنسو نکل پڑتے، یہ دیکھ کر قریش کے سردار سٹپٹائے اور ابن دغنہ کو طلب کر لیا، اور کہا ہم نے ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں، انہوں نے اس شرط کی خلاف ورزی کی ہے اور اپنے گھر میں مسجد بنالی ہے، کھلم کھلا نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، ہمیں اپنے بال بچوں کی گمراہی کا ڈر ستا رہا ہے۔ لہٰذا تم ان سے کہو کہ وہ اپنے گھر ہی میں عبادت کریں اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ تم اپنا ذمہ ان سے واپس لے لو، ہمیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری عطا کردہ امان کو توڑیں لیکن ہم یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ کھلم کھلا عبادت کریں۔ ام المومنین فرماتی ہیں: ابن دغنہ نے ابوبکر کے پاس آ کر کہا: اے ابوبکر! تمہیں معلوم ہے ہم نے آپ کا ذمہ ایک شرط پر لیا تھا آپ اسی شرط پر اکتفا کریں یا میرا ذمہ مجھے واپس کر دیں مجھے یہ گوارا نہیں کہ کہنے والے کہیں کہ میں نے ایک شخص کا ذمہ لیا تھا لیکن مکہ والوں نے میرے ذمہ کو توڑ ڈالا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے تیرا ذمہ تجھے واپس کیا، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔

(صحیح البخاری، کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ شریف ہی میں رہے۔ کئی مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے اور لوگوں کا سفر جاری تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مجھے تمہاری ہجرت کی جگہ معلوم ہے، میں نے ایک کھاری زمین دیکھی جس میں کھجوروں کے درخت ہیں اور پتھریلے کناروں کے درمیان ہے'' یہ سننے کے بعد جس نے بھی ہجرت کی تو مدینہ طیبہ کی جانب ہی کی اور جو لوگ حبشہ جاچکے تھے وہ بھی مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ (ایضاً)

اکثر لوگ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف چلے گئے تو اب مکہ میں وہی باقی رہ گیا تھا جسے کسی مجبوری نے روک رکھا تھا اور وہ آزمائش کی زندگی جی رہا تھا۔ ہاں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رب کے حکم کا انتظار کرتے ہوئے مکہ میں تشریف فرما تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بھی ہجرت کرنے کی اجازت چاہی تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر جلدی مت کرو شاید اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی رفیق سفر بنادے'' سرکار کے اس فرمان نے ابوبکر کے دل میں یہ امید جگادی تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ انہیں سرکار کی معیت نصیب فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴، ص: ۴۳۸)

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں امید پیدا ہوگئی کہ عین ممکن ہے کہ اس سفر میں حضور انھیں کو اپنا رفیق منتخب فرمائیں تو آپ نے سفر کی تیاری شروع فرمادی، سفر کے لیے دو اونٹنیاں خرید کر رکھ لیں۔ امام واقدی نے فرمایا: یہ اونٹنیاں آپ نے آٹھ سو درہم میں خریدی تھیں۔ ان اونٹنیوں کو ہمہ وقت تیار رکھتے، چرنے کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں جانے دیتے، بلکہ گھر پر ہی دانے پانی کا انتظام فرماتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ عادت کریمہ تھی کہ آپ دن میں ایک مرتبہ ہمارے گھر ضرور قدم رنجہ فرماتے، خواہ صبح تشریف لاتے یا شام کے وقت، لیکن جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اس دن آپ خلافِ معمول ہمارے گھر دوپہر میں تشریف لائے، حضور کو اس وقت آتا دیکھ کر حضرت

ابوبکر نے کہا: آج ضرور کوئی نئی بات پیش آئی ہے کہ حضور اس وقت تشریف لائے ہیں۔ حضور جیسے ہی گھر میں جلوہ بار ہوئے، حضرت ابوبکر ادباً اپنے تخت سے پیچھے ہٹ گئے اور حضور اس پر تشریف فرما ہوئے، اس وقت صرف میں اور میری بڑی بہن اسما وہاں موجود تھیں۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے پاس والوں کو باہر نکال دو مجھے تنہائی میں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ حضرت ابوبکر عرض گذار ہوئے حضور! یہاں صرف آپ کی دو غلام زادیاں ہیں، ان کے سوا کوئی نہیں، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، ارشاد فرمائیں کیا معاملہ درپیش ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر! مجھے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی اجازت عطا فرمادی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور! اس غلام کو سفر میں خدمات کا شرف بخشیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر! تم اس سفر میں میرے ساتھ رہوگے۔ اتنا سننا تھا کہ ابوبکر خوشی سے بے خود ہو گئے۔ فرط انبساط سے آنکھیں بہ نکلیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: خدا کی قسم مجھے آج سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ خوشی کے موقع پر بھی انسان روتا ہے، یہ احساس مجھے آج ہوا کہ خوشیاں بھی آنسو بہا دیتی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! یہ دو اونٹنیاں سفر کے لیے بالکل تیار ہیں، عبداللہ بن اریقط نامی مشرک کو راستہ بتانے کے لیے اجرت پر طے کرلیا گیا، وہ دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کردی گئیں، وقت متعین کر کے اسے یہ بتادیا گیا کہ فلاں دن فلاں جگہ ملے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴، ص: ۴۴۵)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے طے شدہ پروگرام کے تحت مکہ چھوڑنے کا عزم فرمالیا۔ آپ کے اس عزم پر حضرت علی حضرت ابوبکر اور آل ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین کے سوا اور کوئی مطلع نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان امانتوں کو واپس کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ اب ہم

ہجرت کا مربوط اور مختصر واقعہ البدایہ والنہایہ سے ذکر کررہے ہیں:

جب ہجرت کی رات آئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بستر ناز پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلادیا، کفار بے نیام تلواروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دولت کدے کو گھیرے ہوئے تھے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رب کی امان میں گھر سے باہر تشریف لائے، سورۂ یٰسین کی آیات تلاوت فرماتے ہوئے خاک ان کے سروں پر ڈال دی، اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند طاری فرمادی، حضور رب کی سلامتی کے سایہ میں ان کے درمیان سے نکل گئے اور سیدھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے، غلام وفادار کو حضور نے اپنے انتظار میں پایا، حضرت ابوبکر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مکان کے پچھلے دروازے سے غار ثور کی طرف نکل گئے۔

رات نے اپنی سیاہ زلفیں مکہ پر دراز کررکھی ہیں، مکہ کے بیابان میں ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیروں کے خیابان کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، ہواؤں کے چلنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ اندھیری رات کے مسافر کا دل دہلانے کے لیے کافی ہے، لیکن خوف کی پرواہ کیے بغیر حضور کا عاشق اپنے محبوب کی معیت میں ایک پہاڑ کی طرف بڑھ رہا ہے، حضور کا دیوانہ دشوار گذار راہوں سے ہوتا ہوا پہاڑ کی چوٹی میں واقع غار کی طرف متوجہ ہے، دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ کبھی سرکار کے آگے آتا ہے تو کبھی حضور کے پیچھے ہوجاتا ہے، چشم زدن میں دائیں اور بائیں نظر آتا ہے، آخر حضور نے افشائے راز کے لیے اس دیوانگی پر سوال کرہی لیا۔ ابوبکر! ایسا کیوں کررہے ہو؟ عاشق صادق نے عرض کیا حضور! جب آپ کے پیچھے ہوتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ کہیں حضور کو آگے سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہوجائے، جب آگے جاتا ہوں تو پیچھے کا خیال آتا ہے، اس شان سے ابوبکر غار کا راستہ طے کرتے رہے اور جب کوئی ایسا مقام آتا جہاں راستہ بہت دشوار ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے کاندھوں پر بٹھالیتے۔(۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنے بیٹے عبداللہ کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ وہ پورے دن کفار کی کاروائیوں پر نظر رکھیں اور شام کو غار پر پہنچ کر پورے معاملہ سے انہیں خبردار کریں۔ آپ کے چرواہے عامر بن فہیرہ کو حکم تھا کہ وہ غار کے گرد ان دنوں بکریاں چرائے اور شام کے وقت تازہ دودھ بارگاہِ رسالت میں پیش کرے۔ چناں چہ یہ دونوں حکم کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داری نبھاتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی شہزادی حضرت اسما کھانا پہنچانے کا انتظام فرماتی۔ حضرت اسما فرماتی ہیں: جب حضور کے ساتھ میرے والد تشریف لے گئے، تو ابوجہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ میرے گھر آیا، میں باہر نکل کر آئی اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے والد کہاں ہیں؟ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں میرے والد کہاں ہیں۔ اس نے مجھے ایک زور دار طمانچہ رسید کیا جس سے میرے کان کی بالی جھڑ گئی۔

یہی حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب میرے والد نے حضور کے ساتھ ہجرت فرمائی تو اپنا کل مال اپنے ساتھ لے گئے، میرے دادا ابوقحافہ جو نابینا تھے، میرے پاس آئے اور کہنے لگے تمہارے والد نے تم پر ظلم کیا ہے کہ اپنا سارا مال اپنے ساتھ لے گیا اور تمہیں بے سہارا چھوڑ گیا (ابوقحافہ اس وقت ایمان نہ لائے تھے) حضرت اسما نے کہا نہیں دادا جان وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے چند پتھر اٹھا کر طاق میں رکھ دیے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر طاق میں لے گئی، انہوں نے پتھروں کو چھوکر دیکھا اور مال سمجھ کر مطمئن ہوکر بولے پھر تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت اسما فرماتی ہیں: خدا کی قسم میرے والد نے گھر میں کچھ مال نہیں چھوڑا تھا لیکن میں نے دادا کو اپنے طور پر مطمئن کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سایہ میں دونوں نفوس زکیہ غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراپا ادب بن کر بارگاہِ رسالت میں عرض گذار ہوئے "مَكَانَكَ يَارَسُوْلَ اللهِ صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم حَتّٰى اَستبرء لَكَ الْغَارَ" حضور

آپ یہیں تشریف رکھیں، پہلے میں خود جا کر غار کو صاف کر کے اپنے دل کو مطمئن کرلوں۔

قارئین غور فرمائیں: تاریک رات اس پر غار کا اندھیرا مستزاد، نہ روشنی کا کوئی انتظام، نہ غار حضرت صدیق کے لیے عام آماجگاہ، بلکہ یہ پہلا موقع ہے لیکن یہ صدیق کا دیدہ و دل ہے بغیر کسی خوف و تردد کے غار میں اتر گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴، ص: ۴۴۹)

صاحب ریاض النضرہ اپنی کتاب میں نقل فرماتے ہیں: امام نسائی روایت کرتے ہیں جب دونوں حضرات غار کے منہ پر پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا تعالیٰ یارسول اللہ! آپ ہر گز داخل نہ ہوں، پہلے میں داخل ہوتا ہوں، اگر غار میں کوئی خطرناک شئ ہو تو میں اس کا شکار ہو جاؤں گا آپ محفوظ رہیں گے۔ حضرت صدیق اکبر غار میں داخل ہوئے، پورے غار میں جھاڑ و لگائی تو احساس ہوا کہ غار کے اندر کچھ سوراخ ہیں، ایک ایک سوراخ کو اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر بند کیا لیکن دو سوراخ پھر بھی باقی رہے۔ غلام وفادار نے اپنے پیروں سے انہیں بند کیا اور پھر اپنے آقا کو آواز لگائی کہ حضور اندر تشریف لے آئیں، حضور اندر تشریف لائے اور صدیق اکبر کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگے اتنے میں ابوبکر کی ایڑی میں سانپ نے ڈس لیا مگر حضور کے آرام میں خلل پڑ جانے کے خوف سے سخت تکلیف کے باوجود حضرت صدیق اکبر نے جنبش تک نہیں کی، آنکھوں سے اشک رواں

(۱) ۲۰۰۹ء میں جب ... راقم ... کو ... سعادت نصیب ہوئی تو ... حضرت ... سے پوچھا عرض کیا عبدالجلیل صاحب نظامی ... ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ... ہو کے رونے لگا ... سبب پوچھا ... ذہن اس جگہ ہی صحت مند نوجوان ... تھے، ... خوردنی اور پانی ... ساتھ تھا، ... تکلیف ... کا انتظام ... لیکن چڑھنے ... جسم ... سرایت کر چکا تھا، یہی پہلے سے بہتر راستے موجود تھے، ان تمام تر آسانیوں کے باوجود ہماری ہمت جواب دے رہی تھی، اس وقت ہمارے لبوں پر بے ساختہ درود وسلام کے الفاظ جاری ہو رہے تھے اور حضرت ابوبکر کی جاں نثاری، قوت ایمانی، عزم و ... جرأت آزادی اور ان کے سینے میں موجزن الفت و محبت کے دریا کی طغیانی کا رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا ... (... العشرہ ج ۱، ص: ۹۰)

وہی غار ہے جس پر ہم تمام تر سہولیات کے باوجود نہیں ... بلکہ ... ہیں ... خطرات کے ... گئے ہیں، رات کے سناٹے میں، نوکیلے پتھروں پر ہو کر کبھی تنہا اور کبھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کاندھوں پر سوار کیے اس غار تک کیسے پہنچا تھا۔ ہزاروں درود وسلام ہوں حضور علیہ التحیۃ والثنا پر اور ان کے یار غار اور تمام آل واصحاب پر۔

اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ادھر مکہ میں کفار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں آپ کے دولت کدے کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، صبح ہوئی کسی نے آکر انہیں بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا چکے ہیں۔ کفار نے حضور کے بستر کی تلاشی لی جب چادر ہٹائی تو بستر پر شیر خدا مشکل کشا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موجود پایا۔ کفار غم وغصہ سے بپھرے ہوئے ناکامی ونامرادی کا داغ لے کر واپس لوٹے اور افسوس وناکامی کے دریا میں غرق ہو گئے، اب پکڑنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی مگر ناکام رہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور ان کے یارِ غار کی حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا، کفار غار کے دہانے تک پہنچ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھ لیا اور حضور سے متعلق اپنے دلی خطرات وخدشات کا اظہار کیا، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام کو تسلی دی، جس کی حکایت قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: "لا تحزن ان اللّٰہ معنا" اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینہ نازل ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطمئن ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴،ص:۴۵۱)

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جب وہ کسی شئ کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو "کن" فرماتا ہے "فیکون" فوراً شئ موجود ہو جاتی ہے۔ جب کفار اور ان کے ماہر کھوجی غار کے قریب پہنچے تو غار کے منہ پر تنے ہوئے مکڑی کے جالے اور درخت میں انڈوں پر بیٹھی کبوتری کو دیکھ کر لوٹ آئے، حضور تین دن تک غار میں رہے پھر آپ نے اپنا آگے کا سفر شروع فرمایا۔

(ایضاً ص:۴۵۳)

جب تمام تر کوششوں کے بعد کفار کو سوائے حسرت ویاس اور ناامیدی کے کچھ نہ ملا تو اعلان کر دیا جو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی کو زندہ یا مردہ گرفتار کرے گا اسے ایک سو سرخ اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ عرب کے بادیہ نشینوں کے لیے ایک سو اونٹ کا انعام معمولی نہ تھا یہ انعام تو ان کی زندگی کو بدلنے کے لیے کافی تھا، کئی لوگوں نے موقع غنیمت شمار کیا اور اپنی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس سلسلے میں قبیلۂ

بنی مدلج کے ایک نوجوان کا واقعہ اثر انگیز اور حکمت وموعظت سے لبریز ہے۔ ہم اسے بخاری شریف کی ایک روایت سے مختصر طور پر ذکر کررہے ہیں:

سراقہ بن جعشم کہتے ہیں: ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق یہ اعلان کررہے تھے جو شخص انہیں قتل کرے یا گرفتار کرکے لائے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام پائے، ابھی میں اپنی قوم بنی مدلج کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آگے بڑھا ہمارے پاس آکر کھڑا ہوا جب کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگا اے سراقہ! میں نے ابھی چند لوگوں کو ساحل پر دیکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے ساتھ والے ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں: میں جان گیا کہ یہ لوگ وہی ہیں، لیکن میں نے اس آدمی سے کہا یہ لوگ وہ نہیں ہیں جانے والوں کو میں نے دیکھا ہے، فلاں فلاں لوگ ابھی ہمارے سامنے گئے ہیں۔ اس کے بعد میں تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھا پھر کھڑا ہوا اور گھر چلا آیا اور اپنی کنیز کو حکم دیا کہ میرے گھوڑے کو لے جائے اور فلاں ٹیلے کے پیچھے مجھے ملے پھر میں اپنا نیزہ لے کر گھر کے پیچھے سے نکلا--- گھوڑے کے پاس آیا اور اس پر سوار ہوگیا۔ مقصود حاصل کرنے کے لیے اسے تیزی سے دوڑایا یہاں تک کہ میں ان حضرات کے قریب جا پہنچا لیکن اچانک میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں اس سے نیچے گر پڑا، میں نے کھڑے ہوکر ترکش میں ہاتھ ڈالا اور تیروں سے فال نکالی، (زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے) یہ جاننے کے لیے کہ میں ان کا کچھ بگاڑ سکوں گا یا نہیں؟ فال میری مرضی کے خلاف نکلی مگر میں نے فال کی کوئی پرواہ نہیں کی اور میں گھوڑے پر سوار ہوگیا جب گھوڑا مجھے ان کے قریب لے گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاوت کی آواز سنی اور حضور کسی کی جانب مطلقاً نہیں دیکھ رہے تھے جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکمل چوکنے تھے، اچانک میرے گھوڑے کی اگلی ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں اور میں زمین پر گر پڑا، میں نے گھوڑے کو ڈانٹا تاکہ میں آگے بڑھوں، لیکن وہ اپنی ٹانگوں کو

باہر نکال نہ سکا۔

جب گھوڑا اپنی ٹانگوں کے پھنس جانے کے باوجود سیدھا کھڑا ہوا تو ایسی گرد اڑی کہ آسمان تک چلی گئی، ایسا لگا کہ وہ دھواں ہے میں نے تیر سے فال نکالی۔ اس دفعہ بھی فال مرضی کے خلاف نکلی، پھر میں نے ان حضرات سے امان مانگی وہ ٹھہر گئے میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا، جب میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔

میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ آپ کی قوم نے ایک سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کیا ہے پھر میں نے قوم کے سارے منصوبے آپ کے سامنے بیان کیے۔ اس کے بعد کھانے پینے کا جو سامان میرے پاس تھا میں نے حاضر کر دیا لیکن آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور نہ کچھ مجھ سے فرمایا سوائے اس کے کہ ہمارے بارے میں کسی کو خبر نہ دینا۔ میں نے عرض کیا حضور میرے لیے امان لکھ دیجیے، رحمت عالم نے عامر بن فہیرہ کو امان لکھنے کا حکم فرمایا: عامر نے میرے لیے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان لکھ دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے۔

حضرت ابن شہاب زہری نے عروہ بن زبیر کی زبانی بیان کیا ہے کہ راستے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زبیر ملے جو مسلمانوں کے ایک قافلے کے ساتھ شام سے تجارت کر کے لوٹ رہے تھے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر کو پہننے کے لیے سفید کپڑوں کا نذرانہ پیش کیا۔ مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے حضور کے مکہ معظّمہ سے نکلنے کی خبر سن لی تھی پس وہ روزانہ آپ کا استقبال کرنے کے لیے مقام حرہ تک آتے، انتظار کرتے رہتے اور دوپہر گرم ہونے تک واپس لوٹتے۔ ایک دن جب وہ لمبے انتظار کے بعد اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو کسی ضرورت کے تحت ایک یہودی کسی ٹیلے پر چڑھا تو اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھی کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس چلے آرہے ہیں۔ پس وہ بے ساختہ چلایا اے گروہ عرب! جس کا تمہیں انتظار تھا وہ تشریف

لے آئے۔ مسلمانوں نے جلدی سے اپنے ہتھیار لیے اور آگے بڑھ کر حرہ کے پیچھے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان کے ساتھ داہنی جانب کا راستہ اختیار کیا یہاں تک کہ آپ بنی عمرو بن عوف میں مقیم ہوئے، یہ دن پیر کا اور ماہ مبارک ربیع النور تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش بیٹھے رہے اور لوگوں سے بات کرنے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے، پس انصار میں سے جو بھی ایسا انسان آتا جس نے حضور کی زیارت نہ کی ہوتی تو وہ حضرت ابوبکر کو سلام کرتا، یہی سلسلہ چل رہا تھا کہ حضور پر دھوپ آ گئی، حضرت ابوبکر آپ کے اوپر چادر تان کر سایہ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تب لوگوں کی توجہ ادھر گئی اور انہوں نے پہچانا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تو یہ ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم واصحابہ الی المدینۃ)

حضور کی صحبت وخدمت: علما فرماتے ہیں: جس دن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دامن اسلام میں پناہ گزیں ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں سایہ کی طرح رہے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم رب کے جوار میں حاضر ہو گئے سوائے ان چند مقامات کے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم یا اجازت سے آپ تنہا تشریف لے گئے۔ مثلاً آپ کا سفر حج وغیرہ۔ آپ سفر وحضر میں حضور کے رفیق رہے۔ اللہ ورسول کی رضا کی خاطر خود حضور کے ساتھ ہجرت فرمائی اور اپنے اہل وعیال کو اللہ کے بھروسے مکہ میں چھوڑ آئے ہیں، غار ثور میں آپ کے ساتھ رہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" اکثر غزوات میں حضور کے قدموں کے ساتھ لپٹے رہے، آپ نے غزوات میں حضور کی غلامی کے روشن نقوش ثبت فرمائے ہیں، جہاں لوگوں کے قدم اکھڑ گئے وہاں بھی آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ غزوۂ بدر وحنین آپ کی ثابت قدمی کے بہترین گواہ ہیں۔ (تاریخ الخلفاص:۲۷)

شجاعت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے سوال کیا تمہاری

نظر میں سب سے زیادہ بہادر کون انسان ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہماری نظر میں سب سے زیادہ بہادر آپ ہی ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا: میرا معاملہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ اپنے جوڑ والے سے لڑتا ہوں (لہٰذا میں سب سے بہادر نہیں) آپ لوگ مجھے سب سے بہادر انسان کا نام بتایئے؟ لوگوں نے عرض کیا پھر ہمیں معلوم نہیں اب حضرت ہی اس کا نام بتائیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ جنگ بدر میں ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک کٹیا بنائی تھی، پھر اس بات پر غور کیا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کٹیا کا پہرا کون دے گا۔ کہیں کوئی مشرک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرارت نہ کر بیٹھے۔ خدا کی قسم ہم میں سے کوئی بھی کٹیا کے قریب نہیں گیا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر ننگی تلوار لیے حضور کے پاس کھڑے ہو گئے پھر کسی مشرک کو آپ کے پاس آنے کی ہمت نہ ہوئی اور اگر ہمت کرتا تو آپ تلوار لے کر اس پر جھپٹ پڑتے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر تمام لوگوں میں سب سے بہادر ٹھہرے۔ (تاریخ الخلفاص:۲۸)

شجاعت ابوبکر کا دوسرا واقعہ: وہ حضرت علی جو شیر خدا ہیں جن کی بہادری پر پوری امت کو ناز ہے، اشجع الاشجعین جن کا مبارک لقب ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے ایک دن دیکھا قریش کے بدتمیزوں نے حضور کو پکڑ رکھا ہے کوئی ادھر کھینچتا کوئی ادھر گھسیٹتا اور حضور سے کہتے جاتے تم وہی ہو جس نے سارے خداؤں کا بطلان کر کے ایک خدا کا اعلان کیا ہے۔ خدا کی قسم اس وقت ہم میں سے کوئی حضور کے قریب نہیں پہنچا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق تھے، جیسے ہی حضور کو ایسی حالت میں دیکھا تو بچاؤ کے لیے دوڑ پڑے، شریروں کو مارتے ان کو دھکا دیتے اور ہٹاتے جاتے اور کہتے لوگو! بربادی ہے تمہارے لیے کیا تم ایسے انسان کو مار ڈالو گے؟ جو یہ کہتا ہے میرا خدا ایک ہے!

یہ واقعہ بیان کرتے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یارائے ضبط نہ رہا آپ اپنی چادر سے منہ ڈھانپ کر رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو گئی۔ پھر فرمایا لوگو!

میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں یہ بتاؤ؟ مومن آل فرعون بہتر تھے یا حضرت ابوبکر، لوگ خاموش رہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک ساعت مومن آل فرعون کی ہزار ساعتوں سے بہتر ہے۔ مومن آل فرعون نے اپنا ایمان چھپایا تھا اور حضرت ابوبکر کا ایمان جگ ظاہر تھا (مومن آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھا جس نے اپنا ایمان چھپا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی اس کا ذکر قرآن پاک کے پارہ ۲۴ میں ہے) (تاریخ الخلفا: ص ۲۸)

امام بخاری کے حوالے سے بھی امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں "کتاب مناقب الصحابۃ باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لو کنت متخذا خلیلا" میں ذکر فرمایا ہے جو قریب قریب حدیث مذکور کے معنی میں ہے بغرض اختصار ہم نے یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ: اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اس میدان میں بھی آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ سورۂ لیل کی آیات کریمہ

"وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾

﴿الیل ۱۷ تا ۲۱﴾

ترجمہ: اور بہت ہی اس (جہنم) سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال راہ خدا میں ستھرا ہونے کے لیے دیتا ہے، اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے، صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے۔ اور بے شک قریب ہے کہ وہ (اس نعمت و کرم سے جو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں عطا کرے گا) راضی ہوگا۔

ابن جوزی فرماتے ہیں: علماے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تاریخ الخلفا ص: ۲۹)

مفسر اعظم فی الہند حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں مذکورہ بالا آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا، شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد کیا۔،، (خزائن العرفان)

ابوبکر آئینۂ رسالت میں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزاج مقدس کے کتنی موافق و مطابق تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سوال کے جواب میں جو الفاظ استعمال فرمائے وہی الفاظ حضور سے بغیر سنے ابوبکر صدیق نے بھی اس سوال کے جواب میں ادا کیے۔ اس عنوان سے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی قبلہ رقم طراز ہیں۔

''جب محبت درجۂ کمال پر ہو تو طبیعت طبیعت میں اور مزاج مزاج میں ڈھل جاتا ہے۔ ابوبکر کی شخصیت میں اپنا کچھ نہیں رہا تھا، رنگ روپ جمال کمال سب رسول اللہ کا تھا، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ایک آئینہ تھی جس میں رسول اللہ کی سیرت کا عکس نظر آتا تھا، ابوبکر اور رسول اللہ کی شخصیتوں میں کس قدر قوی ارتباط تھا یہ کچھ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو انہیں دیکھنے والے تھے۔ یہ ہیں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت بیان کرتی ہیں۔ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے بیان حضرت خدیجہ کا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی تو بار نبوت سے آپ کے دل میں طبعی اضطراب لاحق ہوا آپ نے حضرت خدیجہ سے اپنی پریشانی اور اضطراب کا

ذکر کیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"واللہ ما یخزیك اللہ ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق"

ترجمہ: قسم بخدا! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا، کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ (صحیح البخاری ج ۱، ص: ۳)

اور ایک موقع پر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کی سختیوں سے تنگ آکر مکہ چھوڑنے لگے تو ابن دغنہ نے آپ کا راستہ روک لیا اور کہنے لگا:

"ان مثلك لا یخرج ولا یخرج فانك تكسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الكل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق"

ترجمہ: آپ جیسے شخص کو یہاں سے نہ جانا چاہیے نہ ہم اسے جانے دیں گے کیوں کہ آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔

(صحیح البخاری ج ۱، ص: ۳۰۷)

غور کیجیے! حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جن پانچ صفات کا ذکر کیا تھا، ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی وہی پانچ صفات بیان کی ہیں۔ احادیث کے ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ابوبکر کی شخصیت میں حضور کی سیرت دکھائی دیتی تھی تبھی تو وہ دونوں کی صفات کا بیان متن واحد کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی سخت اور صبر آزما شرطیں مان لیں تو حضرت عمر بہت مضطرب ہوئے اور آکر حضور سے عرض کرنے لگے کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، عرض کیا حضور! کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، عرض کیا پھر ہم دب کر شرائط کیوں مانیں؟ فرمایا:

میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرتا، وہ میری مدد فرمائے گا۔ عرض کیا، کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ فرمایا: ہاں لیکن کیا میں نے اس سال طواف کرنے کے لیے کہا تھا؟ عرض کیا نہیں، پھر فرمایا: میری خبر سچی ہے اور میں (کسی نہ کسی سال) بیت اللہ جا کر اس کا طواف کروں گا۔ (صحیح البخاری ج ۱، ص: ۳۸۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن سے ہنوز اضطراب دور نہ ہوا تھا، وہ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور جا کر کہا اے ابوبکر! کیا یہ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیوں نہیں، کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ کہا کیوں نہیں، حضرت عمر نے کہا پھر ہم دب کر شرائط کیوں مانیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وہ اللہ کے رسول ہیں، اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ ان کی مدد فرمائے گا، تم اپنے عقیدے پر قائم رہو۔ حضرت عمر نے کہا: کیا انہوں نے نہیں کہا تھا ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں، لیکن کیا انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے؟ کہا نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر یقین رکھو ان کی خبر سچی ہے اور وہ (کسی نہ کسی سال) ضرور بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے۔ (صحیح البخاری ج ۱، ص: ۳۸۰)

غور فرمایئے! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہر سوال کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی بات کہی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی، گویا کہ ابوبکر کا ذہن حضور کی فکر کا ترجمان اور ابوبکر کی زبان حضور کے بیان کی مظہر ہو گئی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر کی نظری اور عملی دونوں حیثیتیں حضور کے افکار و اعمال کا آئینہ بن گئی تھیں، اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو جاتا تو فرماتے: خدایا! تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر اور مجھے خدمت خلق کی توفیق عطا فرما اور میرے گناہوں کو بخش دے۔ (مقالات سعیدی ص: ۱۵۸ تا ۱۶۰)

عشقِ رسول: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق رسول بھی ہم علامہ

مذکور کی زبانی پیش کر رہے ہیں:

کمالِ محبت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ محبوب کے احکام کی اتباع کی جائے، اس کی رضا جوئی میں منہمک اور مستغرق رہے جس طرح قرآن ارشاد فرماتا ہے "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ" اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو حضور کی اتباع کرو۔ اور فرمایا "الله ورسوله احق ان يرضوه" اللہ اور اس کا رسول اس کے مستحق ہیں کہ انہیں راضی کرتے۔ تبھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کی راہ میں مال طلب کیا تو شاہ راہِ عشق کے سالکین دوڑ پڑے، کوئی اپنا چوتھائی مال لے کر آیا، کوئی اپنی آدھی متاع لے کر آیا اور ابوبکر صدیق گھر کا گھر اٹھا لائے۔ حضور نے پوچھا "ماابقيت لاهلك" اپنے اہل کے لیے کیا چھوڑا؟ ابوبکر نے جواب دیا "ابقيت لهم الله ورسوله" بس اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:۵۵۵)

قاعدہ یہ ہے کہ اپنے نفس اور اہل کا حصہ رکھ کر صدقہ کیا جائے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اپنا سارا مال صدقہ کر کے خود صدقہ کا مستحق ہو جائے اس لیے صدقہ میں پورا مال دینا جائز نہیں۔ لیکن محبت کے قانون میں محبوب کے مطالبہ کے بعد مال کو پاس رکھنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کاروان عشق کے سالار حضرت ابوبکر نے حضور کے ایک ارشاد پر اپنی متاع کل کو لا کر حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال سے پہلے رومیوں سے جنگ کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا اور اسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر کیا۔ لشکر کی روانگی سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا، حضور کے وصال کے فوراً بعد عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے اور اندرون ملک کئی فتنے کھڑے ہو گئے، بعض ارباب عقل کی رائے تھی کہ ایسے میں لشکر کو ملک سے باہر بھیجنا مصلحت کے خلاف ہے، کیوں کہ ملک کے اندر فتنہ ہے اور باہر سے حملہ کا خدشہ ہے لیکن ابوبکر کا ایک ہی جواب تھا کہ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کا شہید ہو جانا میرے لیے آسان ہے لیکن حضور کے فرمان کو بے عمل چھوڑ دینا میرے لیے

مشکل ہے۔ (تحفۂ اثناعشریہ ص: ۵۵۰)

صدیق اکبر کا ہر عمل اتباع رسول اور ہر سانس رضائے رسول میں صرف ہوتا تھا، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ منشائے رسالت کے مطابق اور مزاج رسول میں ڈھلا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں صحابہ حاضر ہوئے اچانک حضور نے سوال کیا آج تم میں سے کون روزہ دار ہے؟ صرف ابوبکر ہی تھے جنہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں روزے سے ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا آج تم میں سے جنازے کے ساتھ کون گیا تھا؟ ابوبکر بولے اے آقا! میں گیا تھا۔ پھر حضور نے استفسار کیا کیا تم میں سے کسی نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ ابوبکر نے کہا میں نے یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا: آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ یہ ابوبکر ہی تھے جو بولے میں نے یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کسی شخص میں یہ تمام اوصاف مجتمع نہیں ہوں گے مگر وہ شخص جنتی ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص: ۱۶۷)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے جس شخص پر بھی اسلام پیش کیا اس نے اسلام قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ تردد یا توقف کیا سوائے ابوبکر کے۔

(سیرت طیبہ ج ۱، ص: ۴۴۲)

عشق بے تاب دلائل کے تابع نہیں ہوتا، ابوبکر تو توجہ کے منتظر تھے جیسے ہی حضور نے دعوت ایمان دی، ابوبکر صدیق لبیک کہہ کر حرم ایمان میں داخل ہو گئے پھر ایمان کی جو شمع ابوبکر کے سینہ میں روشن ہوئی اس کی فیض آفریں شعاعوں نے دوسروں کے سینہ کو بھی منور کر دیا۔ چناں چہ عثمان بن عفان، عثمان بن مظعون، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص یہ سب ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ (الاستیعاب علی ھامش، الاصابہ ج ۲، ص: ۲۴۶)

آپ نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جنہیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا۔ جن میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ بھی شامل ہیں۔

(الاصابۃ ج ۲، ص: ۳۴۳)

جب محبت کی عطائیں اور عشق کی نوازشیں ہوتی ہیں تو محبوب کے جلوے فقط محب کے ظاہر پر اثر انداز نہیں ہوتے، بلکہ اس کے باطن کو بھی نوازتے ہیں۔ ابوبکر کی سیرت و کردار، فطرت اور مزاج، غرض ہر جگہ تجلیات رسالت فروزاں تھیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزاج میں اللہ پر اتنا عظیم توکل تھا کہ مال دنیاوی نہ ہونے پر بھی مطمئن رہتے تھے، یہی مزاج حضرت ابوبکر کا بن گیا تھا تبھی تو کل کا کل مال اطمینان سے راہ خدا میں دے دیا تھا۔ اور یہ کوئی اتفاق نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کی محبت کا بے پناہ اثر تھا کہ جس طرح ابوبکر کی حیات، حیات رسول کے مطابق تھی، اسی طرح ابوبکر کی وفات بھی وفات رسول کے موافق تھی۔ جس طرح خیبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم میں یہودیہ کا زہر پہنچا اور فی الفور اس کے اثر سے آپ کا وصال نہیں ہوا، بلکہ کچھ عرصہ کے بعد اس کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔ اسی طرح غار ثور میں ابوبکر کے جسم میں سانپ کا زہر پہنچا، جس کا فوراً اثر نہیں ہوا اور چند سالوں کے بعد اسی اثر سے حضرت ابوبکر کا وصال ہوا۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص: ۵۵۶)

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس سے کبھی غیر حاضر نہیں رہے، ہر غزوہ میں آپ کی ڈھال اور ہر سفر میں پا بہ رکاب رہتے تھے، ہر خدمت کے موقع پر حاضر رہتے تھے، ہر ضرورت پر کام آتے تھے، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا: مجھے کسی کے مال سے وہ نفع نہیں پہنچا جو صدیق اکبر کے مال سے پہنچا ہے، ابوبکر نے سنا تو رونے لگے، عرض کیا حضور! میں بھی آپ کا ہوں، میرا مال بھی آپ کا ہے۔ (مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱، ص: ۲۸۶)

اور ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''مال اور رفاقت میں میرے لیے سب سے زیادہ موجب امتنان ابوبکر ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص: ۵۵۴)

آں امن الناس بر مولائے ما

آں کلیمے اول سینائے ما

مکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعدد جاں نثار موجود تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفر ہجرت کا قصد فرمایا تو رفاقت کے لیے نگاہ انتخاب صرف حضرت ابوبکر پر پڑی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:۵۵۶)

اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو غلاموں نے حضور کی خاطر جان کو خطرہ میں ڈالا تھا، علی رضی اللہ عنہ بستر رسالت پر کفار کے نرغے میں تھے اور ابوبکر کا پاؤں سانپ کے منہ پر تھا، محب کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کا اعتماد حاصل کرے اور یہ اعتماد آپ کے ان دونوں غلاموں کو حاصل تھا۔ علی کو حضور نے کفار کے اموال کا محافظ بنایا اور ابوبکر کو سرکار نے اپنی جان کا امین بنایا۔ ایک دشمنوں کے گھیرے میں مال کی حفاظت پر مامور تھا، دوسرا موت کے منہ میں قدم ڈالے محبوب کے جلوؤں پر پہرہ دے رہا تھا۔

غار ثور میں تین دن اور تین راتیں اس طرح گذریں کہ تجلیات رسالت بلا شرکت و بلا واسطہ ابوبکر صدیق پر منعکس ہو رہی تھیں، رسالت کی خوشبوؤں سے ابوبکر کا دل و دماغ مہک رہا تھا اور انوار رسالت ابوبکر میں اس طرح جذب ہو رہے تھے کہ ابوبکر سراپا رسول کا مظہر بن گئے تھے، حتیٰ کہ جب حضور ابوبکر کے ساتھ مدینہ پہنچے تو دیکھنے والے دھوکا کھا گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ یہ رسول اللہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ تلوں کو اگر ایک رات پھولوں میں بسا دیا جائے تو وہ تل پھولوں کے مظہر ہو جاتے ہیں اور ان کا تیل بھی خوشبودار ہوتا ہے۔ جب پھولوں کا قرب ایک رات میں تلوں کو اپنا مظہر بنا دیتا ہے تو جسے تین راتیں رسول اللہ کا قرب حاصل رہا ہو وہ کیوں کر نہ مظہر رسول بن گیا ہوگا؟ تبھی جب ابوبکر مدینہ پہنچے تو اس شان سے پہنچے کہ چہرہ ابوبکر کا تھا، جمال رسول اللہ کا، قامت ابوبکر کی تھی چال رسول اللہ کی تھی، گفتار ابوبکر کی تھی انوار رسول اللہ کے، ایسا لگتا تھا جیسے حضور اپنے ساتھ آئینہ لے کر آئے ہوں جبھی تو لوگوں کو اشتباہ ہو گیا کہ ان دونوں میں سے کون رسول اللہ ہیں۔ (لعبد الرّحمٰن فی عویم فی روایۃ ابن اسحاق اناخ الی لظل ھو و ابوبکر واللہ ما ادری ایھما ھو) پس لوگ ابوبکر کو رسول

اللہ سمجھ کر ان سے ملنے لگے اور تب ابوبکر نے چادر ڈال کر حضور پر سایہ کیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے۔ اصل یہ ہیں عکس میں ہوں آقا یہ ہیں غلام میں ہوں۔ (صحیح البخاری ج۱ ص:۵۵۵)

گلے خوشبوئے درحمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے نا چیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اور محبت کا آخری مرحلہ یہی ہے کہ محبوب محب کی ذات میں اس طرح سما جائے کہ محب میں اپنا کچھ نہ رہے، رنگ وروپ جمال وکمال سب محبوب کا اور محب ومحبوب ''فرق نہیں مابین پیا'' کی جیتی جاگتی تفسیر بن جائیں۔ سفر ہجرت کے اس آخری موڑ پر محب رسول حضرت ابوبکر اس معراج پر نظر آتے ہیں جہاں دوری مٹ جاتی اور وحدت محض رہ جاتی ہے۔ غالباً ایسے ہی مقام کے لیے کہا گیا ہے۔ (مقالات سعیدی ص:۱۵۲ تا ۱۵۶)

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

مقام ابوبکر: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے افضل وبرتر ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں: ''اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی پھر عشرۂ مبشرہ پھر باقی اہل بدر پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعت رضوان پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اسی طرح ابومنصور بغدادی نے اجماع

بیان فرمایا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن حمید نے اپنی مسند میں اور ابونعیم وغیرہما نے یہ حدیث حضرت ابودرداء سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نبی و رسول کو چھوڑ کر سورج ابوبکر سے افضل انسان پر نہ طلوع ہوا نہ غروب ہوا۔

امام بخاری نے حضرت محمد بن علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے: حضرت محمد نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابوبکر، حضرت محمد نے عرض کیا ان کے بعد کون ہے؟ تو فرمایا: حضرت عمر، حضرت محمد فرماتے ہیں: مجھے خوف ہوا کہ اب والد گرامی حضرت عثمان کا نام لیں گے (اس لیے میں نے خود ہی کہہ دیا) پھر آپ کا مرتبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''میں تو مسلمانوں کا ہی ایک فرد ہوں۔ (تاریخ الخلفاص: ۳۴)

علم وذکاوت: آپ اصحاب رسول میں سب سے بڑے عالم، ذکی اور فہیم تھے، جس بات کو دیگر حضرات نہیں سمجھ پاتے حضرت ابوبکر بہت جلد سمجھ لیتے۔ حضرت ابوسعید خدری ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان الله خیر عبدا بین الدنیا و بین ما عندہ فاختار ما عند الله تعالیٰ" اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا میں رہنے یا جوار رحمت میں چلے آنے کا اختیار دیا اس بندے نے جوار رحمت کو پسند کرلیا۔ (اتنا سننا تھا) حضرت ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کرنے لگے کاش! ہم اپنے ماں باپ آپ پر فدا کرتے۔ ابوسعید فرماتے ہیں: ہم سامعین کو حضرت ابوبکر کے اس فعل پر تعجب ہوا کہ حضور نے تو صرف ایک ایسے بندے کا ذکر فرمایا ہے جس کو اختیار دیا گیا ہے (اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ لیکن بعد میں راز کھلا) وہ حضور ہی ہیں جن کو اختیار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر ہم میں سب سے بڑے عالم تھے۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سدوا الابواب)

امام نووی نے فرمایا: ہمارے علما نے حضرت ابوبکر کی عظمت علم پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے: ''میں اس انسان سے قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا کہ حضور کے زمانہ میں فتویٰ کون دیتا تھا تو آپ نے فرمایا: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تمام صحابہ میں ان دونوں سے بڑا عالم اور کوئی نہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص: ۱۳)

حضور کے ساتھ استقامت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام غزوات میں صرف ساتھ ہی نہ رہے بلکہ حضور پر جاں نثاری کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ جنگ بدر کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے رب سے مناجات میں مشغول اور قبلہ رو ہو کر بار بار بارگاہ مولیٰ میں عرض گزار تھے، اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔ حضور کے انہماک کا یہ عالم کہ کاندھے سے چادر شریف گر پڑی غلام وفادار حضرت ابوبکر آئے اور چادر مبارک کو اٹھا کر کاندھوں پر ڈال دیا، پھر حضور کے دامن رحمت کو پکڑ کر عرض کرتے ہیں حضور! ہمارے لیے آپ کی یہ مناجات کافی ہے آپ کا رب اپنے وعدے کو پورا فرما دے گا۔

اللہ نے اپنے حبیب اور حبیب کی امت پر کرم فرمایا، مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے نازل فرما دیے۔ محبوب رب نے ابوبکر سے فرمایا: ابوبکر! خوش ہو جاؤ یہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام پیلا عمامہ باندھے ہوئے زمین و آسمان کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہیں۔ (الریاض النضرہ ج۱، ص: ۱۲۱)

صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ مکمل ثابت قدم رہے جیسا کہ آپ زیر عنوان ''ابوبکر آئینہ رسالت میں'' پڑھ چکے ہیں۔ جنگ احد کے موقع پر بھی آپ مکمل ثابت قدم رہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام واقدی کے حوالے سے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے ''یوم احد جب لوگوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، صرف چند مہاجرین و انصار آپ کے ساتھ

باقی تھے ان میں ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۹،ص:۱۳۲)

ابوبکر غزوۂ حنین میں: حضرت امام مسلم روایت فرماتے ہیں کہ ابواسحاق بیان کرتے ہیں: قبیلہ قیس کے ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا تم غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ حضرت براء نے کہا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے سامنے سے نہیں ہٹے، ہوازن کے جوان اس دن تیر اندازی کر رہے تھے، ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے اور جب ہم مال غنیمت لوٹنے لگے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر رکھ لیا اور میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے، اس وقت حضور فرما رہے تھے میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔(صحیح المسلم کتاب المغازی)

حضرت یونس بن بکیر محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں: ''جنگ حنین میں جب ہوازن کی تیر اندازی سے بھگ دڑ مچی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دائیں جانب ہو گئے، اور آپ فرما رہے تھے اے لوگو! میرے پاس آؤ میں اللہ کا رسول ہوں اور محمد بن عبداللہ ہوں۔ کچھ نہ ہوا اونٹ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا (کہ لوگ بھاگ گئے ہیں) اور حضور کے ساتھ اہل بیت میں سے حضرت علی، ابوسفیان بن حارث، ربیعہ بن حارث وغیرہ باقی تھے، اور مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے پاس موجود تھے۔(البدایہ والنہایہ، ج۷،ص:۱۵)

ابوبکر امیر حج: جب ہجرت کا نواں سال شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا پھر فرمایا: ابھی کعبہ میں مشرکین بھی جاتے ہیں اور وہاں ننگے ہو کر طواف کرتے ہیں اس وجہ سے حضور خود تشریف نہ لے گئے بلکہ حضرت ابوبکر کو اس سال لوگوں پر اپنا امیر بنا کر روانہ فرمایا تاکہ وہ مسلمانوں کو حج کرائیں۔ اور حضرت ابوبکر کو حج

کے احکام لکھ کر دیے، پھر حضرت ابوبکر کے پیچھے حضرت علی کو اپنی اونٹنی عضبا پر سوار کر کے روانہ کیا تا کہ حضرت علی حج میں شریک ہونے والے لوگوں کو سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنا دیں۔ جب حضرت علی حضرت ابوبکر کے قریب پہنچے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹنی کی آواز سنی تو ٹھہر گئے اور فرمایا یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اونٹنی کی آواز ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکر نے پوچھا تم امیر ہو یا مامور ہو؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں مامور ہوں۔ جب یوم ترویہ آیا (آٹھ ذی الحجہ) تو حضرت ابوبکر نے خطبہ دیا اور مسلمانوں کو حج کے احکام کی تعلیم دی۔ دس ذی الحجہ یوم نحر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمرۂ عقبہ پر کھڑے ہوئے اور کہا اے لوگو! میں تمہارے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نمائندے کی حیثیت سے آیا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیا پیغام لائے ہیں؟ تو آپ نے سورۂ توبہ کی تیس یا چالیس آیتیں تلاوت فرمائیں، پھر فرمایا مجھے چار احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (۱) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے قریب نہیں آئے گا۔ (۲) کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف نہیں کرے گا۔ (۳) جنت میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی نہیں جائے گا۔ (۴) جس سے جو معاہدہ کیا جائے وہ پورا کیا جائے۔

(روح المعانی ج ۱۰، ص: ۳۳۵، عمدۃ القاری کتاب الصلوۃ باب ما تیسر من العورۃ)

ابوبکر صفت رحمت کے مظہر: اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج کے مجموعی احکام کا امیر بنایا اور مشرکین سے برأت اور بے زاری کے اعلان کا امیر حضرت علی کو بنایا۔ اس سلسلے میں علامہ آلوسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ”بعض علمائے اہل سنت نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفت رحمت و جمال کے مظہر ہیں کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ارحم امتی بأمتی ابوبکر“ میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکر ہیں“

اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوبکر کو اس چیز کا امیر بنایا جو عین رحمت

ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ کے شیر ہیں اور وہ صفت جلال کے مظہر تھے، اس لیے کافروں سے عہد شکنی کا اعلان کرنا ان کے حوالے کیا۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص: ۳۳۶)

ابوبکر اور نزول قرآن: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں قرآن پاک کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر چند آیات بیان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔" ﴿التوبہ ۴۰﴾

ترجمہ: صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا۔

اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہاں صاحب سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

امام بزار اور ابن عساکر نے اسید بن صفوان سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آیت کریمہ

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ۔ ﴿الزمر ۳۳﴾

ترجمہ: اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے اس کی تصدیق کی۔

اس میں "الذی جاء بالصدق" سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور "صدق بہ" سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آیت کریمہ: "وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۝" ﴿الحجر ۴۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کینے تھے سب کھینچ لیے، آپس میں بھائی ہیں، تختوں پر روبرو بیٹھے۔

امام ابن عساکر حضرت علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں یہ آیت کریمہ حضرت

ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابن عسا کر نے ابن عیینہ سے روایت کی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سب پر عتاب فرمایا مگر حضرت ابوبکر کو اس سے دور رکھا گیا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ ﴿التوبۃ ۴۰﴾ ترجمہ: اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔ (تاریخ الخلفاص: ۳۶، ۳۸)

ابوبکر احادیث میں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب وفضائل میں کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو مستقل ایک کتاب تیار ہو جائے ہم یہاں چند احادیث ہی کے بیان پر اکتفا کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن وہ میرے دینی بھائی ہیں اور ساتھی ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں: آپ کی خلت صرف خدا کے لیے ہے جب کہ آپ کی محبت اور بہت سے حضرات کے لیے ہے کیوں کہ خلت کا معنی ہے سب سے منقطع ہو کر کسی کی طرف متوجہ ہونا (اس معنی کے اعتبار سے حضور کو یہی شایان شان کہ خلت صرف خدا کے ساتھ ہو اور کسی کے ساتھ نہیں) (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل ابی بکر۔

(۲) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر اپنی چادر کا کنارہ پکڑے ہوئے حاضر ہوئے یہاں تک کہ ان کا گھٹنا ظاہر ہو گیا، بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے صاحب کا کسی سے جھگڑا ہوا ہے۔ ابوبکر نے آکر سلام کیا اور بتانے لگے میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کوئی معاملہ ہوا تو جلدی میں میرے منہ سے ایک بات نکل گئی جس پر مجھے ندامت ہوئی اور میں نے ان سے معافی طلب کی، لیکن انہوں نے مجھے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا میں آپ کی بارگاہ میں آ گیا ہوں۔ آپ نے تین

مرتبہ فرمایا ابوبکر اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عمر نادم ہوکر حضرت ابوبکر کے در دولت پر حاضر ہوئے اور آپ کے بارے میں پوچھا؟ جواب ملا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں، وہ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوگئے، آ کر سلام کیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا یہ صورت حال دیکھ کر ابوبکر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم مجھ سے بڑی زیادتی ہوئی یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ عرض کیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تو تم سب لوگوں نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے لیکن اکیلے ابوبکر نے کہا یہ سچ فرماتے ہیں۔ پھر اپنی جان و مال سے میری خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی، تو کیا تم میرے ایسے ساتھی کو چھوڑ دو گے؟ یہ جملہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد کبھی کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تکلیف دہ بات نہ کہی۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو اللہ کی راہ میں ایک چیز کا جوڑا خرچ کرے تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا۔ نمازی کو نماز والے دروازے سے بلایا جائے گا، مجاہد کو باب جہاد سے اور خیرات والے کو باب خیرات سے اور روزہ دار کو باب ریان سے اور جوان سارے دروازوں سے بلایا جائے گا اسے تو خطرہ ہی کیا۔ پھر ابوبکر عرض گذار ہوئے یا رسول اللہ! کیا کوئی ایسا بھی ہے جسے سارے دروازوں سے بلایا جائے گا؟ سرکار نے فرمایا: ہاں اے ابوبکر! مجھے امید ہے تم انہیں میں سے ہو۔

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری ارشاد فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیر اریس پر بیٹھ گئے، اس طرح کہ منڈیر پر بیٹھ کر پنڈلیاں کھول کر کنویں میں لٹکا دیں، میں سلام کر کے لوٹ آیا اور دروازے پر آ کر بیٹھ گیا اور اپنے دل میں سوچا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دربان رہوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر آئے اور انہوں

نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون؟ جواب دیا میں ابوبکر ہوں، میں نے کہا ٹھہریے پھر میں نے حضور سے عرض کیا ابوبکر آئے ہیں اور حاضری کی اجازت چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: انھیں آنے کی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی سنا دو۔ میں نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر سے عرض کیا اندر آجایئے اور سنیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر حاضر بارگاہ ہوئے اور سرکار کی داہنی جانب چبوترے پر بیٹھ گئے، پنڈلیاں کھول کر ٹانگیں کنویں میں لٹکا دیں۔ جیسا حضور نے کیا ویسا ہی انہوں نے بھی کیا۔ (صحیح البخاری، کتاب مناقب الصحابہ، باب فضل ابی بکر)

(۵) حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر جنتی ہیں، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد، سعید اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہیں رضی اللہ عنہم۔ (جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عبدالرحمن بن عوف)

حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم: امامِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بارگاہِ پروردگار میں حاضر ہونے سے چار دن پہلے تک علالت ونقاہت کے باوجود خود ہی مصلیٰ امامت کو زینت بخشتے رہے اور غلاموں کو شربت دیدار سے سیراب کرتے رہے۔ پھر جب نقاہت زیادہ بڑھی اور مرض میں شدت پیدا ہوئی تو آپ نے حکم دیا 'مروا ابابکر لیصل بالناس'' جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو سرکار نے فرمایا: ابوبکر کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا ابوبکر نرم دل انسان ہیں آپ کی جگہ پر نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ سرکار نے پھر یہی فرمایا ابوبکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں حضرت عائشہ نے پھر اپنی گذارش کو دہرایا۔ اس پر سرکار نے ارشاد فرمایا ''تم زنان یوسف علیہ السلام کی طرح ہو'' ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائیں۔ قاصد نے آکر حضرت ابوبکر سے حکم سرکار بیان کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار کی حیات ظاہری میں نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری کتاب الجماعۃ والامامۃ، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ)

امام واقدی نے ابوبکر بن ابی میسرہ سے روایت کیا ہے حضرت ابوبکر نے سترہ (۱۷) نمازوں میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات ظاہری میں لوگوں کی امامت فرمائی اور دوسرے حضرات نے بیس (۲۰) کا قول کیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۸،ص:۵۷)

حضرت ابوبکر کو حضور نے مسلمانوں کی نمازوں کا امام متعین فرمایا۔ اس سلسلے میں کثیر احادیث وارد ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفۂ برحق ہونے پر روشن دلیل ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بار نہیں بار بار فرمایا " مروا ابابکر فلیصل بالناس"، جب حضرت عائشہ نے اپنی دوسری گذارش پیش فرمائی تو حضور نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنے کھلے الفاظ میں ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارے دین کے لیے پسند کیا تو ہم نے اپنی دنیا کے لیے بھی انہیں پسند کر لیا۔

(اسد الغابہ ج۳،ص:۳۲۲،الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج۱،ص:۱۸۹)

وصالِ رسول اور ابوبکر: (بارہ ربیع الاول) ۱۱ھ فجر کی نماز حضرت ابوبکر نے مسجد نبوی میں پڑھائی اور سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، آج مرض میں تخفیف نظر آئی، حضور سے اجازت لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام سنخ پر اپنے بال بچوں سے ملنے چلے گئے۔ مقام سنخ مدینہ شریف کے پورب میں واقع ہے وہاں آپ کی ایک اہلیہ قیام پذیر تھیں، آپ وہیں پر تھے کہ ادھر مدینہ شریف میں سانحۂ ارتحال پیش آ گیا اور صحابہ آپس میں مختلف ہو گئے، کچھ بولے کہ حضور وصال فرما گئے تو کچھ صحابہ یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج۸،ص:۸۷،الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج۱،ص:۱۲۶)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عشق تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔ یہ وہ نفوس ہیں جن پر حضور کا چند گھنٹوں کا فراق قیامت سے کم نہیں ہوتا، رات میں بعد عشا ملاقات ہوتی، گھر جاتے، بستر پر کروٹیں بدل بدل کر رات کی گھڑیاں گن گن کر شب بسر کرتے اور صبح تڑکے سراپا نیاز بن کر فجر کی نماز پہلی صف

میں ادا کرتے کہ بلا کسی مزاحمت کے محبوب کا دیدار بے حجاب کیا جائے لیکن حکم پروردگار "کل نفس ذائقة الموت" پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لبیک کہا۔

انبیا کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیار پر محبوب دو عالم نے دنیا کو چھوڑ نا پسند کیا اور جوار پروردگار کو منتخب فرمایا۔ حضور کا دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر جانا عشاق کی جان پر کتنا گراں تھا یہ بیان سے باہر ہے۔ بزم عاشقاں اجڑ گئی، دل سوگوار، روحیں بے قرار اور دیدہ ہائے شوق اشکبار ہوئے، جس سے چند لمحے کے لیے جدا ہونا انہیں گوارہ نہ تھا اس سے متعلق یہ تصور کہ اب ظاہراً وہ انہیں کبھی نظر نہ آئے گا، انہیں کیسے برداشت ہوسکتا تھا، حسرت و یاس کے دریا آنکھوں سے رواں ہیں، دل سینوں سے باہر آجاتے ہیں، صحابہ بے خود ہو گئے، فرط غم میں بعض کے حواس بھی جواب دے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عقل کی پختگی میں اپنی مثال آپ ہیں فرماتے تھے۔ جس نے کہہ دیا کہ حضور وصال فرما گئے ہیں تو اس کی گردن اتار دوں گا۔ حضرت سالم بن عبید نے جب معاملہ کی سنگینی دیکھی تو فوراً سنخ روانہ ہوئے تاکہ حضرت صدیق کو واقعہ سے خبردار کریں، جاکر پورا واقعہ کہہ سنایا، لہٰذا حضرت صدیق اکبر خبر پاتے ہی بارگاہ حضور میں حاضر ہوئے، سرکار کے جسم اطہر پر چادر پڑی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آتے ہی چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کا بوسہ لیا، پھر آپ منبر کی طرف آئے، ایک مختصر سی تقریر فرمائی، جس میں آپ نے لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور فرمایا اور انہیں بتایا کہ حضور جوار پروردگار میں جا پہنچے ہیں۔

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد سرکار کے نائب کے انتخاب کا مسئلہ سب سے اہم تھا، بعض انصار کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ بھی جائز

ہے کہ حضور کا خلیفہ انصار میں سے متعین کیا جائے۔ انصار کے اس خیال کی تردید کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بتایا کہ خلیفہ قریش میں سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس پر سارے انصار مطمئن ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص: ۷۵۔۷۹)

بیعت وخلافت: اب ہم حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت وخلافت سے متعلق صرف بخاری شریف کی ایک حدیث پر اکتفا کر رہے ہیں۔ جسے تفصیل مطلوب ہو وہ تاریخ الخلفا اور الریاض النضرہ کی طرف رجوع کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا ہم صرف وہ اقتباس پیش کر رہے ہیں جو ہماری بحث سے متعلق ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: (سرکار کے وصال کے بعد جب حالات کشیدہ ہوئے تو) میں نے حضرت ابوبکر سے کہا آپ ہمارے ساتھ ہمارے انصاری بھائیوں کے پاس چلیں، پھر ہم ان کے پاس پہنچنے کے ارادے سے چل دیے جب ہم ان کے نزدیک پہنچے تو ہمیں ان میں سے دو آدمی ملے جنہوں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے کسی بات پر اتفاق کیا تھا، پھر انہوں نے کہا اے گروہِ مہاجرین آپ کہاں جا رہے ہیں؟ ہم نے کہا ہم اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ایسا نہ کیجیے اور ان کے پاس نہ جایئے بلکہ اپنا فیصلہ کر لیجیے۔ پس میں نے کہا خدا کی قسم ہم ان کے پاس ضرور جائیں گے۔ پھر ہم چل دیے اور ان کے پاس سقیفہ بنی ساعدہ پر جا پہنچے دیکھا تو ان کے درمیان ایک شخص چادر اوڑھے بیٹھا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ ہیں میں نے کہا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے انہوں نے کہا کہ بخار آتا ہے۔

جب ہمیں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تو ان کے ایک خطیب نے تشہد پڑھا اللہ کی حمد وثنا بیان کی جو اس کی شان کے لائق ہے پھر کہا امابعد! ہم اللہ کے انصار اور اسلام کی فوج ہیں اور اے گروہ مہاجرین آپ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں جو اپنی قوم سے جدا ہو کر ہم میں آملے ہیں۔ کیا آپ حضرات چاہتے ہیں کہ ہماری بیخ کنی کر کے خود خلیفہ بن بیٹھیں؟ جب

وہ خاموش ہوا تو میں نے بولنے کا ارادہ کیا اور میں نے ایک عمدہ بات اپنے دل میں تیار کرلی تھی مگر میں چاہتا تھا کہ حضرت ابوبکر سے بھی پہلے گفتگو کروں اور اس غصے کا ازالہ کروں جو انہیں اس تقریر سے آیا ہوگا۔ جب میں نے بولنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: ذرا ٹھہریے۔ لہٰذا میں نے گفتگو کر کے انہیں ناراض کرنا پسند نہیں کیا۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گفتگو شروع کی اور وہ مجھ سے زیادہ حلیم، زیادہ سنجیدہ تھے۔ جو کچھ میں نے تقریر کرنے کے لیے سوچا تھا وہ انہوں نے فی البدیہ سارا کہہ دیا بلکہ اس سے بھی بہتر، یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ (انصار) حضرات نے جو اپنی خوبیاں بیان فرمائی ہیں وہ درست اور واقعی ہیں، آپ ان کے اہل ہیں لیکن خلافت اس قبیلۂ قریش کے سوا متصور ہی نہیں کیوں کہ نسبت اور خاندان کی رو سے یہی قبیلہ پورے عرب میں ممتاز ہے پس میں تمہارے لیے ان دو آدمیوں میں سے ایک پر راضی ہوں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔ پھر انہوں نے میرا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا اور وہ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے مجھ (عمر) کو ان کی گفتگو میں اس کے سوا اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی۔ خدا کی قسم اگر مجھے آگے بڑھا کر میری گردن اڑا دی جائے جب کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان لوگوں کا امیر بنوں جن میں حضرت ابوبکر موجود ہوں۔ (بیان کرتے وقت فرماتے ہیں) اب بھی میرا یہی نظریہ ہے ماسوائے اس کے کہ مرتے وقت میرا نفس بہکا دے اور کوئی دوسرا خیال دل میں لاؤں۔ پھر انصار میں سے ایک شخص نے کہا میں وہ لکڑی ہوں جس کے ساتھ اونٹ اپنا جسم رگڑ رگڑ کر خارش دور کرتے ہیں اور میں باڑ ہوں جو درختوں کے گرد لگائی جاتی ہے۔

اے گروہ قریش! ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک آپ میں سے، اس پر خوب شور وغل مچا اور آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ میں اختلاف سے ڈرنے لگا۔ پس میں نے کہا اے ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت

کر لی اور مہاجرین نے ان سے بیعت کر لی۔ پھر انصار نے بھی ان سے بیعت کر لی۔ اور ہم حضرت سعد بن عبادہ کی طرف بڑھے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ آپ حضرات نے حضرت سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا۔ میں نے کہا ان کا خون اللہ نے کیا ہوگا، حضرت عمر نے فرمایا: خدا کی قسم اس وقت حضرت ابوبکر کی بیعت سے زیادہ ضروری ہمارے سامنے اور کوئی بات نہ تھی، ہمیں ڈر تھا کہ مبادا ہم لوگوں سے جدا ہو کر رہ جائیں، ہوسکتا ہے کہ ابھی انہوں نے بیعت نہ کی ہو اور ہمارے بعد وہ اپنے میں سے کسی آدمی سے بیعت کر لیں۔ پس یہی کہ ہم اپنی مرضی کے خلاف اس سے بیعت کرتے یا ان کی مخالفت کرتے اور اس طرح فساد برپا ہو جاتا۔ پس جو مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی آدمی سے بیعت کرے اس کی پیروی نہ کرنا۔ (صحیح البخاری، کتاب المحاربین، باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت، ترجمہ علامہ اختر شاہ جہاں پوری)

یہ تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کا مختصر واقعہ جس سے قارئین نے بخوبی اندازہ کیا ہوگا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حالات کس حد تک نازک ہو چکے تھے، اختلاف کی آگ بھڑکنے ہی والی تھی، رسول پاک کی امت ٹکڑے ٹکڑے ہونے والی تھی، کبھی ختم نہ ہونے والے جھگڑے کی شروعات ہونا چاہتی تھی مگر حضرت ابوبکر کی دور اندیشی، حکمت عملی اور ان کی خداداد صلاحیتوں نے امت مصطفیٰ کے شیرازے کو منتشر ہونے سے بچا لیا۔ ہزاروں رحمتیں نازل ہوں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پاک باز ساتھیوں پر کہ انہوں نے امت کو اس منحوس دن دیکھنے سے بچا لیا کہ جس میں مسلمان دو گروپ میں تقسیم ہوتے یا ان کی تلواریں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف چلتیں۔

کشتیٔ ملت کے کھیون ہارے: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کثیر مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ جن مسائل کو حل کرنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے اہم ذمہ داری تھی۔ ہر معاملہ اپنی جگہ عظیم بھی تھا، اور اہم بھی۔ حالات موافق ہوں

اور مسائل سر ابھاریں تو انہیں دبا دینا یا حل کر لینا دشوار نہیں ہوتا لیکن حالات جب نامساعد بلکہ مخالف ہوں اس وقت تو چھوٹی سی چھوٹی چیز امر عظیم دکھائی دیتی ہے۔ یہاں حالات کی ناسازگاری کا عالم یہ ہے کہ اپنوں میں انتشار ہے، حضرات انصار بھی الگ تھلگ دکھائی دے رہے ہیں، نومسلم اور کمزور ایمان والے لوگ فتنۂ ارتداد کی نظر ہو چکے ہیں، نفاق کے شعلوں میں نئی حدت اور تیزی پیدا ہو گئی ہے بلکہ انہیں تازہ ایندھن نصیب ہو گیا ہے، اصحاب رائے میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے جو لوگ اسلام کے بڑھتے اقتدار کے آگے خود بخود مصلحتاً جھک گئے تھے آج انہوں نے موقع کا فائدہ اٹھا کر اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، اسلام کا کارواں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں عروج وارتقا کی منزلیں طے کر رہا تھا اور راستہ میں آنے والی رکاوٹوں کو کوڑے کرکٹ کی طرح اپنی ٹھوکروں سے کنارے کرتا جا رہا تھا، آج خطرات کی زد میں آ گیا ہے، کشتیٔ امت بحر حوادث میں ہچکولے کھا رہی ہے لیکن فضلِ خداوندی سے اس کشتی کی پتوار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دست غیب یار غار کے سر پر سایہ فگن ہے اور ابوبکر اللہ ورسول کے فضل سے تمام تر دانائی اور بینائی کے ساتھ کشتی ملت کو موج حوادث سے بچاتا ہوا تدریجاً آگے بڑھاتا ہے اور محفوظ و مامون بندرگاہ تک پہنچا دیتا ہے کہ جہاں سے فلاح و بہبود، ترقی و بلندی کا سفر آسان ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کیسے کیسے عظیم مسائل تھے اس کا قدرے اندازہ آنے والے اقتباس سے کریں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد نفاق نے سر بلند کیا، عرب مرتد ہونے لگے، انصار نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بلند و بالا پہاڑوں پر اگر اتنا بار آ جاتا جو بوجھ والد گرامی وقار پر آ پڑا تھا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے لیکن جو معاملہ پیش آیا والد گرامی پوری استقامت کے ساتھ نہ یہ کہ جمے رہے بلکہ اس کا صحیح حل بھی نکالا۔ بعد وصال لوگوں میں سب سے پہلا اختلاف تو یہ پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے تو اس سلسلے میں کوئی علم

محکم کے ساتھ کچھ نہ بول سکا لیکن اکیلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر ایک نبی اپنی آخری آرام گاہ میں دفن کیا جاتا ہے۔ دوسرا اختلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی میراث سے متعلق تھا۔ اس سلسلے میں بھی کسی کے پاس کوئی معلومات نہ تھی سب خاموش تھے یہ مسئلہ بھی والد گرامی نے حل فرمایا۔ چناں چہ آپ نے فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہم گروہ انبیا کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

امام بیہقی اور ابن عساکر روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین مرتبہ یہ جملہ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر نہ کیا جاتا تو روئے زمین پر کوئی بھی خدا کی عبادت نہ کرتا۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ کے یہ کہنے کی دلیل کیا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اسامہ کو سات سو لوگوں کا امیر بنا کر شام کی طرف روانہ فرمایا جب یہ لشکر مقام ذی خشب پر پہنچا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا۔ وصال کی خبر پاتے ہی مدینہ شریف کے آس پاس کے عرب نو مسلم قبائل مرتد ہو گئے یہ حال دیکھ کر صحابہ کرام حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ لشکر اسامہ کو واپس بلا لیجیے اور اسے روم اور حوالی مدینہ شریف کی طرف بھیجیے جہاں عرب مرتد ہو رہے ہیں یہ سن کر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر ازواج مطہرات کے قدموں کو پکڑ کر کتے کھینچیں (اگر چہ یہ مصیبت اپنی جگہ بہت عظیم ہے) تب بھی اس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے روانہ کیا ہو اور نہ اس پرچم کو سرنگوں ہونے دوں گا جس کو آپ نے لہرایا تھا لہٰذا آپ نے لشکر کو روانہ فرمایا۔ حضرت اسامہ اپنے لشکر کے ساتھ جس مرتد قبیلے سے گزرتے اسے مجبور ہو کر یہ کہنا پڑتا ضرور مسلمانوں کے پاس عظیم قوت موجود ہے ورنہ وہ اس وقت اس طرح ہرگز نہ

نکلتے۔ اسامہ اس شان سے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کے سلطنت روم میں جا گھسے رومیوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا مسلمانوں نے انہیں قتل کیا اور شکست دی اور اللہ کی طرف سے سلامتی کے ساتھ واپس آئے اس طرح لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ (تاریخ الخلفاص:۵۶)

مانعینِ زکاۃ کے ساتھ جنگ: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کی خبر ہر طرف پھیلی تو عرب کے بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے اور زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا، اس پر حضرت عمر اور ان کے سوا دوسرے صحابہ نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ ابھی جنگ مناسب نہیں ہے، جنگ کرنے میں توقف کریں۔ یہ سن کر آپ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا: اگر یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ایک رسی یا بکری کا ایک بچہ پیش کرتے تھے اور آج اسے دینے سے انکار کریں گے تو خدا کی قسم میں ان سے جنگ کروں گا۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کیا آپ ان سے قتال کیسے کریں گے؟ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے: ''مجھے یہ حکم ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ لوگ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ اٹھیں'' اور جس نے کلمہ شریف پڑھ لیا اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا مگر یہ کہ ادائیگی حق کے لیے ہو اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔'' اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کریں گے۔ (ایک کا اقرار کریں گے اور دوسرے کا انکار)

سنو! زکاۃ حقِ مال ہے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: ''دینی حق حاصل کرنے کے لیے تعرض کیا جائے گا۔ (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل سن کر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بخدا میں نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ قتال کے لیے کھول دیا ہے اور میں نے یہ جان لیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ بالکل درست اور حق ہے۔ (تاریخ الخلفاص:۵۷)

اس واقعہ میں ہمارے لیے جو درس عبرت ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی قدس سرہ العلیم القوی تحریر فرماتے ہیں:

مانعینِ زکاۃ اوران سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جہاد کے نتیجہ میں حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''یہاں سے مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے کہ ہر حالت میں حق کی حمایت اور ناحق کی مخالفت ضروری ہے اور جو قوم ناحق کی مخالفت میں سستی کرے گی وہ جلد تباہ ہو جائے گی۔ آج کل بعض سادہ لوح باطل فرقوں کے رد کرنے کو بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس وقت آپس کی جنگ موقوف کرو۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقۂ عمل سے سبق لینا چاہیے کہ آپ نے ایسے نازک وقت میں بھی باطل کی سرکوبی میں توقف نہ فرمایا، جو فرقے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں ان سے غفلت برتنا یقیناً اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ (سوانح کربلا)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اور نماز مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ اسلام کی ساری باتوں کو ماننا ضروری ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اسلام کی ساری باتوں پر ایمان رکھتا ہو لیکن ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر ومرتد ہے۔ جیسے کہ مانعین زکاۃ ایک بات کا انکار کر کے کافر ومرتد ہوئے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلك)

اور مسیلمہ کذاب کے ساتھی و مانعین زکاۃ کے کافر ومرتد ہونے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ''عرب میں کافر ومرتد نہ ہوں گے'' یہ کہنا غلط ہے۔ (خطبات محرم ص:۱۰۲)

جھوٹے مدعیانِ نبوت: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات ظاہری کے آخری ایام میں کچھ بدبختوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور انہوں نے اپنے ساتھ بڑی قوت جمع کر لی تھی ان میں سے بعض کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان واقعات کو ہم اجمالاً بیان کر رہے ہیں:

اسود عنسی: جھوٹے مدعیان نبوت میں سے ایک نام عبہلہ بن کعب اسود عنسی کا ہے جو کہف حنان کا رہنے والا تھا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعین کردہ

عمال کے ساتھ سرکشی کی یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبل وغیرہ کو اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا، اس نے یمن وغیرہ پر مکمل قبضہ کرلیا اور اس کا معاملہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا چلا گیا، صنعا اور طائف پر بھی یہ قابض ہو گیا، عمرو بن معدی کرب، قیس بن عبد، فیروز دیلمی، داذویہ اس کے خاص لوگ تھے۔ اس نے فیروز دیلمی کی چچازاد بہن سے شادی کرلی جس کا نام زاذ تھا، یہ ایک حسین وجمیل عورت تھی اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان رکھتی تھی اور اسود عنسی کی ہلاکت کا اصل سبب بھی یہی پارسا عورت اور فیروز وغیرہ ہی بنے۔ اس کی بیوی اس سے بے حد نفرت کرتی تھی اور یہ خاص لوگ اس کے برتاؤ کی بنیاد پر اس سے متنفر ہو چکے تھے آخر مکمل منصوبے کے تحت فیروز وغیرہ اس کے گھر خفیہ راستے سے داخل ہوئے، اس وقت جب کہ وہ صبح کی میٹھی نیند کے نشے میں مست خراٹے بھری نیند کے مزے لے رہا تھا، فیروز نے اس پر تلوار کا وار کیا، وہ کوئی معمولی ڈیل ڈول کا انسان نہ تھا بلکہ اس کا جسم مثل اونٹ تھا تلوار کے وار سے چیخنا شروع کر دیا، مکان کے پہرے دار اس کی آواز سن کر اندر آئے تو اس کی بیوی نے کہا کہ تمہارے نبی پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہورہی ہے فکر کرنے کی ضرورت نہیں، پہرے دار مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

فیروز نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کیا اور یہ بات طے پائی کہ صبح ایسا نعرہ لگایا جائے جس سے مسلم اور غیر مسلم سب جمع ہو جائیں لہٰذا منصوبے کے تحت قیس نے قلعے کی فصیل پر چڑھ کر آواز لگائی سارے لوگ اکٹھا ہو گئے پھر قیس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور عبہلہ اسود عنسی جھوٹا تھا یہ کہتے ہوئے اسود کے سر کو لوگوں کے سامنے پھینک دیا، اسود کے کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر اس کے متبعین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ سب موقع واردات سے فرار ہو گئے، اس کی نبوت خاک میں مل گئی اور اسلام کا غلبہ اور تسلط ان تمام علاقوں پر ہو گیا۔

یہ خبر مدینہ شریف کب پہنچی اس میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جس رات اسود کا قتل ہوا اس رات کی صبح کو غیب داں نبی نے مدینہ شریف میں فرما دیا: رات

میں اسود کو قتل کر دیا گیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! کس نے قتل کیا؟ تو رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فیروز نے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ خبر خلافت صدیقی میں ربیع الاول کے آخری ایام میں موصول ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ج۹، ص:۴۳۶، ۴۲۹)

مسیلمہ کذاب: وہ بد بخت انسان ہے جس کی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی لیکن اس نے حضور کی اتباع نہیں کی اور بعد میں سرکار کی ظاہری حیات میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: مسیلمہ کذاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آیا اور کہتا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنا ولی عہد بنالیں تو میں ان کی اتباع کرلوں گا۔

مسیلمہ کذاب مدینہ طیبہ میں اپنی فوج کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور حضور کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست پاک میں کھجور کی ایک ٹہنی کا ٹکڑا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسیلمہ کے ساتھ کھڑے ہوئے، مسیلمہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو مجھ سے اس ٹکڑے کا بھی سوال کرے گا تو میں تجھے نہیں دوں گا اور تیرے بارے میں اللہ کا جو فیصلہ ہے اس سے وہ خطا نہیں کرسکتا اور اگر تو مجھ سے روگردانی کر کے جائے گا تو اللہ ضرور ضرور تجھے ہلاک کر دے گا، اور مجھے یقین ہے کہ تو وہی ہے جس کے بارے میں مجھے دکھایا گیا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: مجھے ابو ہریرہ نے خبر دی کہ حضور نے فرمایا: میں سورہا تھا کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے جس نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا۔ پھر خواب ہی میں میری جانب وحی کی گئی کہ ان پر پھونک مارو میں نے ان دونوں پر پھونکا تو دونوں اڑ گئے میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ یہ دونوں کذاب ہیں جو میرے بعد نکلیں گے۔ ان میں سے ایک اسود عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ یمامہ والا۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ)

اس حدیث کی شرح میں شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مغازی میں ہے کہ مسیلمہ مدینہ طیبہ آیا تو حارث کی بیٹی کے گھر ٹھہرا جس کا نام کیسہ تھا، یہ مسیلمہ کذاب کی زوجیت میں تھی۔ مسیلمہ ۹ھ میں بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ آیا تھا یہ دس سے کچھ اوپر آدمی تھے۔ مسیلمہ کذاب پڑاؤ پر رہ گیا اور وفد کے بقیہ افراد مسجد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت تک اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا، مدینہ طیبہ سے واپسی کے بعد یہ سب مرتد ہو گئے اور مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا، یہ کچھ طلسم بھی جانتا تھا۔ مثلاً انڈے کو شیشی میں داخل کر دیتا۔ "یخرجان من بعدی" اسود عنسی یمن کے مشہور شہر صنعا میں رہتا تھا اسے فیروز دیلمی صحابی نے قتل کیا۔ ایک قول کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وصال میں مارا گیا، اور ایک قول کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی ایام میں مسیلمہ کذاب عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں مارا گیا۔ اسے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی نے قتل کیا تھا۔ ان دونوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس لیے "یخرجان من بعدی" کا مطلب یہ ہے کہ میرے ظہور کے بعد یہ دونوں خروج کریں گے، یہ مراد نہیں کہ یہ میرے وصال کے بعد نکلیں گے۔ (نزہۃ القاری جلد ۷، ص:۶۶)

مدعیان نبوت کی داستان: مسیلمہ، طلیحہ اسدی اور سجاح بنت حارث جھوٹے مدعیان نبوت کی داستان الکامل فی التاریخ، البدایۃ والنہایۃ ج ۹، ص: ۴۳۳، ۴۴۹، پر بہت تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم سیرت خلفاے راشدین کا اقتباس نقل کر رہے ہیں:

مسیلمہ کذاب: مسیلمہ بنی حنیف سے تعلق رکھتا تھا، اس نے عہد رسالت ۱۰ھ میں دعوئ نبوت کیا۔ قبائلی عصبیت نے اتنا زور پکڑا کہ بنو حنیف اور اس کے حلیف قبائل مسیلمہ کے متبع بن گئے، مسیلمہ کی جرأت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف، میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں اس لیے نصف زمین ہماری ہے اور نصف قریش کی، لیکن قوم قریش انصاف سے کام نہیں لیتی''

جب یہ خط رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو غضب ناک انداز میں یہ جواب دیا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی طرف، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے متقی بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے''

مسیلمہ کے اثرات بڑھنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فوج کشی اس لیے نہیں فرمائی کہ اس وقت ساری توجہ اس طرف تھی کہ قیصر روم کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے عرب کی حفاظت کس طرح ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر یمامہ روانہ کیا، چوں کہ یہ لشکر ناکافی تھا، اس لیے شرحبیل بن حسنہ کی قیادت میں ایک اور لشکر روانہ کیا، عکرمہ نے یمامہ پہنچ کر شرحبیل کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست سے دوچار ہوئے، جب دربار خلافت میں یہ روح فرسا خبر پہنچی تو حضرت صدیق اکبر بہت رنجیدہ ہوئے اور شرحبیل کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا حکم دیا اور مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب کیا، خالد یمامہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار جاں بازوں کا منتخب لشکر موجود تھا، شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یمامہ پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور ناکامی کا منہ دیکھا۔

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمامہ پہنچے، جنگ سے قبل ہی ایک اور لشکر مدینہ سے خالد کی مدد کے لیے روانہ کر دیا گیا، خالد سیف اللہ اسلامی لشکر کے ساتھ ''عقربا'' پہنچے جہاں مسیلمہ اپنے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن تھا، حضرت خالد نے بھی اپنی فوج ترتیب دی، دونوں لشکر فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہوئے، گھمسان کا رن پڑا، مسیلمہ کے ساتھیوں نے

بڑی بےجگری سے لڑتے ہوئے مسلمانوں کو پسپا کردیا مسلمان سنبھلے اور دشمن پر پوری قوت سے حملہ کیا مگر مسیلمہ کے سپاہی اپنی جگہ قائم رہے، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان جنگ کا جائزہ لینے کے بعد مسیلمہ کے محافظ دستوں پر زبردست حملہ کردیا، اس حملے کی تاب نہ لاکر مسیلمہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کے متبعین نے پوچھا، تو ہم سے جس فتح و ظفر کا وعدہ کرتا تھا وہ کہاں ہے؟ لیکن اس کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا تھا، وہ ٹھہر نہ سکا، اس کے بھاگتے ہی سارا لشکر پسپا ہوگیا، مسیلمہ وحشی بن حرب (قاتل حضرت حمزہ) کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کی بیوی سجاح جو خود مدعیۂ نبوت تھی، مسیلمہ کے قتل کے بعد بھاگ گئی، حضرت خالد سیف اللہ کی قیادت والی فوج نے مرتدین کی کمر توڑ ڈالی، جس کی وجہ سے پورا علاقہ مطیع وفرماں بردار ہوگیا۔ اس فتح مبین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ تاریخ اسلام میں یہ جنگ، جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔

(خلفائے راشدین ص: ۲۷)

طلیحہ اسدی: قبیلہ بنی اسد کے سردار طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا، اس نے اپنے قبیلے کے علاوہ بنی طے اور غطفان کو بھی گمراہ کر کے اپنا حلیف بنالیا، اس طرح اس کے پاس فوج تیار ہوگئی۔ اس کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن ولید مامور ہوئے، چوں کہ قبیلۂ طے کے لوگ بھی اس کی جھوٹی نبوت کے جال میں پھنس گئے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی طے کو راہِ راست پر لانے کے لیے حضرت عدی بن حاتم طائی کو بنی طے میں بھیجا، حضرت عدی نے اپنی قوم کو حالات کی نزاکتوں سے آگاہ کیا، ارتداد کی صورت میں تباہی و بربادی سے ڈرایا تو قوم پر ان کی نصیحتوں کا اثر ہوا، انہوں نے باہمی مشوروں سے دوبارہ اسلام لانا طے کرلیا اور قبیلۂ طے کے پانچ سو جاں باز جو طلیحہ کے ہم نوا ہو گئے تھے انہیں کسی حیلہ سے اپنے یہاں واپس بلالیا جب یہ لوگ اپنے قبیلے میں آگئے تو انہیں بھی عدی نے افہام و تفہیم کے ذریعہ قبول اسلام پر آمادہ کرلیا، اس طرح پورے قبیلے نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا، اور حضرت عدی کی کوشش سے بنی جدیلہ کے ایک

ہزار افراد مسلمان ہوکر لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔

بنی طے اور بنی جدیلہ کے قبول اسلام کی خبر نے طلیحہ کو مضمحل کر دیا لیکن عیینہ فزاری پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار رہا۔ خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی لشکر مقام بزاخہ پہنچا، جنگ شروع ہوئی، اسلامی لشکر نے طلیحہ کی فوج کو پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا، عیینہ فزاری کی ساری جنگی تدبیریں ناکام ہو گئیں، اس نے راہ فرار اختیار کی اور طلیحہ نے بھی شام کا راستہ لیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ اس کے بہی خواہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ (خلفاے راشدین ص:۲۷)

سجاح بنت حارث: مرد تو رہے مرد عورتوں کو بھی جنون سوار ہو گیا، چناں چہ بنو تمیم کی ایک شاخ بنو یربوع سے (جو الجزیرہ میں آباد تھے) سجاح بنت حارث تمیمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا، یہ مذہباً نصرانی تھی، حسین وخوبصورت ہونے کے ساتھ ایک ماہر کاہنہ بھی تھی، اس کے اندر فراست ودانائی کے ساتھ قیادت کی بھرپور صلاحیت تھی، جلد ہی اس نے مختلف قبائل کے جاں بازوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ اشعب بن قیس اس کا خاص داعی تھا، اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے اس نے مسیلمہ سے شادی کر لی، مسیلمہ نے وعدہ کیا تھا کہ یمامہ کی پیداوار کا نصف حصہ سجاح کا ہوگا۔ اس عہد و پیمان کے بعد سجاح الجزیرہ واپس لوٹ گئی پھر وہ عراق سے باہر نکلی، حضرت امیر معاویہ کے عہد میں اسلام لائی۔ (سیرت خلفاے راشدین ص:۲۸)

جمع قرآن: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کے نازل ہونے کی ابتدا غار حرا میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿العلق۱﴾ کے ذریعہ ہوئی اور ۲۳ سال کی طویل مدت تک قرآن پاک نازل ہوتا رہا۔ قرآن پاک اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس میں موجود تھا یا پھر متعدد کاتبین وحی، جنہیں حضور نے قرآن پاک لکھنے پر مامور کر رکھا تھا وہ اس کو کاغذ کے پرزوں، درختوں کے پتوں، چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہ پر لکھ کر محفوظ کرتے تھے اور بعض بلند اقبال صحابہ نے اسے حفظ بھی کر رکھا تھا، لیکن قرآن پاک مصحف کی شکل میں یکجا نہ تھا۔ قرآن پاک کو مصحف کی شکل دے کر یکجا

کرنے کا احساس جنگ یمامہ میں کئی حفاظ قرآن کے شہید ہوجانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر کو ہوا اور انہیں کے مشورے سے حضرت ابوبکر صدیق نے جمع قرآن کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ تفصیل کے لیے بخاری شریف کی درج ذیل حدیث پڑھیں۔

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جو عہد رسالت میں وحی لکھتے تھے۔ کہ ابوبکر نے اہل یمامہ کے قتل کے موقع پر مجھے بلایا اور ان کے پاس عمر بھی تھے، ابوبکر نے کہا عمر میرے پاس آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں بہت لوگ قتل ہو گئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر مختلف جنگوں میں قراء اسی طرح شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کا بہت سا حصہ ضائع ہوجائے گا۔ اب یہی ضروری ہے کہ تم لوگ قرآن کو جمع کرو۔ اور میری رائے جمع قرآن کی ہے۔

ابوبکر نے عمر سے کہا میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس پر عمر نے کہا: بخدا یہ بہتر ہے، عمر مسلسل اپنی بات کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لیے میرے سینے کو کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہے جو عمر کی ہے۔ اور عمر وہاں بیٹھے تھے کچھ بول نہیں رہے تھے۔ ابوبکر نے مجھ سے کہا تم جوان ذہین ہو اور ہم تم کو متہم نہیں جانتے، اور تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وحی لکھتے تھے قرآن کو تلاش کرو اور جمع کرو۔ بخدا اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کے ہٹانے کا حکم دیتے تو قرآن جمع کرنے سے بھاری نہ ہوتا۔ میں نے کہا آپ صاحبان ایسا کام کیوں کرتے ہیں جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس پر ابوبکر نے کہا یہ بخدا بہتر ہے۔ میں ان سے بار بار اپنی بات دہراتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کے لیے مجھے انشراحِ صدر عطا فرمایا۔ جس کے لیے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا پہلے ہی انشراحِ صدر ہو چکا تھا۔

پھر میں اٹھا اور میں نے قرآن کو تلاش کیا میں قرآن کو کپڑوں کے ٹکڑوں اور شانے کی ہڈیوں، کھجور کی شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کی آخری دو آیتوں کو خزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے علاوہ اور کسی کے پاس

نہیں پایا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ ﴿التوبۃ ۱۲۸﴾ میرا لکھا ہوا صحیفہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی بھر ان کے پاس رہا یہاں تک کہ اللہ نے ان کو وفات دی۔ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو وفات دی، پھر ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر سورۂ توبہ)

حضرت ابویعلیٰ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں: قرآن شریف کے سلسلے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے گا کہ سب سے اول آپ ہی نے اسے کتابی شکل میں جمع کیا۔ (تاریخ الخلفاص: ۵۹)

فتوحات: ہمارے قارئین پر مخفی نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کا دور کس حد تک داخلی فتنوں سے بھرپور ہے یہ تو اللہ ورسول کا فضل تھا کہ آپ نے ہر فتنے کا جم کر مقابلہ کیا اور کامیابی آپ کے قدم چومتی رہی جب آپ داخلی فتنوں کا سدباب کر چکے تو آپ کا رخ خارجی فتنوں سے نپٹنے اور اسلام کی مزید توسیع کی طرف مائل ہوا اور آپ نے اس کے لیے مجاہدین اسلام کو سربکف میدان میں اتار دیا۔ جزیرہ نما عرب وقت کی دو عظیم سلطنتوں روم وایران کے نرغے میں تھا۔ قیصر وکسریٰ، والیان روم وایران عرب کو اپنے زیر اثر لانے کی کوشش میں تھے۔ عربوں کی طبیعت میں آزادی بھی تھی اور وہ فطرۃً جنگ جو بھی تھے۔ ان سب پر حاوی مذہبی اختلاف نے انہیں قیصر وکسریٰ سے ٹکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب عرب اسلامی اقدار کے حامل نہ تھے اس وقت بھی وہ لڑنے سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے، آج تو ان کا توکل خدا پر تھا۔ انہیں رحمت عالمیاں کی تعلیمات نے انتشار سے بچا کر ایک مضبوط اتحاد عطا کیا تھا وہ آپس میں شیر وشکر تھے اور اسلام کی خاطر ساری عداوتیں بھول بیٹھے تھے۔ انہیں اسباب کی بنیاد پر خلیفۂ اول نے دشمنان اسلام پر فوج کشی کی۔

علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں: ''مرتدین سے نپٹنے کے بعد خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ کی

طرف بھیجا انہوں نے مشہور شہر ایلیا پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ پھر عراق کے مشہور شہر مدائن کسریٰ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس قبضہ میں جنگ و صلح دونوں کا دخل تھا۔ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کا ارادہ فرمایا اور حج سے واپسی کے بعد حضرت عمرو بن عاص کی امارت میں ایک لشکر کو ملک شام کی طرف روانہ کیا۔ (ملک شام رومی حکومت کے ماتحت تھا)۔

ملک شام میں اجنادین کا معرکہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں پیش آیا، جس میں مسلمان فتح سے ہم کنار ہوئے، معرکہ اجنادین میں عکرمہ بن ابوجہل، ہشام بن عاص وغیرہ صحابۂ کرام شامل ہوئے، اسی سال جنگ مرج الصفر بھی ہوئی، اس جنگ میں مشرکوں کو شکست ہوئی، اس جنگ میں دوسرے حضرات کے ساتھ فضل بن عباس بھی شریک تھے۔

(تاریخ الخلفاص:۵۸)

حضرت ابوبکر صدیق کا وظیفہ: عطا ابن سائب فرماتے ہیں: جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو دوسرے دن صبح کو اپنے کاندھے پر چند چادریں اٹھائے بازار کی طرف جا رہے تھے، راستہ میں حضرت عمر مل گئے، عرض کیا اے امیر المومنین! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: بغرض تجارت بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر نے عرض کیا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اب تو آپ خلیفۃ المسلمین بنا دیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عمر! اپنے بچوں کو کیا کھلاؤں؟ حضرت عمر نے عرض کیا واپس چلیے حضرت ابوعبیدہ آپ کے لیے کچھ متعین کر دیں گے۔ دونوں حضرات ابوعبیدہ کے پاس پہنچے صورت حال سے متعلق گفتگو ہوئی اس پر حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا: میں ایک اوسط درجہ کے مہاجر کی خوراک آپ کے اور آپ کے اہل وعیال کے لیے متعین کرتا ہوں۔ آپ کو گرمی اور سردی کا لباس ملے گا، لیکن اس طور پر کہ جب پہلا پرانا ہو جائے تو اسے واپس کر دیجیے اور دوسرا حاصل کر لیجیے لہٰذا ان حضرات نے تن چھپانے بھر کپڑا اور پیٹ بھرنے لائق غذا کا انتظام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال کے لیے کر دیا۔ (تاریخ الخلفاص:۶۰)

حضرت سعید بن عباس فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ ایک سال میں دوسو پچاس دینار اور ایک بکری کا کچھ حصہ روزانہ متعین ہوا لیکن وہ آپ کے اہل وعیال کے لیے ناکافی تھا، اور آپ نے اپنا ذاتی مال بیت المال میں ضم کر دیا تھا۔ لہٰذا آپ تجارت کرنے کے لیے نکل گئے، ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ عورتیں ملیں جو کسی فیصلہ کے لیے حضرت ابوبکر کی تلاش میں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو ڈھونڈنے نکلے تو آپ بازار میں ملے آپ نے کہا ادھر تشریف لائیے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے تمہاری امارت کی حاجت نہیں، تم لوگوں نے جو میرا وظیفہ متعین کیا ہے وہ مجھے اور میرے اہل وعیال کے لیے کافی نہیں ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم آپ کا وظیفہ بڑھا دیتے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا تین سو دینار اور پوری بکری ہونی چاہیے، حضرت عمر نے کہا اتنا تو نہیں بڑھایا جاسکتا، اتنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے حضرت ابوبکر وعمر اپنی اسی سابقہ حالت پر برقرار تھے، جب حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے سوال کو سنا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہتے ہیں اسے پورا کر دیجیے۔ حضرت عمر حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہاں میری بھی یہی رائے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر ٹھیک ہے ان کا وظیفہ یہی کر دیا جائے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا: ایسے نہیں آپ لوگ مہاجرین کے دو افراد ہیں، میں نہیں جانتا کہ دوسرے مہاجرین آپ کے اس فیصلے سے راضی ہیں یا نہیں، اس کے بعد حضرت ابوبکر مسجد تشریف لائے اور منبر پر چڑھے سارے لوگ جمع ہوئے تب آپ نے فرمایا: میرا جو پہلا وظیفہ تھا اسے حضرت عمر وعلی نے بڑھا کر تین سو دینار اور پوری بکری کر دیا ہے کیا آپ حضرات اس پر راضی ہیں؟ سارے مہاجرین نے جواب دیا " نعم قد رضينا "، ہاں خلیفۃ المسلمین ہم اس پر راضی ہیں۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۱ ص ۲۱۸، ۲۱۹)

ابوبکر نے مشقت میں ڈال دیا: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے میری بیٹی سنو! یہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے ہیں اور یہ ہمارے کھانے کا پیالہ اور کپڑے جسے ہم پہنتے ہیں ہم ان ساری چیزوں سے اسی وقت تک فائدہ حاصل کر سکتے تھے جب تک مسلمانوں کے معاملات کے والی تھے جب میرا انتقال ہو جائے تو یہ سب چیزیں امیر المومنین حضرت عمر کو واپس کر دینا۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ نے وصیت کے مطابق ساری چیزیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں بھجوا دیں، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے اپنے بعد والوں کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔ (تاریخ الخلفاص:۶۰)

بیت المال کا حال: بعض حضرات نے یہ فرمایا: بیت المال کا قیام حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بیت المال نہ تھا۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی نے ایسا کہنے والوں کا رد فرمایا، آپ نے ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلے بیت المال کے والی کے طور پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح متعین ہوئے اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کی بات ہے۔ (تاریخ الخلفاص:۶۰)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیت المال تھا۔ ابن سعد نے سہل بن ابی خیثمہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کا بیت المال مقام سنح میں تھا اور اس کا کوئی محافظ نہ تھا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ چوکیدار کیوں نہیں رکھتے تو آپ نے فرمایا: بیت المال پر تالا لگا ہے لہٰذا محافظ کی ضرورت نہیں۔ آپ کی عادت یہ تھی جو بیت المال میں آتا آپ اس کو تقسیم کر کے بیت المال کو خالی کر دیتے تھے، بعد میں آپ نے بیت المال کو مقام سنح سے ہٹا کر مدینہ شریف میں اپنے گھر کے اندر قائم فرمایا۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا دفن کے بعد حضرت عمر حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ بیت المال میں داخل ہوئے بیت المال بالکل خالی پڑا تھا، اس میں نہ کوئی درہم تھا، نہ ہی دینار۔ (تاریخ الخلفاص:۶۰)

دنیا سے دوری: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے وقت کپڑے پر گیارہ پیوند لگے تھے اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو ان کے کپڑے پر تیرہ پیوند لگے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پینے کے لیے ایک برتن پیش کیا گیا جس میں شہد اور پانی تھا جب آپ نے اسے اپنے منہ کے پاس کیا تو رونے لگے آپ کے رونے کی وجہ سے جو لوگ آپ کے پاس تھے وہ بھی رونے لگے۔ بعد میں لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں نے ایک دن حضور کو دیکھا وہ اپنے آپ سے کسی چیز کو دور کر رہے ہیں اور فرمارہے ہیں: مجھ سے دور ہٹ، جب کہ حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آس پاس کوئی چیز نہ تھی میں نے عرض کیا حضور! کس چیز کو اپنے پاس سے الگ کر رہے تھے، میری نظر کے سامنے تو آپ کے آس پاس کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا: میرے سامنے دنیا اپنے پورے ساز وسنگار کے ساتھ ظاہر ہوئی تھی، میں نے اسے جدا کر دیا وہ ہٹ تو گئی لیکن اس نے مجھ سے کہا: ’’لئن افلت منی لا ینفلت منی من بعدك‘‘ اگر چہ آپ مجھ سے آزاد رہے لیکن جو آپ کے بعد آرہے ہیں وہ مجھ سے بچ نہ سکیں گے۔ ابوبکر کہتے ہیں مجھے ڈر ہوا کہ کہیں دنیا آکر مجھ سے چمٹ تو نہیں گئی یہی سبب تھا میرے رونے کا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ج۱،ص:۱۶۹)

خوفِ خدا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ و رسول کی بارگاہ کے مقبول ترین انسان ہیں۔ حضور کی زبانی جنتی ہونے کا تمغہ انہیں حاصل ہے حتیٰ کہ آپ انبیا و رسل کے بعد سب سے عظیم مرتبہ کے حامل ہیں۔ ان سب کے باوجود ان کے رگ و پے اور دل و دماغ میں خشیت الٰہی بسی ہوئی تھی آپ خوف خدا سے ہمہ وقت لرزاں اور ترساں رہتے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے ’’اے کاش! میں ایک درخت ہوجاتا جسے کاٹ کر کھالیا جاتا‘‘ اور حضرت ابوعمران فرماتے ہیں: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے ’’کاش میں کسی مومن کے

بدن کا بال ہو جاتا۔''

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو انہیں غلہ لا کر دیا کرتا تھا وہ ایک دن غلہ لے کر آیا آپ نے اس میں سے ایک لقمہ لے کر کھایا۔ غلام نے کہا اے میرے آقا! آپ ہمیشہ کھانے سے پہلے مجھ سے پوچھتے تھے کہ کیسے حاصل کیا ہے، لیکن آج آپ نے ایسا کوئی سوال نہیں کیا، تو حضرت ابوبکر نے کہا بھوک کی شدت کی وجہ سے میں تم سے سوال نہیں کر سکا، اب بتاؤ تم اسے کہاں سے لائے تھے؟ تو غلام نے جواب دیا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک قوم کے ساتھ منتر کا عمل کیا تھا۔ انہوں نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، آج انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور میں لے کر آ گیا۔ آپ نے فرمایا: خرابی ہے خرابی، تو تو مجھے ہلاک کر دیتا پھر آپ نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈال کر الٹی کرنا چاہی لیکن آپ الٹی نہ کر سکے کسی نے کہا پانی پی کر الٹی کیجیے لہٰذا آپ نے پانی پیا اور جو پیٹ میں تھا، اسے قے کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر یہ لقمہ میری جان جانے کے ساتھ ہی نکلتا تب بھی میں اس کو نکال کر ہی چھوڑتا کیوں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے جو جسم حرام سے تیار ہوتا ہے جہنم کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس لقمہ سے میرے جسم کا کچھ حصہ تیار نہ ہو جائے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ج۱، ص: ۱۷۲)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک باغ میں داخل ہوئے تو آپ کی نظر درخت کے سایہ میں بیٹھی ایک چڑیا پر پڑی اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے چڑیا! تجھے بشارت ہے (عذاب سے بچنے کی) تو درخت سے کھاتی ہے اور اس کے سایہ میں رہتی ہے اور حساب دینے سے تو آزاد ہے۔ اے کاش ابوبکر تیری طرح ہوتا۔

حضرت اصمعی سے روایت ہے جب کوئی شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے اے اللہ! تو میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنے بارے میں لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے ان کے گمان

سے بہتر بنادے، اور وہ جو میرے بارے میں نہیں جانتے ہیں اسے معاف فرمادے اور جو وہ میرے بارے میں کہہ رہے ہیں اس سلسلے میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا۔ (تاریخ الخلفاص:۸۲)

عاجزی وانکساری: علماے سیرت نے فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے محلہ میں لوگوں کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے، جب آپ خلیفہ بن گئے تو ایک بچی نے کہا اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا؟ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''میں جیسے پہلے بکریوں کا دودھ دوہتا تھا اب بھی دوہوں گا خلافت میرے اخلاق کو بگاڑ نہیں سکتی'' چناں چہ آپ خلیفہ بننے کے بعد بھی محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ نکال کر انہیں دیتے تھے۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج۱،ص:۱۷۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ مدینہ طیبہ کے پاس رہنے والی ایک ضعیفہ جو آنکھوں سے معذور تھی اس کے لیے پانی بھرتے اور گھر کا سارا کام کرتے، ایک دن آپ ضعیفہ کے گھر گئے تو آپ نے دیکھا کہ سارا کام پہلے ہی کیا جا چکا ہے، آپ کو حیرت ہوئی اور آپ کی حیرت اس وقت اور بڑھ گئی جب یہ روز کا معمول ہو گیا ایک دن آپ پہلے ہی جا کر انتظار میں رہے کہ دیکھیں آخر کون شخص ہے جو یہ خدمت انجام دے رہا ہے؟ دیکھا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میری جان کی قسم آپ ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاص:۶۱)

علالت اور موت کا سبب: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب غمِ وِصالِ رسول تھا، آپ اس کی وجہ سے پگھلنے لگے تھے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: والد گرامی کی علالت کی ابتدا اس طرح ہوئی آپ نے سردی کے دن غسل فرمایا تو آپ کو بخار آ گیا، آپ پندرہ دن تک بیمار رہے، ان دنوں حضرت عمر آپ کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ لوگ آپ کی عیادت کے لیے

حاضر ہوتے دن بدن آپ کی بیماری بڑھتی رہی اور آپ فرماتے تھے۔ "وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿ق ۱۹﴾ اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ یہی ہے وہ جس سے تو بھاگتا تھا۔

حضرت ابن شہاب نے ارشاد فرمایا: حضرت ابوبکر اور حارث بن کلدہ کسی کا ہدیہ کیا ہوا کھانا کھا رہے تھے تو حضرت حارث نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: اے خلیفۃ الرسول! کھانے سے ہاتھ کھینچ لیجیے اس کھانے میں ایک سال بعد اثر کرنے والا زہر ہے، اب میرا اور آپ کا انتقال ایک ہی دن ہوگا۔ آپ نے کھانے سے ہاتھ تو کھینچ لیا لیکن (جو کھایا تھا اس کے اثر سے) اسی دن سے دونوں بیمار رہنے لگے اور ایک سال گذرنے پر دونوں انتقال فرما گئے۔

حضرت ابوالسفر بیان فرماتے ہیں: جب لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو عرض کیا: آپ کے لیے طبیب کو بلا لائیں تاکہ آپ کا حال دیکھے۔ آپ نے فرمایا: اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اس نے کیا کہا؟ آپ نے جواب دیا وہ فرماتا ہے "انی فعال لمایُرید" میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج۱، ص:۲۲۱، ۲۲۲)

صحابہ سے مشورہ: حضرت امام واقدی روایت کرتے ہیں: جب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا مجھے عمر کے بارے میں بتاؤ وہ کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا امیر المومنین اس سوال کا جواب آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں آپ سے پوچھ رہا ہوں لہٰذا آپ جواب دیں۔ حضرت عبدالرحمن نے عرض کیا! عمر اس سے بھی بہتر ہیں جو آپ ان کے بارے میں رائے رکھتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر آپ نے یہی سوال کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا! آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ سوال کا جواب دیں اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا خدا شاہد میرے

علم کے مطابق ان کا باطن ان کے ظاہر سے عمدہ ہے اور ہم میں ان کا مثل موجود نہیں۔ اس وقت آپ نے حضرت سعید بن زید، حضرت اسید بن حضیر اور دیگر مہاجرین وانصار سے مشورہ فرمایا، حضرت اسید کا جواب تھا آپ کے بعد میں انہیں کو بہتر جانتا ہوں وہ "**الحب فی اللہ والبغض فی اللہ**" کے مظہر ہیں۔ ان کی زندگی کا باطنی پہلو ظاہری پہلو سے کہیں بہتر ہے اور آپ کے بعد امر خلافت سنبھال پانے کی قوت ان سے زیادہ میں کسی میں نہیں پاتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بعض دوسرے صحابہ حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے اس وقت جب وہ آپ سے سوال فرمائے گا اے ابوبکر! تم نے عمر کی سختی کو جانتے ہوئے خلیفہ کیوں بنایا تھا؟ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم مجھے خدا سے ڈرا رہے ہو (میرے دل میں اس کا خوف موجود ہے اس لیے ہی میں نے یہ فیصلہ کیا ہے) میں اپنے مولیٰ سے عرض کروں گا، میرے کریم مولیٰ میں نے تیرے بندوں میں سب سے بہتر کو خلیفہ بنایا تھا، اور اے سوال کرنے والے سنو! میری یہ بات دوسروں تک پہنچا بھی دینا۔ (تاریخ الخلفاص: ۶۲)

وصیت نامہ برائے خلافت: پھر آپ نے حضرت عثمان کو طلب کیا اور فرمایا: لکھیے بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ ہے جس کو ابوبکر بن قحافہ نے دنیا چھوڑتے وقت عمر کے آخری حصے میں اور عالم آخرت میں داخل ہونے کی ابتدا میں لکھوایا ہے، یہ وہ وقت ہے جب کافر ایمان لے آتا ہے، فاجر یقین کر لیتا ہے اور جھوٹا بھی تصدیق کر دیتا ہے۔ اے لوگو! میں اپنے بعد تمہارے اوپر عمر کو خلیفہ نامزد کر رہا ہوں۔ لہٰذا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات ماننا، اور ان کی اطاعت کرنا، میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دین اسلام اور اپنے نفس کے ساتھ طاقت بھر بہتر معاملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر عمر خلافت کے معاملہ میں عدل وانصاف سے کام لیں تو ان کے بارے میں میرا یہی گمان ہے اور یہی میں ان کے بارے میں جانتا ہوں اور اگر وہ بدل جاتے ہیں تو ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا ہے۔ میں نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے، اور میں اپنی طرف سے غیب نہیں جانتا اور ظالم

عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون سی کروٹ بدلیں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر اس وصیت نامے پر آپ کے حکم سے مہر لگا دی گئی اور حضرت عثمان کو وصیت نامہ لوگوں کے سامنے لے جانے کا حکم دیا، آپ حکم کے مطابق مہر کردہ وصیت نامہ لے کر باہر نکل گئے۔ (وصیت نامہ لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا) لوگوں نے اپنی رضامندی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی، پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہائی میں بلا کر جو چاہا وصیت فرمائی۔ جب آپ کے پاس والے سب چلے گئے تو آپ نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے اور عرض کناں ہوئے۔ ''اے اللہ! میں نے خلیفہ متعین کر کے لوگوں کے ساتھ صلاح کا ارادہ کیا ہے اور فتنہ کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو اس فعل سے متعلق میرے ارادے کو بہتر جانتا ہے، میں نے خلیفہ بنانے میں اجتہاد سے کام لیا اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ سب سے بہتر انسان کو خلیفہ بنایا ہے وہ سب سے قوی تر بھی ہے اور رشد و ہدایت پر سب سے زیادہ حریص بھی۔ اے اللہ! بندوں کا مالک تو ہی ہے اور ان کا معاملہ تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ اے اللہ! اپنی مخلوق کے والیان کو صلاح عطا فرما اور عمر کو خلفاے راشدین میں شامل فرما اور ان کی رعایا کو ان کے حق میں بہتر بنا۔ (تاریخ الخلفاص: ٦٣)

ابوبکر کا فیصلہ اور رضاے عوام: حضرت یسار بن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرض وصال میں کھڑکی سے جھانک کر لوگوں کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہارے رے متعلق ایک عظیم فیصلہ (خلافت کا) کیا ہے کیا تم لوگ میرے اس فیصلے پر راضی ہو؟ لوگوں نے جواب دیا: اے خلیفۂ رسول اللہ! ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کھڑے ہو گئے اور یوں گویا ہوئے، اگر آپ کا فیصلہ عمر کے سوا کسی اور کے حق میں ہے تو ہم راضی نہیں ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا: بے شک وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جن کے حق میں میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

پیر کے دن وصال کا اشتیاق: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں: جب والد گرامی کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے لوگوں سے دریافت کیا آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا آج پیر کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر میں آج رات ہی انتقال کر جاؤں تو میرے دفن میں کل کا انتظار نہ کرنا اس لیے کہ مجھے وصال کے لیے وہی دن اور رات زیادہ محبوب ہیں جن کو حضور کے یوم وصال سے زیادہ قربت حاصل ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص: ۶۳، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ج ۱، ص: ۲۲۳)

وصیت میں کرامت: مومنوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں: میرے والد نے کھجوروں کا ایک باغ جس میں ایک فصل کے موقع پر بیس وسق کھجوریں آتی تھیں، مجھے عطا فرمایا تھا۔ وصال کے وقت ابو جان نے مجھے بلا کر فرمایا: اے میری بیٹی! تم میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو میں تمہیں سب سے زیادہ غنی دیکھنا پسند کرتا ہوں اور تمہیں تنگ دست دیکھنا مجھ پر بہت زیادہ گراں ہے میں نے تمہیں کھجور کا ایک باغ دیا تھا، وہ تمہارا تھا تم اب تک اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں لیکن میرے انتقال کے بعد وہ ترکہ ہوگا، تمہارے بھائیوں، تمہاری بہنوں میں حکم قرآن کے مطابق تقسیم ہوگا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا میں اسے اپنے قبضے میں نہ رکھوں گی، لیکن میری تو صرف ایک ہی بہن ہے جس کا نام اسماء ہے اور آپ فرما رہے ہیں تمہاری بہنوں اور بھائیوں میں تقسیم ہوگا، میری اور دوسری بہن کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ بنت خارجہ حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ مجھے القا ہوا ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے لہٰذا میں اس کے حق میں بھی وصیت کرتا ہوں۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا، حضرت عائشہ کی سوتیلی ماں کے پیٹ سے ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء ص: ۶۳)

سبحان اللہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اور امتی ہیں ان کی نظر کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے ماں کے پیٹ میں بچے کا حال جان لیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام الانبیا ہیں ان کی نظر سے کسی کا حال

کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

غسل کے سلسلے میں وصیت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال سے کچھ پہلے اپنے غسل جنازہ سے متعلق ایک خاص وصیت فرمائی جسے ابن ابی الدنیا نے ابن ملیکہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق نے وصیت فرمائی کہ مجھے میرے وصال کے بعد میری اہلیہ اسماء بنت عمیس غسل دیں اور بڑا بیٹا عبدالرحمن اپنی والدہ کی مدد کرے۔ (تاریخ الخلفاص:۶۵)

وصال پُر ملال: یہ دنیا فانی ہے جو بھی دنیا میں آتا ہے وہ اپنے ٹھہرنے کی ایک مدت ساتھ لاتا ہے جب وہ مدت پوری ہوجاتی ہے تو اسے اپنے مالک حقیقی کی طرف کوچ کرنا لازمی ہے۔لیکن کوچ کرنے کے انداز جداگانہ ہوتے ہیں، اہل دل اپنے مالک کا ذکر کرتے ہوئے معبود حقیقی کی رحمتوں کے سایے میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کرتے ہیں جب کہ کفار ومشرکین جزع وفزع کرتے ہوئے غضب الٰہی کی طرف بڑھتے ہیں۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی اس موڑ پر پہنچی جہاں سے سفر آخرت کی شروعات ہوتی ہے تو آپ نے نہایت ہی عاجزی اور مکمل شان بندگی کے ساتھ خدائے قادر وقیوم کی بارگاہ میں حاضری کی تیاری کی، اور آپ کی زبان ذکر خدا اور ذکر رسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تر تھی۔اس عنوان سے متعلق بعض روایات کا ذکر ہم آپ کی علالت کے تحت کر چکے وہ روایات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں مگر ہم اپنے دعوے کو مزید تقویت دینے کے لیے چند روایات اور ذکر کر رہے ہیں:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب والد گرامی کے مرض نے شدت اختیار کی تو میں نے والد گرامی کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

لعمرك ما يغني الثراء عن الفتى
اذاحشرجت يوما وضاق بها الصدر

ترجمہ: تمہاری عمر کی قسم مال ومتاع انسان کو بچا نہیں سکتے جب ہچکی (موت کی) شروع ہوجائے اور سینہ تنگ ہوجائے (سانسیں بند ہوجائیں)

یہ سن کر آپ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ایسا نہ کہو بلکہ یوں کہو "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿ق ۱۹﴾ اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ یہی ہے وہ جس سے تو بھاگتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: میرے دو کپڑے ہیں انہیں دھل کر میرا کفن بنا دینا اس لیے کہ زندہ انسان مرنے والے سے زیادہ حق دار ہے کہ وہ نیا کپڑا پہنے۔

حضرت ابویعلی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: میں ابا جان کے پاس گئی تو آپ نزع کی حالت میں تھے میں نے کہا۔ ؎

من لا یزال دمعه مقنعا
فانه فی مرة مدفوق

ترجمہ: وہ ذات جس کے آنسو ہمیشہ رحم کی خیرات طلب کرتے رہے۔ ایک ہی مرتبہ میں موت کی آغوش میں آگئی۔

آپ نے فرمایا: میری بیٹی یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو۔ "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿ق ۱۹﴾ پھر آپ نے فرمایا: بیٹی یہ بتاؤ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال کس دن ہوا؟ میں نے عرض کیا پیر کے دن (اور آج پیر کا دن ہے) آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میں اب سے لے کر رات تک اپنے رب سے جا ملوں گا لہٰذا آپ کے کہنے کے مطابق آپ نے اسی رات وصال فرمایا اور صبح سے پہلے آپ کو دفن کر دیا گیا۔

حضرت بکر بن عبد اللہ سے روایت ہے حضرت ابوبکر کے وصال کے وقت آپ کی بیٹی حضرت عائشہ آپ کے سرہانے بیٹھی تھیں اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

وكل ذی ابل یوما موردها

و کل ذی سلب لا بد مسلوب

ترجمہ: ہر سوار کو ایک دن اترنا ہے اور ہر کپڑے والے کا کپڑا اتار لیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ کی مراد حضرت ابوبکر نے سمجھ لی اور فرمایا: بیٹی یوں کہو "وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ" ﴿ق ۱۹﴾ حضرت امام احمد نے حضرت عائشہ سے روایت فرمایا ہے کہ آپ نے یہ شعر پڑھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

ترجمہ: ایسا روشن چہرہ کہ آپ کے واسطے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ آپ یتیموں کا سہارا بیواؤں کی عزت ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: عائشہ یہ شان تو ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ (تاریخ الخلفاص: ۶۵)

تاریخ وصال: ذکرِ خدا اور رسول سے آپ کی زبان تر تھی، اور آپ دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کا وصال ۱۳ھ میں ہوا۔ تاریخ وصال کو لے کر مؤرخین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا وصالِ پُر ملال بروز پیر ۲۲ / جمادی الاٰخرہ ۱۳ھ کو مغرب وعشا کے درمیان ہوا۔ آپ کی زبان سے لوگوں نے سب سے آخر میں جو کلام سنا وہ یہ تھا "رَبِّ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ"

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۳۳۰، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۱، ص: ۲۲۰، ۲۲۱)

مذکورہ تاریخ کو عشق ومحبت، علم وفضل، تقویٰ وطہارت وغیرہ صفاتِ محمودہ سے متصف ذات اہل دنیا کو خیر آباد کہہ کر عالم بالا میں چلی گئی۔ انبیا ورسل کو چھوڑ کر چشم فلک نے ایسی ذات ستودہ صفات نہ ان سے پہلے کبھی دیکھی، نہ ان کے بعد قیامت تک ایسی ذات کا نظارہ کر سکے گی۔

غسل اور کفن: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

وصال سے قبل اپنے غسل اور کفن سے متعلق وصیت فرمادی تھی لہٰذا آپ کو اسی وصیت کے مطابق آپ کی شریک حیات حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، اور آپ کے بیٹے عبدالرحمن نے پانی ڈالا، آپ کو آپ کے کپڑوں ہی میں کفن دیا گیا کیوں کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرما چکے تھے ''بیٹی چاہے مرنے والے کو اچھے سے اچھا کفن دیدو یا اسے برے سے برا کفن پہنادو، اللہ کی بارگاہ میں نہ اچھا کپڑا عزت بڑھاتا ہے اور نہ خراب کپڑا عزت میں کوئی کمی کرتا ہے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ا ص: ۲۲۱، تاریخ الخلفاص: ۶۵)

نماز جنازہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفن پہنانے کے بعد جسد اطہر کو اسی مبارک تخت پر رکھا گیا جس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے، یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تخت تھا، حضرت عائشہ کے وصال کے بعد اس تخت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موالی میں سے ایک شخص نے خرید کر لوگوں کے لیے عام کر دیا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ا ص: ۲۲۱)

حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت سعید فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ نے چار تکبیریں کہیں، آپ کی نماز جنازہ روضۂ رسول کے پاس ادا کی گئی۔ (تاریخ الخلفاص: ۶۵)

تبرک: اوپر ذکر کردہ روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی تخت پر رکھا گیا تھا جس پر حضور آرام فرماتے تھے اور بعد میں اس تخت کو ایک صاحب دل نے خرید کر لوگوں کے لیے عام کر دیا۔ اس روایت میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے صالح بندوں سے نسبت ہو جائے وہ برکت والی بن جاتی ہیں اور ایسی چیزوں سے برکت حاصل کرنا صحابہ کا طریقہ رہا ہے۔

یار غار اب یار مزار: حضرت عروہ اور قاسم بن محمد سے روایت ہے حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت فرمائی تھی کہ انہیں بعد وصال حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن کیا جائے لہٰذا وصیت کے

مطابق ہی آپ کے لیے قبر تیار کی گئی اور جب آپ کو قبر مبارک میں رکھا گیا تو اس شان سے کہ آپ کا سر مبارک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شانۂ مبارک (کاندھے) کے مقابل رکھا گیا۔ آپ کی لحد مبارک کو سرکار کی آرام گاہ کے پہلو میں تیار کیا گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ کی قبر انور میں حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر داخل ہوئے اور انہیں چاروں نفوس قدسیہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔ (تاریخ الخلفاص:٦٥)

شانِ صدیق: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے محبوب کا ایسا ساتھی بنایا کہ زمانہ کو ایسی سنگت پر ناز ہے، مکہ میں حضور کے ساتھ، ہجرت کی کالی راتوں میں ساتھ، غار کے اندھیرے میں ساتھ، مدینہ طیبہ میں ساتھ، بدر واحد وحنین اور تمام غزوات میں ساتھ، ظاہری زندگی میں ساتھ، بعد وصال مزار پُر انوار میں ساتھ، اور جب میدان محشر قائم ہوگا تو آقا اس شان سے اٹھیں گے کہ آپ کے داہنے ہاتھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہوگا اور بائیں ہاتھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دست پاک ہوگا، اور میدان محشر کے بعد جنت میں بھی ابوبکر اپنے آقا کے ساتھ ہوں گے۔

عمر شریف اور مدت خلافت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب وصال فرمایا تو آپ کی عمر شریف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری عمر شریف کے برابر ہو چکی تھی آپ کی عمر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری عمر سے اتنی کم تھی جتنی آپ کی مدت خلافت ہے لہٰذا بوقت وصال آپ کی عمر تریسٹھ (٦٣) سال تھی۔ آپ کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ ہے۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ا، ص: ٢٢٤)

بعد وصال حرمین کا حال: خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال کوئی معمولی سانحہ نہ تھا، جیسے ہی آپ کے وصال کی اطلاع لوگوں کو ہوئی لوگ رنج وغم کے سمندر میں ڈوب گئے، وصال مدینہ شریف میں ہوا، مدینہ شریف کے درو دیوار سے تو فراق ابوبکر کا فسانہ صاف ظاہر تھا ہی لیکن مکہ شریف بھی بعد مسافت کے باوجود اس سے بے خبر نہ رہا، مدینہ طیبہ کا

حال تو بے حال تھا، وہی سسکیاں اور وہی ہچکیاں اور آنسوؤں کا سیل رواں جو جان عالم، شان عالم، رحمت عالم کے وصال پر مدینہ کی خاموش فضا میں جاری ہوا تھا آج ان کے یار غار کے وصال پر واپس لوٹ آیا تھا۔ کون سی آنکھ تھی جو نم نہ ہو، کون سا دل تھا جو پر غم نہ ہو۔ صحابیٔ رسول کے چند جملوں سے آپ خود اس کا اندازہ کر سکیں گے۔ حضرت اسید بن صفوان فرماتے ہیں:

"لما قبض ابوبکر سجّی علیه وارتجّت المدینة بالبکاء علیه کیوم قبض رسول الله"

ترجمہ: جس دن حضرت ابوبکر کا وصال ہوا، ان کے جسد اطہر پر کپڑا پڑا ہوا تھا اور مدینہ طیبہ میں غم، آنسو، اور سراسیمگی کا وہی عالم تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال پر محسوس کیا گیا تھا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ا، ص: ۲۲۴)

اور مکہ شریف کا حال بھی حضرت سعید بن مسیب کی زبانی سنتے چلیے آپ فرماتے ہیں: "انّ ابابکر لما مات ارتجّت مکة فقال ابو قحافة ما هٰذا قالوا مات ابنك قال رزءٌ جلیلٌ" حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر کے وصال پر مکہ شریف میں رنج و غم کے طوفان سے زلزلہ برپا ہو گیا تھا۔ (اس وقت حضرت ابوبکر کے والد حضرت ابو قحافہ مکہ شریف میں تھے) آپ نے جب شور و غل کی آواز سنی تو فرمایا: کیا ہوا؟ لوگوں نے جواب دیا آپ کے بیٹے حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: یہ تو عظیم حادثہ ہے، پھر آپ نے پوچھا کس کو خلیفہ بنایا گیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا حضرت عمر کو، آپ نے فرمایا: اچھا ان کے دوست خلیفہ بنے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو قحافہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور حضور کے دست کرم پر بیعت کی، اس دن جب حضرت ابوبکر اپنے والد کو گھر سے حضور کی خدمت بابرکت میں لے کر آئے یہ دیکھ کر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "هلا ترکت الشیخ فی بیته حتی اکون انا اٰتیه" اے ابوبکر! تم نے شیخ کو گھر ہی پر کیوں نہ رہنے دیا کہ میں خود چل کر شیخ کے پاس آ جاتا۔ اس پر حضرت ابوبکر عرض گزار ہوئے "یا رسول

اللہ! میرے باپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ خود چل کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اس گفتگو کے بعد حضور نے انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا: ''اسلم فاَسلَم'' اسلام قبول کرلو ابو قحافہ نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اسی موقع پر حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا تھا حضور! اگر میرے باپ کی جگہ آپ کے چچا ابوطالب ایمان لائے ہوتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی کیوں کہ ان کے اسلام لانے سے آپ زیادہ خوش ہوتے۔ سرکار نے فرمایا: ''صدقت'' آپ نے سچ کہا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ج ۱، ص: ۶۵)

حضرت مجاہد سے روایت ہے حضرت ابوقحافہ اپنے بیٹے کے انتقال کے بعد صرف چھ ماہ اور کچھ دن بقید حیات رہے محرم ۱۴ھ میں ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر جو کچھ ترکہ حضرت ابوقحافہ کے حصے میں آیا تھا وہ سب آپ نے اپنے پوتے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کو دے دیا، خود اس میں سے کچھ نہ رکھا۔ علما نے فرمایا: اپنے والد کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی دوسرا انسان خلیفہ نہ بنا، اور ابوقحافہ کے سوا کسی باپ نے اپنے خلیفہ بیٹے کی میراث سے حصہ نہیں پایا۔ (تاریخ الخلفا ص: ۶۵)

روایت حدیث: حضرت امام نووی نے اپنی تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک سو بیالیس (۱۴۲) احادیث روایت فرمائی ہیں۔ جن صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں ان کے اسماء درج ذیل ہیں۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عوف، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت زید بن ثابت، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوہریرہ، حضرت عقبہ بن حارث، حضرت عبدالرحمن اور ان کے بیٹے، حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابو برزہ اسلمی، حضرت ابوسعید خدری،

حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوالطفیل اللیثی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت بلال، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آپ سے روایت کرنے والے تابعین کے ناموں میں حضرت اسلم، حضرت واسط بجلی کے بھی نام آتے ہیں۔

ایک سوال: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلم الصحابہ تھے۔ قرآن وسنت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، حضور کے سب سے زیادہ ساتھ رہنے والے تھے، حضور سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے، ان سب اوصاف کے ساتھ ساتھ سب سے بڑے ذہین وفطین بھی تھے۔ اس جلالت شان کے باوجود آپ نے صرف ۱۱۴۲ احادیث ہی روایت فرمائیں جب کہ دوسرے صحابہ کرام کی مرویات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

قلتِ روایت کا سبب: مذکورہ بالا سوال کا جواب علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفا میں دو مقامات پر دیا ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں: یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ سنت رسول کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے جیسا کہ بارہا صحابۂ کرام نے کسی مسئلہ میں آپ کی بارگاہ میں رجوع کیا اور آپ نے جواب میں صحابۂ کرام کے سامنے سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پیش فرمایا، آپ احادیث کے حافظ تھے اور ضرورت کے وقت لوگوں کے سامنے پیش فرماتے تھے، جس موقع پر صحابۂ کرام کو احادیث یاد نہ ہوتیں آپ احادیث سنا دیتے۔

آپ کا یہ حال کیوں کر نہ ہوتا آپ بعثت کے پہلے دن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک سایے کی طرح ساتھ رہے اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ ذہین اور سب سے بڑے عقل مند تھے البتہ اسانید حدیث میں آپ کا نام کم آتا ہے۔ مرویات آپ کی کم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کے وصال کے بعد آپ دنیا میں بہت کم ٹھہرے، اور بہت جلد خدائے قادر وقیوم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اگر ایسا نہ ہوتا اور حضور کے بعد آپ لمبی مدت تک دنیا میں ٹھہرتے تو آپ کی مرویات کا سلسلہ بہت

دراز ہو جاتا یہاں تک کہ کوئی سند ایسی نہ رہتی جو آپ سے منقول نہ ہو آپ کا زمانہ وہ تھا جس میں صحابہ کثرت کے ساتھ موجود تھے اور صحابہ خود بھی حضور کے مصاحب تھے لہٰذا جن احادیث کو انہوں نے اپنے کانوں سے سنا، جن واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اس میں انہیں ضرورت نہ تھی کہ وہ حضرت ابوبکر سے روایت کریں۔ ہاں جو روایتیں ان کے پاس نہ تھیں وہ انہوں نے حضرت ابوبکر سے روایت کیں۔ (تاریخ الخلفاص: ۳۲)

دوسری جگہ امام نووی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہت کم بقید حیات رہے، آپ کے زمانہ میں روایت حدیث کا عام رواج نہ تھا (کیوں کہ صحابہ موجود تھے) اس کا خاص اہتمام دور تابعین میں ہوا۔ انہوں نے حدیث کے سماع پر، یاد کرنے پر، اور اس کی تحصیل پر خاص توجہ دی (اور اس دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیات ظاہری میں موجود نہ تھے تو ان سے روایت کیسے ہوتی؟)

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: اس سلسلے میں میری عرض یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت کے تعلق سے ارشاد فرما چکے ہیں کہ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کی شان بیان کرتے وقت ان کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنیہ اور ان کے فضائل سے متعلق وارد ساری احادیث کریمہ سنادی تھیں اس میں کچھ نہ چھوڑا تھا یہ سب سے بڑی دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت ابوبکر کو قرآن کا علم بھی سب سے زیادہ تھا اور سنت کے سب سے بڑے حافظ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔ (تاریخ الخلفاص: ۶۶)

اس جگہ تاریخ الخلفا میں ''مرویات حضرت صدیق'' کے عنوانات کی مختصر فہرست بھی موجود ہے۔ ذوق مطالعہ اگر یاوری کرے تو قارئین اس مقام کو ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے خطبات: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوفِ خدا سے لرزاں اور ترساں رہتے، ہر چیز میں آگے رہنے کی کوشش فرماتے، زبان اللہ کی حمد وثنا میں تر رہتی، لوگوں کی خیر خواہی ان کے رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی، وہ جس چیز کو

اپنے لیے پسند کرتے وہی دوسروں کے لیے پسند فرماتے، اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی ترقی ان کا مطمحِ نظر تھا، بے راہ روی اور بدعملی انہیں قطعاً پسند نہ تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور آپ پر درود شریف کی کثرت ان کی زندگی کا لازمی حصہ تھا۔

جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کے خطبات اگر ایک طرف فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ نمونے ہیں تو دوسری جانب پند و نصیحت اور حکمت و موعظت کے عمدہ خزینے ہیں، آپ کی ذات میں پائی جانے والی خوبیاں آپ کے خطبات میں عناصر ترکیبیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم آپ کے خطبات کے چند موتی ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں:

حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو آپ نے فرمایا: ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں، موت کے بعد بھی اس سے کرم کا طالب ہوں۔ اے لوگو! میری اور آپ کی سب کی موت قریب ہے (ہر آنے والی چیز قریب ہوتی ہے) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، بشیر و نذیر اور سراج منیر بنایا، جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ راہ راست پا یا گیا اور جس نے نافرمانی کی وہ گمراہی کے قعرِ عمیق میں جا گرا، میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم کو ماننے کی وصیت کرتا ہوں مومن مخلص ہو جانے کے بعد انسان پر اس کی اطاعت لازم و ضروری ہے جسے اللہ نے والی بنایا ہے، تم ہرگز فخر میں مبتلا نہ ہونا اور وہ فخر کر بھی کیسے سکتا ہے جو مٹی سے بنا ہو اور مٹی ہی میں اسے جانا ہو، جس کا بدن کیڑے مکوڑے کی خوراک ہو، آج تم زندہ ہو، کل مرجاؤ گے آج ہی عمل کرو، بلکہ ابھی عمل کرنے میں کوشاں ہو جاؤ، مظلوم کی بددعا سے بچو، اپنے کو مرا ہی گمان کرو (کیوں کہ موت بالکل قریب ہے) میں اپنے لیے اور تمہارے لیے

اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہوں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر دورد پڑھو۔

حضرت عبداللہ بن حکم بیان فرماتے ہیں: ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی جس کا وہ اہل ہے اور فرمایا: میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد کیا کرو جس کا وہ اہل ہے (اپنی وسعت بھر) اور تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے امید بھی لگائے رہو اور اس سے ڈرتے بھی رہو، اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل کی جو مدح فرمائی ہے اس کے کلمات یہ ہیں: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ ﴿الانبیاء ۹۰﴾ بیشک یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے اور ہمیں ذوق وخوف کے ساتھ پکارتے اور ہم سے خوب ڈرتے تھے (اس میں اللہ تعالیٰ نے ذوق وخوف امید وبیم دونوں کا ذکر فرمایا ہے) اے اللہ کے بندو! خوب جان لو اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بدلے تمہاری جانوں کو گروی رکھ لیا ہے اور اس پر تم سے عہد و پیمان بھی لیا ہے اور اس نے تم سے قلیل دنیائے فانی کو باقی رہنے والی خیر کثیر کے ذریعہ خرید لیا ہے، یہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اس کا نور کبھی کم نہ ہوگا، اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے، تاریک دن کے لیے اس سے روشنی حاصل کرو۔ بے شک اے لوگو! اللہ نے تمہیں عبادت ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے اور تمہارے اوپر کراماً کاتبین کو متعین فرمایا ہے وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

یادرکھو تم دم بدم موت کی طرف بڑھ رہے ہو اور اس کا علم تم سے پوشیدہ نہیں اگر تم سے ہو سکے تو یہ کر گزرو کہ جب تم اپنی مدت پوری کر رہے ہو تو تم اللہ کے کام میں مصروف رہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہو سکتا ہے، موت سے پہلے اپنی موت کی تیاری کرو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری عمریں تمہیں برے اعمال پر لگا دیں گی، تم سے پہلے بھی کچھ قومیں اپنی زندگی دوسروں کے حوالے کر چکی ہیں اور وہ خود کو بھول بیٹھی تھیں، تم ان کی طرح نہ ہو جانا عمل کرنے میں جلدی کرو۔ (تاریخ الخلفاء:۸۰،۷۹)

نصیحتیں: حضرت سلمان فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہو کر

عرض کیا مجھے نصیحت فرمایئے! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، عنقریب فتوحات حاصل ہونے والی ہیں، میں نہیں جانتا اس میں تمہارا کتنا حصہ ہے جسے تم ختم کردو گے یا باقی رکھو گے۔ جان لو جس نے پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرلیا وہ دن ورات دونوں میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم میں آجاتا ہے تو تم کسی کو اللہ کے ذمہ کرم میں ہوتے ہوئے قتل نہ کرنا، جو اللہ کے ذمہ کو توڑتا ہے اللہ اسے منہ کے بل جہنم میں ڈال دیتا ہے۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: ایک کے بعد ایک نیکوکار دنیا سے چلے جارہے ہیں، آخر میں وہی لوگ بچ جائیں گے جن کی حیثیت جو اور کھجور کے چھلکے سے زیادہ نہ ہوگی ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی مقام نہ ہوگا۔ (تاریخ الخلفاص:۸۱)

دعائیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرمایا کرتے ”اے اللہ! میں تجھ سے وہی چیز مانگتا ہوں جس کا انجام میرے حق میں بہتر ہو اور تو مجھے آخرت میں اپنی رضا اور جنات النعیم میں بلند درجات عطا فرما،، آپ مزید عرض کرتے ”اے اللہ! تو میری آخری عمر کو بہتر بنا اور میرا بہترین عمل پر خاتمہ فرما،، میرے لیے وہ دن سب سے زیادہ بہتر ہوگا جس دن مجھے تیرا دیدار نصیب ہوگا۔ (تاریخ الخلفاص:۸۱)

کلماتِ حکمت: آپ فرماتے تھے: اے لوگو! تم میں سے جو خوف خدا سے روسکے اسے چاہیے کہ وہ روئے ورنہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اسے رلایا جائے گا، عورتوں کو دوسرخیوں نے ہلاک کردیا سونا اور زعفران۔ مومن کو ہر چیز پر اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ چھوٹے سے چھوٹے غم کا بھی اجر ملے گا، جوتے کا تسمہ ٹوٹنے کا بھی اجر ملے گا، حتیٰ کہ اگر آدمی نے یہ سمجھا کہ میرا مال گم ہوگیا ہے اور وہ اس کے پاس ہی تھا پھر اسے مل گیا تو جتنی دیر یہ پریشان رہا اس کا بھی اجر اسے ملے گا۔

بے شک اگر کوئی مومن بھائی دوسرے کسی مومن بھائی کے حق میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرلیتا ہے۔ کوئی شکار اس وقت شکار کیا جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے غافل ہوتا ہے اور یہی حال درخت وغیرہ کے کٹنے کا بھی ہے۔ (تاریخ الخلفاص:۸۱)

آپ کی عظیم خصوصیت: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک عظیم خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ آپ خود صحابی، آپ کے والد صحابی، بیٹا صحابی، اور آپ کا پوتا صحابی، آپ کی بیٹیاں صحابیہ اور آپ کا نواسہ عبداللہ بن زبیر صحابی۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان فرماتے ہیں: ہمارے علم کے مطابق صرف چار لوگ ہی ایسے ہیں جو آپس میں باپ بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عہد مسلمان ہو کر پایا ہے۔ ان کے اسما یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کے والد)

۲۔ حضرت ابوبکر۔

۳۔ حضرت عبدالرحمن (حضرت ابوبکر کے بیٹے)

۴۔ محمد ابوعتیق (حضرت ابوبکر کے پوتے)

اولاد امجاد: آپ کی اولاد کی تعداد چھ ہے۔ جن میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ آپ کے لڑکوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ یہ سب سے بڑے ہیں ان کی ماں کا نام قتیلہ ہے، دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

۲۔ حضرت عبدالرحمن، ان کی ماں کا نام ام رومان ہے، دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

۳۔ محمد بن ابوبکر، ان کی ماں اسما بنت عمیس ہیں، دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

صاحب زادیوں کے مبارک اسما یہ ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ ام المومنین، حضرت عبدالرحمن کی حقیقی بہن۔

۲۔ اسما بنت ابی بکر، حضرت عبداللہ کی حقیقی بہن ہیں انہیں کا لقب ذات النطاقین ہے، عبداللہ بن زبیر کی والدہ ہیں۔

۳۔ ام کلثوم یہ آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ آپ کے وصال کے وقت رحم مادر میں تھیں اور حضرت ابوبکر نے اسی وقت ان کی پیدائش کی خبر دی تھی، ان کا نکاح طلحہ

بن عبداللہ سے ہوا۔ (الریاض النضرۃ ج۱، ص:۲۲۹)

یہ تھا حضور کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا مختصر تعارف، جس کی ہر ہر سطر سے عشق و وفا کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقشِ قدم پر جینے مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفیٰ
عز و ناز خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقیں سید المتقیں
چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

★★★

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب چاہا کہ دنیا میں ذلیل ورسوا ہو چکی انسانیت کو کرامت کا تاج پہنایا جائے تو اس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ آئے تو نظام کائنات میں انقلاب پیدا ہوا، عقل وخرد کے دریچے کھلے، سوچنے سمجھنے کا انداز بدلا، فکر ونظر کے زاویے تبدیل ہوئے، اعمال کی قدریں بدلیں، عرب کے بادیہ نشیں جن کا کردار کبھی ننگ انسانیت تھا، آج وہ رشک قدسیاں ٹھہرے، وہ کیا آئے عالم میں خزاں ندیدہ بہار آ گئی، علم وعرفان کے گلشن آباد ہوئے، اسلام وایمان کے گلزار مہکے، رحمت خداوندی کی ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ اس میں نہانے والوں کے تن پاک اور من صاف ستھرے اور پاکیزہ ہو گئے۔

اسلام کی من موہنی تعلیمات اور ستھرے نظام سے جن نفوس میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی، ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اتنی طویل کہ تاریخ نام بنام انہیں شمار بھی نہیں کر سکتی۔ انہیں نفوس زکیہ میں ایک نام حضرت عمر بن خطاب کا ہے جو زمانہ جاہلیت میں قبیلے کے اندر بڑے معزز شمار ہوتے تھے اور اسلام نے انہیں بہت بڑا بنا دیا اتنا بڑا کہ امت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی ان کا ہم سر وہم پلہ نہیں۔

یہ وہی عمر ہیں جو کبھی سخت دل، اجڈ مزاج، کفر کی ناپاک ترین غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پھوٹی آنکھ دیکھنے کو بھی تیار نہیں، بلکہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا عزم بالجزم کر چکے تھے (معاذ اللہ) یہ سب ان کے کفر شدید کا اثر تھا جو ان پر غالب آچکا تھا، لیکن خیر کی فطری قوت جسے کفر نے ڈھانک رکھا تھا، نگاہِ نبوت نے اسے تاڑ لیا، اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے اسلام کے خواہاں بھی تھے، بارگاہ رب تعالیٰ سے ان کے سائل بھی، حضور کی دعا قبول ہوئی اور جب اسلام لائے تو عالم یہ ہو گیا کہ اب عمر اللہ ورسول کے سچے جاں نثار، حضور کے دل کا قرار، رشک باغ و بہار، فخر روزگار، انسانیت کا وقار، اسلام کی سطوت وشوکت، اعدائے دین کے لیے شمشیر خوں خوار و برق بار، عدل وانصاف کا انمٹ نشان، اسلام کی شان کہ قیصر و کسریٰ ان سے لرزہ براندام، نام لے لیا جائے تو یہودیت ونصرانیت سہم جائے، کفر وشرک میں لرزہ پڑ جائے، نفاق تلملا جائے، جہاں سایہ پڑ جائے شیطان وہاں سے رفو چکر ہو جائے، ناریوں میں صف ماتم بچھ جائے، اورنوریوں میں باد بہاری چلنے لگے، عشق ومحبت کے پھول مہکنے لگیں، مسلمانوں میں نیا جوش جذبہ اور ولولہ پیدا ہو جائے، جس دن ایمان لائے اسی دن سے حق کے متوالے کھلے عام کعبہ کی چھاؤں میں آ گئے، نعرۂ تکبیر کا غلغلہ ہوا، بارگاہِ رسالت سے فاروق لقب پایا۔

نام ونسب: آپ کا شجرۂ نسب اس طور پر ہے۔ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب قرشی عدوی، آپ کی کنیت ابوحفص ہے۔ ماں کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ہے۔

آپ کی ماں کس کی بیٹی ہیں، اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ مؤرخین کا بڑا طبقہ اس طرف ہے کہ حنتمہ کے باپ کا نام ہاشم بن مغیرہ ہے، جبکہ دوسرے طبقہ کا ماننا ہے کہ حنتمہ کے باپ کا نام ہشام بن مغیرہ ہے۔ اس دوسرے قول کی بنیاد پر آپ کی ماں ابوجہل کی بہن ہوں گی اور ابوجہل آپ کا حقیقی ماموں ہوگا۔ اور پہلے قول کی بنیاد پر حنتمہ ابوجہل کی چچازاد بہن ہوں گی کیوں کہ ہاشم اور ہشام دونوں بھائی ہیں اور مغیرہ کے بیٹے ہیں۔

(اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۳۸۔ الاصابہ ج ۴، ص: ۲۷۹)

علامہ ابو عمر بن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا: جس نے یہ کہا کہ حنتمہ ہشام کی بیٹی ہے۔ (دوسرا قول) بیشک اس نے خطا کی ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور الاصابہ کے انداز بیان سے بھی پہلے قول کی تقویت ثابت ہوتی ہے۔ اور الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ کے مصنف نے صراحۃً پہلے قول ہی کی تائید فرمائی ہے۔

پیدائش اور خاندانی حالات: آپ کی پیدائش واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد ہوئی۔ حضرت عمر کے خاندان کا شمار زمانہ جاہلیت میں اشراف قریش میں ہوتا تھا۔ اس وقت کے کئی اہم عہدے اسی خاندان کے سپرد تھے۔ اگر قریش میں آپس میں یا کسی دوسرے سے لڑائی جھگڑا پیش آجاتا تو صلح اور تصفیہ کے لیے سفارت اسی خاندان کے ذمہ تھی، اور اگر کبھی قریش کو دوسرے کے سامنے اپنی شرافت اور خاندان کی بالادستی ثابت کرنی ہوتی تب بھی اسی خاندان کو آواز دی جاتی، اسی خاندان کے بزرگ جا کر اپنی ذمہ داری کو ادا کرتے اور اپنے نسب کی بلندی و برتری دوسرے لوگوں پر ثابت کرتے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۳۸)

حضرت شمس بریلوی علیہ الرحمہ کا تجزیہ: علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفا میں بیان کردہ آپ کی پیدائش ۱۳؍سال عام الفیل میں ہوئی اور قبول اسلام نبوت کے چھٹے سال ہوا، اور اس وقت آپ کی عمر ۲۷؍سال تھی۔ اس کا ترجمہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے حاشیہ میں تبصرہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''عام الفیل سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سالِ ولادت ہے اور چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ظاہری عطا ہوئی۔ اس طرح ۶ھ نبوت کو (اعلانِ نبوت کے چھٹے سال) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چھیالیس سال ہوئی۔ پس حضرت عمر ۶ھ نبوت میں ایمان سے مشرف ہوئے تو آپ کی عمر ستائیس سال کس طرح ممکن ہے؟ جب کہ تیرہ عام الفیل آپ کا سال ولادت ہے، آپ کا سن ولادت اگر تیرہ عام الفیل مانا جائے تو بعثتِ سرکار کے وقت آپ کی عمر ستائیس سال ہوئی اور سن ۶؍نبوی کو ستائیس سال نہیں بلکہ ۳۳؍سال ہوئی اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ولادت ۱۶؍عام الفیل کو ہوئی۔

اور بعثتِ نبوی کے وقت آپ کی عمر ۲۴ رسال تھی اور سن ۶ نبوی میں آپ تیس سال کے تھے،، (تاریخ الخلفا اردو ص: ۱۸۲، حاشیہ)

حلیۂ مبارکہ: آپ کا قد لمبا، جسم فربہ، سر کے بال کافی حد تک جھڑے ہوئے، رنگ کافی گورا مائل بسرخی، مونچھیں لمبی، مونچھوں کے اطراف میں سرخی جھلکتی تھی، رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے، آپ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے، (عموماً آدمی صرف داہنے ہاتھ سے کام کرتا ہے اور بائیں سے نہیں کر پاتا یا بائیں ہاتھ سے کام اچھا نہیں کر پاتا) آپ کی لمبائی اس حد تک تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپ کسی جانور پر بیٹھے ہوں۔

(الاصابہ ج ۴، ص: ۲۷۹)

بعض حضرات نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گندمی تھا اس کا جواب حضرت امام واقدی نے یہ دیا کہ جس نے آپ کو گندمی کہا ہے اس نے آپ کو قحط سالی کے ایام میں دیکھا ہے۔ زیتون کا تیل استعمال کرنے کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہوا اور گندمی دکھائی دینے لگا۔ (تاریخ الخلفا ص: ۱۰۳)

زمانۂ کفر میں اسلام کے خلاف شدت: حضرت عمر کے خاندانی پس منظر سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ آپ کا خاندان کروفر والا خاندان تھا، جب خاندان جاہ وجلال والا ہو تو اس کے نوجوانوں کا لہو کیوں کر ان کے توانا اور طاقتور جسموں میں ابال نہ کھاتا ہوگا جوان بھی ایسا کہ کارخانۂ قدرت نے جس کے جسم کو شدت و بسالت کے سانچے میں ڈھالا ہو۔ عمر اسلام، بانئ اسلام اور مسلمانوں سے دور و نفور تو تھے ہی ساتھ ہی ساتھ سخت دشمن بھی تھے، یہ ان کی شدت عداوت ہی کا تو اثر تھا کہ (معاذ اللہ) بانئ اسلام کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے۔

جس دن عمر اسلام لائے اس دن مسلمانوں کو غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے ایک بڑی تنگی کو پار کر کے کشادہ سرزمین کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ''میں اس وقت تک اسلام کو ظاہر نہ کر سکا جب تک حضرت عمر اسلام میں داخل نہ ہوئے''۔ (الاصابہ ج ۴، ص: ۲۷۹)

اسلام میں داخلہ: حضرت عمر کیسے اسلام لائے اور اس کا سبب کیا رہا اس سلسلے میں تاریخ اسلام کی معتبر کتابوں میں کئی روایات درج ہیں۔ ہم اس روایت پر اعتماد کر رہے ہیں جو کتابوں میں درج بھی ہے اور لوگوں کے درمیان مشہور و مقبول بھی۔

قارئین کی ظرافت طبع کے پیش نظر الفاظ علامہ پیر کرم شاہ ازہری کے پیش کر رہے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شیر دل اور بہادر سردار کے اسلام لانے سے مکہ کی طاغوتی قوتوں پر سکتہ طاری ہو گیا لیکن اسلام کے قلوب و اذہان کو مسخر کرنے والی قوتیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز معجزوں کو بروئے کار لانے والی تھیں۔ چند روز میں عالم کفر کی ایک عدیم المثال شخصیت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دست بستہ حاضر ہو کر سر تسلیم خم کرنے والی تھی، چناں چہ تین چار روز بعد خطاب کا جوشیلا بیٹا عمر جو ایک قوی ہیکل، بلند قامت، بے باک مزاج ۲۶ رسالہ نوجوان تھا، گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے ارد گرد وقوع پزیر ہونے والے واقعات پر غور وفکر کر رہا تھا، اسے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ تنہا ایک آدمی کی دعوت نے سارے ماحول کو پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے، مکہ کی پر امن فضا میں عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں، قبائل میں باہمی ہم آہنگی تہ و بالا ہو رہی ہے، خاندانوں کی ایک دوسرے سے محبت نفرت کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے، بلکہ باپ بیٹوں سے بھائی بھائی سے اور پڑوسی پڑوسی سے بدگمان ہوتا جا رہا ہے، جن بتوں کی صدیوں سے پوجا کی جا رہی تھی اب ان کی بے بسی اور بے کسی کے افسانے ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں، ہمارے آباواجداد جن کی دانشمندی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں، اب انہیں گمراہ اور احمق کہا جا رہا ہے، عمر اور رتبہ میں چھوٹے لوگ بڑوں پر پھبتیاں کسنے لگے ہیں، اگر حالات پر قابو نہ پایا گیا تو ہمارا یہ عظیم اور مقدس معاشرتی نظام دھڑام سے زمیں بوس ہو جائے گا، جو لوگ اس سلسلے میں کوئی مؤثر کردار انجام دے سکتے ہیں انہیں جلد کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے ورنہ پانی سر سے گزر جائے گا۔

وہ نوجوان اس بات پر بھی حیران و ششدر تھا کہ جو لوگ اس شخص کی دعوت قبول کر

لیتے ہیں ان پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں، انہیں جتنے سنگین نوعیت کے عذاب کے شکنجوں میں کس دیا جائے، وہ کسی قیمت پر اس دین سے اپنا رابطہ منقطع کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ سسک سسک کر جان تو دے سکتے ہیں لیکن اس نبی مکرم کا دامن چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔

طویل غور وخوض کے بعد وہ نوجوان اس نتیجے پر پہنچا کہ اس فتنے پر قابو پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس شخص کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے جس نے یہ سارا فساد برپا کر رکھا ہے لیکن وہ کون ماں کا لال ہے جو اس ذمہ داری کو اٹھا سکے، اس کی نگاہ انتخاب ادھر ادھر سے گھوم پھر کر اپنی ذات ہی پر مرکوز ہو کر رہ جاتی تھی، اسے اپنی سخت جانی، شجاعت اور مستقل مزاجی پر کامل بھروسہ تھا، اپنے عقائد اور نظریات کے ساتھ اسے جو وابستگی تھی، اپنے بتوں سے اسے جو قلبی عقیدت تھی، اپنے معاشرتی نظام کو بچانے کا جو جذبہ اس کے رگ وپے میں بجلی بن کر دوڑ رہا تھا اس نے اسے اس راہ میں ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ کر دیا تھا، وہ اپنے آپ میں وہ دم خم محسوس کرنے لگا تھا جو بنو ہاشم کے غم وغصہ کے طوفانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا تھا

آخر کار طویل سوچ بچار کے بعد وہ اس ازحد خطرناک مہم کو سرانجام دینے کے لیے اٹھا، اپنی شمشیر براں اپنے گلے میں حمائل کی اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم بالجزم کر کے وہ اپنے گھر سے نکلا، گرمی کا موسم تھا، دوپہر کا وقت تھا، دھوپ بڑی سخت تھی، گرم لو جسم کو جھلسا رہی تھی لیکن عمر ان تمام چیزوں سے بے نیاز اپنی دھن میں گم آگے بڑھ رہا تھا، راستہ میں ایک قرشی نوجوان نعیم بن عبداللہ سے مڈ بھیڑ ہو گئی، نعیم مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا، عمر کے تیور دیکھ کر ان سے صبر نہ ہو سکا، پوچھ لیا عمر کدھر کا قصد ہے؟ عمر نے بڑی رعونت سے جواب دیا کہ اس شخص کا سر قلم کرنے جا رہا ہوں جس نے میرے شہر کا سکون چھین لیا ہے اور گھر گھر نفرت کے انگارے دہکا دیے ہیں نعیم نے کہا کہ ادھر بعد میں جانا پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تیری بہن فاطمہ اور تیرے بہنوئی سعید بن زید

مسلمان ہو چکے ہیں۔

یہ خبر سن کر عمر رضی اللہ عنہ کے اوسان خطا ہو گئے، آگے بڑھنے کے بجائے اپنے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا وہاں پہنچ کر کواڑ کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو کسی کلام کے پڑھے جانے کی آواز سنائی دی، زور سے دروازے پر دستک دی، اندر سے آواز آئی کون؟ کڑک کر جواب دیا خطاب کا بیٹا عمر، دروازہ کھولو! جب اہل خانہ نے عمر کی آواز سنی تو سہم گئے ان اوراق کو احتیاط سے سنبھال کر رکھ دیا جن پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی تھیں ہمشیرہ نے جا کر دروازہ کھولا اپنی بہن کو دیکھتے ہی عمر بہت غضب ناک ہو کر گرجے اور بولے اے اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو، اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور نیا مذہب قبول کر لیا ہے ہاتھ میں سونٹا تھا اس سے بہن کو پیٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے سر سے خون جاری ہو گیا پھر اپنے بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا جب عمر کی دست درازی حد سے تجاوز کر گئی تو بہن نے زخمی شیرنی کی طرح گرج کر کہا۔ اے بھائی جتنا تیرا جی چاہتا ہے مجھے مار، میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے، لیکن کان کھول کر سن لے میں اپنا دین کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ سارا جسم خون سے لت پت ہے سر کے زخموں سے خون رس رہا ہے اس حالت میں یہ جرأت مندانہ جواب سن کر عمر کا دل پسیج گیا کہنے لگا بہن! مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں، بہن نے بے دھڑک جواب دیا کہ تم مشرک ہو نجس اور ناپاک ہو تم اس صحیفہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اگر تمہیں شوق ہے تو پہلے غسل کر کے اپنے آپ کو پاک کرو تب میں تمہیں وہ صحیفہ پڑھنے کے لیے دے سکتی ہوں عمر اٹھے، غسل کیا بہن فاطمہ نے وہ صحیفہ بھائی کو دیا کھولا تو سامنے سورۂ طٰہٰ تھی پڑھنا شروع کیا ابھی چند آیتیں تلاوت کی تھیں کہ اس کی تاثیر سے سنگ خارہ سے بھی سخت تر دل پانی پانی ہو گیا آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے بے چین ہو کر پوچھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں؟ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بگڑی سنوارنا چاہتا ہوں۔

یہ سارا انقلاب خود بخود رونما نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے پسِ پردہ محبوب رب العالمین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی تاثیر کارفرما تھی صرف ایک روز پہلے حضور سرورعالم نے اپنے مولیٰ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں دست مبارک اٹھا کر التجا کی تھی۔ "اَللّٰھُمَّ أَعِزِّ الإِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ "اے اللہ! ان دو آدمیوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہے اس سے دین کو عزت عطا فرما"

اور جو روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ "اے اللہ! عمر کو مشرف باسلام کر کے اسلام کی مدد فرما"

اس روایت میں صرف حضرت عمر کے لیے دعا فرمائی گئی ہے درحقیقت اس مقبول دعا کی کمند عمر جیسے سخت دل دشمن اسلام کو کشاں کشاں رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں لا رہی تھی، حضور اس وقت دارارقم میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما تھے، دروازہ بند تھا، اس پر دستک ہوئی، کسی نے کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ عمر باہر کھڑا ہے، ننگی تلوار گلے میں لٹک رہی ہے، صحابہ جھجکے، دروازہ کھولیں یا نہ کھولیں، حضرت حمزہ موجود تھے فرمایا: مت ڈرو دروازہ کھول دو اگر عمر اندر داخل ہو کر بارگاہِ مصطفوی کے آداب ملحوظ رکھے گا تو ہم ادب واحترام سے اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر اس کی نیت میں ذرا فتور محسوس ہوا تو اسی کی تلوار اس سے چھین کر اس کا سر اڑا دیا جائے گا اور حضور نے فرمایا: دروازہ کھول دو اللہ تعالیٰ نے اگر اس کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کو ہدایت دے دے گا۔

چنانچہ دروازہ کھولا گیا دو آدمیوں نے عمر کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا یہاں تک کہ وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گیا حضور نے فرمایا: اسے چھوڑ دو انہوں نے چھوڑ دیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور عمر کی چادر پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا:

"اَسْلِمْ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَهٗ، اَللّٰھُمَّ اھْدِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ،

اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الدِّیْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، اَللّٰھُمَّ اخْرُجْ مَا فِیْ صَدْرِ عُمَرَ مِنْ غِلٍّ وَاَبْدِلْہُ اِیْمَانًا''۔فرمایا:اے عمر!اسلام قبول کرلے،اے اللہ!اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کردے۔اے اللہ!عمر بن خطاب کو ہدایت عطا فرمانا۔اے اللہ!عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت بخش۔اے اللہ!عمر کے سینہ میں اسلام کی جو عداوت ہے اس کو نکال دے اور اسکو ایمان سے تبدیل کردے''۔

حضرت عمر کہتے ہیں: میں نے اس کے بعد عرض کی''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللہِ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

حضور نے جب یہ سنا تو فرطِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا حضور کے نعرہ کے بعد تمام مسلمانوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر لگایا کہ سارے مکہ کی گلیاں اور فضائیں اس نعرہ سے گونج اٹھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں: میں جب مشرف باسلام ہوا تو میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی''یَا رَسُوْلَ اللہِ اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ اِنْ مِتْنَا وَاِنْ حُیِّیْنَا''۔اے اللہ کے پیارے رسول!کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ خواہ ہم مریں یا زندہ رہیں۔

حضور نے فرمایا:اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم حق پر ہو خواہ تم مرو یا زندہ رہو پھر میں نے عرض کی۔

''فَفِیْمَ الْخِفَاءُ یَا رَسُوْلَ اللہِ عَلَامَ نُخْفِیْ دِیْنَنَا وَنَحْنُ عَلَی الْحَقِّ وَھُمْ عَلَی الْبَاطِلِ''۔اے اللہ کے رسول، پھر ہم کیوں چھپتے ہیں ہم اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں حالانکہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں''

حضور نے فرمایا:اے عمر!ہماری تعداد کم ہے اور تم دیکھتے ہو کفار جو ہمارے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔حضرت عمر نے عرض کی:''وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ نَبِیًّا لَّا یَبْقٰی مَجْلِسٌ

جَلَسْتُ فِیْہِ بِالْکُفْرِ اِلَّا جَلَسْتُ فِیْہِ بِالْاِیْمَانِ" اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے تمام وہ مجلسیں جن میں میں کفر کی حالت میں بیٹھا کرتا تھا اب مسلمان ہونے کے بعد میں ان سب میں بیٹھوں گا۔

پھر ہم دار ارقم سے دو قطاریں بنا کر نکلے ایک قطار کے آگے آگے میں تھا اور دوسری قطار کے آگے حضرت حمزہ تھے یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے، جب قریش نے ہمیں اس حالت میں دیکھا تو ان پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا میں نے اپنے ایمان کی خبر کو مشتہر کرنے کے لیے جمیل بن معمر کو اطلاع دی اور اس نے شور مچا دیا کہ خطاب کا بیٹا صابی یعنی مرتد ہو گیا۔

حضرت صہیب جو سابقین اولین میں سے ہیں وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کے بعد کے واقعات یوں روایت کرتے ہیں:

"وقال صهيب لما اسلم عمر قال يا رسول الله لا ينبغي ان يكتم هذا الدين اظهر دينك وخرج معه المسلمون وعمر امامهم معه سيف ينادي لا اله الا الله محمد رسول الله حتى دخل المسجد وقالت قريش لقد اتاكم عمر مسرورا، ما وراءك يا عمر قال ورائي لا اله الا الله محمد رسول الله، فان تحرك احد منكم لا مكنن سيفي منه ثم تقدم امامه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يطوف ويحميه حتى فرغ من طوافه۔

حضرت صہیب فرماتے ہیں: جب حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب یہ مناسب نہیں کہ اس دین کو چھپایا جائے حضور اپنے دین کو ظاہر فرمائیے حضور مسلمانوں کی معیت میں دار ارقم سے باہر تشریف لائے حضرت عمر اپنی تلوار لیے آگے آگے چل رہے تھے اور بلند آواز میں "لا الہ الا اللہ" کا ورد کر رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے، قریش نے کہا کہ عمر آج بڑا خوش نظر آ رہا ہے انہوں نے پوچھا عمر کیا خبر ہے؟ آپ نے فرمایا:

"ورائی لا الٰه الا الله محمد رسول الله" خبر یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ خبردار! تم میں سے کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو میں اپنی تلوار سے تمہیں گھائل کر دوں گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے آگے آگے چلتے رہے حضور نے طواف فرمایا: آپ حضور کی حفاظت کر رہے تھے یہاں تک کہ حضور طواف سے فارغ ہو گئے۔

(شرح مواہب اللدنیہ ج۱، ص: ۲۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم ترین واقعہ ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "لما اسلم عمر قال جبرئیل للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم یا محمد لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر" یعنی جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو جبرئیل امین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ عمر کے مسلمان ہونے سے آسمان کے سارے رہنے والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود نے آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر بڑا جامع تبصرہ فرمایا ہے۔ "قال ابن مسعود کان اسلام عمر عزاً وهجرته نصرا وامارته رحمة والله ما استطعنا ان نصلی حول البیت ظاهرین حتی اسلم عمر"

(رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی)

حضرت عمر کا اسلام مسلمانوں کے لیے باعث عزت اور آپ کی ہجرت باعث نصرت اور آپ کی خلافت سراپا رحمت تھی، بخدا ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم ظاہری طور پر کعبہ کے صحن میں نماز ادا کر سکیں یہاں تک کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کر لیا۔

(شرح مواہب اللدنیہ ج۱ ص ۲۷۷)

آپ کے ایمان لانے کی تاریخ: ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام قبول کیا اور علمائے محققین کی یہ رائے بھی بیان کی ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہ نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبوت کے دوسرے سال حضرت حمزہ کے تین دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

اس قول کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر علما کی یہ رائے ہے کہ آپ سے پہلے انتالیس مرد مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ کے مسلمان ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوا۔ اس سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نبوت کے دوسرے سال حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ لیکن بعض علما کا یہ خیال ہے کہ بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا جب حبشہ کی طرف پہلی ہجرت مکمل ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہمارے نزدیک وہی قول راجح ہے جس کو علامہ ابن حجر وغیرہ محققین کی تائید حاصل ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں ''مناقب عمرؓ'' کے باب میں تحریر فرمایا:

"روی ابن ابی خیثمۃ عن عمر لقد رأیتنی وما اسلم مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم الا تسعۃ وثلا ثون و کملتھم اربعین" ابن ابی خیثمہ حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صرف انتالیس آدمی اسلام لا چکے تھے اور میں نے اسلام لا کر چالیس کا عدد پورا کیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کے ایمان لانے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

قال فیہ فنزل جبریل وقال یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۠﴿۶۴﴾ ﴿الانفال ۶۴﴾ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کے بعد حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے، اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ (سیرت الرسول ج ۲، ص: ۲۵۸، ۲۶۵)

فاروق کیسے بنے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایمان لائے اس وقت حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اعلان نبوت فرمائے ہوئے تقریباً چھ سال کا زمانہ گزر چکا ہے اور چند لوگ ہی اسلام میں داخل ہوئے ہیں جن کی تعداد آپ پڑھ چکے ہیں مسلمانوں کی حالت کافی خستہ ہے گویا کہ وہ کمزوروں کی جماعت ہے مسلمان دبکے اور سہمے ہوئے رہتے ہیں بعض تو کفار مکہ کے ظلم وستم سے ڈر کر اپنے ایمان کو مصلحتہً چھپائے ہوئے تھے دار ارقم میں چھپ چھپ کر اسلامی ترقی کے منصوبے بنتے اور اللہ جل مجدہ کی تسبیح وتہلیل بھی ہوتی کیا یہ ظلم کی انتہا نہ تھی کہ باطل کے پرستار، ہر قید وبند سے آزاد جہاں چاہیں اپنے باطل مذہب کا نعرہ لگائیں اور خود ساختہ معبودوں کی پوجا کریں، اور خانۂ خدا جو صرف خدا کی عبادت کے لیے خلیل اللہ نے بنایا تھا اس میں تین سو ساٹھ بت براجمان ہوں اور کعبہ خانۂ خدا ہوتے ہوئے بھی بت خانہ دکھائی دے! مگر کفر وشرک کے ان ٹھیکیداروں کی نظر میں یہ سب کچھ نہ صرف جائز بلکہ عین انصاف تھا۔

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو حالات بدلے اور مسلمان بھی دار ارقم سے نکل کر کعبہ کی چھاؤں میں آگئے، اسی وجہ سے آپ کو فاروق جیسا باوزن اور باوقار لقب حاصل ہوا۔ یہ خطاب انہیں کس نے دیا اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمر کو یہ لقب اللہ جل مجدہ اور اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرمایا۔

حضرت نزال بن سبرہ فرماتے ہیں: ہم نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا! کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں کچھ بتائیں تو آپ نے فرمایا: ''حضرت عمر ایسے انسان ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے فاروق رکھا ہے اور ان کے ذریعہ اللہ نے حق وباطل میں فرق پیدا فرما دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایک دن میں اپنی مسجد میں بیٹھ کر حضرت جبرئیل کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں حاضر ہوئے انہیں دیکھ کر حضرت جبرئیل نے کہا کیا یہ آپ کے بھائی عمر نہیں ہیں؟ میں نے کہا بے شک یہ میرے دینی بھائی ہیں، پھر حضور نے

حضرت جبرئیل سے فرمایا: بتاؤ کیا ان کا آسمان میں بھی کوئی نام ہے؟ جیسا کہ ان کا زمین میں نام ہے اس پر حضرت جبرئیل نے عرض کیا! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ان کا آسمان والا نام زمین والے نام سے زیادہ مشہور ہے، ان کا نام آسمان میں فاروق اور زمین میں عمر ہے۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۲، ص: ۲۳۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر کو فاروق کا لقب کس نے دیا؟ تو آپ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے۔ حضرت ایوب بن موسیٰ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری فرمادیا اور وہ فاروق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ حق و باطل میں فرق واضح فرمادیا''۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۳)

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب میں ایمان لے آیا تو میں نے حضور سے عرض کیا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک ضرور ہم حق پر ہیں۔ تو میں نے عرض کیا حضور یہ چھپنا کیسا؟ پھر ہم دو صف بنا کر نکلے ایک میں آگے آگے میں تھا اور دوسری میں حضرت حمزہ تھے یہ دیکھ کر کفار مکہ کو سخت صدمہ پہنچا، اس سے پہلے انہیں ایسی تکلیف کبھی نہیں ہوئی تھی اور اس دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام فاروق رکھ دیا۔ اس لیے کہ اللہ نے آج اسلام کو ظاہر فرمادیا اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح فرمادیا تھا۔ (تاریخ الخلفا ص: ۹۰)

قریش کے لیڈروں سے ملاقات: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ہی شیر دل انسان تھے کھلم کھلا اسلام لائے اور اس کے بعد اپنے اسلام کو خوب ظاہر فرمایا اس طور پر کہ ان کا اسلام مکہ میں کسی سے پوشیدہ نہ رہے سب جان لیں کہ خطاب کا بیٹا عمر اب اسلام کی آغوش میں آچکا ہے، ظاہری بات ہے کہ یہ راہ آسان نہ تھی اس کا اپنا خاندانی وقار، ذاتی بہادری وشجاعت اور قریش پر طاری ان کا رعب و دبدبہ سب اپنی جگہ مسلم لیکن وہ جن لوگوں کے مخالف ہوئے تھے یا جس دین کے دشمن بنے تھے اس دین کے پیروکار بھی کوئی معمولی نہ تھے

اور جب بات دین دھرم کی آجاتی ہے تو پھر ٹڈی دل لوگ بھی اپنی پوری طاقت اپنے دین دھرم کی حفاظت اور اس کی سربلندی میں صرف کر دیتے ہیں، اگرچہ ان کا دین باطل ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہاں تو صنادید قریش کا معاملہ تھا جو اپنی مادی طاقت وقوت میں مسلمانوں پر بدرجہا فائق تھے بلکہ ظاہر طور پر ان کا اور مسلمانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مئے عشق حقیقی سے سرشار ہوئے تو نتائج سے بے پرواہ ہو گئے بلکہ جان بوجھ کر انہوں نے اس سمت سے آنکھیں موند لیں وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان تھے یا یوں کہہ لیجیے کہ ان کی دوررس نگاہیں اور مضبوط قوت فیصلہ اور فراستِ ایمانی انہیں اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ اسلام کے عروج وارتقا کے لیے وہ سب کچھ ناگریز ہے جو عمر کر رہا ہے۔ گو اس راہ کی پیچیدگیوں اور خاراشگاف وادیوں سے وہ بخوبی واقف تھے لیکن وہ اس کے لیے ذہنی وجسمانی طور پر مکمل مستعد تھے۔ اس لیے آخر انہوں نے اس وادی میں قدم رکھ ہی دیا۔ خود فرماتے ہیں:

جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں (ایک جماعت کے نزدیک سگا ماموں اور دوسری جماعت کے نزدیک رشتہ کا ماموں) ابوجہل کے گھر گیا۔ ابوجہل مکہ کا باوقار شخص تھا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا دروازے پر کون ہے؟ میں نے جواب دیا ''میں ابن خطاب ہوں اور میں مسلمان ہو گیا ہوں'' اس نے کہا ایسا مت کرو اور دروازہ بند ہی رکھا پھر گھر میں چلا گیا میں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، پھر میں قریش کے ایک دوسرے بڑے لیڈر کے پاس گیا یہاں بھی ہو بہو وہی معاملہ پیش آیا جو ابوجہل کے ساتھ ہوا تھا میں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں دوسرے مسلمانوں پر سختیاں ہوتی رہیں اور مجھ سے کچھ نہ کہا جائے اتنے میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا مسلمان ہونا لوگوں میں مشہور ہو جائے؟ میں نے کہا ہاں میں یہی چاہتا ہوں، وہ بولا جس وقت لوگ خانۂ کعبہ کے گرد بیٹھے ہوں تم فلاں شخص کے سامنے جا کر کہہ دینا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ پھر تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ شخص باقی کام خود بخود کر دے گا۔ وہ افشائے راز میں ماہر ہے۔

میں اس کے پاس پہنچا اور بیان کر دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں! اس نے کہا کیا واقعی تم مسلمان ہو چکے ہو؟ میں نے کہا میں یقیناً مسلمان ہو گیا ہوں۔ پھر کیا تھا اس نے بلند آواز سے صدا لگائی لوگو سنو! خطاب کا بیٹا اپنے آبائی دین سے مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا ہے۔ لوگوں نے جیسے ہی یہ سنا میری طرف ٹوٹ پڑے اور گھتم گھتا شروع ہو گئی۔ میں انہیں اور وہ مجھے مار رہے تھے، لوگ میرے گرد جمع ہو گئے، اتنے میں میرے ماموں (ابوجہل) نے کہا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عمر اپنے دین سے پھر گیا ہے تو اس نے ایک پتھر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ لوگو سنو! میں نے اپنے بھانجے کو امان دیدی ہے یہ سنتے ہی لوگ مجھے چھوڑ کر دور ہٹ گئے لیکن مجھے یہ قطعاً پسند نہیں تھا کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مار پیٹ ہوتی رہے اور میں خاموش تماشائی بنا رہوں۔ میں ابوجہل کے پاس پہنچا اور کہا یہ لو تم اپنی امان مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں، اس کے بعد میرے ساتھ بھی مار پیٹ کا سلسلہ چلتا رہا۔ میں مارتا بھی اور پٹتا بھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا۔

(اسد الغابہ ج ۴،ص:۱۴۱، تاریخ الخلفاص:۸۹)

کفار کی بدحواسی: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے کفار کس حد تک حواس باختہ ہو گئے تھے اس کا اندازہ سورۂ ص کی آیت ۵ "أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا" کی تفسیر سے کریں۔

مفسر قرآن پیر کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو کفار کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی ان کی پریشانی اور اضطراب کی حد نہ رہی۔ ولید بن مغیرہ نے سرداران قریش کو مشورہ کے لیے طلب کیا پچیس کے قریب اکابر قوم اکٹھا ہوئے اور حالات کی تبدیلی اور سنگینی پر تبادلۂ خیال کرنے لگے، ولید عمر میں سب سے بڑا تھا اس نے مشورہ دیا کہ چلو ابوطالب کے پاس چلیں اور اسے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائے وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جائے چناں چہ سب اکابر ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور اپنی آمد کی غرض وغایت بیان کی انہوں نے حضور علیہ

الصلوۃ والسلام کو بلایا اور انہیں سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَفَلَا اَدْعُوهُمْ اِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ" اے چچا کیا میں اپنی قوم کو اس بات کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی خیر وفلاح ہے۔ ابوطالب نے پوچھا وہ کون سی دعوت ہے؟ حضور نے فرمایا: میں انہیں ایک کلمہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر یہ اس کو قبول کر لیں تو عرب وعجم میں ان کی فرماں روائی ہوگی "قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ مَا هِيَ وَاَبِيْكَ لَنُعْطِيَنَّكَهَا وَعَشَرَ اَمْثَالِهَا" ابوجہل نے کہا تیرے باپ کی قسم وہ کون سا کلمہ ہے ہم صرف ایک کلمہ نہیں بلکہ اس طرح کے دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں "قَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَامُوْا مَنْ عِنْدَهٗ غِضَابًا" (ابن کثیر) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم صرف یہ مان لو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یہ سنتے ہی بڑے غضب ناک ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا" ان کے نزدیک یہ بات ناممکن تھی کہ ایک خدا کائنات کی تمام چیزوں کے بے شمار احوال اور ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے انہوں نے بہت سے خدا بنا لیے تھے اور ہر ایک کو زندگی کا ایک ایک شعبہ تفویض کر دیا تھا۔

ان کے ذہن میں خدا کا کتنا ناقص تصور تھا وہ اپنی طرح اس کی قوتوں کو بھی محدود تصور کرتے تھے، لیکن وہ خدا جو سچا خدا ہے اور جس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں، اس کی قوتیں اور اس کی عظمتیں لامحدود ہیں، اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی ہے اور اپنی حکمت سے ان کی بقا اور نشوونما کے سارے اسباب مہیا فرما رہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کفار کا اپنے بتوں کے بارے میں کیا اعتقاد تھا۔ وہ انہیں صفت الوہیت سے متصف سمجھتے تھے۔ وہ انہیں اپنا الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے۔ لیکن غلامانِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ شہادت دیتے ہیں اور پختہ عقیدہ رکھتے ہیں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَكَ الْمُلْكُ وَلَكَ

اَلْحَمْدُ وَاِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ "، ہمارا یہی عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر زندہ رکھے اور اسی پر ہم یہاں سے رخصت ہوں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص: ۲۲۷،۲۲۶)

مسرتیں اور بشارتیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامن اسلام میں آجانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا زمین پر فرشی خوشیاں منا رہے تھے تو فلک پر عرشی مسرتوں کے گیت گا رہے تھے۔ اس سلسلے میں آپ حضرت ابن عباس وغیرہ کے ارشادات اور تأثرات پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اس باب میں امام ابن سعد اور امام حاکم نے جو روایت حضرت حذیفہ سے کی ہے وہ اہلِ دل کے دلوں میں عظمت عمر کے پرچم لہرانے کے لیے کافی ہے۔ اس روایت سے واضح طور پر مذہب اسلام میں حضرت عمر کی اہمیت اور افادیت عیاں ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: حضرت عمر کے اسلام لانے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو آپ کی طرف آرہا ہے وہ دم بدم آپ سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، یعنی جس دن سے حضرت عمر اسلام لائے لوگ اسلام سے قریب ہوتے چلے گئے۔ اور آپ فرماتے ہیں: آپ کی شہادت اسلام کے حق میں اس جانے والے انسان کی طرح ہے جو دم بدم آپ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ یعنی آپ کی شہادت کے بعد اسلام کی مشکلیں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ حضرت صہیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام ظاہر ہوا اور کھلم کھلا لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جانے لگی۔ (تاریخ الخلفاء ص: ۹۱)

ہجرت: جب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا اور ان پر ظلم وستم کی ساری حدیں کفار مکہ نے پار کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور محبوب کے امتیوں کو ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت ہوئی، پھر مدینہ شریف کی طرف مسلمانوں نے ہجرت کی لیکن ہجرت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا ہجرت کرنے میں ایک بڑی چیز یہ حائل تھی کہ آدمی کو اپنی زمین جائے داد، مکان، مال ومتاع، اور اہل وعیال سب کو چھوڑ کر جانا پڑتا تھا یہ موقع دل کے لیے بڑا صبر آزما ہوتا تھا اور ہر کس وناکس کی ہمت نہیں کہ وہ اتنا بڑا فیصلہ لے سکے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس دشوار گزار راہ کو بھی آسان

فرمادیا تھا۔ اگر انسان توفیق خداوندی کے مطابق اپنا سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کرلے تو ہجرت کی راہ میں ایک دوسری بڑی دیوار اور رکاوٹ کفار مکہ تھے وہ کسی بھی مسلمان کو مکہ چھوڑ کر باہر نہیں جانے دینا چاہتے تھے، ان کا مقصد تو یہی تھا کہ مسلمانوں کو مار مار کر سیدھا کرتے رہو، ظلم کی چکی میں ان کو پیستے رہو، آخر تنگ آ کر خود ہی ایک دن وہ اپنے دین سے منحرف ہو جائیں گے۔

کفار نے اپنے مزعومہ مقصد کے حصول کے لیے راہوں پر نگاہوں کے پہرے دار بٹھا رکھے تھے کہ کہیں کوئی مسلمان ان کے ظلم وستم کی حدود سے باہر نہ چلا جائے پھر بھی مسلمان اللہ ورسول کی خاطر اپنا مال ودولت بھی چھوڑتے اور کفار کی نگاہوں سے بچ بچا کر مکہ سے ہجرت کرتے اگر مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو مدینہ پہنچ کر چین وراحت کی سانس لیتے سب کچھ مکہ میں چھوڑنے کے بعد بھی وہ اپنے فیصلہ پر بڑے خوش ہوتے وہ اپنے دل کو یہ کہہ کر شاد کرتے کہ اگرچہ مال ودولت اور اہل وعیال مکہ میں چھوڑ آئے ہیں لیکن اپنے ایمان کو کفار کے نرغے سے سلامتی کے ساتھ بچا کر لے آئے ہیں بے شک ایمان کی سلامتی ہر نعمت سے بڑی نعمت ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی مہاجر راستہ میں کفار کے ہاتھ لگ جاتا تو یہ ظالم اسے پکڑ کر واپس مکہ لے آتے اور اسے ایسی ایسی سزائیں دیتے جن کے ذکر سے آج بھی روح انسانیت کانپ اٹھتی ہے اس لیے تمام مسلمان چھپ کر اور کفار کی نگاہوں سے بچ کر رات کی تاریکی میں یا پھر کسی حیلے سے ہجرت کرتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے انوکھا اور نرالا طریقہ اختیار کیا۔

بے نظیر شجاعت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میرے علم کے مطابق ہر مہاجر نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی، سوائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، ان کی ہجرت اس طور پر ہوئی کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اپنی تلوار گلے میں لٹکائی، کمان کاندھے پر رکھی اور تیر اپنے ہاتھ میں لیے، چھوٹا نیزہ اپنی کمر کے ساتھ آویزاں کیا اور تمام کروفر کے ساتھ کعبہ میں پہنچے کعبہ کا حال یہ تھا کہ قریش کے سرآوردہ افراد صحن کعبہ میں موجود

تھے آپ نے ان کے سامنے پورے وقار کے ساتھ کعبہ شریف کا طواف سات چکروں میں پورا کیا، مقام ابراہیم پر آ کر پر سکون نماز ادا کی، پھر آپ کفار کی ایک محفل کی طرف گئے اور بآواز بلند آپ نے فرمایا: تمہارے چہرے تباہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان ناکوں کو خاک آلود کرے، سنو! تم میں سے جو چاہے کہ اس کی ماں اسے روئے، جسے اپنی اولاد کو یتیم اور شریک حیات کو بیوہ کرنا ہو تو وہ وادی کے دوسری طرف آ کر مجھ سے مقابلہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کوئی طاقتور انسان نہ تھا جو آپ کے اس چیلنج کو قبول کرتا۔ لہٰذا آپ مدینہ شریف کی طرف چلے گئے۔

(اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵، الریاض النضرہ ج ۲، ص: ۲۴۶)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم تین لوگوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا ایک میں اور دوسرے عیاش بن ربیعہ اور تیسرے ہشام بن عاص، ہم نے طے کیا کہ بنی غفار کے فلاں تالاب پر ہم سب کو جمع ہونا ہے اگر ہم میں سے کوئی ساتھی متعینہ وقت پر نہ پہنچے تو دوسرے ساتھی انتظار کیے بغیر روانہ ہو جائیں گے میں اور عیاش دونوں وقت پر مکان متعین پر پہنچ گئے لیکن ہمارا تیسرا ساتھی ہشام وہاں نہ پہنچ سکا اسے کفار نے آزمائش میں ڈال دیا ہم دو لوگ ہی مدینہ حاضر ہو گئے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں: مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر مدینہ طیبہ آئے، پھر ابن مکتوم پھر حضرت عمر بیس سواروں کے ساتھ آئے، ہم نے حضرت عمر سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کب تشریف لائیں گے؟ آپ نے فرمایا "**هُوَ عَلٰى اَثَرِيْ**" انشاء اللہ عنقریب آپ بھی آ جائیں گے پھر کچھ ہی عرصہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق بھی حاضر ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

غزوات میں شرکت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پروردگار عالم نے جلال بھری طبیعت عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی ترقی اور سربلندی کے لیے آپ پہلے ہی

دن سے فکر مند تھے اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس کے لیے کوشاں بھی تھے۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے آپ نے اپنی پوری عمر وقف کر رکھی تھی۔ اب چاہے وہ زمانہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت اور حیات ظاہری کا زمانہ ہو یا بعدِ وصال کا۔ اس معاملہ میں نہ کبھی آپ نے قدم کو پیچھے کیا اور نہ کبھی کسی سے آپ خوف زدہ ہوئے بلکہ ہر معاملہ میں آپ صف اول میں نظر آئے۔ اگر کبھی کسی مشورہ کی ضرورت پیش آتی تو آپ کا مشورہ کفار کے لیے بڑا ہی سخت اور شدید ہوتا اور یہ سب کفار کے متعلق آپ کی سختی کا نتیجہ تھا۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، بیعت رضوان اور فتح مکہ وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ کفار مکہ پر بہت سخت تھے یوم حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر انتخاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جا کر ٹکی تھی کہ حضور انہیں اپنا قاصد بنا کر کفار مکہ کی جانب روانہ فرمائیں لیکن جب حضرت عمر نے کفار کے ساتھ اپنے کشیدہ تعلقات اور پرانی عداوت کا تذکرہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا ارادہ بدلتے ہوئے عمر کی جگہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

غزوۂ بدر اور حضرت عمر: غزوۂ بدر اہل اسلام کے لیے محتاج تعارف نہیں بلکہ مسلمان کا ہر ذی شعور بچہ اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رکھتا ہے اور کیوں نہ رکھے اس لیے کہ اس غزوہ کو اسلام کی ترقی میں نمایاں مقام حاصل ہے، یہ وہ غزوہ ہے جس میں مسلمان اور دشمنانِ اسلام سب نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کی مدد کو مسلمانوں پر اترتے ہوئے دیکھا تھا، یہی وہ غزوہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اعانت کے لیے اپنے فرشتوں کو میدان بدر میں نازل فرمایا تھا، اس پورے غزوہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، آپ کے مشیر خاص بھی تھے اور جاں نثار بھی۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک عظیم کارنامے پر قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴿المجادلۃ ۲۲﴾

جب جنگ شروع ہوئی اور مجاہدین اسلام نے اپنی پوری جواں مردی کے جوہر دکھانے شروع کیے تو مسلمانوں کو نہ تو ان کا نسبی رشتہ راہ خدا میں تلوار چلانے سے روک سکا اور نہ ہی کسی کے ساتھ دیرینہ تعلقات ہی اس راہ میں حائل ہوئے، مسلمانوں کی تلوار کے سامنے جو آیا اسے ایک مشرک اور کافر سمجھ کر قتل کر دیا، باپ، بیٹا، رشتہ دار سمجھ کر چھوڑ نہ دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار سے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو جہنم رسید کیا، تب مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ج۱،ص:۴۰۰)

جنگ بدر کے قیدی: میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہو چکی تھی، مسلمانوں نے جنگ میں جان کی بازی لگا دی تھی، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سہارے میدان مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا، وہ لوگ جن کو نہتا، کمزور اور قلیل سمجھ کر دنیا خاطر میں نہیں لا رہی تھی وہ فاتح بن کر بدر میں اس طرح موجود تھے کہ ان کی تلواروں نے ستر کفار کو موت کے گھاٹ اتار کر جہنم رسید کر دیا تھا جن میں کفر کے بڑے بڑے سرغنہ اور سردار شامل تھے اور ستر کفار کو اپنے ہاتھوں میں قید کر رکھا تھا باقی کفار جان بچا کر میدان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے، کفر کا غرور خاک آلود ہو چکا تھا، قوت ٹوٹ چکی تھی لیکن ایک مسئلہ تا ہنوز باقی تھا کہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، آیا ان کا سر قلم کر کے لاشوں کو خاک وخون میں تڑپا کر قصہ ختم کر دیا جائے یا انہیں جان کی خیرات دے کر مستقبل میں ان سے نیک امیدیں وابستہ کر لی جائیں اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے مجلس مشاورت قائم فرمائی۔ ہم اسی مجلس کی تفصیلات ہدیۂ قائین کررہے ہیں۔

حضرت عمر کا مشورہ: بدر کے جنگی قیدیوں کی رہائی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ، امام طبرانی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا (جن میں حضرت عباس بھی تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں ان کو زندہ رہنے دیں شاید اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا، اور آپ سے جنگ کی، آگے بڑھیے ان کی گردنیں اتار دیجیے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا یارسول اللہ! دیکھیے یہ گھنی لکڑیوں کی وادی ہے اس کو آگ لگا دیجیے۔ عباس نے یہ سن کر کہا تم نے رحم کے رشتے توڑ دیے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بعض صحابہ نے کہا: آپ نے حضرت ابوبکر کا مشورہ قبول کرلیا ہے اور بعض نے کہا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے قبول کرلی ہے اور بعض نے کہا کہ آپ نے عبداللہ بن رواحہ کا قول پسند کیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے زیادہ رقیق ہو جاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو سخت کردیتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہوجاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ ﴿ابراہیم ۳۶﴾

جو میری پیروی کرے وہ میرے طریقہ پر ہے اور جس نے نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے اور تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۱۱۸ ﴿المائدۃ ۱۱۸﴾

ترجمہ: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا:

رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ۝۸۸ ﴿یونس ۸۸﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان کے اموال کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے تاکہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں۔ اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا:

رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا ۝۲۶ ﴿نوح ۲۶﴾

ترجمہ: اے رب! کافروں میں سے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ تم لوگ فقرا ہو سو کسی شخص کو گردن مارے بغیر یا فدیہ لیے بغیر نہ چھوڑنا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ! سہل بن بیضا کو چھوڑ دیں کیوں کہ میں نے ان کو اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش رہے (حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں) میں نے اس دن سے زیادہ کبھی اپنے آپ کو خوف زدہ نہیں محسوس کیا مجھے ڈر تھا کہ اس دن آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سہل بن بیضا کے ماسوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل کرنے کا قصد کیا اور میری رائے پر عمل کا ارادہ نہیں فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لے لیا۔ دوسرے دن میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے رو

رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی رووں گا ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی کوشش کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اصحاب کے فدیہ لینے کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ایک درخت تھا آپ نے فرمایا: اس درخت کے قریب مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا تھا۔

ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞

﴿الانفال ٦٨﴾

ترجمہ: اگر پہلے سے معافی کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے کافروں سے جو فدیہ کا مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے سوا لوگوں میں سے کوئی عذاب سے نہ بچتا کیوں کہ انہوں نے کفار کے خون بہانے کو زیادہ پسند کیا تھا۔ (شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۷۔۳۳۹،۳۳)

قیدیوں کے آزاد کرنے پر اعتراض: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔ اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ فعل پسند نہ تھا اور عتاب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ٦٧، ٦٨، ٦٩ نازل فرمائیں۔

جواب: علامہ سعید کاظمی فرماتے ہیں: جنگ بدر میں ستر کافروں کا خون بہا دیا گیا تھا اور ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد باقی ماندہ کو قید کر لیا گیا تھا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کیا تھا، رؤسائے قریش میں سے جو نامور سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ ابن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور منبہ ابن الحجاج کفار کی جنگی

طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے، ان لوگوں کے مارے جانے سے قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی لہٰذا کفار قریش کے صنادید سمیت ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا یہ عمل اس وقت ناپسندیدہ اور آیت کے خلاف ہوتا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور جب ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کر لیا گیا تھا تو پھر یہ عمل کیسے ناپسندیدہ ہوسکتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

﴿الانفال ۶۷﴾

ترجمہ: اے مسلمانو! تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالِ دنیا کی طمع سے بری ہیں۔ ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی اسلام لے آئے اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت ہی کی بنا پر تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا تھا لہٰذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں۔

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

﴿الانفال ۶۸﴾

ترجمہ: اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے کیوں کہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے ممانعت نہیں کی گئی تھی تو پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے بن سکتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور مال غنیمت کو کھا لیتی۔ سلیمان اعمش نے کہا کہ اس بات کو اب ابو ہریرہ کے سوا کون بیان کر سکتا ہے اور جب جنگ شروع ہوئی تو مالِ غنیمت کی حلت کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نہیں نازل ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی چنانچہ ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴿الانفال ۶۹﴾

ترجمہ: سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے درآں حالیکہ وہ حلال وطیب ہے۔

اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ سورۂ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کرانہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے۔ (شرح صحیح المسلم ج ۵، ص: ۳۳۹۔ ۳۴۰)

غزوۂ احد اور حضرت عمر: غزوۂ احد جہاں مسلمان اپنے چند ساتھیوں کی اجتہادی خطا کی بنیاد پر جیتی ہوئی جنگ ہار چکے تھے جنگ نے بڑی ہی نازک صورت حال اختیار کر لی تھی، حق کے علم برداروں پر کفر پیہم حملے کر رہا تھا، حالات اتنے نازک موڑ پر آ گئے تھے کہ مسلمان خود اپنی تلواروں کی زد میں تھے، پھر بڑی عیاری کے ساتھ ایسی افواہیں پھیلا دی گئیں جن سے مسلمان مایوس ہو کر میدان جنگ سے قدم واپس کھینچنے پر مجبور ہو جائیں ان میں سب سے بڑی بُری اور جھوٹی خبر یہ پھیلا دی گئی کہ (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار نے شہید کر ڈالا ہے اس خبر کے پھیلتے ہی کتنے مسلمانوں نے جنگ سے اپنے ہاتھوں کو روک لیا کہ جب ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نہ رہے تو پھر اب ہم لڑ کر کیا کریں گے! اس موقع پر جو چند جاں باز اور جاں نثار صحابہ میدان جنگ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارد گرد ثابت قدم تھے اور حضور کے سر سے اپنی جانوں کے ذریعہ صدقہ اتار رہے تھے ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

امام واقدی فرماتے ہیں: احد کے دن جب لوگوں کے قدم اکھڑ رہے تھے تو مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضور کے ساتھ ثابت قدم تھے اور انصار میں سے حضرت اُسید بن حضیر، حضرت حباب بن منذر، حضرت حارث، حضرت سعد بن معاذ، حضرت ابودجانہ، حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت سہیل بن حنیف ثابت قدم تھے۔ (فتح الباری ج ۹، ص: ۱۳۲)

ابوسفیان جو احد میں کفر کا سرغنہ اور سردار تھا اور کفار لڑاکوں کی کمان خود اس کے ہاتھ

میں تھی جیت کے نشے میں مست ہاتھی کی طرح قابو سے باہر تھا اور مسلمانوں کے خلاف نعرہ بازی کر رہا تھا اور اس وقت سب خاموش تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یارائے ضبط نہ رہا اور اس کو سخت الفاظ میں جواب دیا اس کی تفصیل امام بخاری سے سنیں۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں: احد کے روز جب ہماری مشرکین سے ٹکر ہوئی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر کر کے فرمایا: تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا خواہ یہ دیکھو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں یا یہ دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ گئے ہیں، تم ہماری مدد کو نہ آنا، جب ہماری کافروں سے ٹکر ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیاں کھولے، پائنچے چڑھائے ہوئے پہاڑ پر دوڑ رہی تھیں اور ان کی پائلیں نظر آ رہی تھیں پس یہ دیکھ کر تیر انداز بھی غنیمت غنیمت کہتے ہوئے مال لوٹنے آ گئے جب کہ حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو ہم سے عہد لیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے لیکن انہوں نے ان کی بات نہیں مانی اور نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے منہ پھر گئے اور ان کے ستر آدمی شہید ہو گئے چناں چہ ابوسفیان نے اونچی جگہ پر چڑھ کر یہ آواز دی کہ کیا اس جماعت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم موجود ہیں تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب مت دو اس نے پھر کہا کہ کیا اس جماعت میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) موجود ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب مت دو اس نے پھر کہا کہ اس جماعت میں ابن خطاب ہے پھر ابوسفیان خود ہی کہنے لگا کہ یہ سارے لوگ مارے جا چکے ہیں اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے یہ سن کر حضرت عمر اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بے اختیار جواب دیا کہ اے خدا کے دشمن تو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کرنے کے لیے ان سب کو زندہ محفوظ رکھا ہے، ابوسفیان نے کہا کہ ہُبل بلند ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب دو! لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: یہ جواب دو کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بزرگ اور بلند ہے، ابو

سفیان نے کہا کہ ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اسے جواب دو! لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: اسے جواب دو! کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ اور مددگار ہے تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد)

صلح حدیبیہ اور حضرت عمر: ٦ ھ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلاموں کے ساتھ خدا کے گھر کی زیارت کی آرزو لیے نہایت ہی ذوق وشوق اور جذبات کے تلاطم کے ساتھ مدینہ شریف سے نکلے، قدسی صفات انسانوں کا یہ قافلہ امام الاولین والآخرین کی قیادت میں مکہ شریف سے قریب ہوا تو کفار نے اس قافلہ کو روک لیا اور مشرکین اس بات پر اڑے تھے کہ ہم مسلمانوں کو نہ مکہ میں داخل ہونے دیں گے اور نہ ہی عمرہ کرنے دیں گے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار کے ساتھ گفت وشنید کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت حضور کے ساتھ ہے جس کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے سارے جلیل القدر صحابہ سرکار کی معیت میں موجود ہیں اب ان صحابہ میں سے سرکار اپنے نمائندے کا انتخاب فرمانا چاہتے ہیں جو حضور کا نائب بن کر کفار سے بات چیت کر سکے بلاشبہ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اسی شخص کا انتخاب عمل میں آئے گا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معتمد خاص بھی ہو، عقل وخرد اور زبان وبیان کی اجتماعی قوتوں کا پیکر جمیل بھی، سیاسی بصیرت کا مالک بھی، وقت اور حالات کی نزاکت کو سمجھ کر بر وقت فیصلہ لینے کا ہنر بھی جانتا ہو اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذات فریقین کے نزدیک باوقار اور مسلم بھی ہو، بالفاظ دیگر حضور اس صحابی کو اپنا نمائندہ منتخب فرما سکتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمائندہ بننے کی جملہ صلاحیتیں اور خوبیاں موجود ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی اور سب کا جائزہ لیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا اور انہیں کفار کی طرف بھیجنے کا منشا ظاہر فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس رائے پر حضرت عمر رضی

اللہ عنہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کفار کے خلاف میری شدت کی حقیقت جانتے ہیں کہ وہ مجھے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں اور مجھ سے سخت عداوت رکھتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے جانے سے معاملہ اور بگڑ جائے اور وہ لوگ مجھے قتل کر دیں میرے بجائے ایسا شخص زیادہ موزوں رہے گا کہ جس کے ساتھ کفار مکہ اتنی شدید مخالفت نہ رکھتے ہوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تدبیر پسند آئی اور آپ نے حضرت عمر کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر کفار کی طرف روانہ فرمایا۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۴۵)

حدیبیہ میں فراستِ عمر: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کفار کی طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے گئے، بات چیت کی لیکن بات نہیں بنی، کفار اپنی پرانی ضد پر اڑے رہے اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار نے قتل کر دیا (معاذ اللہ) یہ خبر مشہور ہونے کے بعد حالات کیا بنیں گے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیا فیصلہ فرمائیں گے، اس وقت حالات کا تقاضا کیا ہوگا، یہ ساری باتیں حضرت عمر نے بغیر کسی کے بتائے ہوئے جان لیں یہ سب آپ کی فراستِ مومنانہ کا اثر تھا اور دوسرے یہ کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے مزاج شناس تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی گفتگو سن کر، یا روئے انور کی زیارت ہی سے پہچان لیتے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

خبر مشہور ہوتے ہی حضرت عمر نے سمجھ لیا کہ اب سوائے جہاد کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ لہٰذا آپ نے جہاد کی تیاری شروع کر دی اگرچہ ابھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے حضرت عمر کو کوئی حکم نہیں ملا تھا لیکن جو حضرت عمر نے سمجھا تھا یقیناً وہی پیغمبر اسلام کا ارادہ بھی تھا جس کی وضاحت بخاری شریف کی آنے والی حدیث سے بخوبی ہوتی ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا حالانکہ یہ بات

صحیح نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمر نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو ایک انصاری شخص کے پاس گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا تا کہ بوقتِ ضرورت اس پر سوار ہو کر جہاد کر سکیں، جس وقت حضرت عبداللہ گھوڑا لینے گئے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم درخت کے نیچے بیعت لے رہے تھے حضرت عمر کو ابھی تک اس بات کی خبر نہ تھی۔ حضرت عبداللہ نے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کی اور پھر گھوڑا لے کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے تیار ہو رہے تھے اب حضرت عبداللہ نے انہیں خبر دی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں سے درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف چل دیے اور حضرت عبداللہ بھی آپ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کر لی تو اصل بات یہ تھی کہ حضرت عبداللہ نے بیعت میں سبقت کی تھی لیکن لوگوں نے اس کو سمجھ لیا کہ حضرت عبداللہ حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے تھے۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی، باب غزوۂ حدیبیہ)

قارئین نے فراستِ عمر کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مارنے اور مرنے پر اپنے جاں نثاروں سے بیعت لے رہے ہیں ادھر حضرت عمر بغیر کسی حکم اور علم کے جہاد کی تیاری کر رہے تھے۔

فتح مکہ اور حضرت عمر: بعثت سے لے کر ۸ ھ تک اکیس سالہ عرصہ پیغمبر اسلام اور دین اسلام کے لیے بڑا صبر آزما تھا، دعوتِ توحید کو ناکام بنانے کے لیے مخالفین کی مساعی میں جتنی شدت آتی جاتی، داعی الی الحق علیہ الصلاۃ والسلام اور حضور کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ جہاد میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے نظیر عزم و استقلال، اور فرزندانِ اسلام کی سرفروشیوں نے قلیل عرصہ میں باطل کے قشون قاہرہ کو ہر میدان میں رسوا کن ہزیمتوں سے دوچار کر دیا، چند سال میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جزیرۂ عرب کے دور افتادہ خطے بھی نورِ اسلام سے جگمگا اٹھے، ایوان کفر و شرک کے

بڑے بڑے ستون خود بخود گرنے لگے، خالد جیسی شخصیتیں جس نے صرف چند سال پہلے احد میں اپنی عسکری عبقریت کے باعث لشکرِ اسلام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا، دوڑ دوڑ کر شمع مصطفوی پر پروانہ وار نثار ہونے لگے، نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن کو چند سال پہلے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اب وقت آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ دس ہزار لشکر جرار کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو، اور اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کو کفر و باطل کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کرے اور اس میں قطار در قطار سجائے ہوئے بتوں کو بکمالِ نفرت وحقارت وہاں سے اکھیڑ کر باہر پھینک دے۔ چناں چہ ہجرت کا آٹھواں سال تھا، رمضان شریف کا برکتوں اور سعادتوں والا مہینہ تھا اور اس کی بیس تاریخ تھی جب مکہ نے اپنے بند دروازے اللہ کے محبوب اور ان کے غلاموں کے استقبال کے لیے کھول دیے۔ (سیرت الرسول ج ۴، ص: ۴۰۲)

ابوسفیان کو عمر کا جواب: سال گزشتہ حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان جو صلح نامہ طے پایا تھا اس میں موجود شرائط پر کفار مکہ عمل نہ کر سکے اور انہوں نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا، بنوخزاعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مدد حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے حضور نے ان سے مدد کا وعدہ فرمایا اور غیب داں نبی نے ارشاد فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان تمہارے پاس آئے گا اور معاہدے کی تجدید اور مدت میں اضافہ کرنے کی خواہش کرے گا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵، ص: ۳۱۱)

ابوسفیان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس کو یقین ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے مظلوم دوستوں کی مدد کے لیے ضرور پہنچیں گے لہٰذا اس نے سوچا کہ حضور مکہ پر حملہ آور ہوں اس سے بہتر یہ ہے کہ خود چل کر ان کی بارگاہ میں معذرت کر لی جائے اور معاہدے کی تجدید کر لی جائے اور مدت میں اضافہ بھی کرا لیا جائے، ابوسفیان مدینہ پہنچا، سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے گھر گیا جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا، ابوسفیان نے اس پر بیٹھنا چاہا، حضرت ام حبیبہ نے بستر کو سمیٹ

کر رکھ دیا اور اپنے مشرک باپ سے فرمایا: تم مشرک اور نجس ہو، نبی کے پاک بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں، ابوسفیان اپنی بیٹی کی گفتگو سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اب ابوسفیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تجدید معاہدہ اور مدت میں اضافہ کے سلسلے میں گفتگو کی، حضور نے کچھ سوالات ابوسفیان سے کیے، اس نے بات بنانے کی کوشش کی اور پھر اپنی سابقہ بات کو دہرایا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کی تجدید یا مدت کی توسیع سے متعلق کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد ابوسفیان حضرت ابوبکر کے پاس پہنچ کر بولا کہ آپ اس بارے میں حضور سے میری سفارش کریں اور آپ اپنی طرف سے لوگوں کو امان عطا کریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ''میرا امان دینا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امان کے تابع ہے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے نامراد ہوکر ابوسفیان حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا، ابوسفیان کی بات سن کر فاروق اعظم نے جو جواب دیا اس جواب کا ایک ایک حرف غیرت ایمانی میں ڈوبا ہوا ہے آپ نے فرمایا! تم یہ امید لے کر میرے پاس آئے ہو کہ میں حضور کی بارگاہ میں تمہاری سفارش کروں ابوسفیان غور سے سنو! خدا کی قسم اگر میں ایک چونٹی کو بھی تمہارے خلاف لڑتا ہوا پاؤں گا تو میں ضرور اس چونٹی کی مدد کروں گا، جو نیا معاہدہ ہمارے تمہارے درمیان قرار پائے اللہ تعالیٰ اسے پرانا اور بوسیدہ بنا دے جو پرانا معاہدہ ہمارے درمیان ہے اللہ تعالیٰ اسے جڑ سے کاٹ دے اور جو وعدے ٹوٹ چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کبھی نہ جوڑے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵ ص: ۳۱۴،۳۱۱)

فتح مکہ کے لیے عمر کا مشورہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنے حجرۂ مبارکہ سے نکل کر باہر تنہا تشریف فرما ہو گئے صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ اگر حضور تنہا بیٹھے ہوتے تو جب تک سرکار نہ بلاتے صحابہ دور ہی کھڑے رہتے تھوڑی دیر کے بعد حضور نے حکم دیا کہ ابوبکر کو میرے پاس بلاؤ؟ حضرت ابوبکر حاضر بارگاہ ہوئے حضور کافی دیر تک ان کے ساتھ رازدارانہ گفتگو فرماتے رہے پھر انہیں اپنی دائیں جانب بٹھالیا اور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا حضرت عمر بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار نے حضرت عمر کے ساتھ بھی دیر تک سرگوشی فرمائی اس کے بعد حضرت عمر بلند آواز میں گویا ہوئے یارسول اللہ! یہ اہل مکہ ہی کفر کے سرغنہ ہیں انہیں لوگوں نے حضور کو جادوگر، کاہن، جھوٹا اور بہتان تراش کہا ہے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو اپنے بائیں جانب بٹھالیا اور عام لوگ آپ کی اجازت سے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ سرکار نے لوگوں کے سامنے دو مثالیں بیان فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں گھی سے زیادہ نرم تھے یہی حال حضرت ابوبکر کا بھی ہے، پھر سرکار نے اپنا چہرۂ انور حضرت عمر فاروق اعظم کی طرف کیا اور ارشاد فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے اور یہی حال حضرت عمر کا ہے اے لوگو! اب تم لوگ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کا تعاون کرو، مجلس برخاست ہوگئی، لوگ حضرت عمر سے تو ان کی سطوت کی وجہ سے دریافت نہ کر سکے لیکن حضرت ابوبکر سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ دونوں کے ساتھ سرکار نے کیا مشورہ فرمایا تھا، تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا حضور نے مکہ پر حملہ کرنے سے متعلق پوچھا تو میں نے عرض کیا حضور قریش آپ کی قوم ہے ویسے جو حضور کی مرضی مبارک ہوگی اسی پر عمل ہوگا مجھے امید تھی کہ شاید سرکار میرے مشورہ کو قبول فرمائیں گے۔ لیکن اس کے بعد جب حضور نے یہی سوال حضرت عمر سے کیا تو آپ نے جواب دیا حضور یہی وہ لوگ ہیں جو کفر کی سرداری انجام دے رہے ہیں، پھر حضرت عمر نے ہر اس بری بات کا تذکرہ کیا جو کفار نے سرکار کے بارے میں کہی تھی، پھر حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ! عرب اس وقت تک ہمارے تابع فرمان نہ ہوگا جب تک اہل مکہ ہمارے ہاتھوں ذلیل نہیں ہوجاتے ہیں۔ اے لوگو! یہ حضرت عمر کے مشورہ کا اثر تھا کہ سرکار نے تمہیں جہاد کا حکم دے دیا تاکہ مکہ فتح کرلیا جائے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵، ص: ۳۱۶)

مہم کو مخفی رکھنے پر عمر کا تقرر: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کی مہم کو

بہت خفیہ رکھنا چاہتے تھے اس کے لیے آپ نے ظاہری انتظام بھی فرمائے اور باطنی بھی، مہم کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ دشمن ہوشیار نہ ہوجائے اور مقابلہ کی تیاری شروع نہ کردے حضور نے باطنی انتظام بھی فرمایا کہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا "اللّٰھم خذ علی أسماعھم وأبصارھم فلا یرونا إلا بغتة، ولا یسمعون بنا إلا فجاة !ان کی آنکھوں کو اندھا کردے اوران کے کانوں کو بہرا کردے کہ وہ ہماری آمد کا قبل از وقت پتہ نہ لگاسکیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظاہری انتظام یہ فرمایا کہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کردی اب نہ کوئی جاسوس مدینہ شریف میں داخل ہوسکے گا، اورنہ ہی مدینہ شریف سے باہر جاسکے گا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اہم اور حساس مورچے پر نظم ونسق کے ماہر اور بیدار مغز اپنے جاں نثار صحابی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر متعین فرمایا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماتحت افراد کو بڑا تاکیدی حکم دیا تھا کہ کوئی اجنبی بغیر ان کی بارگاہ میں پیش ہوئے باہر نہ نکل سکے۔کس کی مجال تھی کہ حضرت عمر کی حکم عدولی کرتا یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا اور حضرت عمر کی مستعدی، فرض شناسی اور ذمہ داری کو نبھانے کا نتیجہ تھا کہ اسلامی لشکر مدینہ شریف سے مرالظہر ان تک پہنچ گیا، مرالظہر ان مکہ مکرمہ سے چند مراحل کے فاصلہ پر ہے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔(سبل الھدیٰ والرشاد ج ۵، ص: ۳۱۷)

عمر کی سختی ابوسفیان کے ساتھ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مرالظہر ان پر پڑاؤ کیا اور آگ روشن کرنے کا حکم دیا پوری وادی آگ سے روشن ہوگئی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوسفیان کی آمد سے مسلمانوں کو باخبر فرمادیا تھا، روشنی دیکھ کر ابوسفیان مکہ سے اپنی قوم کے دوسرداروں کے ساتھ مرالظہر ان پر تفتیش حال کے لیے آیا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ کر کوئی اقدام کر پاتا، مسلمانوں نے اسے گرفتار کرلیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے لے کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر جب اس پر

پڑی تو آپ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن حضرت عباس نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ابوسفیان پر بغیر کسی عقد وعہد کے مسلط کر دیا ہے آپ مجھے اس دشمن خدا کا سر قلم کرنے کی اجازت عطا فرمائیں اس پر حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو امان عطا کر دی ہے جب حضرت عمر نے ابوسفان پر بہت زیادہ ملامت کی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اب رہنے بھی دو، اگر ابوسفیان خاندانِ عدی بن کعب کا فرد ہوتا تو آپ اتنی ملامت نہ کرتے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ابوسفیان کا تعلق بنی عبد مناف سے ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے عباس! ایسی بات مت کرو اگر میرا باپ خطاب ایمان لاتا تب بھی تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہوتا کیوں کہ آپ کا ایمان حضور کو زیادہ پسند تھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو حضرت عباس کے حوالہ کر دیا اور صبح کو ابوسفیان داخل اسلام ہوکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں داخل ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶، ص: ۵۳۸)

فتح مکہ کے بعد بیعت اور عمر: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہو چکے تھے، جاء الحق وزہق الباطل کی ہر طرف گونج سنائی دے رہی تھی، اسی اثنا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ میں حاضر ہیں مکہ کے بڑے، چھوٹے، مرد، عورت سارے لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنا چاہتے ہیں، یہ بیعت اسلام کو سچا جاننے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برحق نبی ماننے کی شہادت تھی، حضور اکرم صفا کے بالائی حصہ پر تشریف فرما تھے اور حضور سے نچلی جانب حضرت عمر حاضر خدمت تھے لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری پر بیعت کی، جب مرد بیعت کر

چکے تو عورتوں کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا بیعت کرنے والی عورتوں میں ہند بنت عتبہ بھی تھیں جس نے اپنے چہرے پر ڈر کی وجہ سے نقاب ڈال رکھا تھا اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے اپنے شفیق چچا حضرت حمزہ کا بدلہ نہ لے لیں، (ہند نے غزوۂ احد میں حضور کے چچا کا کلیجہ چبا لیا تھا) لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی شان رحمت سے معاف فرما دیا، اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیعت لینے کا حکم دیا حکم پا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کے نائب بن کر حضور کے لیے بیعت لینے لگے، اس موقع پر جب ہند سے بیعت لیتے وقت یہ الفاظ کہلوائے "وَلَا تَقْتُلْنَ اَوْلَادَ کُنَّ" (تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی) تو ہند نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا " قد ربيناهم صغارا حتى قتلتهم أنت وأصحابك ببدر كبارا" یا رسول اللہ! جنہیں ہم نے بچپن میں پالا تھا انہیں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے میدان بدر میں قتل کر دیا "فضحك عمر بن خطاب حتى استغرق" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہنسی آئی کہ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ٦ ص:٦١٦)

فضائل عمر: زبانِ رسالت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیسے کیسے تمغہ جات سے نوازا گیا ہے یہ بات احادیث کریمہ کا مطالعہ کرنے والے انسان پر مخفی نہیں، بعض علماے کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق احادیث کریمہ جمع فرما کر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ہم یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بحر فضائل سے چند قطرے پیش فرما کر قارئین کی تشنگی کو کچھ حد تک دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ابوبكر ثم عمر"
اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

مقام ہے۔ (تاریخ الخلفاص: ۳۴)

احادیث میں عمر: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عظیم شان عطا فرمائی اور کتنے فضائل سے انہیں نوازا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ایک حدیث پیش کر رہے ہیں: حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی میرے پاس حضرت جبرئیل آئے تھے تو میں نے حضرت جبرئیل سے کہا اے جبرئیل علیہ السلام! میرے سامنے حضرت عمر کے آسمانی فضائل بیان کرو! حضرت جبرئیل نے مجھ سے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں حضرت عمر کے فضائل اتنے سال تک بیان کروں جتنے سال تک حضرت نوح نے تبلیغ فرمائی اور آپ کی تبلیغ کا زمانہ نو سو پچاس سال ہے تب بھی حضرت عمر کے فضائل پورے نہیں ہوسکیں گے اور عمر بایں جلالت شان حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کا نام ہے۔ (الغرر فی فضائل عمر)

اب ہم بخاری شریف کی چند احادیث کو بیان کر کے اس عنوان کو مکمل کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت حمزہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سو رہا تھا دوران خواب میں نے دودھ پیا اور اس کی تازگی ناخنوں سے ظاہر ہو رہی تھی پھر بقیہ دودھ حضرت عمر کو دے دیا لوگوں نے عرض کیا اس دودھ سے کیا مراد ہے؟ حضور نے فرمایا: دودھ سے مراد علم ہے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اندر آنے کی اجازت اس وقت چاہی جب حضور کے پاس قریش کی کچھ عورتیں گفتگو کر رہی تھیں اور گفتگو کے وقت ان کی آواز بلند ہو رہی تھی لیکن جیسے ہی حضرت عمر نے اجازت طلب کی وہ عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور جلدی سے چھپ گئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر کو آنے کی اجازت عطا فرمادی۔ عمر حضور کے پاس حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسکراتے ہوئے پایا، عمر عرض گزار ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کے دندان مبارک تبسم ریز رکھے۔ حضور نے (اپنی

مسکراہٹ کا سبب بیان کرتے ہوے) فرمایا: مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو میرے پاس بیٹھی تھیں لیکن اے عمر! جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو پردے میں چلی گئیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ عورتیں آپ سے زیادہ ڈریں، پھر حضرت عمر نے عورتوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: اے اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے نہیں ڈرتیں اس بات پر عورتوں نے جواب دیا ہاں (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم رحم دل ہیں) اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سخت گیر اور سخت دل ہو، یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اس بات کو چھوڑ دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب شیطان تمہیں کسی راستہ پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو تمہارے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے آپ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں پایا تو میں نے ایک عورت کو ایک محل میں وضو کرتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ جواب ملا عمر کا، بس مجھے عمر کی غیرت یاد آ گئی اور میں واپس پلٹ آیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے عرض کیا! حضور میں آپ سے کیسے غیرت کر سکتا ہوں۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب مناقب عمر بن خطاب)

(۴) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔

(سنن الترمذی کتاب مناقب باب مناقب عمر، مسند احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: گزشتہ امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو عمر بن خطاب انہیں میں سے ہیں۔ (صحیح المسلم کتاب فضائل الصحابہ)

محدث کسے کہتے ہیں اور حدیث پاک میں محدث سے کیا مراد ہے۔ اس پر علامہ غلام رسول سعیدی نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ ہم یہاں اس پوری بحث کو پیش کر رہے ہیں:

حضرت عمر محدث خیر امم: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رشد و ہدایت کے پیکر اور نگاہِ فراست کے مالک تھے، انہوں نے فیضانِ رسالت سے تربیت پائی تھی، حضور پر وحی اترنے کی کیفیت کو دیکھا تھا، رموز قرآن کے محرم اور اسرار وحی سے واقف تھے، اسی وجہ سے تعداد انبیا کے مطابق اور ان کے اوصاف کے مظہر تھے، اسی لیے حضور نے فرمایا تھا کہ میرے تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں تم نے ان میں سے جس کو بھی اپنا مقتدا بنالیا ہدایت پالو گے، سارے صحابہ ہی رسول کے اسوہ اور نبوت کے تعبیر تھے مگر جس کو نوید فراست ملی، جس نے موافقت وحی کا مرتبہ پایا، جس کی زبان الہام وتحدیث کا مرکز بنی وہ عمر فاروق تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔ اور ایک مرتبہ فرمایا: تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے تھے جو نبی نہیں ہوتے تھے مگر صاحب کلام تھے اس امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار)

محدث کا مفہوم: مفہوم محدث کے بارے میں اہل علم کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔

بعض نے کہا محدث صاحب الہام کو کہتے ہیں، تورپشتی نے کہا محدث وہ شخص ہے جس کی رائے صائب اور ظن صادق ہو، ابواحمد عسکری نے کہا جس کے قلب پر ملاء اعلی سے فیضان ہو اسے محدث کہتے ہیں، بعض نے کہا جس کی زبان ہمیشہ نطق بالصواب کرتی ہو وہ محدث ہے، ابن التین نے کہا محدث صاحب فراست ہوتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ملہم بالصواب کو محدث کہتے ہیں، حضرت ابن حجر عسقلانی نے ایک مرفوع روایت سے بتایا محدث کی زبان سے ملائکہ کلام کرتے ہیں، ملا علی قاری نے کہا محدث سے مراد وہ شخص ہے جو کثرت الہام کے سبب درجۂ انبیا سے واصل ہو، ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ محدث وہ ہوتا ہے جس کے قلب ونظر پر ملاء اعلی کا فیضان ہوتا ہے۔

اس کا اجتہاد صحیح اور کلام صائب اور ربانی تائید سے مؤید ہوتا ہے۔

محدث کا مصداق: اس امت میں محدث ہے یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہی ہے کہ ہے اور یقیناً ہے کیوں کہ جب امم سابقہ میں محدث ہوتے تھے تو خیر امم میں محدث کیوں نہ ہوگا، نیز پچھلی امتوں میں کسی ایک رسول کی شریعت کی تفہیم کے لیے تسلسل اور تواتر کے ساتھ انبیاے کرام آتے رہتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم کر دی تو اللہ تعالیٰ نے نبی کی جگہ محدث کو مقرر فرما دیا پس تمام اولیاے محمدیین محدث ہیں لیکن اس گروہ کے سرخیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے نطق رسالت سے محدث کا لقب پایا ہے۔

موافقتِ خداوندی: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کی تین امور میں موافقت کی ہے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: تین میں حصر کی وجہ ان کی شہرت ہے ورنہ موافقت کی تعداد پندرہ ہے، صاحب ریاض نے کہا: ان میں سے نو لفظی اور چار معنوی اور دو بطور توریہ کے ہیں۔ ابن حجر ہیتمی مکی نے کہا: ایسی آیات سترہ ہیں اور امام سیوطی علیہ الرحمہ نے تتبع کر کے ان کا عدد بیس سے زائد تک پہنچا دیا ہے۔

بعض کی تفصیل یہ ہے (۱) ایک مرتبہ مقام ابراہیم کو دیکھ کر حضرت عمر نے کہا: حضور ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ نہ بنالیں؟ تو یہ آیت نازل ہوگئی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط ﴿البقرة ۱۲۵﴾

ترجمہ: مقام ابرہیم کو مصلیٰ بنالو۔

(۲) احکام حجاب کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں آپ ازواج کو پردہ کا حکم دیں تو یہ آیت نازل ہوگئی:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ﴿الاحزاب ۵۳﴾

ترجمہ: جب تم ازواج نبی سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو' (صحیح البخاری)

(۳) حضور اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس جایا کرتے تھے جب بعض ازواج کو یہ ناگوار لگا تو حضرت عمر نے ان سے کہا: ''اگر حضور نے تمہیں طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ حضور کو تم سے بہتر ازواج عطا کرے گا'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ ﴿التحریم ۵﴾

قریب ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دیں تو اللہ انہیں تم سے بہتر ازواج عطا کرے گا۔ (صحیح البخاری)

(۴) اسیران بدر کے بارے میں بعض لوگوں نے فدیہ کی رائے دی اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قتل کی تھی اور اس وقت رائے عمر پر تنزیل ہوگئی۔

لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۶۸﴾

﴿الانفال ۶۸﴾

اگر تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ مقرر نہ ہوتا کہ اجتہادی خطا میں مواخذہ نہیں ہوتا تو تم پر تمہارے کیے کی وجہ سے عذاب عظیم ہوتا۔ (صحیح المسلم)

(۵) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں جوئے اور شراب کا دور عام تھا حضرت عمر حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا حضور! ہمیں جوئے اور شراب کے بارے میں ہدایت دیں کیوں کہ یہ مال اور عقل کو ضائع کرنے والی چیزیں ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْہِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ ﴿البقرۃ ۲۱۹﴾

یہ آپ سے شراب اور جوئے کا حال پوچھتے ہیں کہیے: ان میں بڑا گناہ ہے۔ (آلوسی)

(۶) ایک دفعہ ایک شخص نے شراب کے نشے میں نماز پڑھا دی اور قرآن غلط پڑھا اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پھر گزارش کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی ۔ ﴿النساء ۴۳﴾

نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (ابوبکر جصاص)

(۷) اس کے بعد حضرت عمر بار بار خدا سے دعا کرتے رہے ''اے اللہ! شراب اور جوئے کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما''، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ ﴿المائدۃ ۹۰﴾

شراب اور جوابت اور پانسے ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے، ان سے بچو۔

(سنن ابی داؤد وسنن الترمذی)

(۸) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے انسان کو کیچڑ والی مٹی سے پیدا کیا تو حضرت عمر نے بے ساختہ کہا:

''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ'' ﴿المومنون ۱۴﴾

چناں چہ انہیں لفظوں سے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۹) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر بار بار کہتے رہے' حضور! کیا آپ منافق پر نماز پڑھیں گے؟ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴿التوبۃ ۸۴﴾

آپ کبھی بھی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (سیوطی)

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا صحیح ہونا عام منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارادہ تبلیغی ضرورت کے سبب بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں تھا اور یہ امر صحیح تھا ورنہ وحی کے ذریعہ حضور کو اس کی نماز جنازہ سے روک دیا جاتا۔ حضور کی اسی نماز کی وجہ سے عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام لے آئے تھے اور اس نماز سے یہی سرکار کا منشا تھا، الغرض عمر کی رائے کا صحیح ہونا حضور کے مقابلہ میں نہ تھا۔ کیوں کہ حضور کا عمل بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں

تھا اور قرآن نے عام منافقین کا حکم بیان کیا ہے۔ (سعیدی)

(۱۰) اسی نماز کے سلسلہ میں حضرت عمر نے عرض کیا: ان کے لیے استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ ﴿المنافقون ٦﴾

ان کے حق میں برابر ہے آپ استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا بے شک اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ابوعبداللہ شیبانی)

(۱۱) میدان بدر میں جانے کے لیے حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا بعض نے منع کیا اور حضرت عمر نے جانے کا مشورہ دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۞ ﴿الانفال ۵﴾

''تمہارا رب تمہیں گھر سے (بدر کی طرف) لے گیا اور بے شک مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ ناپسند تھا''۔ (طبرانی)

(۱۲) جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی تو حضرت عمر نے کہا:

'سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿النور ۱۶﴾

''انہیں لفظوں سے یہ آیت نازل ہوگئی۔'' (طبرانی)

(۱۳) ابتدائے اسلام میں رمضان کی راتوں کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر سے رات کا روزہ ٹوٹ گیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

''اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ '' ﴿البقرة ۱۸۷﴾

اب تمہارے لیے رمضان کی راتیں حلال ہیں۔ (ابن حجر مکی)

(۱۴) ایک اسرائیلی نے حضرت عمر سے پوچھا تمہارے نبی پر وحی کون لاتا ہے:

فرمایا: جبرئیل، کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، فرمایا: جو اللہ، فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے۔ اس جواب کی تائید میں یہ آیت نازل ہو گئی:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿البقرۃ ۹۸﴾

(۱۵) ایک منافق نے حضور کے فیصلہ پر حضرت عمر کے فیصلہ کو ترجیح دی آپ نے اس کو قتل کر دیا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، آپ نے حضور سے عرض کیا: حضور! جو آپ کا فیصلہ نہ مانے وہ مسلمان کب ہے؟ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ ﴿النساء ۶۵﴾

آپ کے رب کی قسم! وہ مسلمان ہی نہیں جو آپ کا فیصلہ نہ مانے۔ (فخر رازی)

(۱۶) ایک مرتبہ حضرت عمر سوئے ہوئے تھے ایک شخص نے بغیر اجازت گھر میں داخل ہو کر آپ کو جگا دیا، آپ نے دعا کی: اے اللہ! بلا اجازت گھروں میں داخلہ کو حرام قرار دے دے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴿النور ۲۷﴾

''اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام نہ کر لو۔'' (سیوطی)

ان شواہد سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ حضرت عمر کی زبان وحی و سکینہ کی ترجمان تھی، عمر کی زبان پر جب کوئی کلمہ آیا وہ عین حق و صواب تھا اور ان کی فکر و رائے وحی کے موافق اور کلام الٰہی کے مطابق تھی۔

فراستِ عمر سے اصول اجتہاد کا استخراج: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف مقدمات کا فیصلہ اس بالغ نظری اور صحیح فکر کے ساتھ کیا جس سے صرف ان جزوی

معاملوں پر ہی اثر نہیں پڑا بلکہ ان فیصلوں سے فکر و اجتہاد کے اصول معلوم ہوئے اور امت کے لیے استنباط احکام اور استخراج مسائل کی راہیں کھل گئیں۔ ان تمام واقعات کا شمار بہت مشکل ہے۔ البتہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ مطلقہ عورت کو رہائش اور خرچہ ملے گا یا نہیں؟ آپ نے فیصلہ کیا کہ ملے گا۔ اس وقت فاطمہ بنت قیس نے یہ روایت کی کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تیرے لیے کوئی نفقہ اور سکنیٰ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا: ہم کتاب اور سنت کو محض ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے۔ خدا جانے وہ سمجھ نہ سکی یا بھول گئی۔ (ابوبکر جصاص)

اس فیصلہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ خبرِ واحد سے کتاب وسنتِ متواترہ کے حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ نے اکثر احکام اسی اصول سے مستنبط کیے ہیں۔

ملی شعائر کا تحفظ: عہد ابوبکر میں بہت سے قراء اور حفاظ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا: مجھے خوف ہے اس طرح ایک ایک کر کے کہیں سارے حافظ اور قاری فوت نہ ہو جائیں اور قرآن ہمارے درمیان نہ رہے اس لیے آپ تمام قرآن کو جمع کر کے محفوظ کر دیں، حضرت ابوبکر نے کہا: میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا؟ آپ نے جواب میں کہا: رب کعبہ کی قسم اس کام میں خیر ہے۔ آپ یوں ہی بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ابوبکر کے دل میں بھی وہ روشنی پیدا کر دی جو اس سے پہلے عمر کو عطا کی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عظیم کام کے لیے قراء صحابہ کی ایک جماعت مقرر کی اور تمام قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرا دیا۔ (صحیح البخاری)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ملکوتی زبان اور تعمیری فکر عطا کی تھی،

جس کام کے لیے انہیں محدث اور ملہم بنایا تھا اسی وصف سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر حفاظت قرآن کی تحریک کی اور آج جو امت مسلمہ کے ہاتھوں میں صحیفہ قرآن موجود ہے یہ صرف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر صائب اور فکر راسخ کا ثمرہ ہے۔

اوائل عہد فاروقی تک لوگ الگ الگ تراویح پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں امام واحد کی اقتدا میں جمع کر دیا اور سب مل کر جماعت سے تراویح پڑھنے لگے اور اس میں ختم قرآن کا اہتمام کر لیا گیا۔ (صحیح البخاری، وبیہقی)

بظاہر یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کو باجماعت کر دیا لیکن حقیقت میں اس میں بہت عظیم اور دوررس فوائد پنہاں تھے، بعض از اں یہ ہیں۔

(۱) تراویح میں قرآن سنانے کے شوق سے لوگ بکثرت قرآن حفظ کرتے ہیں، ایک مسجد میں تراویح ہو، کئی حفاظ شریک ہوتے ہیں، ایک حافظ قرآن سناتا ہے اور بہت سے حافظ سنتے ہیں اور تجربہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جو حافظ قرآن سنانا یا سننا چھوڑ دے اسے قرآن بھول جاتا ہے اور آج دنیا میں جو حفاظ قرآن کی اس قدر کثرت ہے یہ سب تراویح کی برکت اور فراست عمر کا صدقہ ہے۔

الغرض قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی صرف دو شکلیں ہیں یا صورت مصحف میں یا سینہ حافظ میں اور قرآن مصحف میں محفوظ عمر کی فکر سے ہوا اور سینہ میں محفوظ عمر کی فراست سے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر سال رمضان میں جبرئیل کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے، تراویح کے سبب اب ہر سال رمضان میں حافظ اور سامع قرآن کا دور کرتے ہیں اور حضور کی یہ سنت تازہ رہتی ہے۔

(۳) سال میں ایک مرتبہ پورا قرآن سن لینے سے یہ موقع ملتا ہے کہ ہم اپنی ایک سال کی ڈائری کو دستور قرآن کے آئینہ میں دیکھ سکیں اور یہ فیصلہ کر سکیں کہ ہم نے قرآن کے کتنے احکام کی تعمیل کی ہے اور کتنے احکام کی مخالفت، اور پھر قرآن کی روشنی میں ہم اپنے کردار کے بگڑے ہوئے خدوخال کو درست کر سکیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ امت کی تعمیر اور ملت کے استحکام کی لگن میں رہتے تھے' آپ کی فراست نے امت کو ہجری تقویم دی۔ شراب نوشی پر اسّی کوڑے حد مقرر کی۔ خلیفہ رسول کے لمبے چوڑے اضافی نام کی جگہ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا، امیر کے لیے بیت المال سے وظیفہ کی ابتدا کی' ہجو پر تعزیر مقرر کی' رات کو اٹھ کر احوال رعایا کے تجسس کا عمل جاری کیا، تادیب کیلئے درّہ ایجاد کیا' اطراف مملکت میں قضاۃ کا تقرر کیا، مساجد میں قنادیل کی روشنی کا انتظام کیا اور ایسے بہت سے کام کیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قد آور اور تاریخ ساز شخصیت کے سامنے ہر فراز نشیب معلوم ہوتا ہے، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبقری نظر کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں دوران خطبہ بھی ''نہاوند کے امیر لشکر کو ہدایات دیتے رہتے تھے'' دشت وجبل کی وسعتیں نگاہ عمر کے سامنے سمٹ جاتی تھیں، جزیرۂ عرب سے لے کر ساحل ''مکران'' تک تمام حکام ان کے رعب سے سہمے ہوئے رہتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم وفراست اور عقابی نظر نے اس امت کو بہت کچھ دیا ہے۔ عہد عمر کی تہذیب، قانون' معیشت' عوام کی خوشحالی اور فتوحات کی وسعت دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ایک اور عمر مل جاتا تو آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔ (مقالات سعیدی ص:۱۷۸)

زمانہ صدیق اور عمر: (۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اسلامی معاشرے میں ایک سنگین صورت حال پیدا ہوئی۔ انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ پر جمع ہو کر یہ اعلان کر دیا تھا "منا امیر ومنکم امیر" اس سلسلے میں حالات کی نزاکت اور نو پید خطرات کا بیان ہم خلیفہ اول کے تذکرہ میں کر چکے ہیں لہٰذا دوبارہ بیان کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، لیکن اتنا بتا دیں کہ اس عظیم فتنہ کو دفع کرنے میں جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست کام آئی وہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت نے فتنہ کو کچلنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت ابوبکر کے خطاب کے بعد جس وقت شور وغل شروع ہوا حضرت عمر کو یہ سمجھنے میں بالکل دیر نہ لگی کہ اختلاف شروع ہو چکا ہے اور اس وقت

سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں لوگ کسی انصاری کی بیعت شروع نہ کردیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جائے گا کیوں کہ کسی انصاری کی بیعت شروع ہو جانے کے بعد دوسرے کے لیے بیعت لینا بہت دشوار گزار مرحلہ ہے جس میں کامیابی کی امید رکھنا دانشوری کے قطعاً خلاف ہو گا لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنے کی چنگاری کو بجھانے کے لیے سریع اقدام کرتے ہوئے فرمایا ''اے گروہ انصار! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں تو تم میں سے ایسے پاکیزہ نفس والا کون ہے جو ابوبکر سے آگے بڑھنا چاہتا ہے یہ جملہ سن کر انصار نے جواب دیا ''**نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر**'' ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ابوبکر سے آگے بڑھیں پھر کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے آپ نے ہاتھ کو دراز کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی اور بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا پھر مہاجرین وانصار سب نے بیعت کر لی۔

(امیر المومنین عمر بن خطاب ج ۱، ص: ۸۸، محض الصواب فی فضائل عمر بن خطاب ج ۱، ص: ۲۸۰)

(۲) بیعت کی ابتدا کرنے سے لے کر بیعت کے لیے لوگوں کو ابھارنا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام بیعت کرانا اور فتنہ کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دینا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ تھا۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے آپ مشیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ کئی مقدمات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا صادر اور نافذ فیصلہ کو واپس لے لیا جیسے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو جو زمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا فرمائی وہ زمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر آپ نے واپس لے لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵، ص: ۱۹)

(۴) قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر ہی نے تیار کیا۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر)

خلافت کے لیے تعیین: یہ بات بھی آپ خلیفہ اول کے تذکرہ میں پڑھ چکے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرض شدید ہوا تو آپ نے جلیل القدر صحابہ سے خلافت کے بارے میں مشورہ فرمایا مشورہ دینے والوں میں حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان بن عفان، اسید بن حضیر، سعید بن زید۔ ودیگر مہاجرین وانصار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تمام حضرات نے حضرت عمر کو خلیفہ بنانے کی تائید وتصدیق فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کردیا۔ بروز منگل ۲۲ رجمادی الاخری ۱۳ھ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

(امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ا ص: ۹۸، تاریخ الخلفا ص: ۶۲ و ۱۰۴)

یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کے جسم میں پیدا ہونے والے امراض کو اپنی دوررس نگاہوں کے ذریعہ دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ دنیا چھوڑنے سے پہلے امت کو اس مرض کی کامیاب دوا دے رہے تھے، تاریخ کے قاری پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطا کردہ نسخہ امت کے حق میں سو فیصد کامیاب ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں نے جو خواب حضرت عمر کے بارے میں دیکھا تھا وہ مکمل پورا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تاریخ اسلام کا ذریں دور شمار کیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات فتنوں کے سامنے ایک مضبوط دیوار بن کر کھڑی ہوگئی جب تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقید حیات رہے امت فتنوں سے بچی رہی اور جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے فتنوں کا سلسلہ شروع ہوا تو آج تک رک نہ سکا بلکہ دراز ہوتا چلا گیا۔

یہ وہ حقیقت ہے جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست پر مہر یقین ثبت کردی اسی فراست کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ فراست والے تین افراد گزرے ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صاحبہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت دیکھ کر اپنے باپ

سے عرض کیا کہ انہیں اجرت پر رکھ لیا جائے (۲) عزیز مصر جس نے حضرت یوسف کے بارے میں اپنی بیوی سے کہا ان کے رہنے کی جگہ عمدہ کرو امید ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ ملے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ (۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر فراست کا ثبوت دیا۔ (تاریخ الخلفاص: ٦٣)

پہلا خطبہ: کتب سیر میں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں کہ سب سے پہلا خطبہ حضرت عمر نے کیا دیا پھر علما نے ان مختلف روایات میں اس طور پر تطبیق دی ہے کہ پہلے خطبے میں روایات کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ خطبہ طویل تھا لوگوں کو الگ الگ اجزا یاد رہے انہوں نے وہ جو انہیں یاد تھا پہلا خطبہ کہہ کر بیان کر دیا۔ (امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ا ص ۱۱۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے جب خطبہ دینا چاہا، ممبر پر چڑھے اور جب آپ نے اس جگہ بیٹھنے کا ارادہ کیا جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوس فرماتے تھے تو آپ نے فرمایا: اللہ نہ کرے کہ میں اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ بیٹھنے کا اہل سمجھوں لہٰذا آپ ایک سیڑھی نیچے اتر گئے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی لوگوں کو قرآن پاک پڑھنے اور اس کو سمجھنے پھر اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور آپ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے نفسوں کا وزن کرو اس سے پہلے کہ قیامت میں ان کو تولا جائے، اور اس دن کے لیے تیار ہو جایئے جو پیشی کا سب سے بڑا دن ہے جس دن کوئی بھی چیز پوشیدہ نہ رہ سکے گی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کسی حق دار کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اپنے آپ کو اللہ کے مال کے بارے میں ایسا بنالیا ہے کہ جیسے کسی کے پاس یتیم کا مال ہو اور وہ اس کی رکھوالی کر رہا ہو اگر وہ فقیر ہو تو اپنی ضرورت بھر اس میں سے لے سکتا ہے اور اگر مال دار ہے تو اس سے باز رہے۔ (امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ج ا ص ۱۱۰)

دوسرا خطبہ: جلال فاروقی کا کہنا ہی کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق شیطان بھی وہ راہ بدل دیتا ہے جس راستے سے عمر گزر جائیں۔ جن لوگوں نے جلال فاروقی کو آغوش نبوت میں پروان چڑھتے دیکھا تھا خلافت صدیقی میں بھی جس کے

جلال سے مجرموں کے خون خشک ہو جاتے تھے۔ اب تو وہ صاحب جلال خود ہی مملکت اسلامیہ کا والی ہے ماقبل کے دور میں کچھ کر گزرنے سے پہلے اسے اجازت کی ضرورت ہوتی تھی لیکن اب تو وہ خود ہی منصف، خود ہی قاضی، اور خود ہی محاسب ہے، نہ اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، نہ کسی کے انتظار کی حاجت۔ اب تو معاملہ یہ ہے کہ ؎

حکم نافذ ہے ترا خامہ ترا سیف تیری
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا

اس ذات ستودہ صفات کے تخت خلافت پر رونق افروز ہوتے ہی بہت سے لوگ مارے خوف کے مبہوت ہو گئے، لوگوں نے اپنے گھروں کے دالانوں میں مجالس جمانا ترک کر دیں۔ جب کہ خلیفۂ اول کی رحم دلی کا حال یہ تھا کہ جب وہ راہوں سے گزرتے تو بچے یا ابت یا ابت،، کی صدائیں لگاتے، ان سے چمٹ جاتے اور خلیفۂ شفیق باپ کی طرح ان کے سروں پر دست شفقت رکھتے، حق محبت ادا کرتے اور آگے گزر جاتے، اب خلافت کیا بدلی کہ زمانہ بدل گیا لوگ متفرق اور منتشر ہو کر اس انتظار میں ہیں کہ امیر المومنین کیا حکم نافذ کرنے والے ہیں، آخر لوگوں کا ڈر، خوف اور دہشت کا عالم عمر پر منکشف ہو گیا خبر لگتے ہی عام ندا کر دی ''الصلوۃ جامعۃ'' جس کے کان میں یہ آواز پہنچی ادب و احترام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو گیا، بھیڑ جمع ہو گئی مسجد بھر گئی، امیر المومنین خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور بکمال عجز و نیاز رب قادر و قیوم کی بارگاہ صمدیت میں حمد و ثنا کے گلہائے رنگا رنگ پیش کیے اور نبی کریم رؤف و رحیم کی بارگاہ رحمت و نور میں درود و سلام کی نذریں پیش کرنے کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو گئے اور فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ لوگ میری سختی سے خوف زدہ ہیں اور آپس میں گفتگو کر رہے ہیں کہ عمر ہم پر سخت تھا جب کہ حضور تشریف فرما تھے اور حضرت صدیق کے زمانہ میں اس کا یہی حال رہا اب تو وہ خلیفہ ہے اب تو شدت و غلظت کا کیا عالم ہوگا عمر کے کلام کا سلسلہ آگے بڑھ رہا تھا اور لہجہ میں سنجیدگی و وقار بڑھتا جا رہا تھا۔ فرماتے ہیں: جس نے یہ کہا اس نے یقیناً سچ کہا میں حضور کے ساتھ ان کے غلام اور خادم کی حیثیت

سے رہا اور حضور کے رحم وکرم اور نرمی کا کیا کہنا کون ہے جو حضور کا ہمسر ہو؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں رؤف ورحیم بنایا اور انہیں اپنے دو اسم مبارک ہبہ کر دیے۔

میری سعادت مندی ہے کہ میں حضور کے ساتھ کھلی تلوار تھا مجھے جہاں چاہتے وہاں استعمال فرماتے اور اللہ کا احسان عظیم کہ حضور اس حال میں رب کے جوار میں پہنچے کہ آپ مجھ سے راضی تھے، پھر حضرت ابوبکر کا زمانہ آیا ان کی نرمی اور رحم دلی سے متعلق پورا زمانہ گواہ ہے کہ میں ان کے ساتھ بھی خادم اور مددگار کی حیثیت سے رہا، میں ان کی نرمی کے ساتھ اپنی شدت کو ملاتا رہا اور میری شدت کی تلوار ان کے ہاتھ میں رہی جب چاہتے اسے میان میں ڈال دیتے اور جب چاہتے اسی سے ظلم کی گردن کاٹ لیتے۔ تمام تعریفیں اسی رب کے لیے ہیں کہ جس نے مجھے یہ توفیق بخشی اور میں اپنے آپ کو سعادت مند سمجھتا ہوں کہ وہ ایسے حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ مجھ سے راضی تھے۔ لوگو! سنو اب تمہارے معاملات میرے سپرد کر دیے گئے ہیں تو میری شدت اور بڑھ گئی ہے لیکن ہر ایک کے لیے نہیں میری سختی ہر اس انسان کے لیے ہے جو کسی مسلمان پر ظلم وتعدی، سرکشی اور طغیان کی تلوار چلائے گا میں ظالم کے ایک رخسار کو زمین پر رکھوں گا اور دوسرے رخسار پر اپنا قدم جما کر حق کو واضح اور نمایاں کروں گا اور حق کے طلب گاروں کے لیے میرے رخسار ہمیشہ زمیں بوس رہیں گے، تم اپنے حقوق کا کسی وقت بھی مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو، مجھے ہمیشہ اپنی خدمت میں حاضر پاؤ گے اور جب تم لوگ اسلام کی بقا اور ترقی کے لیے جنگی محاذ پر جاؤ گے تو میں تمہارے بال بچوں کا کفیل اور ضامن رہوں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے معاف فرمائے۔ (الریاض النضرۃ ج ۲،ص: ۲۷۲، امیر المومنین عمر بن الخطاب)

زمانۂ عمر اور آزادیٔ فکر: خلیفۂ ثانی کا زمانہ ان کے رعب اور دبدبہ سے بھرپور تھا، ان کے حکم کے خلاف کسی کو دم مارنے کی گنجائش بھی نہیں تھی، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انہوں نے شمشیر کے زور پر لوگوں کو بہرا اور گونگا بنا رکھا تھا، کہ خلیفہ چاہے جو کرے اس سے کوئی باز پرس نہ ہو، عمر سخت ضرور تھے لیکن ان لوگوں پر جو قانون کی خلاف ورزی کرنے والے تھے،

جہاں تک حق کہنے اور حق سننے کا سوال ہے، تو اس کے لئے بھی عمر کا زمانہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے دربار میں ہر ایک کو آزادیٔ فکر حاصل تھی کہ کوئی بھی اپنی بات کھلے طور پر مجمع عام میں پیش کر سکتا ہے گو وہ بات خلیفۂ وقت یا اس کے اہل وعیال کے خلاف کیوں نہ سہی، ان کے دور کو شرعی جمہوری نظام کی اساس اور بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہیں جب کسی فیصلے سے متعلق یہ احساس ہوا کہ ان کا فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے غیر مناسب ہے یا وہ فیصلہ منفعت عامہ کے خلاف ہے خواہ یہ احساس انہیں از خود ہوا ہو، یا انہیں کسی نے احساس دلایا ہو، تو بطیب خاطر انشراح صدر کے ساتھ انہوں نے اپنے فیصلہ کو بنا کسی تاخیر کے تبدیل کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اَیُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا'' اتنا سنتے ہی ایک سلیمان نامی مرد کھڑا ہوا اور اس نے چیلنج بھرے انداز میں کہا ''لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ'' مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا، یقیناً سبھی کے ذہنوں میں یہ خیال آیا ہو گا کہ اب درۂ فاروقی اس شخص کی کھال ادھیڑ دے گا۔ (درۂ فاروقی تلوار سے زیادہ مہیب تھا) لیکن پورا مجمع حیرت سے انگشت بدنداں رہ گیا، جب عمر نے نہایت ہی سنجیدہ لہجہ میں اس کی بات کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! اے اللہ کے بندے! ذرا یہ تو بتا کہ تم میری بات کیوں نہ سنو گے؟ سلیمان نے جواب دیا کہ آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں انصاف نہیں کیا ہے۔ کیوں کہ ہر مسلمان کو صرف ایک ایک کپڑا دیا گیا ہے اور آپ پورا جوڑا قمیص اور تہبند کی شکل میں پہنے ہوئے ہیں۔ اس کی بات سننے کے بعد آپ نے آواز لگائی کہ یا عبداللہ! سب خاموش رہے پھر آپ نے فرمایا: یا عبداللہ ابن عمر! تو آپ کے بیٹے نے عرض کیا حاضر ہوں اے امیر المومنین! آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس کپڑے کو میں نے تہبند بنایا ہے وہ تمہارا کپڑا ہے یا نہیں؟ عبداللہ نے جواب دیا ''اللّٰھم نعم'' ہاں وہ بے شک میرا ہی کپڑا ہے، سلیمان نے عبداللہ کے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے کہا کہ اب امیر المومنین آپ کی بات سنی جائے گی۔ (عیون الاخبار ج۱، ص: ۲۳، امیر المومنین عمر بن الخطاب ج۱، ص: ۱۴۳)

ایک دن آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اگر میرے اندر کوئی ٹیڑھا پن نظر آئے تو اسے سیدھا کر دینا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کی قسم! اگر ہم آپ کے اندر کوئی ٹیڑھا پن دیکھیں گے تو اسے اپنی تلواروں سے ضرور سیدھا کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رب العالمین میں عرض کیا تمام تعریفیں اس معبود کے لیے جس نے اس امت میں ایسے شخص کو پیدا فرمایا جو عمر کے ٹیڑھے پن کو اپنی تلوار سے سیدھا کر دے گا۔ (امیر المؤمنین عمر بن خطاب ج ۱، ص: ۱۴۲)

ایک دن آپ نے اعلان فرمایا: کوئی بھی مسلمان کسی عورت کو مہر میں چالیس اوقیہ چاندی سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ اس پر ایک عورت نے اعتراض کرتے ہوئے کہا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور آپ منع فرماتے ہیں۔ آپ نے عورت سے پوچھا وہ کیسے؟ اس عورت نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰

﴿النساء ۲۰﴾

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور ارشاد فرمایا: "أَمْرَأَةٌ اَصَابَتْ وَرَجُلٌ أَخْطَأَ" یعنی ایک عورت نے صحیح سمجھا اور مرد سے چوک ہوگئی۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ (تفسیر کبیر، النساء ۲۰، امیر المومنین عمر بن الخطاب ج ۱، ص: ۱۴۳)

فتوحات: آپ کا دور شریعت اسلامیہ کا پاسبان، اور محافظ تھا، قانون خداوندی کی بالادستی قائم تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے اور اچھے طریقہ پر حضرت عمر گامزن تھے، اور زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لیے ترقی کی نئی راہیں کھوج کر امت مسلمہ کو برق رفتاری کے ساتھ ان پر چلا رہے تھے، عدل وانصاف کا غلغلہ تھا، جرائم کے سدباب کے لیے عمر نے اپنی سختی کو دوبالا کر دیا تھا، درۂ فاروقی کی گونج سے مجرموں کے کلیجے منہ کو آرہے تھے، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصائص حمیدہ سے اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راضی تھے اور

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں نے خلیفہ اور رعایا کو اپنے آغوش کرم میں لے رکھا تھا۔ عمر چاہتے تھے کہ اللہ کے دین کا پرچم پوری دنیا میں لہرائے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس مہم کا آغاز کر چکے تھے۔ اب عمر کی ذمہ داری تھی کہ اس کام کو وسیع پیمانے پر آگے بڑھائیں۔ انہیں اس ذمہ داری کا مکمل احساس بھی تھا، اور وہ اس کے لیے کامل سپردگی کے ساتھ کوشاں بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عمر کے لیے فتوحات کو ارزاں کر دیا تھا، عمر نے جس طرف کا قصد کیا ان کی فوجیں اس طرف اسلام کی کامیابی کے جھنڈے گاڑتی چلی گئیں۔ فتوحات اس کثرت سے ہوئیں کہ بعض علما نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس امت کو ایک عمر اور عطا فرما دیتا تو پوری دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔ ان کے زمانہ کی فتوحات اور ان کی تفصیلات کے بیان کے لیے مکمل کتاب درکار ہے اور علما نے اس پر کتابیں لکھی بھی ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ صرف بعض کو شمار کر رہے ہیں۔

۱۴ھ میں دمشق جنگ اور صلح کے ملے جلے اثر سے فتح ہوا، اور اسی سال حمص اور بعلبک صلح کے ذریعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے بصرہ اور ایلہ کو بھی مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا۔

۱۵ھ میں اُردن جنگ کے ذریعہ فتح ہوا لیکن طبریہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا، اسی سال یرموک اور قادسیہ پر سخت معرکہ آرائی ہوئی، اسی سال آپ کے حکم سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ شہر کی بنا ڈالی۔

۱۶ھ میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے، اسی سال حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسریٰ کے ایوان میں جمعہ قائم فرمایا، عراقی مملکت میں قائم ہونے والا یہ پہلا جمعہ تھا، اسی سال جلولد کا واقعہ پیش آیا، یزدجرد کو شکست فاش ہوئی، اور وہ منہ چھپا کر بھاگ گیا، تکریت فتح ہوا وہاں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ پھر بیت المقدس فتح ہوا، قرقیسا، انطاکیہ، منبج اور سروج فتح ہوئے، اس کے بعد نیشاپور، حلوان، سمساط، قیساریہ، مصر، مستر، اسکندریہ، نہاوند، آزربائیجان، بنورہ، ماسیذان، ہمدان، طرابلس، رے، کرمان، سجستان،

مکران، اور اصفہان مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۵، ۱۰۴)

میزانِ انصاف: عدلِ فاروقی میں قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے اتنی بڑی سلطنت کا والی رہتا مدینہ منورہ میں ہے، لیکن سلطنت کے چپے چپے پر اس کی نظریں لگی ہوئی ہیں، جب بھی کہیں کسی پر ظلم ہوا، اور مظلوم نے انصاف چاہا، تو عمر نے ظالم کو اپنی عدالت میں گھسیٹ لیا۔ ظلم و تعدی کرنے والا امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم اپنا ہو یا غیر، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عمّال کو سخت تاکید فرماتے کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں وہ حاکم و رعایا میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ ان کا یہ نظریہ صرف تصور کی حد تک نہ تھا انہوں نے اس نظریہ کو فکر و خیال کی وادیوں سے نکال کر سطح زمین پر عوام و خواص کی زندگی میں نافذ کر دیا تھا انہوں نے واضح الفاظ میں اپنے عمال سے متعلق اعلان کر رکھا تھا۔

اے لوگو! میں نے حکام کو اس لیے عہدے نہیں دیے ہیں کہ وہ تمہاری کھال ادھیڑ لیں اور تمہاری ہتک عزت کرتے پھریں یا تمہارے مال، مال مفت سمجھ کر ڈکار جائیں بلکہ میں نے انہیں تم پر اس لیے حاکم بنایا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا درس دیں اور نبی کی سنت سکھائیں۔ لہٰذا اگر کسی عامل نے اپنی رعایا پر ظلم کیا تو میں قصاص کے سوا کوئی بات نہ سنوں گا۔ اس سخت حکم پر حضرت عمرو بن عاص نے عرض کیا امیر المومنین! اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کو ادب دینے کے لیے مار پیٹ کرتا ہے تب بھی آپ اس سے قصاص لیں گے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جواب دیا: میں اس سے کیوں کر نہ لوں گا جب کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آپ سے قصاص لیتے دیکھا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص: ۲۶۱)

مصری کے ساتھ انصاف: عقیدتوں کا خراج اور محبتوں بھرا اسلام پیش ہے عدالت فاروقی میں، کہ آپ نے جو کہا تھا اسے حرف بحرف سچ کر دکھایا۔ یہی عمرو بن عاص جنہوں نے عرض کیا تھا کہ کیا آپ حکام سے بھی قصاص لیں گے؟ یہ مصر کے گورنر تھے ان کا لڑکا اپنے باپ کی گورنری کے نشے میں ایک مصری پر تعدی کر بیٹھا تھا، مصری انسان نے آکر

امیر المومنین کی بارگاہ میں شکایت درج کراتے ہوئے عرض کیا: میں مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے کے ساتھ دوڑ میں آگے نکل گیا، صاحبزادے نے مجھے کوڑے مارے، اور کہا کہ میں دو معزز والدین کا بیٹا ہوں۔ اس فریاد پر امیر المومنین نے حکم نافذ فرمایا: عمرو بن عاص اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہو جائیں۔ پیغام ملتے ہی حضرت عمرو بن اپنے بیٹے کے ساتھ دار الخلافت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مظلوم مصری کو آواز لگائی مصری کہاں ہے؟ آؤ کوڑا ہاتھ میں لو اور مارنا شروع کرو، حکم پاتے ہی مصری نے کوڑے برسانے شروع کر دیے حضرت عمر کہے جا رہے تھے دو کریموں کے بیٹے کو پیٹتا رہ حضرت انس فرماتے ہیں: شروع میں ہم یہی چاہتے تھے کہ اس کی اور پٹائی ہو لیکن جب اس نے خوب پیٹ لیا تو ہم تمنا کرنے لگے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، پھر امیر المومنین نے حکم دیا کہ اب عمرو بن عاص کی طرف متوجہ ہو جاؤ، مصری نے عرض کیا حضور! مجھے صرف بیٹے نے مارا تھا میں اس سے بدلہ لے چکا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے اے عمرو! تم نے انہیں غلام کب سے بنا لیا ہے حضرت عمرو نے کہا نہ مجھے اس واقعہ کی خبر ہے اور نہ مجھ سے شکایت کی گئی ہے۔

(کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۰۱۰، الامن والعلیٰ ص: ۲۳۹)

بادشاہ کے خلاف فیصلہ: غسان کے بادشاہ جبلہ کے اسلام لانے کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی، تو آپ بڑے خوش ہوئے، اور مدینہ شریف آنے کی دعوت دی، اور ایک قول کے مطابق اس نے خود مدینہ منورہ آنے کا عزم ظاہر کیا۔ بہر حال وہ مدینہ شریف حاضری کی غرض سے اپنے پورے کروفر کے ساتھ چلا، پانچ سو سوار بیش قیمت ہدایا لیے ہوئے ساتھ تھے، اس نے اپنے قافلہ میں شریک گھوڑوں کو سونے اور چاندی کے ہار پہنا رکھے تھے اور خود اس کے سر پر ہیرے جواہرات سے مرصع بیش قیمت تاج جگ مگا رہا تھا، جس دن وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا لوگ اسے دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے تھے اس نے حضرت عمر کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام کیا، حضرت عمر نے بھی اس کی خوب

عزت افزائی فرمائی اور اپنے ساتھ حج کے لیے لے گئے، جبلہ بھیڑ کے ساتھ طواف کعبہ کر رہا تھا، کہ قبیلہ فزارہ کے ایک شخص نے اس کے تہبند پر اپنا پیر رکھ دیا جس کی وجہ سے جبلہ کا تہبند کھل گیا، جبلہ نے غصہ میں اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس شخص کی ناک ٹوٹ گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے جبلہ کو طلب کیا، جبلہ نے اقرار جرم کرلیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ بادشاہ غسان سے فرمایا: قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں ایک بادشاہ ہوں، اور وہ ایک عام آدمی ہے پھر بھی مجھ سے قصاص لیا جائے گا؟ اسلام میں میری اتنی عزت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اسلام نے سب کو برابر کر دیا ہے، فضیلت صرف تقوی سے حاصل ہوتی ہے، یا تو صاحب معاملہ کو راضی کرلو، ورنہ بدلہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا کہ میں نصرانی ہو جاؤں گا، حضرت عمر نے فرمایا: پھر تو تمہاری گردن ماردی جائے گی، جب اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فیصلہ سنا تو بولا مجھے اس رات غور کرنے کی اجازت دی جائے، اجازت مل گئی اور وہ اسی شب تاریکی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گیا اور مرتد ہو کر ہرقل کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱، ص: ۲۶۶)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

قارئین کرام غور فرمائیں! عدالت فاروقی میں ایک عام انسان کے مدمقابل ایک بادشاہ کھڑا ہے بادشاہ کا جرم ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا بادشاہ کے معاملے میں کسی نرمی اور رعایت سے کام نہیں لیا گیا کہ بڑا آدمی ہے، بات کو یوں ہی سنا ان سنا کر دیا جائے، بادشاہ کو خوش کر کے اس سے خوب فوائد حاصل کیے جائیں، امیر المومنین نے وہی سیدھا سچا حکم جو ہر ایک کے لیے عام ہے اس پر بھی نافذ کر دیا اور نتیجہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں سونپ دیا اس میں شک نہیں کہ امیر المومنین اس فیصلہ پر مرتب ہونے والے اثرات سے بلاشبہ باخبر ہوں گے لیکن ان کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ زمین و آسمان میں سب سے بلند و بالا اللہ کا

قانون ہے، باقی سب مخلوق اس کے زیر نگیں ہے، اللہ ورسول کی خوشنودی قانونِ خداوندی کے نفاذ میں ہے نہ کہ اس کے ساتھ کھلواڑ کرنے میں، لہٰذا انہوں نے قانون کو نافذ کر دیا۔

عُمّال کا انتخاب: فراست عمر کو کون نہیں جانتا! ان کی رائے مطابقِ وحی ہوتی۔ جس کو ہم زبان نبی اور ترجمان نبی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ جب اپنے عمال کا انتخاب کرتے تو پوری چھان بین اور مکمل جانچ پڑتال کرتے، معتمد حضرات صحابہ سے مشورہ بھی فرماتے، پھر کسی کا انتخاب عمل میں لاتے۔ عہدہ سپرد کرنے سے پہلے رعایا کے حقوق اور عامل کی ذمہ داریاں یاد دلاتے، خلاف ورزی کی صورت میں سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنے کی تاکید فرماتے۔

عامل کے اختیارات، اس کی ذمہ داریاں اسے لکھ کر دی جاتیں، جو انہیں مجمع عام میں پڑھ کر سنانا ہوتیں۔ اس پورے معاملے پر مہاجرین وانصار کو گواہ بنایا جاتا۔ عمال کے لیے ان شرائط پر عمل کرنا ضروری تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے، چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں کریں گے، باریک کپڑا نہیں پہنیں گے، حاجت مندوں کے لیے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ (تاریخ طبری ج ۲، ص: ۵۶۹)

عمال کا محاسبہ: اپنے دور کو ظلم وستم سے بچا کر ایک عادلانہ نظام نافذ کرنے کے لیے آپ نے بہت ساری تدبیریں اپنائیں تھیں، جن کے ذریعہ رعایا کو مکمل انصاف مل سکے، اور کوئی عامل اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز نہ کرے، شرعی حدود کو پامال نہ کرے۔ عمال پر لگام کسنے کے لیے ایک بہترین تدبیر یہ تھی کہ آپ نے عمال پر لازم کر رکھا تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ شریف میں جمع ہوں، موسم حج میں ہر علاقہ کے مسلمان مکہ شریف میں حاضر ہوتے، حضرت عمر کی عدالت قائم ہوتی، اور عام اعلان کیا جاتا، اگر کسی بھی انسان کو کسی حاکم سے شکایت ہو تو بتائے۔ لوگ اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتے، آپ ان کا فیصلہ فرماتے اگر ضرورت ہوتی تو مجمع عام میں مجرم کو سزا دیتے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۰۰۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو مصر پر حاکم متعین کیا۔ آپ سے ایک

انسان نے شکایت کی کہ آپ نے خائن کو مصر کا حاکم بنا دیا ہے وہ ایسا ایسا کرتا ہے (بیش قیمتی لباس پہنتا ہے اور محل بنواتا ہے) آپ نے تحقیق حال کے بعد بلا کر اس کے ہاتھ میں ڈنڈا دیا، اون کا جبہ پہنایا اور بکریوں کا ریوڑ اس کے حوالے کیا اور فرمایا کہ جاؤ بکریاں چراؤ تمہارا باپ بھی بکریاں چراتا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۲، ص: ۵۶۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ شہر میں رہنے کا ایک مکان بنوایا، اور اس میں ڈبل دروازہ لگوالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے محمد بن سلمہ کو بھیج کر اس میں آگ لگوادی اور محمد بن سلمہ کو دوسرا حکم یہ تھا کہ سعد کو مسجد میں لے جا کر اہل کوفہ سے ان کے متعلق پوچھیں۔ محمد بن سلمہ نے ایسا ہی کیا، لیکن سب نے آپ کے متعلق کلمات خیر ہی کہے۔ (کنز العمال حدیث نمبر: ۳۶۰۱۱)

امرھم شوریٰ: اسلام چوں کہ فطری مذہب ہے اس لیے اس کے ہر حکم میں خیر ہے، لہٰذا وہ اپنے ماننے والوں کو کوئی کام کرنے سے پہلے مشورہ کرنے کا حکم دیتا ہے، اور قرآن نے مشورہ کرنے والوں کی ستائش فرمائی ہے "أَمْرُهُمْ شُوْرىٰ بَيْنَهُمْ" فاروق اعظم بایں جلالت شان ایک ایسے خلیفہ تھے جس کی خلافت کی بنیادیں اسلامی آئین پر اٹھائی گئیں تھیں، ان کی جگہ کوئی دوسرا اس کروفر کا مالک ہوتا تو شاید ڈکٹیٹر شپ قائم کر لیتا لیکن آپ امور خلافت کو باہمی مشورہ سے انجام دیتے، کسی بھی اہم کام کے لیے مجلس شوریٰ کا انعقاد عمل میں لایا جاتا اس تعلق سے آپ کا ایک جملہ بہت معنی خیز ہے "لَا خِلَافَةَ إِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ" بغیر مشورہ کے کوئی بھی خلافت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۴۱۳۶)

مہاجرین کے سوا حضرات انصار میں سے معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت آپ کے خاص مشیر تھے۔ جب بھی کوئی خاص معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ان حضرات سے مشورہ فرماتے۔ (ایضاً حدیث: ۳۶۷۴۴)

محکمۂ عدالت: آپ کے دور میں بہت سارے شعبوں کی بنیادیں پڑیں۔ کچھ شعبے جو پہلے سے قائم تھے انہیں استحکام حاصل ہوا، محکمۂ عدالت پر آپ نے خاص توجہ فرمائی،

عہدۂ قضا انہیں لوگوں کو سونپا گیا جو ذہانت و فطانت اور علم و درایت میں ممتاز تھے اور قوت فیصلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، تقویٰ اور طہارت میں اپنی مثال آپ تھے پھر ان حضرات کو فارغ البال بنانے اور رشوت سے بچانے کے لیے بھی آپ تدبیریں فرماتے، آپ کی ایک بہترین تدبیر یہ تھی کہ ان حضرات کو خاطر خواہ وظیفہ بیت المال سے عطا فرماتے۔ چناں چہ اس زمانہ میں آپ قاضی سلیمان بن ربیعہ باہلی کو پانچ سو درہم ماہانہ عطا فرماتے تھے، قاضی شریح کو بھی ایک سو درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، قاضی شریح کا وظیفہ قاضی سلیمان سے اس لیے کم تھا کہ آپ کے اخراجات کم تھے۔ (فتح القدیر کتاب ادب القاضی)

شرعی عدالت: قاضی حضرات ہر قسم کے دباؤ سے بالکل فری تھے، انہیں صرف یہی حکم تھا کہ قانون شریعت کے اعتبار سے وہ اپنے فیصلے صادر کریں مدعی کون ہے یا مقدمہ کس کے خلاف ہے اس سے انہیں قطعاً کوئی دباؤ محسوس نہیں کرنا چاہیے، یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ خود خلیفہ نے اپنی ذات کو بھی اس قانون کے حصار میں کر رکھا تھا جو وہ دوسروں پر نافذ کرنا چاہتے تھے اس کی واضح مثال آپ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔

(۱) امیر المومنین حضرت عمر اور ابی بن کعب کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب سے فرمایا: تم جسے چاہو اس معاملہ میں فیصل بنا لو ہم دونوں اس کے پاس چل کر فیصلہ کرا لیتے ہیں، دونوں لوگ زید بن ثابت کو فیصل بنانے پر راضی ہو گئے: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دونوں حاضر ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید سے فرمایا: ہم آپ کے پاس اپنا فیصلہ کرانے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کو خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا امیر المومنین آپ یہاں تشریف رکھیں حضرت زید کے اس جملہ اور امتیازانہ رویہ پر امیر المومنین نے فرمایا: یہ آپ کے فیصلہ کا پہلا ظلم ہے میں یہاں ایک خصم کی حیثیت سے آیا ہوں لہٰذا اپنے خصم کے ساتھ بیٹھوں گا ابی بن کعب اور عمر دونوں زید کے سامنے بیٹھے، ابی بن کعب نے اپنا دعویٰ پیش کیا، عمر نے اس کا انکار کیا ابی بن کعب

کے پاس دلیل نہ ہونے کی وجہ سے عمر پر قسم لازم ہوئی لیکن زید نے حضرت عمر کی سفارش کرتے ہوئے ابی بن کعب سے کہا امیر المومنین کو قسم پر مجبور مت کرو، زید کی یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھلی معلوم نہ ہوئی آپ نے قسم کھائی اور زید کو تنبیہ فرمائی اے زید! سنو تم اس وقت تک قضا کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک تمہاری نظر میں عمر اور ایک عام مسلمان برابر نہ ہو جائیں۔ (کنز العمال حدیث: ۱۴۴۴۵)

بیت المال کی نگرانی: بیت المال اسلام اور مسلمانوں کا خزانہ ہوتا ہے، دین کے بہت سے منافع اور مصالح بیت المال سے متعلق ہوتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی میں بیت المال مادی اسباب کی رو سے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، جن فتوحات کو ہم اجمالاً بیان کر آئے ہیں ان سے یہ بات صاف اور عیاں ہو جاتی ہے کہ فاروقی دور کی فتوحات اپنا ثانی نہیں رکھتیں، قیصر و کسریٰ کے خزانے جو مشہور بھی تھے اور ضرب المثل بھی ان خزانوں کا رخ قادر و قیوم نے مدینہ منورہ کی طرف کر دیا تھا ساز و سامان اور مال و منال سے لدے اونٹ اور گھوڑے مدینہ شریف میں داخل ہوتے اور بیت المال کی زینت بنتے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اب عمر غرور و گھمنڈ کا پتلا بن کر بیت المال کی اہمیت سے منہ موڑ لیتے یا اسے لٹانے اور اڑانے پر کمر بستہ ہو جاتے، اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان مال کو لٹانے اور اڑانے پر آ جائے تو سونے اور چاندی کے ڈھیروں کو بھی گھنٹوں اور منٹوں میں ختم کر سکتا ہے اگرچہ ان ڈھیروں کا اٹھان اور پھیلاؤ مسافت بعیدہ کو محیط ہو، آپ نے بیت المال کی حفاظت کے انتظامات پختہ کیے تھے، بیت المال کا امین ان حضرات کو بنایا گیا تھا جو امانت و دیانت اور خشیت و نصیحت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے جانشین تھے، آپ نے صوبوں میں الگ الگ بیت المال قائم فرمائے تھے اور مرکزی بیت المال دار الخلافہ مدینہ منورہ میں تھا اس لیے بیت المال کے خازن اور امین کے طور پر کئی حضرات کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کا والی بنایا گیا، حضرت عبداللہ بن ارقم کو مدینہ شریف کے بیت المال پر مقرر کیا گیا۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۱۷۲، البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۱۲۷، و ج ۸، ص: ۳۴۵)

احساسِ ذمہ داری: آپ کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ آپ مسلمانوں کے جملہ امور کے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس سے متعلق آپ سے سوال فرمائے گا۔ آپ فرمایا کرتے اگر بیت المال کا کوئی اونٹ مدینہ شریف سے دور نہر فرات کے قریب بھی گم ہو گیا تب بھی مجھے خوف ہے کہ میرا رب مجھ سے اس سے متعلق باز پرس فرمائے گا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۲۸۴)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے جہاں صدقے کے اونٹوں کا باڑا بنا ہوا تھا، یہ اس دن کی بات ہے جس دن گرمی اپنے جوبن پر تھی، اور لو کی شدت نے اس دن کو مزید گرم بنا دیا تھا (لو کے تھپیڑے گویا آگ برسا رہے تھے یہ دن عذاب سے کم نہیں تھا) اسی لمحہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھی کی نظر ایک ایسے انسان پر پڑی جو تہبند باندھے ہوئے ہے اور سر پر اس نے ایک چادر لپیٹ رکھی ہے، جو اونٹوں کو ہانک کر باڑے کی طرف لیجا رہا ہے حضرت عثمان نے اپنے ساتھی سے فرمایا: ذرا دیکھو یہ کون انسان ہے؟ قریب گئے تو پتا چلا یہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہ حال دیکھ کر حضرت عثمان کی زبان سے بے ساختہ یہ کلام نکل پڑا "وَاللّٰہِ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ" خدا کی قسم عمر طاقتور بھی ہیں اور امین بھی۔ (طبری ج ۲، ص: ۵۶۵)

گھر والوں پر سختی: آپ کے مزاج میں سختی تھی اور آئین شریعت پر سختی سے عمل کرتے تھے اور ہر ایک سے کراتے تھے وہ ایسا ہرگز روا نہیں رکھتے کہ دوسروں کو قانون کی گرفت میں لے لیا جائے اور خود کو یا اپنے گھر والوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ جو قانون بناتے خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے اور گھر والوں سے بھی عمل کراتے۔ حضرت سالم بیان فرماتے ہیں: آپ جب بھی خطبہ دیتے اور لوگوں کو کسی کام سے روکتے تو گھر آ کر سب گھر والوں کو جمع کرتے اور فرماتے: میں نے لوگوں کو فلاں فلاں چیز سے منع کر دیا ہے تم بھی اس سے باز رہنا تم پر لوگوں کی نظریں ایسے جمی رہیں گی جیسے پرندہ گوشت کو دیکھتا رہتا ہے، خبردار! قانون کی خلاف ورزی مت کرنا قسم خدا کی اگر تم کو میں نے ایسا کرتے ہوئے پایا تو

تم کو دوگنی سزا دوں گا۔ (طبری ج ۲، ص: ۵۶۸)

جس خلیفہ کا معاملہ گھر والوں کے ساتھ احکام کی بجا آوری میں اتنا سخت ہو وہ کب یہ برداشت کرسکتا تھا کہ بیت المال میں اس کے گھر والے دست درازی کریں وہ تو یہ بھی روا نہیں رکھتے تھے کہ ان کا کوئی بچہ بھی بیت المال سے ناجائز طور پر ایک درہم استعمال کرے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس مال غنیمت آیا یہ خبر آپ کی شہزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو وہ آپ کے پاس آئیں، اور آکر عرض گذار ہوئیں اے امیر المومنین! اس مال میں میرا حق ہے، کیوں کہ میں آپ کے ذوی القربیٰ سے ہوں، اور ذوی القربی پر خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا: بیٹی تم اپنے باپ کو دھوکے میں نہ ڈالو تمہارا حق میرے ذاتی مال میں ہے یہ میرا ذاتی مال نہیں ہے یہ سن کر وہ خالی دامن لیے گھر چلی گئیں۔ (کنز العمال حدیث: ۳۵۹۶۰)

حضرت عبداللہ آپ کے شہزادے فرماتے ہیں: میں نے ایک اونٹ خرید کر سرکاری چراگاہ میں پہنچا دیا، جب وہ فربہ ہوگیا تو بیچنے کے لیے بازار لے گیا، اسی اثنا میں امیر المومنین بازار آگئے، آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا، اور فرمایا: عبداللہ یہ اونٹ اتنا موٹا کیسے ہوگیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسے سرکاری چراگاہ میں چرنے کے لیے بھیج دیا تھا، آپ نے فرمایا: کیا سرکاری چراگاہ اس لیے ہے کہ اس میں امیر المومنین کے بیٹے کا اونٹ چرے؟ عبداللہ سنو! یہ سرکاری چراگاہ سے موٹا ہوا ہے لہٰذا تم اپنے اونٹ کی اصلی قیمت لے لو اور جو زیادتی ہوئی ہے اسے بیت المال میں جمع کردو۔ (کنز العمال حدیث: ۳۶۰۰۶)

دور و دراز مقامات تک اسلام کو پہنچانے کے لیے آپ نے طاقت کا بھی استعمال فرمایا، اور حسن تدبیر کا بھی، شاہان وقت کے ساتھ خط و کتابت اور تحائف کی آمد و رفت بھی انہیں تدبیروں میں سے ایک تھی۔

روم کا قاصد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ کی اہلیہ نے ایک دینار ادھار لے کر عطر خریدا اور اسے شیشیوں میں کر کے ملکۂ روم کے پاس بھجوا دیا۔ اس کے بدلہ میں ملکۂ

روم نے کچھ ہیرے اور جواہرات حضرت عمر کی بیوی کے پاس بھجوائے، حضرت عمر نے جب وہ ہیرے اور جواہرات دیکھے تو آپ نے ان کو بکوا کر ایک دینار اپنی اہلیہ کو عطا فرما دیا اور باقی رقم بیت المال میں جمع کر دی۔ (کنز العمال حدیث:۳۶۰۱۵)

حضرت ابوموسیٰ نے عراق سے کچھ زیورات بیت المال کے لیے بھجوائے۔ جب وہ زیورات حضرت عمر کے پاس پہنچے اس وقت آپ کے بھائی زید کی بیٹی آپ کی گود میں بیٹھی تھی، آپ اپنی بھتیجی اسما سے جان سے زیادہ محبت کرتے تھے، جس دن سے آپ کے بھائی زید جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے، بچی نے زیورات میں سے ایک انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی آپ اس بچی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئے، اور اس سے خوب لاڈ پیار کرنے لگے جب بچی آپ کے لاڈ پیار میں محو ہو گئی اور اسے انگوٹھی کا خیال نہ رہا، آپ نے خاموشی سے وہ انگوٹھی اسکی انگلی سے کھینچ لی اور فوراً بیت المال میں داخل کر دی بچی کا دل بھی نہ ٹوٹنے دیا اور مال کی حفاظت بھی فرمائی۔ (کنز العمال حدیث:۳۵۹۵۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک مرتبہ بیت المال کا جائزہ لیا، تو صرف ایک درہم ہی بیت المال کے اندر موجود تھا اتفاق سے حضرت عمر کا ایک بچہ ادھر سے گذر رہا تھا، حضرت ابوموسیٰ نے وہ درہم اس بچے کو دے دیا، حضرت عمر نے جب بچے کے ہاتھ میں درہم دیکھا تو فرمایا: یہ درہم تمہیں کہاں سے ملا؟ بچے نے جواب دیا مجھے حضرت ابوموسیٰ نے یہ درہم دیا ہے، امیر المومنین نے حضرت ابوموسیٰ کو بلا کر فرمایا: تمہیں مدینہ منورہ میں میرے لڑکے سے زیادہ خستہ حال کوئی اور نظر نہیں آیا تھا؟ کیا تم یہ چاہتے ہو اس درہم کے بدلے قیامت میں پوری امت کا سوال میری گردن پر آجائے؟ آپ نے وہ درہم بیت المال میں جمع کر دیا۔
(کنز العمال حدیث:۳۶۰۲۴)

آپ کی احتیاط: آپ خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی تجارت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شام کے لیے بہت کچھ اسباب تجارت بھیجنے کے لیے مال کم پڑ گیا آپ نے حضرت عبدالرحمن کے پاس بھیج کر ان سے چار ہزار درہم قرض مانگے حضرت عبدالرحمن نے قاصد کو

جواب دیا کہ عمر سے کہہ دینا کہ وہ بیت المال سے قرض لے لیں جب قاصد نے آ کر آپ کو آگاہ کیا تو حضرت عمر کو یہ بات بالکل نہ بھائی۔ آپ حضرت عبدالرحمن کے پاس پہنچے اور فرمایا: آپ مجھے بیت المال سے قرض لینے کے لیے رائے اس لیے دیتے ہیں، تاکہ اگر میں واپسی سے پہلے مرجاؤں تو تم یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کردو، کہ وہ قرض امیر المومنین نے لیا تھا لہٰذا اس کو چھوڑ دو اور پھر قیامت میں اس کے بدلے میری گرفت کی جائے (تمہارا ارادہ کچھ بھی سہی) میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے شخص سے قرض لوں، کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو وہ میرے وارثین سے قرض وصول کرلے۔ (کنز العمال حدیث: ۳۶۰۰۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی مرض لاحق ہو گیا، اور حکیم نے دوا کے طور پر شہد تجویز کیا، آپ کے گھر شہد نہ تھا، لیکن بیت المال میں شہد موجود تھا شہد حاصل کرنے کے لیے آپ مسجد تشریف لائے ممبر پر رونق افروز ہوئے اور مسلمانوں سے فرمایا: اگر آپ لوگ مجھے بیت المال سے شہد لینے کی اجازت دیتے ہوں تو میں لے لوں اگر اجازت نہ دیں تو میرے لیے شہد لینا جائز نہیں، سب نے اجازت دے دی۔ (کنز العمال حدیث: ۳۵۹۹۷)

رعایا کی نگہداشت: جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مملکت کی ہر ہر چیز سے متعلق اپنے آپ کو مکمل ذمہ دار سمجھتے تھے، اور اس بات کا آپ کو شدت سے احساس تھا کہ سب کا جواب خدا کی بارگاہ میں مجھے دینا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی رعایا کا حتی الوسعت خیال رکھتے، رعایا سے متعلق چھوٹی سی چیز بھی ان کی بے چینی و بے قراری کا سبب بن جاتی، ۱۸ھ میں جب پورے عرب کو قحط سالی نے گھیر لیا، تو حضرت عمر ایک عظیم مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے دیکھنے والوں کا بیان ہے ہم لوگوں کو ایسا لگنے لگا تھا اگر قحط دور نہ ہوا تو یہ قحط حضرت عمر کی موت کا سبب بن جائے گا۔ آپ کو یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ آپ داد عیش دیتے رہیں اور رعایا فاقہ کشی کی زندگی گزارتی رہے، آپ نے رعایا کے درد کو سمجھتے ہوئے ان کے غم میں برابر کا شریک ہونے کے لیے گوشت وغیرہ لذیذ غذائیں ترک کردیں تھیں۔

(کنز العمال حدیث: ۳۵۸۹۵، ۳۵۸۹۴)

حضرت عمرو بن عاص والی مصر کو ایک درد بھرا خط لکھا جس میں حضرت عمر نے انہیں مدد بھیجنے پر ابھارا، حضرت عمرو نے بھی بڑا عمدہ جواب دیا، جو اس وقت کی نزاکتوں کے شایان شان تھا، کہ آپ نے غلے سے لدے اونٹوں کا ایک بڑا قافلہ مدینہ شریف بھیج دیا، جس سے مسلمانوں کو بڑی راحت میسر آئی حضرت عمر نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔(کنزالعمال حدیث:۳۵۹۰۶)

اس قحط کا آپ کے دل پر ایسا گہرا صدمہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے اے مالک ومولیٰ تیرے نبی کی امت کو میرے ہاتھ سے (میرے زمانے میں) ہلاک نہ فرما، جب لوگ سوجاتے تو حضرت عمر مسجد نبوی میں حاضر ہوجاتے اور رب کی بارگاہ میں عرض کرتے اے اللہ! ہمیں سوکھے کے سالوں سے ہلاک نہ فرما، اس بلا کو ہم سے دفع فرمادے آپ بار باران کلمات کو دہراتے رہتے۔(کنزالعمال حدیث:۳۵۹۰۰)

ایسا نہیں تھا کہ امیر المومنین نے صرف قحط سالی ہی میں رعایا کی خبر گیری فرمائی ہو، اور عام حالات میں اس کی طرف سے غافل رہے ہوں، نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ آپ ہر لمحہ رعایا کے لیے فکرمند رہتے، چاہے وہ عیش وآرام، راحت وچین کے دن ہوتے یا مصیبت وآلام کے، آپ کی ایک عادت کریمہ یہ بھی تھی کہ آپ صرف سنی ہوئی باتوں پر مطمئن نہیں ہوجاتے بلکہ خود گھوم پھر کر حالات کا جائزہ لیتے، رات میں رعایا کے حالات کی اصلیت جاننے کے لیے گشت کرتے، ایک مرتبہ گشت کرتے ہوئے آپ کو کچھ روشنی دکھائی دی، آپ نے اپنے خادم اسلم کو ساتھ لیا، قریب جاکر دیکھا کہ ایک عورت اپنے لیے کچھ پکا رہی ہے، اور بچے گریہ وزاری کررہے ہیں آپ نے پوچھا یہ بچے کیوں گریہ کررہے ہیں؟ عورت نے جواب دیا بھوک کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: اس پتیلی میں کیا پک رہا ہے؟ عورت نے جواب دیا اس میں صرف پانی ہے، جس کے ذریعہ میں بچوں کو تسلی دینا چاہتی ہوں، تاکہ بچے سوجائیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور عمر کے درمیان بہتر ہی فیصلہ فرمانے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے عمر کو تمہارے حالات کا علم نہیں ہوگا، تو عورت نے جواب دیا،

اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ ہمارے حالات سے غافل ہو کر ہمارا والی بنا رہے۔

آپ نے اسلم کو ساتھ لیا اور وہاں سے سیدھے اناج کے گودام پر تشریف لائے، اور کھانے پینے کی ضروری اشیا کو ایک بورے میں بھر کر عورت اور اس کے بچوں کے پاس چلنے کی تیاری کی، پھر اسلم سے فرمایا: اسے میری پیٹھ پر لاد دو اسلم نے عرض کیا حضور! میں اس بوجھ کو اپنے اوپر لاد لیتا ہوں آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنے اوپر لادنے کے لیے ارشاد فرمایا: اور خادم نے بھی خادمانہ لہجے میں وہی عرض کیا، جو ایک باوفا خادم کو عرض کرنا چاہیے تھا: آخر میں آپ نے فرمایا: اسلم اللہ تمہارا بھلا فرمائے کیا تم قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اٹھا سکو گے؟ آخر مجبور ہو کر اسلم نے وہ بورا امیر المومنین کی پیٹھ پر لاد دیا اور دونوں بہت تیزی کے ساتھ اسی جگہ پہنچ گئے بورا اتار کر رکھا اور پھر کھانا بنانے میں مدد کی۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین کو پتیلی کے نیچے آگ پھونکتے ہوئے دیکھا، دھواں آپ کی داڑھی کے بالوں کے بیچ سے گزر رہا تھا۔ پھر جب کھانا پک چکا تو آپ نے اپنے سامنے ان سب کو کھلایا، عورت نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ موجودہ امیر المومنین (عمر) سے خلافت کے زیادہ اہل ہیں آپ نے فرمایا: امیر المومنین کے حق میں دعا کرو تم امیر المومنین کے پاس جانا وہاں انشاء اللہ مجھے موجود پاؤ گی۔ اسلم کہتے ہیں، ہم نے دیکھا کہ بچوں میں نئی روح آ گئی، کھیلنے کودنے لگے، اور پھر سو گئے، امیر المومنین نے فرمایا: اسلم بھوک نے بچوں کو بیدار کر رکھا تھا، بچوں اور ماں کا بدلا ہوا حال دیکھ کر آپ خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔

(طبری ج ۲، ص: ۵۶۸)

تاج شہنشاہی کے ساتھ اگر گدائی کسی کو زیب دیتی ہے تو یقیناً وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلام اور سچے جانشین ہیں۔ جو ایک طرف سلطنت اسلامیہ کے والی کی حیثیت سے اغیار کی نظروں میں سطوت وشوکت کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتے، باطل قوتیں ان کے سامنے مرعوب کھڑی رہتیں اور دوسری طرف غربا و مساکین، فقرا و مفلسین اور عامۃ المسلمین کے لیے ان کے بازو نہایت ہی عاجزی کے ساتھ بچھے رہتے، ان کا درد دل

تقسیم کرتے اور غم کے ماروں کی گم کردہ مسکراہٹ واپس لانے کی تگ ودو میں لگے رہتے۔ یقیناً یہ سب معلم کائنات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت ہی کا اثر ونتیجہ تھا۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ مدینہ شریف آیا، اور مدینہ شریف کی آبادی سے باہر ہی ٹھہر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ساتھ لیا، اور قافلہ کی نگہ داشت کے لیے مدینہ شریف سے باہر نکل آئے۔ جب آپ پہرادے رہے تھے، تو آپ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی، آپ بچے کے پاس پہنچے اور بچے کی ماں کو بچہ کا خیال رکھنے اور اس کو چپ رکھنے کی نصیحت فرما کر واپس آ گئے لیکن بچہ روتا ہی رہا، بچے کی آواز آپ کو بے قرار کر رہی تھی۔ لہٰذا آپ پھر بچے کی طرف گئے، اور بچے کی ماں پر برہم ہوئے اور سخت کلمات میں اس کی مذمت فرمائی آپ کا یہ رویہ دیکھ کر عورت نے حقیقت کے رخ سے نقاب اٹھا دیا اور جواب دیا آپ مجھے بے وجہ ڈانٹ رہے ہیں؟ میں ظالمہ نہیں ہوں کہ ظلماً اپنے بچے کو تڑپا کر رلا رہی ہوں، بلکہ میں ایک مجبور عورت ہوں کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ امیر المومنین عمر اس وقت تک بچوں کا وظیفہ بیت المال سے جاری نہیں کرتے جب تک وہ بچہ دودھ پینا نہ چھوڑ دے میں وظیفہ حاصل کرنے کے لیے دودھ چھڑا رہی ہوں، اور بچہ دودھ پینے کے لیے رو رہا ہے، یہ جواب سن کر حضرت عمر نے ایک سرد آہ بھری اور آپ کی حالت دگر ہوگئی، بے قراری اور اضطراب کی حالت میں فجر کی نماز اٹکتی پھنستی اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ پڑھائی اور نماز کے بعد اعلان فرمایا: اب ہر بچے کا وظیفہ پیدا ہوتے ہی جاری ہوجائے گا اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے میرے سابقہ فیصلہ سے نہ جانے کتنے بچے ہلاک ہوگئے ہوں گے پھر آپ نے اس فیصلہ کو ہر طرف لکھ کر بھیجا اور یہی قانون مملکت ٹھہرا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۹، ص: ۱۶)

بیت المال سے آپ کا وظیفہ: اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے بیت المال میں وافر مقدار میں مال جمع ہوتا تھا لیکن پھر بھی امیر المومنین اپنی ذات پر مختصر اور معین مقدار ہی صرف فرماتے جو مقدار بادشاہ وقت کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں: ہم لوگ حضرت عمر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ایک کنیز سامنے سے گزری، لوگوں نے اسے دیکھ کر کہا یہ حضرت عمر کی کنیز ہے، اس پر حضرت عمر نے ارشاد فرمایا: نہیں یہ میری کنیز نہیں ہے، یہ تو بیت المال کا اثاثہ ہے، عمر کے لیے یہ جائز نہیں کہ بیت المال کی اشیا پر قبضہ کر لے، لوگوں نے حضرت عمر سے پوچھا: آپ اپنے لئے بیت المال سے کیا حلال رکھتے ہیں؟ آپ نے لوگوں کو جواب دیا میں اپنے لیے صرف دو جوڑ کپڑے، ایک گرمی کے لیے اور دوسرا سردی کے لیے، حج وعمرہ کا خرچ، اپنی اور اہل وعیال کے گزر بسر کی خوراک، متوسط درجے کی قریشی مسلمان کے اعتبار سے (نہ بہت عمدہ اور نہ ہی بہت گھٹیا) آخر میں بھی تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں (مجھے یہ حلال نہیں کہ سب سے زیادہ خرچ کروں۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۱)

سادگی اور رحم دلی: ام المومنین حضرت حفصہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر سے عرض کیا: ابا جان! اگر آپ بہتر غذائیں استعمال فرمائیں تو جسم طاقتور اور توانا ہوگا، اور آپ امور مملکت کی زیادہ خدمت انجام دے سکیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا آپ لوگوں کی یہی رائے ہے؟ جواب دیا ہاں! آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تمہارا مشورہ خیر پر مبنی ہے، لیکن میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا جو طریقہ دیکھا ہے، میں اسی پر گامزن ہوں، اسے چھوڑ کر میں منزل نہیں پا سکتا۔

ایسے ہی ایک اور فرمائش کے جواب میں آپ نے فرمائش کرنے والے سے فرمایا: مجھے تمہارے اوپر افسوس ہو رہا ہے کہ تم مجھے دنیا میں اچھی چیز کھانے کا مشورہ دے رہے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا: آج تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ہو رہی ہے آپ کا غلام اٹھا اور اونٹ لے کر مچھلی خریدنے چلا گیا آنے اور جانے کا قدرے طویل فاصلہ اونٹ کے ذریعہ طے کیا اور وہ مچھلی خرید کر لے آیا (تھکاوٹ کی وجہ سے) جانور کو نہلا دیا جب غلام نے مچھلی لا کر پیش کی تو آپ نے فرمایا: میں پہلے سواری کا حال جاننا چاہتا ہوں، آپ نے اونٹ کو جا کر دیکھا تو اس کے کان کے نیچے پسینہ بہہ رہا تھا، آپ نے فرمایا:

تم اس جگہ پر پسینہ دھونا بھول گئے، عمر کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے جانور کو مشقت میں ڈالا جائے یہ عمر کو گوارہ نہیں قسم خدا کی میں یہ مچھلی نہیں کھا سکتا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۲)

خلیفہ کا لباس: مسلمانوں کا امیر اگر چاہتا تو عمدہ سے عمدہ کپڑا زیب تن کر سکتا تھا لیکن غلامان مصطفےٰ کا حال سن کر اور پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام نے ان پاک بازوں کو کونسی شراب طہور پلائی تھی جس کے نشے سے سرشار یہ حضرات دنیا اور اس کی آرائشوں کو ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وقت کے بادشاہ ہیں پر لباس فقیرانہ، غذائیں عامیانہ، عادتیں اور خصلتیں عاجزانہ، نہ انہیں فاخرانہ رنگ ڈھنگ سے کوئی مطلب ہے، نہ شاہانہ مزاج سے کوئی سروکار، سنت مصطفےٰ ہی ان کے ظاہر و باطن کی زیب و زینت ہے، مگر اب ان کے نقش قدم پر مر مٹنے والے راہ حق کے دیوانے کہاں؟

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر اپنے زمانۂ خلافت میں اون کا جبہ پہنتے، اور اس میں چمڑے کا پیوند لگا رہتا تھا، اسی لباس میں آپ کوچہ و بازار کا چکر لگاتے، کاندھے پر درۂ فاروقی ہوتا، جدھر سے گزرتے لوگوں کو ادب سکھاتے چلے جاتے، راہ میں اگر رسی یا کھجور کی گٹھلی پڑی نظر آجاتی تو اٹھا کر لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تاکہ لوگ اس سے مزید فائدہ اٹھا سکیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے کپڑے میں کاندھے کے پاس چار پیوند لگے ہوئے دیکھے ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج۱۸، ص:۳۳۲)

عاجزی و انکساری: آپ کے ساتھ سفر کرنے والے حضرات فرماتے ہیں: دوران سفر حضرت عمر کے آرام کے لیے کوئی خیمہ یا کیمپ نہیں لگایا جاتا جب کبھی کچھ دیر آرام کرنا ہوتا تو کسی درخت کی ٹہنی پر کوئی چادر یا کپڑا ڈال دیا جاتا اس کے سایہ میں آپ آرام فرماتے، حضرت عمر کثیر البکا تھے، بارگاہِ مولیٰ میں خوب آنسو بہایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے دونوں گالوں پر کالے نشان پڑ گئے تھے جو دیکھنے والے کو نمایاں نظر آتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک باغ میں گیا میں نے وہاں حضرت

عمر کی آواز سنی، لیکن وہ مجھے نظر نہیں آ رہے تھے، کیوں کہ میرے اور ان کے درمیان ایک دیوار آڑ بنی ہوئی تھی، اس وقت وہ کہہ رہے تھے عمر کی یہ وقعت کہاں کہ وہ امیر المومنین بن سکے یہ تو اللہ کا فضل ہے۔ اے عمر اس پر اللہ سے ڈرتے رہو، ورنہ اللہ تمہیں ضرور عذاب دے گا۔ حضرت عمر کے پاس ایک دن ان کے خسر تشریف لائے اور بیت المال سے کچھ مطالبہ کیا حضرت عمر نے سخت لہجے میں انکار کرتے ہوئے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا داماد اللہ تعالیٰ سے ایک خائن بادشاہ کی حیثیت سے ملاقات کرے؟ پھر آپ نے اپنے ذاتی مال سے انہیں دس درہم عطا کیے۔

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں: حضرت عمر نے زمین پر پڑے تنکے کو ہاتھ میں اٹھا کر فرمایا: اے کاش! میں یہ تنکا ہو جاتا اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا ایک ہاتھ سے گھوڑے کا کان پکڑتے اور دوسرے ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے اور پھر گھوڑے پر سوار ہوتے۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: جب حضرت عمر غصے میں ہوتے اور اس وقت کوئی انسان ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر دیتا یا قرآن پاک کی تلاوت کر دیتا تو حضرت عمر کا جلال ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ اپنا ارادہ بدل دیتے۔

حضرت بلال نے حضرت اسلم سے پوچھا کہ عمر کیسے آدمی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر لیکن اگر آپ کو غصہ آ جائے تو پھر معاملہ بڑا مشکل ہو جاتا ہے اس پر حضرت بلال نے فرمایا اگر تم عمر کے پاس رہو اور ان کو غصہ آ جائے تو قرآن پاک کی تلاوت کرو غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۳)

حضرتِ عائشہ کی گفتگو: ایک مرتبہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین ہیں لیکن زندگی بڑی سادی ہے، پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں، اور غذا بھی بہت معمولی استعمال فرماتے ہیں اور آپ کے دربار کا حال یہ ہے کہ عرب و عجم کے وفود آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے رہتے ہیں، اگر امیر المومنین کا پوشاک بہتر ہو، اور صبح

وشام بڑے بڑے پیالوں اور برتنوں میں کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جائے، آپ خود بھی اسے تناول فرمائیں اور جو بھی مہاجرین وانصار موجود ہوں سب اس کھانے میں شرکت فرمائیں، اگر ایسا ہو جائے تو آنے والے سفراپر اسکا اثر بڑا عمدہ پڑے گا، سب نے مشورہ کیا کہ حضرت علی ہم سب کی طرف سے یہ بات امیر المومنین کی بارگاہ میں رکھ دیں، لیکن حضرت علی نے فرمایا کہ اس کام کی ذمہ داری امہات المومنین کو سونپی جائے وہ یہ کام بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ لوگوں نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے پورا معاملہ بیان کیا حضرت عائشہ بات کرنے کے لیے تیار ہو گئیں یہ دونوں حضرت عمر کے پاس پہنچ گئیں حضرت عائشہ نے تھوڑی تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کی عادات کریمہ اور ان کے زہد کو بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی خواہش کا ذکر کیا جب حضرت عمر نے یہ سنا کہ حضرت عائشہ بھی بہتر لباس پہننے اور اچھی غذا کھانے کی ترغیب دے رہی ہیں اور حضرت حفصہ بھی آپ کا ساتھ دے رہی ہیں تو آپ رونے لگے اور خوب دیر تک روتے رہے اور پھر آپ نے حضرت عائشہ سے پوچھا اے ام المومنین! میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھ رہا ہوں کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی پندرہ دن، یا پانچ دن، یا تین دن تک لگاتار کھائی یا صبح وشام دونوں وقت کا کھانا آپ نے کبھی کھایا؟ آپ نے جواب دیا نہیں تو آپ نے پوچھا آپ کو علم ہے کہ حضور کو اگر کسی اونچی چیز پر رکھ کر کھانا پیش کیا جاتا تو سرکار اسے نیچے رکھنے کا حکم دیتے تھے؟ تو آپ نے کہا ہاں بیشک سرکار کا یہی معمول تھا، آپ نے فرمایا: آپ دونوں امہات المومنین ہو آپ کا حق سارے مسلمانوں پر ہے، خاص طریقے سے مجھ پر آپ کا حق عظیم ہے لیکن آپ دونوں مجھے دنیا کی طرف رغبت دلانے آئی ہیں، مجھے یاد ہے کہ میرے حضور اون کا جبہ پہنتے تھے، کبھی کبھی آپ کی کھال جبے کے کھردرے ہونے کی وجہ سے چھل جاتی تھی، سرکار ایک ہی کپڑے کو بچھا بھی لیتے تھے اور اسے اوڑھ بھی لیتے تھے، ہم نے دیکھا ہے کہ چٹائی کے نشانات آپ کے جسم پر آجاتے تھے، اے حفصہ! ایک مرتبہ تم نے نرم بستر بچھا دیا تھا اور سرکا

راذان تک سوتے رہے تھے تو سرکار تم پر برہم ہوئے اور فرمایا: مجھے دنیا اور اس کے آرام سے کیا لینا ہے۔ حضور کی ذات وہ ذات ہے کہ جس کے صدقے میں اللہ تعالیٰ دوسروں کے گناہ بھی معاف فرماتا ہے لیکن ان کا معاملہ اپنے مولیٰ کے ساتھ یہ ہے بھوکے شام کرتے ہیں، سجدے میں سو جاتے ہیں، رکوع کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں، صبح وشام، دن ورات میں نہ جانے کتنی مرتبہ اپنے مولیٰ کے حضور روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اس حال میں آپ اپنے مولیٰ سے جا ملے، عمر کی کیا حیثیت مجھے میرے سرکار اور ان کے یار غار کے اسوہ پر عمل کر لینے دو یہی راہ نجات ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۸، ص: ۳۲۷)

پرانی یادیں: جب کسی کو بڑا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے، تو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وہ ماضی کو بھول جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ مشقت و پریشانی اور مصائب و آلام کی کن کن منزلوں سے گزرا ہے، لیکن سعادت مند افراد کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ انہیں اپنا ماضی اور حال سب یاد رہتا ہے اور مستقبل کو لے کر بھی فکر مند رہتے ہیں، جب انسان پرانا وقت یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی کثرت سے کرتا ہے اور تکبر کی مہلک بیماری سے بچا رہتا ہے۔

حضرت ابن مسیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر حج کے دوران وادی ضجنان سے گزرے اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: "لا الہ الا اللہ العظیم العلی المعطی ما شاء من شاء" اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے، اس کی ذات سب سے بلند ہے، وہ جسے جو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، یہی وہ وادی ہے جہاں میں اون کا جبہ پہنے ہوئے اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا، میرا باپ سخت مزاج تھا، مجھ سے اتنی محنت لیتا تھا کہ میں تھک جاتا تھا، اور اگر کبھی محنت میں کمی رہ جاتی تو میری پٹائی کرتا تھا۔ ایک وہ دن تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ اللہ کے سوا آج میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے چند اشعار گنگنائے جن کا حاصل یہ ہے کہ سب فنا ہو جائے گا کچھ باقی نہ رہے گا، بڑے بڑے تخت وتاج والے موت سے ہمکنار ہو کر آغوش لحد میں چلے گئے۔

(تاریخ الرسل والملوک سنۃ ثلاث وعشرین ذکر بعض مارثی بہ ج ۲، ص: ۴۱۶)

اندازِ نصیحت: علامہ پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں: شام کا ایک آدمی امیر المومنین کا دوست تھا، اس کی پارسائی، تقویٰ اور دین کے لیے اسکی حمیت کے باعث آپ اس کو اپنا بھائی کہہ کر پکارتے تھے شام سے ایک آدمی آیا آپ نے اس سے اپنے دوست کی خیریت دریافت کی، اس نے بتایا کہ وہ تو تباہ ہو گیا ہے، شراب پیتا ہے، گانا سنتا ہے اور فسق و فجور کی زندگی بسر کر رہا ہے، یہ سن کر آپ کو از حد رنج ہوا فرمایا: جب واپس جانے لگو تو مجھ سے ملتے جانا، روانگی کے وقت وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اپنے کاتب کو بلایا اور فرمایا: لکھو "من عمر بن الخطاب الی فلان سلام علیکم فانی احمد الیك الله الذی لا الہ الا ھو غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ھو الیه المصیر۔" ترجمہ: یہ خط عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں شخص کی طرف تم پر سلام ہو میں تیری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے، گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب والا، بڑی قدرت والا، اس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔"

پھر خود بھی اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگی اور حاضرین مجلس سے بھی اس کے لیے دعا کرائی اور یہ خط اس شخص کو دیا اور فرمایا کہ یہ میرے دوست کو پہنچا دینا جب اس دوست نے خط پڑھا تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسنے لگا روتا تھا اور خط کو بار بار پڑھتا تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے اطاعت و انقیاد کی زندگی بسر کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس کی توبہ کی اطلاع ملی تو آپ بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے "ھٰکذا فاصنعوا اذا رایتم اخا لکم زل زلة فسددوہ ووفقوہ وادعوا اللہ له ان یتوب علیه ولا تکونوا اعوانا للشیطین علیه" یعنی تم بھی جب اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ راہ راست سے اس کا قدم پھسل گیا ہے، تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو، اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرو، اس کی ہدیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، اور اس

کے خلاف شیاطین کے مددگار نہ بن جاؤ۔

یعنی اگر تم اسے برا بھلا کہنا شروع کردو گے، اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگو گے تو وہ اپنی ضد پر پکا ہو جائے گا اور اسے اپنی عزت نفس کا سوال بنا کر گمراہی میں دور نکل جائے گا۔ (ضیاء القرآن ج ۴، ص:۲۹۱)

بادشاہ اور خلیفہ کا فرق: ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا ما الخلیفۃ من الملک؟ یعنی خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت طلحہ اور زبیر نے کہا کہ ہم نہیں جانتے، حضرت سلمان نے عرض کیا "الخلیفۃ الذی یعدل فی الرعیۃ ویقسم بینھم بالسویۃ ویشفق علیھم شفقۃ الرجل علیٰ اھلہ ویقضیٰ بکتاب اللہ" یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے، ان میں مساوی طور پر مال تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

سلیمان بن اوجا سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم نے حاضرین سے دریافت کیا "ما ادری اخلیفۃ انا ام ملک" میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں، خلیفہ ہوں یا بادشاہ، ایک شخص کہنے لگا اے امیر المومنین! دونوں میں بڑا فرق ہے، آپ نے فرمایا: کیا فرق ہے؟ "قال: الخلیفۃ لا یأخذ الا حقا ولا یصنعہ الا فی حق وانت بحمد اللہ کذالک والملک یعسف الناس فیأخذ من ھذا ویعطی ھذا فسکت عمر" اس نے کہا خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ کے فضل و کرم سے آپ ایسا ہی کرتے ہیں، اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے، اس سے لیتا ہے، اس کو دیتا ہے یہ سن کر حضرت فاروق اعظم خاموش ہو گئے۔

(ضیاء القرآن ج ۴، ص:۲۳۸)

محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس درجہ محبت کرتے تھے ہمارے لیے یہ بیان کر پانا ممکن نہیں،

تاہم اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان کے سینے میں حضور کی غیر معمولی محبت بڑی شدت سے جاگزیں تھی بلکہ اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ محبت بھی حضور کے صدقے میں انہیں میسر آئی تھی۔

جیسا کہ بخاری شریف کتاب الایمان والنذور میں روایت ہے: صحابہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اور عمر آقا سے عرض کررہے ہیں حضور! میں اپنے نفس کے سوا ہر چیز سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں اے عمر! تم اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک تم مجھ سے اپنی جان سے زیادہ محبت نہ کرنے لگو بس پھر کیا تھا حضرت عمر نے فوراً عرض کیا خدا کی قسم یارسول اللہ! اب میں اپنی جان سے زیادہ آپ کی محبت اپنے دل میں محسوس کررہا ہوں۔ سرکار نے فرمایا "الآن یا عمر" اے عمر! اب ایمان مکمل ہوگیا۔

آپ نے حدیث کے ذریعہ سمجھ لیا کہ حضرت عمر کے پہلے الفاظ جدا تھے، اور اس میں محبت کی کمی تھی اور عمر کے دوسرے جواب میں محبت کے اندر غیر معمولی اضافہ ہوگیا اس سے عاشقانِ مصطفی کو یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں، کہ اتنی جلدی یہ انقلاب کہاں سے آگیا کیوں کہ ہر عاشق جانتا ہے کہ عمر کا ہاتھ نبی کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں عمر پر متوجہ ہوگئیں اور قدرتِ خداوندی نے بروقت عمر کی صحیح رہنمائی فرمائی اور عمر دارین کی کامیابیوں سے ہم کنار ہوگئے۔

بدر، احد، حنین اور دیگر غزوات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہنا، حضور کے دشمنوں کے لیے تیغ مسلول بن جانا، حضور کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے والے کی گردن اڑادینا، نبی کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں پر میان سے تلوار باہر کرلینا، وصالِ رسول کے موقع پر عالم وارفتگی سے بے خود ہوکر کسی کی بات تک نہ سننا وغیرہ یہ محبت رسول کے جذبات ہی کے مظاہر ومناظر ہیں، جس سے تاریخ معمور ہے، اگر یہاں ان کو بقدر امکان حیطہ بیان میں لاؤں تو بات بہت طویل ہوجائے گی صرف ایک واقعہ پر عنوان کو تمام کررہا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت خاصہ کے پیش نظر اپنی ازواج پر ناراضگی کا اظہار فرما کر کچھ دوری اختیار فرمائی۔ حضرت عمر کو خبر لگی، غلام وفادار نے تحقیق حال کے لیے حضور کی بارگاہ میں حاضری کا قصد کیا، دولت خانہ پر حاضر ہوئے، ملنے کی اجازت چاہی، لیکن اجازت میں تاخیر ہوگئی، کئی مرتبہ آپ نے دربان کے ذریعہ پیغام بھیجا لیکن کامیاب نہ ہوئے اب حضرت عمر کے دل میں یہ خیال گزرا کہ حضور کی ازواج میں میری بیٹی حفصہ بھی ہیں شاید حضور اس وجہ سے مجھے اجازت مرحمت نہیں فرمارہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی کی سفارش کرنے حاضر ہوا ہوں لہٰذا حضرت عمر نے حضور کے دربان حضرت رباح سے کہا اے رباح! حضور سے میرے لیے اجازت چاہو مجھے یہ گمان ہو رہا ہے کہ سرکار اس لیے اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے آیا ہوں قسم خدا کی اگر حضور مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔ (فتح الباری کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ)

اپنی پیاری بیٹی کی گردن مارنے میں بھی اگر عمر کو کوئی دیری ہے تو صرف اتنی کہ حضور کے حکم کا انتظار ہے یہ حضرت عمر کی محبت کا وہ معیار ہے جو امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہے۔

کراماتِ حضرت عمر: اللہ کے ولی کی طرف سے جب کوئی خارق عادت کام انجام پائے تو اہلِ اسلام اسے کرامت کا نام دیتے ہیں۔

کرامات انبیاے سابقین کے غلاموں سے بھی صادر ہوئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک نے اس کی شہادت پیش کی ہے، تو پھر ہمارے نبی کے غلاموں سے کرامات کیوں کر نہ صادر ہوں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعدد کرامات تاریخ میں مذکور ہیں ہم یہاں اجمالاً ذکر کر رہے ہیں۔

یاساریۃ الجبل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ساریہ نامی شخص کو امیر لشکر بنا کر نہاوند روانہ فرمایا ساریہ لشکر کو لے کر اپنی مخصوص مہم پر روانہ ہو گئے، کچھ دن کے بعد عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر نے ایک بے ربط جملہ ارشاد فرمایا ''یاساریۃ الجبل'' اے ساریہ! پہاڑ کا رخ کرو، اس جملہ کو سن کر سامعین حیران تو ہوئے لیکن اس وقت

خاموش رہے، بعد میں کچھ لوگوں نے چہ می گوئیاں شروع کیں، حضرت عبدالرحمن بن عوف عمر سے بے تکلف تھے، آپ نے حضرت عمر سے پوچھا آپ نے یہ بے ربط جملہ کیوں ارشاد فرمایا تھا؟ عمر نے جواب دیا: دورانِ خطبہ میں نے دیکھا کہ مجاہدینِ اسلام جہاد کر رہے ہیں، اوران کی توجہ اپنے سامنے کی طرف ہے، حالاں کہ دشمن پیچھے سے بھی حملہ آور ہونے والا تھا، یہ دیکھ کر میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا، اور بے اختیار میں نے یہ جملہ کہا تاکہ مجاہدین پہاڑ کی طرف بھی رخ کریں۔ کچھ دن کے بعد حضرت ساریہ کا قاصد آیا اور اس نے آکر بتایا کہ ہم جنگ میں مصروف تھے، اور پہاڑ کی طرف ہماری توجہ نہ تھی، پیچھے سے دشمن ہم پر حملہ آور ہونے ہی والا تھا کہ ہم نے ایک آواز سنی ''یا ساریۃ الجبل'' دوسری روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر کی آواز سنی، پس ہم پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، اس قاصد کی بات سن کر جب لوگوں نے حساب لگایا تو یہ وہی دن، وہی تاریخ، وہی وقت تھا جب حضرت عمر نے آواز لگائی تھی۔

(جامع الحدیث للسیوطی قسم الافعال مسند عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور نیل بہ پڑا: جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر فتح کیا، تو ایک دن لوگوں کا ازدہام حضرت عمرو بن عاص کے پاس آیا، لوگوں نے حضرت عمرو سے کہا: اے ہمارے امیر! یہ دریائے نیل ایک خاص کام انجام دینے پر جاری ہوتا ہے (اگر کام نہ کیا جائے تو یہ خشک ہو جائے گا) آپ نے فرمایا: وہ کون سا عمل ہے جس کو کرنے سے دریائے نیل جاری ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا: جب اس مہینہ کی بارہ تاریخ ہو جاتی ہے، ہم ایک کنواری لڑکی اس کے والدین کی رضامندی سے لیتے ہیں، اسے زیورات اور عمدہ پوشاک میں ملبوس کر کے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور دریا جاری ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرو نے فرمایا: اسلام اس لیے آیا ہے کہ تمام غیر شرعی امور کا قلع قمع کر دے، حضرت عمرو نے انہیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت نہیں دی (اللہ کی قدرت) دریائے نیل مکمل طور پر سوکھ گیا، لوگ پریشان ہو گئے، پریشانی یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے مصر چھوڑنے کا قصد کر لیا اب حضرت عمرو بن عاص نے

صورتِ حال کی نزاکت سے امیر المومنین کو خبر دار کیا، حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو جوابی خط تحریر فرمایا: اے عمرو بن عاص! تم نے صحیح جواب دیا بیشک اسلام اس جیسی سبھی خرافات کو ڈھانے کے لیے ہی آیا ہے، میں تمہارے جوابی خط کے ساتھ ایک اور رقعہ بھیج رہا ہوں، تم اسے دریائے نیل میں ڈال دینا، جب یہ خط حضرت عمرو بن عاص کو ملا، پڑھ کر دیکھا تو اس رقعہ میں لکھا ہوا تھا: اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے جاری ہوتا ہے تو جاری مت ہونا، اور اگر تو اللہ واحدِ قہار کی طرف سے جاری ہوتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے جاری فرمادے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر کے تحریر کردہ خط کو دریائے نیل میں ڈال دیا، ادھر اہل مصر مصر چھوڑنے کی تیاری کر چکے تھے، کیوں کہ مصر میں بغیر نیل کے ان کا کام نہیں بن پا رہا تھا، جب مصر والوں نے صبح دیکھا، تو دریائے نیل جاری ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے سے سولہ گز زیادہ اونچا جاری فرمادیا تھا لہٰذا حضرت عمر کی اس کرامت سے اس برے رواج کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۰۱، کنز العمال حدیث: ۳۵۷۵۹)

اولیاتِ عمر: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری زندگی اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے صرف کر دی، خلیفہ بننے کے بعد ان کی پوری توانائیاں اسی بات پر صرف ہوتیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح ونجاح کے کیا طریقے ہوں گے اپنی ذات کے لیے کچھ نہ سوچا، لیکن مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی برتری، لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ کرنے کے منصوبے زندگی بھر بناتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ بہت ساری چیزیں ان کے دور میں ایسی وجود میں آئیں جو اس سے پہلے نہ تھیں۔ لیکن ان تمام کاموں کی اساس اصول شریعت ہی پر قائم تھی۔ آپ کی اولیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سب سے پہلے آپ کو امیر المومنین کہا گیا (۲) آپ ہی نے اسلامی تاریخ ہجری کی ابتدا کی (۳) بیت المال کا قیام (۴) رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت کا قیام (۵) راتوں میں گشت (۶) مذمت کرنے پر سزا (۷) شارب خمر کو اسّی کوڑوں کی سزا

(۸) حرمت متعہ کو عام کرنا (۹) ام ولد کی بیع کی ممانعت (۱۰) نماز جنازہ میں چار تکبیرات پر لوگوں کی جمعیت کا قیام (۱۱) ریکارڈ کی حفاظت کا انتظام (۱۲) نئی نئی فتوحات کا راستہ ہموار کرنا (۱۳) مصر سے بحر ایلیا کے ذریعہ غلہ کا مدینہ شریف پہنچانے کا انتظام (۱۴) صدقہ کا مال اسلامی امور میں خرچ کرنے پر پابندی (۱۵) احکام وراثت کا سختی کے ساتھ نفاذ (۱۶) گھوڑوں پر زکاۃ کی وصولیابی (۱۷) وعائیہ جملہ اطال اللہ بقائک وایدک اللہ کا رواج (۱۸) اپنے ساتھ درہ رکھنا، آپ کے درہ کے بارے میں مقولہ مشہور ہے کہ حضرت عمر کا درہ تلوار سے زیادہ مہیب تھا (۱۹) شہروں میں قاضیوں کی تقرری، کوفہ، بصرہ، جزیرہ، شام، مصر اور موصل جیسے شہروں کا قیام (۲۰) مساجد میں روشنی کا انتظام۔ حضرت علی نے مسجدوں کی روشنی دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو ایسے ہی روشن رکھے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کر دیا ہے (۲۱) گیہوں، آٹا، کھجور وغیر رکھنے کے لیے گودام کا انتظام (۲۲) مکہ شریف اور مدینہ منورہ کے درمیان مسافروں کے لیے آسانی کے ساز و سامان (۲۳) مسجد نبوی کی توسیع اور اس میں ٹاٹ کا فرش (۲۴) یہود کو حجاز سے شام کی طرف جلاوطن کیا (۲۵) اہل نجران کو کوفہ منتقل کیا (۲۶) مقام ابراہیم کو موجودہ جگہ پر نصب کیا، پہلے وہ کعبہ شریف سے ملا ہوا تھا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۹)

امیر المومنین کہنے کا آغاز: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو خلیفۂ رسول اللہ لکھتے تھے۔ جب حضرت عمر کا دور آیا تو آپ نے اپنے لیے خلیفۂ خلیفۃ رسول اللہ (رسول اللہ کے خلیفہ کا خلیفہ) یہ لقب تحریر اور تلفظ کے اعتبار سے قدرے طویل تھا، اسی درمیان حضرت عمر نے عراق سے دو لوگوں کو طلب کیا، عراق کے گورنر نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو مدینہ شریف روانہ کیا، یہ لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور ان کی ملاقات پہلے عمرو بن عاص سے ہوئی دونوں عراقیوں نے عمرو بن عاص سے کہا: ہم امیر المومنین سے ملنا چاہتے ہیں، یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا: خدا کی قسم! تم نے ان کو بہت ہی اچھا لقب دیا ہے، فوراً حضرت عمرو بن عاص حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے

اور جا کر عرض کیا ''السلام علیکم یا امیر المومنین''، حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا: میرا یہ لقب تمہیں کہاں سے حاصل ہوا، حضرت عمرو بن عاص نے یہ قصہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم سب مومن ہیں، اور آپ ہمارے امیر، لہٰذا امیر المومنین کیا خوب لقب ہے، اس دن سے یہی لقب تحریر ہونے لگا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۹)

والیہ المصیر: ہر چڑھتے سورج کو غروب ہونا ہے، ہر کھلتے پھول کا مقدر مرجھانا ہے، غنچہ وگل کی جوانی جانا ہے، ہر جان دار کو بے جان ہونا ہے، جو بنا ہے وہ فنا ہے، ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، یہ محسوس ومشاہد، نظام کائنات ہے اور یہی وعدۂ خداوندی ہے جو آغاز آفرینش سے آج تک جاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موت موت میں بون بعید ہے، کافر سے مومن کی موت جدا ہے، عام مومن سے متقی کی موت جدا ہے، عام متقین سے اللہ والوں کا انتقال جدا ہے، اور پھر انبیا کے وصال کی تو شان ہی الگ ہے۔

وہ عمر جس نے پوری جوانی اسلام کی خدمت میں لگادی، اعدائے دین خصوصاً یہود ونصاریٰ پر پے در پے حملہ کر کے ان کی قوت کو ریزہ ریزہ کر کے دھول میں ملادیا، ایک جہان پر اسلام کا جھنڈا لہرادیا، دنیاوالوں پر اسلام اور مسلمانوں کی دھاک بٹھادی، اغیار کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف پیدا کردیا، ان کی عمر اب تقریباً ساٹھ سال ہو چکی ہے، عمر نے عمر پر رنگ جمانا شروع کر دیا، اب اعضا وجوارح میں پہلے جیسی چستی اور توانائی دکھائی نہیں دیتی، منیٰ سے واپسی کا وقت ہے اور اللہ پاک سے دست بدعا ہیں۔

منیٰ سے واپسی اور آپ کی دعا: حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب منیٰ سے ابطح کی طرف لوٹ رہے تھے تو راستے میں آپ نے اپنا اونٹ بٹھادیا، اور اپنی پیٹھ اس سے ٹیکی، ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا ''اللھم کبرت سنی وضعفت قوتی، وانتشرت رعیتی فاقبضنی الیك غیر مضیع ولا مفرط،، اے اللہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا، بدن کمزور ہو گیا، رعایا خوب پھیل گئی لہٰذا مولا! اس سے پہلے کہ میں ناکارہ بنوں، میری عقل میں نسیان کا فطور پیدا ہو، مجھے اپنی بارگاہ میں

بلا لے، آپ کی یہ دعا قبول ہوئی ذی الحجہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔
(الریاض النضر ۃ ج ۲، ص: ۴۶ ۳، تاریخ الخلفاص: ۱۰۵)

موت کی دعا کرنا جائز نہیں پھر حضرت عمر نے کیسے اپنے لیے یہ دعا کی۔ ہم اپنے قارئین کو بتاتے چلیں کہ دنیا کی سختی یا تکلیف کی وجہ سے موت کی دعا کرنا جائز نہیں، اور حضرت عمر نے اس لیے دعا نہیں کی بلکہ انہوں نے رب کی ملاقات اور دین کی سلامتی کے لیے دعا کی اور یہ دعا جائز ہے۔

دعاے دیگر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اور دعا بھی پڑھتے چلیں، آپ دعا کرتے تھے۔ "اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك، "اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے حبیب کے شہر میں موت نصیب فرما۔
(صحیح البخاری کتاب الحج ابواب فضائل مدینہ)

شارح بخاری علیہ الرحمہ اس دعا پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے رسول کے شہر میں وفات عطا فرما، اس وقت اسلام کی شان وشوکت اوج ثریا سے ہمکنار تھی، غازیان اسلام ہندو چین اور افریقہ کی سرحدیں پار کر چکے تھے، مدینہ طیبہ میں کسی جہاد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بظاہر اس دعا کا قبول ہونا متعذر تھا مگر دنیا نے دیکھا کہ ایک اللہ کے محبوب بندے کی دعا کس طرح قبول ہوئی۔ (نزھۃ القاری ج ۴، ص: ۱۵۲)

آپ نے مدینہ منورہ کے فضائل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سن رکھے تھے اس لیے آپ مدینہ شریف ہی میں مرنے کی دعا کرتے تھے۔ اسی لیے غلاموں کا آج بھی یہی طریقہ ہے۔ وجہ یہ ہے ؎

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اپنی موت کی خبر دینا: حضرت معدان بن ابی طلحہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورانِ خطبہ فرمایا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے میرے ایک دو چونچ ماری ہیں لہٰذا میں اسکی تعبیر سمجھ رہا ہوں کہ میری موت اب قریب آ گئی ہے۔ (اسد الغابہ، تذکرۃ عمر بن خطاب، تاریخ الخلفاص: ۱۰۵، مختصر تاریخ دمشق، مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوم، تاریخ الاسلام للذہبی، تاریخ مدینہ، تاریخ کبیر، تہذیب الکمال)

ابوموسیٰ اشعری نے بھی خبر دی: حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لوگوں سے بیان کیا: میں نے خواب میں حضور کی زیارت کی اور پاس ہی میں حضرت ابوبکر بھی تھے، اور حضور حضرت عمر کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ وہ بھی آ جائیں میں نے یہ دیکھ کر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ خدا کی قسم! اب امیر المومنین کا وصال یقینی ہے، سننے والوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا آپ یہ خبر حضرت عمر کو کیوں نہیں پہنچا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں انہیں ان کی موت کی خبر نہیں دینا چاہتا۔ (الریاض النضرہ ج ۲، ص: ۳۵۵)

حضرت کعب احبار نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! آپ تین دن کے بعد انتقال فرما جائیں گے، اور تین دن بعد ہی آپ پر حملہ کر دیا گیا، جب کعب احبار دیکھنے والوں کے ساتھ حضرت عمر سے ملے تو آپ نے فرمایا: کعب کی بات سچی ہوئی، لیکن مجھے موت سے ڈر نہیں، مجھے فقط گناہوں سے ڈر لگتا ہے۔ (الریاض النضرہ ج ۲، ص: ۳۵۵)

شہادت کا سبب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کسی بھی باہر کے رہنے والے بالغ غلام کو مدینہ شریف میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن عامل مدینہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مسلمانانِ مدینہ کی خیر خواہی کے لیے امیر المومنین کو لکھا کہ کوفہ میں کئی پیشوں کا ماہر ایک لڑکا موجود ہے، جو لوہاری، بڑھئی گیری اور نقاشی کا کام جانتا ہے، اگر اجازت ہو تو مدینہ بھیج دوں تاکہ مسلمانوں کے کام آ سکے، حضرت عمر کو مغیرہ بن شعبہ کی پیش کش پسند آئی اور آپ نے اس لڑکے کو مدینہ شریف بلا لیا، حضرت مغیرہ نے کوفہ میں اس پر سو درہم ماہانہ ٹیکس لگا رکھا تھا، ایک دن اس نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ

پر زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے، آپ نے فرمایا: سو درہم ماہانہ زیادہ نہیں ہے، وہ لڑکا حضرت عمر کے جواب سے ناراض ہوکر آگ بگولہ ہوکر واپس آ گیا، پھر ایک دن حضرت عمر نے اس کو بلوایا اور فرمایا: تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم ہوا سے چلنے والی ایک چکی تیار کروگے، لڑکے نے منہ پچکاتے ہوئے جواب دیا میں آپ کے لیے ایسی چکی تیار کروں گا کہ پھر لوگ اسے بھولیں گے نہیں، اس کے جانے کے بعد حضرت عمر نے لوگوں سے فرمایا: یہ لڑکا مجھے دھمکی دے کر گیا ہے، اس لڑکے کا نام فیروز اور کنیت ابولولؤ تھی (اور یہ غیر مسلم تھا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۰۶)

تنبیہ: ہمارے پیش کردہ شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی موت کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا، ان کے سوا دوسرے لوگوں (جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری، کعب احبار) کو بھی علم ہو چکا تھا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے علم کا یہ عالم ہے تو حضو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی کیا شان ہوگی۔

ہم نے جن مصنفین کے حوالے سے اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے ان میں الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ کے مصنف علامہ احمد بن عبداللہ طبری شیخ حرم کی پیدائش ۶۱۵ ہجری میں ہوئی۔ علامہ جلال الدین سیوطی ۸۴۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان حضرات کا اپنی کتابوں میں ان باتوں کو تقریباً ۸۰۰ یا ۶۰۰ سو سال پہلے درج کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ پہلے کے مسلمانوں کا یہی عقیدہ تھا جو عقیدہ آج اہل سنت و جماعت یعنی مسلک اعلی حضرت کے ماننے والوں کا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالك

شہادت کا بیان: شہادت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیات ہم بخاری شریف کی حدیث سے بیان کررہے ہیں:

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے زخمی ہونے سے چند دن پہلے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں دیکھا کہ وہ حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف کے پاس کھڑے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ (عراق کی زمین کا بندوبست تم لوگوں نے کیسے کیا)۔ کیا تم دونوں کو اس کا احساس ہے کہ زمین پر طاقت سے زیادہ تم لوگوں

نے محصول لگا دیا ہے، ان دونوں نے کہا: ہم نے زمین کی طاقت بھر ہی محصول لگایا ہے اور ہم نے زیادہ نہیں بڑھایا ہے، فرمایا: غور کرلو! کہیں طاقت سے زیادہ تو نہیں لاد دیا ہے، ان دونوں نے کہا: نہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر اللہ نے مجھ کو سلامت رکھا تو عراق کی بیوگان کو اتنا فارغ البال کردوں گا کہ میرے بعد کسی کی محتاج نہیں رہیں گی، عمرو بن میمون نے کہا: اس کے بعد چار دن بھی نہیں گزرے تھے کہ آپ زخمی کردیے گئے، جس صبح کو زخمی کیے گئے، میں یوں کھڑا تھا کہ میرے اور حضرت عمر کے درمیان سوائے حضرت عبداللہ بن عباس کے کوئی اور نہیں تھا۔

ان کی عادت تھی کہ جب دو صفوں کے درمیان سے گزرتے تو کہتے صفیں درست کرلو، جب دیکھ لیتے کہ صفوں میں کوئی خلل نہیں، تو آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے اور اکثر پہلی رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ نحل یا اس کے مثل پڑھتے تاکہ لوگ جمع ہوجائیں۔ اس دن اتنا ہی ہوا کہ انہوں نے تکبیر کہی کہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا مجھے مار ڈالا یا مجھے کتے نے کھالیا، کافر دو دھاری چھری لے کر تیزی سے بھاگا، جس کے پاس دائیں بائیں پہنچتا زخمی کردیتا یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کردیا جن میں سے سات مر گئے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے دیکھا تو اس پر اپنا کمبل پھینکا، کافر نے جب گمان کرلیا کہ وہ پکڑا جائے گا، تو اپنے آپ کو ذبح کرلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے کردیا، جو حضرت عمر کے قریب تھا اس نے وہ دیکھا جو میں نے دیکھا لیکن مسجد کے کنارے والوں کو کچھ نہیں معلوم ہوا سوائے اس کے کہ انہوں نے حضرت عمر کی آواز نہیں سنی تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگے، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے انہیں مختصر نماز پڑھائی۔

جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر نے کہا: ابن عباس! دیکھو مجھے کس نے قتل کیا، وہ تھوڑی دیر ادھر ادھر گھومے پھر آئے اور بتایا: مغیرہ کے غلام نے، پوچھا کاری گر نے؟ ابن عباس نے کہا ہاں۔ فرمایا: اللہ اسے مار ڈالے، میں نے اسے اچھا ہی حکم دیا تھا، اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میری موت ایسے شخص کے ہاتھ پر نہیں رکھی جو اسلام کا

دعویٰ کرتا ہو تم اور تمہارے باپ پسند کرتے کہ مدینہ میں مجوسی بکثرت رہیں اور عباس کے پاس سب سے زیادہ غلام تھے۔ ابن عباس نے کہا اگر آپ چاہیں تو میں کردوں یعنی آپ چاہیں تو میں ان کو قتل کردوں، حضرت عمر نے کہا: اس کے بعد کہ انہوں نے ہمارا کلمہ پڑھ لیا، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لی، ہماری طرح حج کرلیا، یہ غلط بات ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر اٹھا کر اپنے گھر لائے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ چلا اور لوگوں کا حال یہ تھا کہ گویا ان کو اس سے پہلے کوئی مصیبت ہی نہیں پہنچی ہے، کوئی کہتا ہے کہ کوئی حرج نہیں، ٹھیک ہو جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے مجھے اندیشہ ہے (موت کا) پھر حضرت عمر کو نبیذ پلائی گئی جو پیٹ کے زخم سے باہر نکل آئی، پھر دودھ پلایا گیا وہ بھی نکل آیا، اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ بچیں گے نہیں۔ اب ہم لوگ اندر گئے لوگ آتے ان کی تعریف کرتے، ایک جوان آیا اور کہا: اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی طرف سے بشارت ہو، آپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور اسلام میں سبقت نصیب ہوئی جو آپ جانتے ہیں، پھر آپ والی بنائے گئے تو آپ نے انصاف کیا، پھر شہادت نصیب ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ یہ سب برابر سرابر ہو جائے۔ جب وہ جوان مڑے تو حضرت عمر نے دیکھا کہ اس کا تہبند زمین کو چھو رہا ہے فرمایا: بچے کو واپس بلاؤ، جب وہ آ گیا تو فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اٹھا لے، یہ تیرے کپڑے کو زیادہ صاف رکھے گا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک پرہیزگاری کی بات ہے، پھر اپنے صاحبزادے سے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! مجھ پر کتنا قرض ہے؟ اسے دیکھو! لوگوں نے حساب لگایا تو تراسی ہزار یا کچھ کم وبیش۔ فرمایا: اگر آلِ عمر کے مال سے پورا ہو جائے تو ان کے مالوں سے ادا کردو ورنہ بنی عدی بن کعب سے کہو اور ان کے مالوں سے بھی نہ پورا ہو تو قریش سے کہو ان کے علاوہ اور کسی سے مت کہنا، میرا یہ قرض ادا کر دینا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں جاؤ ان سے عرض کرو عمر آپ کو سلام کہتا ہے، امیر المومنین مت کہنا اس لیے کہ آج میں امیر المومنین نہیں،

اوران سے عرض کرنا اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمر دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔
عبداللہ گئے، ام المومنین کو سلام عرض کیا، پھر اجازت طلب کی پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ بیٹھی رو رہی تھیں عبداللہ نے عرض کیا: عمر بن خطاب آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ام المومنین نے فرمایا: میں خود یہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن آج انہیں اپنے اوپر ترجیح دے رہی ہوں۔

جب وہ وہاں سے واپس آکر سامنے آگئے تو کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر واپس آ گئے۔
فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھاؤ تو ایک شخص نے انہیں سہارا دے کر بٹھایا، پوچھا کیا خبر ہے عرض کیا: وہی جو آپ پسند کرتے تھے یا امیر المومنین !ام المومنین نے اجازت دے دی۔فرمایا: اللہ کا شکر ہے میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں تھی پھر جب میری روح قبض کر لی جائے تو مجھے اٹھا کر وہاں لے جانا پھر تم سلام کہنا پھر عرض کرنا عمر بن خطاب اجازت طلب کر رہا ہے اگر ام المومنین پھر اجازت دے دیں تو مجھے ان کے حجرے میں داخل کرنا اور اگر درخواست مسترد فرما دیں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

ام المومنین حضرت حفصہ آئیں اور ان کے ساتھ بہت سی عورتیں تھیں، ہم نے جب ان کو دیکھا تو وہاں سے اٹھ آئے ام المومنین اندر گئیں اور تھوڑی دیر وہاں روئیں اب مردوں نے اجازت طلب کی تو ام المومنین اندر چلی گئیں تاکہ آنے والوں کے لیے جگہ ہو جائے۔ہم نے اندر سے ان کے رونے کی آواز سنی۔اب حاضرین نے عرض کیا اے امیر المومنین! وصیت فرما دیجیے، کسی کو خلیفہ بنا دیجیے۔فرمایا: اس چیز کا حقدار ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا جن سے راضی رہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمن بن عوف کا نام لیا اور فرمایا: تمہارے مشورہ میں عبداللہ بن عمر شریک رہے گا مگر خلافت کا حق اس کو نہیں جیسے ان کی تسلی کے لیے فرما رہے ہوں، اب اگر حکومت سعد کو ملے تو وہ اس کے اہل ہیں ورنہ تم میں سے جو بھی امیر بنایا جائے وہ ان سے مدد لے۔اس لیے کہ ان کو میں نے عاجز ہونے اور خیانت کی وجہ سے معزول نہیں

کیا اور اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے حق کو پہچانے اور ان کی عزت کا پاس کرے اور میں اسے انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کہ جنہوں نے مہاجرین سے پہلے اس شہر میں ایمان اور گھر بنالیا تھا کہ ان کے احسان کرنے والوں کو قبول کیا جائے اور لغزش کرنے والوں کو معاف کر دیا جائے۔

میں تمام شہر کے باشندوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ لوگ اسلام کے مددگار اور مال حاصل کرنے والے ہیں اور دشمن کی جلن ہیں اور یہ کہ ان سے نہ لیا جائے مگر ان کا فاضل مال وہ بھی ان کی رضامندی سے اور اسے دیہاتیوں کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ عرب کی اصل اور اسلام کے مادہ ہیں اور ان سے معمولی مال لیے جائیں اور ان کے محتاجوں پر لوٹا یا جائے اور اسے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذمہ کے بارے میں کہ ان کے ساتھ جو عہد ہو اس کو پورا کیا جائے ان کی حفاظت میں لڑا جائے اور طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ہم انہیں لے کر پیدل چلتے ہوئے نکلے، عبداللہ بن عمر نے ام المومنین کو سلام کیا اور عرض کیا عمر بن خطاب اجازت طلب کر رہا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا: انہیں اندر لاؤ اب انہیں اندر لے گئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکھے گئے۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان)

ام المومنین کے دل میں عمر کی عظمت:

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

کتاب الاعتصام (بخاری) میں حضرت عروہ کی حدیث میں ہے بہت سے صحابہ کرام نے حجرۂ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہی مگر کسی کو اجازت نہیں ملی، جب حضرت عمر فاروق اعظم کا پیغام پہنچا تو بلا توقف اجازت مرحمت فرمادی۔ اور (ام المومنین) نے وہ ارشاد فرمایا: جو حدیث میں مذکور ہے کہ انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں اس سے ظاہر ہو گیا کہ ام المومنین کے قلب میں حضرت عمر کی کتنی عظمت تھی، ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ

حضرت عمر ام المومنین کا ادب ملحوظ فرماتے تھے، ان کے قلب نازک پر ادنیٰ سا دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے یہ بھی وصیت فرمادی کہ غسل وکفن کے بعد درِاقدس پر حاضر ہوکر دوبارہ اجازت کی درخواست پیش کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ حیات ظاہری میں دباؤ محسوس کر کے اجازت دی ہو، اپنے حجرے میں دفن کی اجازت حضرت ام المومنین کا اتنا بڑا ایثار ہے کہ جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ (نزہۃ القاری ج ۴،ص: ۱۵۰ تا ۱۵۲)

شوریٰ کا انتخاب اور بیٹے کو خلیفہ بنانے سے دوری: لوگوں کی خواہش پر خلیفہ چننے کا اختیار حدیث میں ذکر لوگوں کو دیا کہ وہ انہیں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں، اور اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں فرمایا: یہ صرف مشورہ میں شریک رہیں گے خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، مشورہ میں شریک کرنا ان کی خاطر داری کے لیے تھا۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عبداللہ کو خلیفہ بنانے کے بارے میں کہا: تو آپ نے کہنے والے کو سختی سے ڈانٹ دیا، عشرہ مبشرہ میں اس وقت سعید بن زید بقید حیات تھے لیکن آپ نے ان کو مشورہ میں شامل نہیں فرمایا کیوں کہ وہ حضرت عمر کے قریبی رشتہ دار تھے۔

(فتح الباری کتاب المناقب مناقب عثمان)

تاریخ وفات: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۲۶؍ذی الحجہ بدھ کے دن ۲۳ھ میں زخمی کیا گیا، یکم محرم الحرام چاندرات کی صبح آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کی وفات دوسرے قول کے مطابق ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ وصال کے سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں لیکن علامہ ابن اثیر نے پہلے کو صحیح قرار دیا ہے۔ مدت خلافت دس سال پانچ ماہ اکیس دن ہے۔ اورآپ کی عمر مبارکہ تریسٹھ سال ہوئی۔ (حضوصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری عمر کے مطابق ہے) آپ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک پہلوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں دفن کیا گیا۔ (اسد الغابہ ج ۴۔ص: ۱۶۶)

وصال کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تخت پر رکھا گیا، آپ کے

صاحبزادے حضرت عبداللہ نے آپ کو غسل دیا۔عبداللہ بن عمر،عثمان بن عفان۔سعید بن زید،اور عبدالرحمن بن عوف نے آپ کو قبر میں اتارا۔(اسد الغابہ ج ۴،ص:۱۶۶)

بعدِ وصال حضرت عمر کا جسم نظر آنا: تقریباً تریسٹھ سال دنیا میں رہ کر شجاعت وبسالت اور رشد وہدایت کا یہ آفتاب دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا،مگر آغوشِ لحد نے اسے خدائے تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اپنے اندر محفوظ کرلیا،ان کے جسم نازنین کو مٹی متغیر نہ کرسکی،یہی حال ہوتا ہے اولیاء اللہ کا،اور انبیائے کرام کی شان تو بہت ہی بلند وبالا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ہشام اپنے باپ حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں: ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب حجرہ عائشہ کی (شرقی) دیوار گر گئی،لوگوں نے اس کی تعمیر شروع کی تو ایک قدم ظاہر ہوا اس پر لوگ گھبرا گئے،لوگوں نے یہ گمان کیا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم ہے۔کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس بارے میں جانتا ہو یہاں تک کہ حضرت عروہ (جو جانتے تھے) نے کہا خدا کی قسم یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم نہیں ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم مبارک ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ولید کا زمانۂ خلافت ۸۶ھ سے شروع ہو کر ۹۶ھ پر ختم ہوتا ہے اور حضرت عمر کا وصال ۲۳ھ میں ہوا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقریبا ۷۰ رسال بعد بھی زمین آپ کے قدم ناز میں بھی تغیر نہ کرسکی۔

حضرت عائشہ کی گواہی کہ عمر زندہ ہیں: جب تک حجرہ عائشہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آرام فرما تھے تب تک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجاب کا وہی معاملہ رکھتی تھیں جو اپنے شوہر یا باپ کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں مدفون ہوئے تو معاملہ بدل گیا۔علامہ ابن حجر نے ابن سعد سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے ”لم اضع ثیابی منذ دفن عمر فی بیتی،، جب سے حضرت عمر کو میرے گھر میں دفن کیا گیا میں نے اضافی کپڑے (ڈوپٹہ

وغیرہ) نہیں اتارے۔ (کیوں کہ حضرت عمر آپ کے محارم سے نہیں تھے)

(فتح الباری کتاب المناقب باب قصة البيعة والا تفاق علی عثمان رضی الله عنه)

ام المومنین کے اس عمل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ حضرت عمر کو زندہ جانتی اور مانتی تھیں تبھی تو ان کی تربت کے نزدیک حجاب کا مکمل لحاظ فرماتی تھیں۔ الحمد للہ یہی عقیدہ اہل سنت وجماعت (مسلک اعلیٰ حضرت) کا ہے۔

یہ تھے فارق حق و باطل، امام الھدیٰ، تیغ مسلول شدت، ہم زبان نبی، اور ترجمان نبی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخشندہ سیرت کے چند نمونے جو آج تک امت مسلمہ کے لیے منارہ نور ہیں اور صبح قیامت تک نسل انسانی کے لیے ضیا پاشی کرتے رہیں گے۔

قادر و قیوم مولیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین حضرات کی غلامی نصیب فرمائے۔ (آمین)

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارق حق و باطل امام الہدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمان نبی ہم زبان نبی
جان شان عدالت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه وخلفائه اجمعين۔

★★★

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ تعالیٰ نے عرب کے باشندوں پر خصوصی اور پوری دنیا پر عمومی کرم فرمایا کہ اس نے امیوں کے درمیان امام کائنات کو مبعوث فرمایا، بخت کے ان تاجوروں کا کیا کہنا جو نبی رحمت کے دامن الفت سے لپٹ گئے، یا خود نبی امت نے آگے بڑھ کر انہیں شامیانہ رحمت کے تلے کھینچ کر آتشِ جہنم سے بچالیا تھا، تھے وہ کسی زمانہ میں بدکردار، اب وہ معلم کائنات کی صحبت سے فیضیاب تھے، کردار ساز تھے، عشق ومحبت کا آبشار تھے، ان کے سینے خوفِ خدا سے معمور، قول کے سچے، عہد کے پکے، ان کا ظاہر عمدہ، اور باطن عمدہ تر تھا، تھے وہ کسی زمانہ میں جاہل، اجڈ اور گنوار، اب تو وہ علم وعرفان کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن تھے، انہوں نے اس سمندر میں اس کثرت سے غوطہ خوری کی کہ وہ خود حکمت ودانائی کے دریا بن گئے، ایسے دریا کہ زمانہ اس کی پیمائش کرنے سے عاجز تھا، اخلاق ریشم سے زیادہ نرم ہو چکا تھا، ان کی ذاتیں شب دیجور میں ستارہ تھیں۔ تھے وہ کسی زمانہ میں بے حیا، فحش گو اور بدزبان، اب تو وہ کان حیا کے پڑوسی اور تلامذہ تھے ان سے بے حیائی دور تھی وہ بے حیائی سے نفور تھے ان میں سے بعض تو حیا کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے، انسان تو رہے انسان فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔ یہ ہیں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو حضور کے ایسے منظور نظر ہوے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دولخت جگر نور نظر بیٹیاں ان کے عقد سے منسلک کر دیں، ذوالنورین سے

ملقب ہوئے، اسلام کے سخی اعظم بنے، جاہز جیش عسرت کہلائے اور زبان نبوت سے جنتی اور شہید جیسے باوزن القاب پائے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اتفاق واتحاد، محبت ومؤدت عفو ودرگذر اور ایثار وقربانی کی ایسی تعلیم پائی کہ خود شہید ہو گئے لیکن مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی کو پسند نہیں فرمایا، جن کی دولت نے نہ جانے کتنی مرتبہ اسلام کو سہارا دیا، مسلمانوں کی آبرو بچائی اور ان کی غم خواری فرمائی، بعض مرتبہ تو ان کی فیاضی پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بحر رحمت میں تلاطم برپا ہو گیا اور آپ نے ان کے مستقبل کی ضمانت لیتے ہوئے فرمایا: اب عثمان جو چاہیں کریں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا ہے۔

نام ونسب: آپ کا نام عثمان ہے، نسب نامہ اس طور پر ہے عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف قرشی اموی پانچویں پشت حضرت عبد مناف پر جاکر ان کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام اروی بنت کریز ہے، آپ کی نانی ام حکیم البیغاء ہیں، ام حکیم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے، اس رشتہ سے حضرت عثمان کی والدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

(الاصابہ ج ۴، ص: ۲۲۳، اسدالغابہ ج ۳، ص: ۵۷۸، تاریخ الخلفاص: ۱۱۸ تا ۱۱۹)

پیدائش وکنیت: صحیح قول پر آپ کی پیدائش واقعہ فیل کے چھ سال بعد ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی اسلام لانے کے بعد جب حضرت رقیہ کے شکم اطہر سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہو گئی۔

(تاریخ الخلفاص: ۱۱۹)

حلیۂ مبارکہ: آپ نہ بہت لمبے تھے نہ پست قد بلکہ آپ کا قد میانہ تھا، چہرہ

خوبصورت، رنگ گورا سرخ رنگت لیے ہوئے، چہرے پر چند چیچک کے نشان تھے، داڑھی مبارک گھنی، ہڈیاں چوڑیں، کاندھے کشادہ، پنڈلیاں بھری ہوئی، ہاتھ لمبے جن پر بالوں کی کثرت تھی، بال گھنگھرالے، دانت بہت زیادہ خوبصورت سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے، کنپٹی کے بال کانوں تک تھے، آپ پیلے رنگ کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔ (تاریخ الخلفاص:۱۱۹)

''البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۲۸ میں ہے ''**وقیل کان فی وجهه شی ء من آثار الجدری**'' کہا گیا ہے کہ ان کے چہرے پر چیچک کا کچھ اثر تھا اس سے سمجھ میں آتا ہے چیچک کے اثر والا قول ضعیف ہے اور اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو لفظ شی بتارہا ہے کہ چہرۂ مبارکہ پر ایک آدھ نشان تھا جس سے حسن پر کچھ اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات حسن اور دوبالا ہوجاتا ہے۔

یکتائے روزگار حسن: مذکورہ بالا تشریح کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جس انسان کے چہرے پر چیچک کے نشان ہوں اس کے حسن میں کمی آجاتی ہے حالاں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ آپ تو حسن میں یکتائے روزگار تھے۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں ''کان عثمان بن عفان اجمل الناس''، حضرت عثمان لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔

حضرت عبداللہ بن حزم مازنی فرماتے ہیں: میں نے حضرت عثمان سے زیادہ خوبصورت انسان نہیں دیکھا، نہ مردوں میں اور نہ ہی عورتوں میں۔

حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں: مجھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک برتن میں گوشت دے کر حضرت عثمان کے گھر بھیجا میں نے دیکھا کہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ جلوہ بار ہیں اور حضرت عثمان بھی موجود ہیں کبھی میں حضرت رقیہ کو دیکھتا اور کبھی حضرت عثمان کی طرف نظر کرتا جب واپس ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

کیا تم گھر کے اندر داخل ہوے تھے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے پوچھا "هل رأيت زوجا احسن منهما" اے اسامہ! کیا تم نے ان دونوں سے زیادہ خوبصورت میاں بیوی دیکھے ہیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان دونوں سے زیادہ خوبصورت شوہر و بیوی میری آنکھوں نے نہیں دیکھے۔

فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''غالباً یہ واقعہ آیتِ حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہے'' (خطبات محرم ص:۱۵۱)

حضور جانتے ہیں: مختصر تاریخ دمشق میں یہ ایمان افروز روایت قدرے تفصیل سے درج ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہدیہ لے کر اسامہ کو حضرت عثمان کے پاس بھیجا حضرت اسامہ تاخیر سے آے اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے اسامہ! تاخیر سے کیوں واپس آے ہو؟ حضرت اسامہ کچھ جواب دیتے اس سے پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو میں خود ہی تمہارے تاخیر سے آنے کا سبب بیان کر دیتا ہوں پھر غیب داں نبی نے فرمایا: تمہاری تاخیر سے آنے کی وجہ یہ ہے کہ تم ایک نظر حضرت عثمان کو دیکھتے تھے اور ایک نظر میری لخت جگر رقیہ کو دیکھتے کہ ان دونوں میں کون زیادہ خوبصورت ہے حضور کا بیان سن کر حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے بے شک اسی چیز نے مجھے روکے رکھا تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق تذکرۃ عثمان بن عفان)

اس روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ذکر فرمایا ہے۔ (ایضاً ج ۴، ص: ۲۲۳)

خاندانی وجاہت و عام حالات: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی اہمیت و اقتدار کا حامل تھا، آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس رؤساے قریش میں سے تھے۔ خلفاے بنی امیہ، امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اموی کہلاے۔ ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے عام غزوات میں

رئیس قریش کی حیثیت سے لشکر قریش کی قیادت کی، اموی تھے۔ غرض یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان شرافت ریاست اور غزوات کے اعتبار سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے بعد کوئی اور خاندان شرافت وسیادت میں آپ کے خاندان کا ہم پایہ نہ تھا۔ اہل عرب کے عام معمول کے برعکس انہوں نے بچپن میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور عہد شباب میں کاروبار شروع کر دیا اور اپنی فطری صداقت، دیانت، اور نیک روش کے باعث غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ (مقالات سعیدی ص: ۱۹۳)

قبولِ اسلام: آپ سابقین اولین میں شامل ہیں بلکہ حضرت ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، اور حضرت زید بن حارثہ کے بعد ایمان لانے والے چوتھے مسلمان ہیں۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۱۹، اسد الغابہ ج ۳ ص: ۵۷۸)

اس تفصیل کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اس وقت ایمان لائے جو اسلامی دعوت کا بالکل ابتدائی دور ہے اور ماحول اتنا خطرناک کہ کلمہ پڑھنا لوہے کے چنے چبانے سے زیادہ بھاری اور دشوار کام ہے مگر توفیقِ خداوندی جس کی حمایت کرتی ہے اس کے لیے سارے مراحل بالکل آسان ہو جاتے ہیں۔ حالات کی ناسازگاری، زمانہ کا نامساعد رویہ، مخالفین کے حملے اور دشمنوں کی یلغار بھی انسان کو اس کے مقصد میں کامیاب ہونے سے نہیں روک پاتی۔ عالم پر کفر وشرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں، چاروں طرف باطل پرستی کا دور دورہ ہے، اچانک افق عالم پر آفتابِ ہدایت جلوہ گر ہو گیا ہے، لوگوں نے آفتابِ ہدایت کی کرنوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے گھروں کی سخت حد بندی اور ناکہ بندی کر رکھی ہے کہ اس ہدایت کی کوئی کرن ان کے ظلمت کدوں کو ضیاء خانوں میں تبدیل نہ کر دے مگر پھر بھی ہدایت کی کرنیں حدود وقیود کے دبیز پردوں سے چھن چھن کر اہل مکہ کو فیضیاب کر رہی ہیں۔ انہیں حالات میں عثمان ایک دن اپنی خالہ سعدی بنت کریز کے گھر جا پہنچے، عثمان کی خالہ قوم کی کاہنہ بھی تھی، ان کی خالہ نے چند اشعار گنگنائے جن میں عثمان کے لیے کئی چیزوں کی بشارت تھی۔ خصوصیت کے ساتھ شر سے بچنے اور خیر کو پا لینے کا مژدہَ

جانفزا تھا اور عظیم الشان انسان کی بیٹی سے ان کا نکاح بھی اس بشارت کا حصہ تھا، جب حضرت عثمان نے اپنی خالہ سے ان کے ذریعہ کہے گئے اشعار پر تبصرہ چاہا تو سعدی بنت کریز نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا تذکرہ چھیڑ دیا اور فرمایا: سنو! محمد بن عبداللہ، اللہ کی طرف سے رسول ہیں انہیں کے دین میں فلاح ہے، ان کی قربت کامیابی کی ضمانت ہے۔

حضرت عثمان فرماتے ہیں: جب میں اپنی خالہ کے پاس سے رخصت ہوا تو میرا پورا وجود خالہ کی کہی ہوئی باتوں سے متاثر تھا اور میں ان کے کلام میں غور وخوض کرنے میں مصروف تھا اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ میرے اور حضرت ابوبکر کے درمیان روابط استوار تھے ان کے یہاں آنا جانا تھا صبح میں ان کی مجلس میں حاضر ہوگیا، میرے چہرے پر پڑی تفکر کی لکیریں حضرت ابوبکر کی حساس نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکیں اور انہوں نے مجھ سے میرے معاملہ کا سوال کرلیا میں نے ان کے سامنے اپنی خالہ کی گفتگو نقل کردی میری گفتگو سن کر آپ نے فرمایا: اے عثمان! تم ایک تجربہ کار عقل مند انسان ہو تمہیں قدرت نے اس لائق بنایا ہے کہ تم حق وباطل میں خط فاصل کھینچ سکتے ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ پتھر کے خود تراشیدہ مجسمے جن کی پوجا ہماری پوری قوم کرتی ہے یہ نرے گونگے اور اندھے ہیں، میں نے کہا بیشک آپ سچ فرما رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا: تمہاری خالہ نے حق اور سچ بات کہی ہے محمد بن عبداللہ، اللہ کی طرف سے مخلوق کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے ہیں اور وہ اللہ کے پیغمبر ہیں اگر تم چاہو تو چل کر خود ان کی باتیں سن سکتے ہو میں نے کہا کیوں نہیں ضرور ان کی باتیں سننا چاہیے۔

اس گفتگو کے بعد ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ کی جنت قبول کرلو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اور پوری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے حضور کے یہ الفاظ سننے کے بعد کفر پر جمے رہنا میری طاقت سے باہر ہو چکا تھا میں نے حضور کے سامنے پڑھا

"شهدت ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله"

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۳،ص:۹)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب میں ایمان لے آیا تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: میں حضور کے سامنے ملک شام کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جب ہم معان اور زرقاء کے درمیان تھے تو کسی کہنے والے نے کہا اے سونے والو! دوڑو مکہ میں احمد مختار کی آمد ہو چکی ہے، جب ہم آئے تو ہم نے آپ کے بارے میں یہ سب کچھ سنا۔ (ایضاً ج ۳،ص: ۵۲)

آزمائش: عثمان کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوئے، اپنے خدا کے پیارے اور محبوب دوعالم کی آنکھ کے تارے ہوئے، لیکن بانیانِ کفر یہ کب پسند کر سکتے تھے کہ کوئی انسان کفر وشرک کی نجاستوں کو چھوڑ کر اسلام کی طہارت ونظافت سے ہم آغوش ہو جائے بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ شیطان کو یہ کب برداشت ہو سکتا تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ جہنم کے عذاب الیم سے بچ کر جنت کا مکیں بن جائے اہل مکہ طیش میں آ گئے بیگانے تو رہے بیگانے اپنوں نے بھی نگاہ کرم پھیر لی، نہ صرف کرم کی نظر پھیر لی بلکہ خود سب سے بڑھ کر ظالم اور اتیاچاری بن گئے، کفر کے دلداداؤں کی اسلام دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جو سزائیں غیروں کے لیے بھی روا نہیں رکھتے تھے انہیں سزاؤں کو وہ خود اپنے جگر کے ٹکڑوں پر نافذ کر دیتے تھے، اگر ان کے لاڈلے اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ گزیں ہو جاتے۔

عثمان اسلام کیا لائے ان پر مصائب وآلام کا کوہِ گراں ٹوٹ پڑا تھا، ان کا سگا چچا حکم بن ابی العاص آپ پر اتنا غضب ناک ہوا کہ آپ کو رسیوں سے باندھ دیا، ساری آزادی آپ سے چھین لی گھر میں قید کر کے ڈال دیا اور دادا گیری کرتے ہوئے حضرت عثمان سے بولا تمہاری یہ ہمت کہ تم اپنے آباواجداد کے دین سے برگشتہ ہو کر ایک نئے دین سے منسلک ہو جاؤ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا خدا کی قسم میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس نئے دین سے باز نہیں آ جاتے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی قوتِ عزائم کو جمع کرتے ہوئے دوٹوک فیصلہ سنا دیا چچا! تم جو چاہو کر لو خدا کی قسم نہ میں کبھی

اسلام چھوڑ سکتا ہوں اور نہ اس سے جدا ہو پانا میرے لیے ممکن ہے، جب چچا نے بھتیجے کا یہ عزم، حوصلہ اور مذہب پر ان کی استقامت کا یہ منظر دیکھا تو اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۲)

دامادِ پیغمبر: حضرت عثمان ایمان قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں محبوب ہو چکے تھے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی انعام واکرام کے مستحق بن چکے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کرم کی بارش کرتے ہوئے ایسی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ زمانہ بھر کی نعمتیں ان کا بدل نہیں بن سکتیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے داماد کے طور پر حضرت عثمان کو منتخب کر لیا، اس انتخاب سے حضرت عثمان کا مقام بھی نمایاں ہو گیا کیوں کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب کوئی انسان اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے تو اپنے ہونے والے داماد سے متعلق بڑی ہی سنجیدگی سے غور وفکر کرتا ہے، ہمنواؤں اور حاشیہ نشینوں سے مشورہ کرتا ہے جب سارے حالات سے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا ہے تب جا کر وہ اپنی بیٹی کے نکاح کا فیصلہ کرتا ہے اور پھر ذاتِ خلاصۂ کائنات جب اپنی بیٹی کا رشتہ کر رہی ہو تو اس نے کیا کچھ نہ دیکھا ہو گا لہٰذا حضور کے اس فیصلہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عثمان اخلاق وکردار، سیرت وصورت میں امتیازی شان کے مالک تھے کہ حضور نے انہیں اپنا داماد منتخب فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا مگر اعلانِ نبوت کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب نے اسلام دشمنی کی وجہ سے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر حضرت رقیہ کو طلاق دلوا دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا تقریباً چودہ سال تک حضرت عثمان کو حضور کی صاحبزادی کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ بیمار ہو گئیں آپ ان کی تیمارداری میں مصروف رہے اور حضور کے حکم کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان

کو اہل بدر میں شمار کیا اور ان کے حصہ کا مال غنیمت بھی انہیں عطا فرمایا، اس بیماری میں حضرت رقیہ حد درجہ کمزور ہوگئیں، جاں بر نہ ہوسکیں اور وصال فرما گئیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ (مقالات سعیدی ص: ۱۹۴، تاریخ الاسلام للذہبی ج ۳، ص: ۴۶۸، الاصابہ ج ۴، ص: ۲۲۳، اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۷۹)

ام کلثوم کے انتقال پر حضور کا فرمان: تاریخ الخلفا میں ہے کہ حضرت ام کلثوم کا انتقال ۹ھ مدینہ منورہ میں ہوا۔

جب حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا تو حضور نے حضرت عثمان سے فرمایا: اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی تم سے کر دیتا بلکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا: اگر میری چالیس لڑکیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب کو میں حضرت عثمان کے نکاح میں دے دیتا یہاں تک کہ کوئی بھی بیٹی باقی نہ رہتی۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۷۹)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا: جب میری بیوی رقیہ بنت رسول اللہ کا انتقال ہوا تو میں بہت رویا، تو سرکار نے مجھ سے پوچھا اتنا کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: میرا جو حضور سے رشتۂ دامادی تھا وہ اب منقطع ہوگیا ہے حضور نے فرمایا: روؤ نہیں جبرئیل نے مجھے اللہ کا حکم سنا دیا ہے کہ میں رقیہ کی بہن کا رشتہ تمہارے ساتھ کر دوں۔ (الریاض النضرہ ج ۳، ص: ۱۱)

ذوالنورین: امام بیہقی نے عبداللہ بن عمر بن ابان سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ماموں نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین کیوں قرار پایا؟ میں نے عرض کیا: نہیں تو آپ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک حضرت عثمان کے سوا کسی بھی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں، حضرت عثمان ہی وہ شخص ہیں جنہیں یہ فضیلت حاصل ہے اس لیے انہیں ذوالنورین

کہا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان وہ ہیں جنہیں ملاء اعلیٰ مـیں ذو النورین کہا جاتا ہے اور حضور نے انہیں دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ (تاریخ الخلفاص:۱۱۹)

ہجرت: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صاحب ہجرتین ہیں۔ پہلے آپ نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اس ہجرت میں آپ کے ساتھ آپ کی زوجۂ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ جل مجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تھیں، حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں آپ کو اولیت حاصل ہے آپ کے بعد دوسرے لوگوں نے ہجرت کی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اپنی زوجہ رقیہ کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، کچھ عرصہ تک کسی انسان نے بھی آ کر حبشہ کی کوئی خبر نہیں دی یہاں تک کہ ایک خاتون حبشہ سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے آپ کے حال چال معلوم کیے، اس خاتون نے اپنا مشاہدہ حضور سے عرض کیا پھر حضور نے دعا دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے سائے ان دونوں پر دراز فرمائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان ایسے مسلمان ہیں کہ جنہیں اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کرنے میں اولیت حاصل ہے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی باب الھجرۃ الاولیٰ الی الحبشہ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ ہجرت کرنے کے بعد بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر پھر مکہ تشریف لائے اور مکہ شریف سے آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، جب آپ مدینہ شریف پہنچے تو حضرت حسان بن ثابت کے بھائی حضرت اوس بن ثابت کے مہمان رہے اسی بنیاد پر حضرت حسان بن ثابت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا تو حضرت حسان نے بہت گریہ کیا۔ (اسد الغابہ ج ۳،ص:۵۷۹)

مواخات: مدینہ شریف ہجرت کر کے جانے والے صحابہ اور مدینہ کے انصار صحابہ کے درمیان محبت کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے

ایک انوکھا طریقہ اپنایا، طریقہ یہ تھا کہ دو متفرق مقامات سے تعلق رکھنے والے صحابہ کو آپس میں ملا کر رشتۂ مواخات قائم کر دیا جاتا اس منصوبے کے تحت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اوس بن ثابت کو حضرت عثمان کا بھائی قرار دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳،ص: ۵۳)

حضرت عثمان اور نزولِ قرآن: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک کی آیتوں کا نزول ہوا۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۶۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۶۲﴾

''وہ جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دینے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔''

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یہ آیت حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام کے لیے ایک ہزار اونٹ مع سامان پیش کیے اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار درہم صدقہ کے بارگاہِ رسالت میں حاضر کیے اور عرض کیا کہ میرے پاس کل آٹھ ہزار درہم تھے نصف میں نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے رکھ لیے اور نصف راہ خدا میں حاضر ہیں۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو تم نے دیے اور جو تم نے رکھے اللہ تعالیٰ دونوں میں برکت فرمائے۔ (خزائن العرفان)

سورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾

''عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے (نصیحت ماننے سے) وہ بڑا بد بخت دور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔'' (ترجمہ، کنزالایمان)

اس آیت سے متعلق علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں ایک منافق تھا اس کا ایک درخت ایک انصاری صحابی کے گھر پر جھکا ہوا تھا اس کے پھل صحابئ رسول کے گھر میں گر جاتے تھے صحابی نے حضور سے پورا واقعہ عرض کیا سرکار نے درخت والے کو بلایا جس کا نفاق ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس سے فرمایا: تم اپنا درخت انصاری کے ہاتھ بیچ دو اس درخت کے بدلے تمہیں جنت کا درخت ملے گا لیکن منافق نے وہ درخت انصاری صحابی کو نہ دیا، حضرت عثمان کو جب اس بات کا علم ہوا کہ منافق نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانی ہے تو آپ نے ایک پورا باغ دے کر اس درخت کو خرید لیا اور وہ درخت انصاری صحابی کو ہبہ کر دیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت عثمان کی تعریف اور منافق کی مذمت بیان کی گئی۔ اس آیت میں (من یخشٰی) ڈرنے والے سے مراد حضرت عثمان اور (الاشقٰی) بد بخت سے مراد منافق ہے۔

(روح البیان ج ۱۰، ص: ۴۱۵، خطبات محرم ص: ۱۵۵)

احادیث میں حضرت عثمان: احادیث کے صفحات پر الفاظ کی صورت میں فضائل حضرت عثمان کے بکھرے ہوئے چمکدار موتی ایک طرف اہل ایمان کی نگاہوں کو روشن کر رہے ہیں تو دوسری طرف ان کے معانی کی چمک سے مومنین کے قلوب منور ہو رہے ہیں۔

یہ سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اس کو کامل طور پر جمع کر پانا مجھ جیسے ہیچ مداں کے لیے ناممکن ہے ہم یہاں چند موتیوں کو چن کر اپنے اور قارئین کے قلب و نظر کو روشن کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں:

حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے فضائل کا جو باب باندھا ہے۔اس باب میں دو مرتبہ زبان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عثمان کے لیے جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے،امام بخاری فرماتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بیر رومہ کو کھدوائے اس کے لیے جنت ہے، حضرت عثمان نے وہ کنواں کھدوایا (اور جنت کے حقدار ہو گئے) اور فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو جیش عسرت کے لیے سامان فراہم کرے اس کے لیے جنت ہے تو حضرت عثمان نے اس لشکر کے لیے سامان فراہم کر دیا (اور جنت کے حقدار ہو گئے)

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری ارشاد فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور دروازے کی حفاظت کے لیے مجھے مامور فرمایا اتنے میں ایک شخص تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی (میں نے سرکار سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:) ان کو اندر آنے کی اجازت بھی دے دو اور ساتھ ہی جنت کی بشارت بھی سنا دو، دروازہ کھولا تو یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، پھر ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت مانگی، اس پر بھی سرکار نے یہی ارشاد فرمایا: آنے کی اجازت بھی دو اور جنت کی بشارت بھی، دروازہ کھولا تو یہ حضرت عمر تھے، پھر تیسرے شخص نے دستک دی اور اندر آنے کی اجازت مانگی اس مرتبہ سرکار تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا: انہیں بھی اندر آنے کی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دو لیکن ایک مصیبت جو انہیں پہنچے گی اب جو دیکھا تو یہ حضرت عثمان تھے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر وعمر اور حضرت عثمان بھی تھے تو پہاڑ تھر تھرانے لگا حضرت انس فرماتے ہیں: میرے گمان میں سرکار نے احد کو ٹھوکر لگائی اور پھر فرمایا: اے احد ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک روز حضور اکرم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت کدے میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا ہوا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور آنے کی اجازت چاہی اجازت مل گئی وہ اندر آئے اور حضور اسی انداز سابق پر آرام فرمارہے اور گفتگو جاری رہی پھر حضرت عمر نے حاضر بارگاہ ہونے کی اجازت چاہی انہیں بھی اجازت مرحمت فرمائی یہ بھی اندر داخل ہوئے اور حضور جیسے آرام فرما تھے ویسے آرام فرماتے رہے پھر حضرت عثمان حاضر ہوئے اور داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اپنے کپڑوں کو سنبھالا اور پھر حضرت عثمان کو اندر آنے کی اجازت عطا فرمائی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: جب یہ سب لوگ چلے گئے تو میں بارگاہِ رسالت میں عرض گذار ہوئی حضور کیا وجہ رہی میرے باپ حضرت ابوبکر آئے اور آپ جیسے آرام فرما تھے ویسے ہی رہے پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے آپ کا انداز وہی رہا لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا حضرت عائشہ کی اس عرض پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الا استحیی من رجل تستحی منه الملائكة" اے عائشہ میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں جس سے ملائکہ حیا کرتے ہیں۔ (صحیح المسلم کتاب المناقب)

جنت خرید لی: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں یہ بات بالکل محتاج بیان نہیں ہے جیسا کہ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے، ترمذی کے علاوہ کثیر احادیث کتب میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس کے سوا متعدد مرتبہ زبانِ رسالت سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی بشارت سنائی گئی آنے والی حدیث میں عطا و بخشش، عشق و محبت، اور حسن اعتقاد کا ایسا انوکھا امتزاج ہے کہ جسے دیکھنے کے بعد بدعقیدگی اور بدمذہبی کی ساری بنیادیں مسمار ہوجاتی ہیں لیکن ع

شرط انصاف ہے ہر بات میں اے بندہ نواز

لٰہذا آیئے چشم بینا کھولیے پڑھیے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انداز طلب

اور پھر اپنے رسول کا اختیار ملاحظہ کیجیے ساتھ ہی ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے لیے عثمان کا دھڑکتا دل ان کے سینے میں موجزن خیر کے جذبات اور ان کی شان سخا کے مناظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیے اور آئینۂ دل پر نقش کر لیجیے۔

حضرت بشیر اسلمی فرماتے ہیں: جب مسلمان مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف آئے تو وہاں کا پانی پینے لائق نہ تھا، میٹھے پانی کا چشمہ صرف قبیلۂ غفار کے ایک آدمی کے پاس تھا اس چشمہ کا نام رومہ تھا وہ پانی مول دیا کرتا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو بلا کر فرمایا "تبیعھا بعین فی الجنۃ" کیا تم اس کو جنت کے چشمہ کے بدلے بیچنا پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس اس کے سوا دوسرا کوئی کنواں نہیں ہے میں یہ سودا نہیں کر سکتا (وہ شخص تو یہ کہہ کر چلا گیا) جب اس سودے کی خبر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو اس چشمہ کو پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰/درہم میں خرید لیا اور پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! جو سودا آپ فلاں صاحب سے کر رہے تھے کیا مجھ سے کریں گے؟ اگر میں اس کنویں کو خرید لوں۔ مالک و مختار نبی نے فرمایا: ہاں عثمان میں تم سے بھی وہ سودا کرنے کے لیے تیار ہوں بس زبانِ رسالت سے سننا تھا کہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ "قد اشتریتھا وجعلتھا للمسلمین" میں نے اس کو خرید لیا اور مسلمانوں کے لیے اس کو وقف کر دیا۔

(تاریخ اسلام للذہبی ج ۳، ص: ۱۷۴، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۱۷)

جنت کی خریداری اور ابو ہریرہ کی گواہی: مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دو مرتبہ جنت خرید لی ہے ایک مرتبہ جب آپ نے بیر رومہ کو خریدا تھا اور دوسری مرتبہ جیش عسرت کو تیار کر کے۔ (تاریخ اسلام للذہبی ج ۳، ص: ۱۷۴)

حضور نے جنت فروخت کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید لیا اور حضرت ابو ہریرہ نے اس کو بیان بھی کیا اور پھر آج تک علما اس کو اپنی اپنی کتابوں میں

بیان کرر ہے ہیں کیا اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ نبی کو اختیار ہے کہ نہیں، ہے تو پھر کتنا ہے؟ صرف یہی نہیں اس جیسے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اختیارات وتصرفات کا بزبانِ حال اعلان کرر ہے ہیں۔ جن سے کتب احادیث وسیر معمور ہیں اور یہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب** میں اور اسکے سوا بھی کئی دوسری کتب میں بیر رومہ کی خریداری سے متعلق یہ روایت ہے کہ بیر رومہ ایک یہودی کا تھا اس کی خریداری دو مرتبہ ہوئی پہلی مرتبہ آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں اور پھر نصف آخر آٹھ ہزار درہم میں خریدا گیا۔

(باب حرف العین ص: ۵۴۵)

غزوات میں شرکت: مدینہ شریف جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوا تھا اس کی فضائیں اسلام کے پودے کو نشو ونما دینے میں معین و مددگار ثابت ہو رہی تھیں، اسلام کا کارواں رفتہ رفتہ منزل کی طرف گامزن تھا اس کارواں کے ساتھیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی مسلمان بڑے خوش تھے کیوں کہ اس سرزمین پر ان کے آقا کا مشن انہیں کامیاب ہوتا نظر آرہا تھا اور خود آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات پر شاداں اور فرحاں تھے کہ رب ذوالجلال کے پرستار تیزی کے ساتھ بڑھ رہے تھے یہاں بہت سارے لوگ ایسے بھی تیار ہو گئے تھے جو ھادیٔ اعظم کے راستہ میں بچھائے جانے والے کانٹوں کو اپنی پلکوں سے چن چن کر راہ کو ہموار کرنے کا کامل حوصلہ رکھتے تھے یہ بات جہاں مومنین کے لیے راحتِ جاں تھی وہیں مشرکین کے لیے ہلاکت خیز بھی کیوں کہ ان کے لیے خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی انہیں کفر کے ایوان سرنگوں ہوتے نظر آرہے تھے شرک کی مضبوط چٹانوں میں بھی شگاف پڑتا دکھائی دے رہا تھا اب وہ اپنی طرف سے کسی بھی تساہلی اور بزدلی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے ان کے لیے اسلام کے بڑھتے قدم کو روکنا یا کم از کم اس کی رفتار کو کم کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو کرۂ ارض سے مٹانے کا منصوبہ جنگ بدر کی صورت میں تیار کیا جو اسلام اور کفر کے بیچ پہلی جنگ کہلائی۔

حضرت عثمان بدری صحابی ہیں: مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے کفر سر پرستوں نے طاقت کو جمع کرنے اور اسلام پر سخت حملہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وہ یہ سوچ کر ہی میدان جنگ میں کودے تھے کہ اسلام کے ساتھ یہ ان کی آخری اور فیصلہ کن جنگ ہو گی، اسکے بعد اگر کچھ مسلمان بچ بھی گئے تو وہ اس قابل نہ ہوں گے کہ ان کے اور ان کے مذہب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں، ادھر مسلمان مادی طاقت سے خالی ضرور تھے لیکن پیغمبر اسلام نے انہیں جو عزم، حوصلہ اور استقامت کی طاقت بخشی تھی وہ کسی بھی مرحلہ میں نا قابل تسخیر تھی، مسلمانوں کی قوت ارادی نے ان کا معیار اتنا بلند کر دیا تھا کہ انسان تو رہے انسان، جن اور دیؤوں سے ٹکرانے میں بھی انہیں کوئی توقف نہ تھا وہ تو صرف اور صرف اپنے پیغمبر اور قائد کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے۔

دونوں لشکر میدان جنگ میں خیمہ زن ہیں حضور کے تقریباً سارے صحابہ میدان بدر میں جذبۂ سرفروشی کے ساتھ حاضر ہیں لیکن حضرت عثمان نہ کسی خیمہ میں نظر آرہے ہیں اور نہ ہی بدر کے میدان میں چلتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں، کیا تن پروری اور بزدلی نے انہیں میدان جنگ میں جانے سے روک دیا ہے؟ اگر اس قسم کا فاسد نظریہ، اور بیہودہ فکر کسی ذہن میں جگہ بنانے کی کوشش کریں گی تو حقائق وشواہد اور دلائل کا موجیں مارتا سمندر اس قسم کے ہر فساد اور ہر خباثت کو خس وخاشاک سے زیادہ ذلت کے ساتھ بہا کر نیست ونابود کر دے گا حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہی سب کچھ ہوا کرتا تھا حضور فرماتے چلو تو چل دیتے، حکم ملتا ٹھہر جاؤ تو فوراً پڑاؤ ڈال دیتے، سونے کا حکم ملتا تو سو جاتے، جب جاگنے کا حکم ملتا تو بیدار ہو جاتے، میدان جنگ میں حاضری کا حکم ملتا تو پوری مستعدی کے ساتھ نذرانۂ جاں حاضر کر دیتے اور جنگ کے ایام میں شہر میں ٹھہرنے کا حکم مل جاتا تو عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہتے ہوئے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے بس یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان میدان جنگ کے بجائے مدینہ شریف میں حاضر ہیں۔

ابھی آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ جنگ بدر کا زمانہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی لخت جگر نور نظر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کا زمانہ ہے حضرت رقیہ حضور کی بیٹی ہیں اور حضرت عثمان کی زوجہ ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ ہی میں ٹھہریں اور حضرت رقیہ کی تیمارداری میں مصروف رہیں۔ لہٰذا حضرت عثمان رہے مدینہ شریف میں لیکن اپنی مرضی سے نہیں کسی کاہلی کی بنیاد پر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے اور یہ حضور کا اختیار ہے کہ عثمان کے مدینہ شریف میں رہتے ہوئے بھی انہیں بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی عنایت فرمایا اور بدریوں کا اجر وثواب بھی عنایت فرمایا۔ حضور نے فرمایا "ان لك اجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه" (بخاری) اس لیے حضرت عثمان اصحاب بدر میں شامل ہیں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قاصد فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ شریف میں داخل ہوا اس وقت حضرت رقیہ دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر چکی تھیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص: ۵۴۴ حرف العین)

غزوۂ احد میں حضرت عثمان شریک رہے لیکن اپنے ہی ساتھیوں کی اجتہادی خطا سے جنگ کے حالات بدل گئے اور جنگ نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی، اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک غلط خبر پھیلا دی گئی کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر دیا گیا تو کچھ صحابہ جنگ چھوڑ کر چلے گئے کہ جب حضور ہی نہ رہے تو اب لڑ کر کیا کریں گے حضرت عثمان بھی انہیں صحابہ میں شامل تھے یہ ایک اجتہادی لغزش تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے صحابہ سے متعلق معافی کا اعلان فرمادیا جیسا کہ بخاری کتاب المناقب میں یہ حدیث موجود ہے۔

نبی کی نیابت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب خود غزوے کے لیے تشریف لے جاتے تو عادت کریمہ یہ تھی کہ کسی صحابی کو اپنا نائب بنا کر مدینہ شریف میں متعین کر جاتے، یہ سعادت حضرت عثمان کو دو مرتبہ حاصل ہوئی، پہلی مرتبہ غزوۂ ذی امر میں حضور نے اپنا نائب

بنایا، اور دوسری مرتبہ غزوۂ ذات الرقاع میں سرکار نے انہیں مدینہ شریف میں اپنا خلیفہ بنایا۔
(مغازی للواقدی حج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالناس سنۃ عشر)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خندق، خیبر، فتح مکہ، ہوازن، طائف اور جنگ تبوک وغیرہ تمام غزوات میں حاضر رہے بعض غزوات میں آپ کی نمایاں خدمات کے انوار آج بھی تاریخ اسلام کو روشنی فراہم کر رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۵۰)

تفسیر ضیاء القرآن میں علامہ پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں:

غزوۂ حدیبیہ: مدینہ طیبہ میں مہاجرین وانصار جنہیں بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین رکھتا تھا، اپنی اس خواہش کا اظہار وہ بارگاہِ رسالت میں بھی کرتے رہتے تھے، حضور انہیں صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یقین دلاتے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تم بڑی آسانی کے ساتھ حج وعمرہ ادا کر سکو گے۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ نوید جانفزا سنائی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن وسلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، یہ سن کر صحابہ کرام کی خوشی کی حد نہ رہی، انہوں نے اللہ کریم کی حمد وشکر کے نعرے بلند کیے اور یہ خبر آنِ واحد میں سارے شہر میں پھیل گئی، صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم کا خواب عام خواب نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے اور اس میں ہماری دیرینہ آرزو کے برآنے کی بشارت دی گئی ہے، اتنا تو انہیں یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا، لیکن کس طرح ہوگا اس کے بارے میں مختلف وسوسے پریشان کرنے لگے، کیا قریش کے ساتھ جنگ ہوگی اور انہیں شکست دے کر مسجد حرام میں داخل ہونگے؟ کیا وہ زور بازو سے اہل مکہ کو شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیں گے؟ کیا اہل مکہ خود بخود ان کے لیے دروازے کھول دیں گے؟ بہر حال سفر کی تیاریاں زور وشور سے شروع ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ سے باہر جو قبائل مسلمان ہو چکے تھے انہیں بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں شریک ہوں۔

یکم ذیقعدہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں عشاق کا یہ قافلہ سوئے

حرم روانہ ہوا، اس کی تعداد چودہ صد اور پندرہ صد کے درمیان تھی، حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے ستر اونٹ قربانی کے لیے ساتھ تھے ان کے گلوں میں قلادے ڈال دیے گئے تھے تا کہ پہچان ہو سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں، یہ قافلہ جب مدینہ طیبہ سے چھ سات میل دور ذوالحلیفہ نامی گاؤں میں پہنچا تو سب نے عمرہ کا احرام باندھا، ان کے پاس ایک ایک تلوار تھی وہ بھی میان بند، اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا، ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، قریش کو جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں میں وسوسوں اور اندیشوں کے طوفان امڈ آئے انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ تو محض اک بہانہ ہے، اصل مقصد مکہ پر قبضہ کرنا ہے، انہوں نے طے کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضور جب عُسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر واقع ہے تو بنی کعب قبیلہ سے ایک آدمی ملا حضور نے اس سے قریش کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ انہیں آپ کی روانگی کی خبر ہو چکی ہے، وہ مکہ سے نکل کر ذوطویٰ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے ہیں، انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے، نیز انہوں نے آپ کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دوصد شہسواروں کا دستہ خالد بن ولید کی قیادت میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔ یہ بستی عسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صد حیف! قریش کو جنگوں نے کھو کھلا کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئے، کیا حرج تھا اگر وہ میرے اور دیگر عرب قبائل کے درمیان حائل نہ ہوتے، اگر عرب قبائل ہمارا خاتمہ کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ بخشتا تو وہ اپنی عددی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے، اور اگر اس وقت بھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تو پھر مجھ سے

جنگ کرتے، اس وقت وہ طاقتور ہوتے۔ آخر میں حضور نے فرمایا: "فما تظن قریش! فواللہ لا ازال اجاھد علی الذی بعثنی اللہ بہ حتی یظھر ہ اللہ او تنفرد ھذہ السالفہ"۔ ترجمہ: قریش کیا سوچ رہے ہیں بخدا میں اس دین کے لیے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردے یا میری زندگی ختم ہوجائے؟

حضور نے جنگ وجدال سے بچنے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچیں حضور نے پوچھا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو کسی غیر معروف راستہ سے ہمیں مکہ لے جائے؟ ایک شخص نے حامی بھر لی؛ چناں چہ ایک نہایت ہی کٹھن اور دشوار گذار راستہ پر چل کر حضور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، یہ جگہ حرم شریف کی سرحد پر واقع ہے، اس طرح خالد کے گھوڑ سوار دستہ سے ٹکراؤ ٹل گیا اور قریش کی یہ تدبیر ناکام ہوگئی کہ مسلمانوں کو راستہ ہی میں الجھا لیا جائے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو حضور کی ناقہ قصویٰ بیٹھ گئی، لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے، نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انما حبسھا حابس الفیل عن مکۃ" "اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا حضور نے حکم دیا یہیں فروکش ہوجاؤ! لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں، سارے کنویں خشک پڑے ہیں، یہاں لشکر اسلام نے قیام کیا تو پانی کی نایابی کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔" حبیب پاک نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کنویں میں اتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے انہوں نے تعمیل ارشاد کی، تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر ابلنا شروع ہوگیا دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

قریش بضد تھے کہ وہ کسی قیمت پر آگے نہیں بڑھنے دیں گے، حضور کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہونے پائے اور سارے معاملات حسن وخوبی سے طے پا جائیں، اسی اثنا میں بدیل بن ورقاء جو بنی خزاعہ قبیلہ کا سردار تھا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور کی

خدمت میں آیا اور حضور سے آمد کا مقصد پوچھا حضور نے اسے بتایا کہ ہم حج کے ارادے سے نکلے ہیں، بیت اللہ کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں یہاں لے آیا ہے، جنگ کرنے کا ہمارا قطعاً کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ہم کسی بہانے سے مکہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں، احرام کی دو چادریں ہمارے زیب تن ہیں، قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ ایک تلوار لے کر ہم تمہارے ساتھ اتنی مسافت طے کر کے لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں بدیل کو اطمینان ہو گیا؛ چناں چہ وہ اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے آئے ہیں، جنگ کرنے کا ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں؛ تم ان کا راستہ نہ روکو، قریش نے اسے ڈانٹ دیا اور صاف کہا کہ تم بدو لوگ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے! ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چند قبائل جنہیں احابیش کہا جاتا تھا مکہ کے نواح میں آباد تھے۔ قریش کے ساتھ ان کا دوستانہ معاہدہ تھا، مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اہل مکہ کو ان کی بڑی ضرورت تھی، یہ لوگ بلا کے تیر انداز اور جنگجو تھے۔

اہل مکہ نے ان کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا، تاکہ وہ مجبور کرے کہ حضور واپس چلے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضور نے اس کی بات نہ مانی تو وہ برافروختہ ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری طاقت استعمال کرے گا۔ حضور نے جب اسے اپنی لشکر گاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کی قطاریں اس کے سامنے سے گزارو، حلیس نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت متأثر ہوا، حضور سے گفتگو کیے بغیر قریش کے پاس آ گیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آ کر بیان کر دیا، اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان نہ جنگ کرنے کی غرض سے آئے ہیں اور نہ مکہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہے، اس کی بات سن کر قریش کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی۔ اسے کہا او بدو! بیٹھ جاؤ، تمہیں ان چیزوں کا کیا علم ہے؟ حلیس غصہ سے بے قابو ہو گیا اور انہیں کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس لیے دوستی نہیں کی کہ زائرین کعبہ کا راستہ روکنے کے لیے تمہاری امداد

کریں، اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں اپنے قبیلہ کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا، قریش اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ ذرا صبر سے کام لو ہمیں سوچنے کا موقع دو، اس کے بعد اہل مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جا کر گفتگو کرے، اور انہیں واپس چلے جانے پر آمادہ کرے۔

اپنے پہلے سفیروں کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ وہی سلوک کرو گے اس لیے یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہوں۔ قریش نے اسے یقین دلایا کہ اس کی شخصیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس کی دانائی اور فراست پر کلی اعتماد ہے؛ چناں چہ وہاں سے روانہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اور بڑی سلیقہ مندی سے گفتگو کا آغاز کیا، کہنے لگا کہ مکہ آپ کی قوم کا مرکز ہے، اگر آپ ان آوارہ منش لوگوں کی فوج اکٹھی کر کے اس پر حملہ کر کے اس کو ویران کر دیں اور یہاں کے باشندوں میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیں گے تو یہ داغ پھر کبھی نہیں مٹے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر اس کی گفتگو سن رہے تھے، جب اس نے یہ آخری بات کہی تو آپ کو یارائے ضبط نہ رہا اور کڑک کر فرمایا: اولات کے غلیظ چیتھڑے کو چومنے والے! تم نے کیا کہا؟ کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ عروہ نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گیا، عرب کے دستور کے مطابق عروہ اثنائے گفتگو کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کو چھو لیتا، حضرت مغیرہ جو پاس کھڑے تھے اس کے ہاتھ کو سختی سے جھٹک دیتے اگرچہ آپ عروہ کے ممنون احسان تھے کہ اس نے ان کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خون بہا ادا کیا تھا جو ان سے قبل از اسلام قتل ہوئے تھے۔ عروہ نے حضور سے تبادلہ خیال کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ حضور کا مقصد نہ اہل مکہ سے جنگ کرنا ہے اور نہ مکہ پر قبضہ کرنا ہے، بلکہ حضور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ حج بیت اللہ کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔

چناں چہ اسلامی کیمپ میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب واپس گیا تو اس نے

اہل مکہ کو اپنے مشاہدات کے نتیجہ سے آگاہ کیا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیں، انہیں حج و زیارت سے نہ روکیں، وہ چند دن یہاں ٹھہر کر واپس مدینہ چلے جائیں گے، اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ قیصر و کسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن جاں نثاری اور عقیدت کے جو جذبات اس نے غلامانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دلوں میں موجزن دیکھے ہیں ان کی نظیر کہیں بھی نظر نہیں آئی، وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں، اگر وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی کا قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور اپنے سینوں پر مل لیتے ہیں، اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجالانے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ میں نے اطاعت کیشی، جاں نثاری، خلوص اور محبت کے یہ دلکش مناظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے میں نے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ہے اب جو تم مناسب سمجھو وہ کرو۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جو روش اختیار کر رکھی تھی، انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے طول و عرض میں اس کا ردِعمل ان کے خلاف ہوگا، لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ قریش کعبہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ مالک ہیں انہیں یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہیں وہاں آنے دیں اور جس کو چاہیں وہاں آنے سے روک دیں، قریش کی کوشش تھی کہ اہل مکہ کے اذہان میں ان کے متعلق یہ تأثر پیدا نہ ہو، یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ مسلمانوں پر برملا حملہ کرنے سے گریزاں تھے، ان کی یہ خواہش تھی کہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کر دیں۔ چناں چہ انہوں نے بار بار ایسی حرکتیں کیں، جس سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے، ایک دفعہ رات کی تاریکی میں ان کے چالیس پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے، اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع

کردی، مسلمانوں نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے جنگ کو آگے پھیلنے نہیں دیا بلکہ ان سب کو گرفتار کر کے حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو آزاد کر دیا، اس طرح قریش کی اس سازش کو ناکام بنادیا، ایک روز مسلمان صبح کی نماز ادا کرنے میں مصروف تھے تنعیم کی طرف سے ۸۰؍آدمیوں کے ایک دستہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ لیکن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے لیے بھی عفو عام کا اعلان کر دیا، یوں قریش کی دوسری سازش بھی ناکام بنادی گئی۔

حالات کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر رہے تھے، اہل مکہ نے جتنے سفیر بھیجے تھے مسلمانوں کی حسن نیت کے بارے میں وہ خود تو مطمئن ہو کر آئے لیکن اہل مکہ کو مطمئن نہ کر سکے۔ چنانچہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کی طرف بھیجا کہ یہ اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر ورسوخ کے باعث اہل مکہ کی غلط فہمیوں کو دور کر سکیں اور قریش کو اس پر آمادہ کر سکیں کہ مسلمانوں کو زیارت وطواف کعبہ سے نہ روکیں۔ (ضیاء القرآن ج ۴،ص: ۵۲۷)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سارے صحابہ کے درمیان سے حضرت عمر کے مشورہ کے مطابق حضرت عثمان کو چنا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی نظر میں سب سے زیادہ عزت ووقار کے مالک تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶،ص: ۲۱۴)

عشقِ رسول: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقار اور عزت کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے عشق رسول کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی عشق ہے کہ جس کی بدولت حضرت عثمان قرب الٰہی اور رتبے کی بلندی کی انگنت سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ عشق کے سوز وگداز کو علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ الباری کے رس گھولتے ہوئے الفاظ میں پڑھیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مکہ والوں سے جا کر کہیں کہ ہم لوگ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کر

کے یعنی صفا و مروہ کی سعی اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے لوٹ جائیں گے، بے خطر ہمیں حرم میں آنے کی اجازت دیں۔

سرکا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ پیغام لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ شہر میں پہنچ کر انہوں نے سردارانِ مکہ سے ملاقات کی اور انہیں ساری تفصیل بتائی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں تھے کہ کسی نے قافلے میں یہ خبر اڑا دی کہ انہیں کفار مکہ نے شہید کر دیا۔ اس خبر کے مشتہر ہوتے ہی صحابۂ کرام میں سخت اضطراب و ہیجان برپا ہو گیا۔ صحابۂ کرام کی بیتابی دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک درخت کے نیچے سب کو جمع کیا اور اس بات پر ہر شخص سے عہد لیا کہ اگر یہ خبر صحیح ہوئی تو خونِ عثمان کا انتقام لینے کے لیے جان تک کی بازی لگا دی جائے گی، ویسے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حقیقت مخفی نہیں تھی کہ یہ خبر غلط ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ و سلامت ہیں جیسا کہ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر جب سب لوگ بیعت کر چکے تو آخیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک دست کریم کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے ہاتھ کو اس پر رکھ کر ان کی طرف سے بھی بیعت لی۔ اگر حضور کے علم میں وہ زندہ نہ ہوتے تو ہرگز انہیں بیعت میں شریک نہ فرمایا جاتا، کیوں کہ وفات یافتہ آدمی سے کسی معاہدہ پر اقرار لینا قطعاً بے معنی ہے۔

اسی موقع پر بعض صحابہ کرام نے نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سے پہلے مکہ پہنچ گئے یقیناً انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کر لیا ہوگا، حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، عثمان بغیر ہمارے خانۂ کعبہ کا طواف نہیں کریں گے۔

صحابہ نے پھر دریافت کیا کہ آخر کون سی چیز انہیں طواف سے مانع ہوگی، جب کہ وہ حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا: ان کا جذبۂ

اخلاص کبھی انہیں اجازت نہیں دے گا کہ وہ بغیر ہمارے طواف کرلیں۔

چناں چہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے تو صحابہ نے ان سے کہا کہ آپ نے تو خانہ کعبہ کا طواف کرلیا ہوگا، یہ سن کر ان کا چہرہ سرخ ہوگیا، عشق وایمان کا جذبۂ اخلاص انگ انگ سے پھوٹ پڑا، بپھرے ہوئے جذبات میں جواب دیا: میرے ساتھ اس سے زیادہ سخت بدگمانی اور کیا ہوسکتی ہے کہ میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خدا کے گھر کا طواف کرلیتا، خدا کا گھر موجود تھا لیکن گھر کی چوکھٹ پر رہتے ہوئے بھی گھر والے سے ہمارا کیا رشتہ تھا؟ عرفان خداوندی کا یہ سارا تقرب تو رسول ہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ انہیں کے دم قدم سے خدا کے ساتھ ہماری روحوں کا سر رشتہ وجود میں آیا ہے۔ بھلا میں انہیں چھوڑ کر کس منہ سے دربار خداوندی کا رخ کرتا!

قسم خدا کی ایک سال بھی مجھے انتظار کرنا پڑتا تو میں اپنے رسول کریم کے انتظار میں ایک سال تک خانہ کعبہ کا طواف ملتوی رکھتا۔ قریش کے سرداروں نے بار بار مجھ سے اصرار کیا کہ میں خانہ کعبہ تک آگیا ہوں تو طواف کرلوں، لیکن میں نے ہر بار انکار کیا کہ اپنے رسول کے بغیر ہرگز طواف نہیں کروں گا، چاہے خانہ کعبہ میرے پیش نظر ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جواب نے خانۂ خدا اور حبیب خدا کا فرق اتنا واضح کردیا ہے کہ مظاہر خداوندی میں رسول کی حیثیت سمجھنے کے لیے اب فکر ونظر کا کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ اب یہ راز پوری طرح واشگاف ہوگیا کہ خداشناسی کی منزل میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام عرفان کیا ہے؟ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ مشرب کچھ ان کی ذات کے ساتھ خاص نہیں تھا، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ وجہ بتا کر کہ ان کا جذبۂ اخلاص کبھی اجازت نہیں دے گا کہ وہ میرے بغیر طواف کرلیں، واضح کردیا ہے کہ عشق وعرفان کا مزاج ہی یہی ہے۔ (بزبانِ حکایت، ص: ۴۷، ۵۰)

ہم اپنے قارئین کو بتاتے چلیں کہ اسلام میں اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ صحابہ کرام نتائج سے بے خبر ہوکر ہادی اعظم اور کائنات کے مرشد اعظم کے دست حق پرست

پر جان دینے اور سر کٹانے کا وعدہ کر رہے ہیں، سر فروشی اور جاں فگنی کا یہ روح پرور منظر چشم فلک نے اپنی تخلیق سے لے کر آج تک کب دیکھا ہوگا، ان پاک طینت عشاق کے جذبۂ ایثار کو دیکھ کر عالم بالا کے مکینوں کو وجد آ گیا ہوگا۔

کائنات کے خالق و مالک اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے غلاموں کے رب نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں کی اس جاں فروشی کو قبول فرما لیا۔ بحکم پروردگار روح الامین علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور شمع جمال مصطفیٰ کے پروانوں کو یوں مژدہ جاں فزا سنایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ﴿الفتح ۱۰﴾ اور فرمایا: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴿الفتح ۱۸﴾ ان آیات میں ایک طرف خداوند قدوس نے اپنی رضا و خوشی کا اعلان فرمایا تو دوسری طرف اپنے محبوب کے دست کرم کی عظمت اجاگر فرما دی کہ میرے محبوب کے ہاتھ میں ہاتھ دینا گویا دست قدرت نے تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ کی یہ عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو "ید الله" فرمایا ہے، کائنات میں کوئی ایسا ہاتھ ہے جسے ید اللہ کہا گیا ہو؟ یقیناً ہمارے نبی کے سوا اور کسی کا ہاتھ پوری کائنات میں اس شان کا حامل نہیں۔

حضرت عثمان کی عظمت: اب آپ حضرت عثمان کی عظمت سمجھیں کہ حضرت عثمان مکہ میں تھے، سرکار کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکے، لیکن سرکار نے انہیں محروم نہیں چھوڑا، بلکہ اپنے داہنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور یہ حضرت عثمان کی بیعت ہوگئی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں نے اپنے ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے کر بیعت کی تھی لیکن حضرت عثمان کے لیے حضور نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ فرمایا تو حضرت عثمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دست مبارک اس سے اچھا تھا کہ لوگ خود اپنے ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے کر بیعت کر رہے تھے۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب)

غزوۂ تبوک: ۹ ھ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے سفر فرمایا، اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ روم کے بادشاہ نے عرب میں پائی جانے والی اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر سخت حملے کی تیاری کی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اس کے اس خبیث ارادے پر مطلع ہوئے تو آپ نے آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنا مناسب سمجھا۔(الکامل فی التاریخ سنۃ تسع، ج ۲ ص:۱۴۹)

اس غزوے کی مزید تفصیل ہم ضیاء القرآن سے پیش کر رہے ہیں:

مکہ جو اب تک کفر وشرک کا ناقابل تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا، ۸ ھ میں فتح ہوا، اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے بے خانماں مہاجرین وانصار نے پھر حرم خلیل میں توحید کا پرچم لہرایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عرب کے بیشتر قبائل خود بخود آکر مشرف باسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا اثر ونفوذ جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے ہمسایہ ممالک میں بھی محسوس ہونے لگا، عرب خصوصاً حجاز کا بے آب وگیاہ خطہ کسی فاتح کے لیے اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا، اسی لیے دائیں بائیں دو جابر سلطنتیں ہونے کے باوجود کسی نے اسکو زیرنگیں کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں کے داخلی حالات سے بھی انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے جو انقلاب روپزیر ہو رہا تھا اس کی اطلاع وقتاً فوقتاً قیصر روم تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی، کیوں کہ اسے یقین تھا کہ یہ ایک داخلی معاملہ ہے اور اس میں اتنی تاب نہیں کہ کسی دن اس کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکے لیکن اسی اثنا میں چند واقعات رونما ہوئے جنہوں نے اسے نئی طاقت کی اہمیت کا احساس دلا دیا۔

دوسرے بادشاہوں کی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بصریٰ کے حاکم شرحبیل کی طرف بھی دعوت اسلام دینے کے لیے اپنا مکتوب اپنے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا لیکن شرحبیل نے اسے قتل کر دیا۔ ذات الطلع کے باشندے مدینہ طیبہ سے پندرہ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ اس غرض سے لے آئے کہ وہ انہیں دین اسلام سکھائیں گے، لیکن انہوں

نے بھی غدر کیا اور مسلمانوں کو سوائے ایک کے سب کو شہید کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان شہدا کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ شرحبیل ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا، اور ہرقل کا بھائی تھیوڈور بھی ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر اس کی امداد کو پہنچا۔ تین ہزار مجاہدین کے سامنے اب دو لاکھ فوج صف بستہ تھی۔ مسلمان بھی کب ٹلنے والے تھے، جنگ شروع ہوئی یکے بعد دیگرے تین مسلمان جرنیلوں، زید بن ثابت، جعفر بن ابی طالب، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جام شہادت نوش کیا۔

ان کے بعد حضرت خالد نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا تھاما، اور اس بے جگری اور جاں بازی سے اپنے سے چھیاسٹھ گنا فوج کا مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیے، اب ہرقل کی آنکھیں کھلیں کہ عرب کے جن صحرا نوردوں کو وہ خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا ان کے بازو اتنے مضبوط اور ان کی تلواریں اتنی تیز ہیں کہ اس کی دو لاکھ فوج بھی انہیں شکست نہ دے سکی۔ انہی دنوں میں یہ واقعہ بھی ظہور پزیر ہوا کہ ہرقل کی عرب فوج کا ایک اعلیٰ افسر فروہ بن عمرو جذامی مشرف با سلام ہو گیا۔ ہرقل نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یا تو اس نئے دین سے تائب ہو کر اپنا سابقہ مذہب (عیسائیت) اختیار کر لو ورنہ سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس نے بڑی خوشی سے جان دے دی، لیکن اپنے ایمان سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ ان واقعات نے ہرقل کو چوکنا کر دیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی مسلمانوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دے گا۔ چناں چہ اس نے زور و شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خود بڑھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔

رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ دوربیں دور افق پر نمودار ہونے والے فتنہ وفساد کے بادلوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی، چناں چہ حضور نے بھی شام پر چڑھائی کا عزم فرما لیا، حالات بڑے ناساز گار تھے، ملک میں عام قحط سالی کا دور دورہ تھا، گرمی کا موسم تھا، چلچلاتی دھوپ اور جھلسا دینے والی لو غضب ڈھا رہی تھی ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی

تھی۔صحابہ فرماتے ہیں: جب جہاد پر جانے کا حکم ہوا تو شدت کی گرمی تھی، باغات میں کھجوریں پک رہی تھیں، کھجوریں کھانے، ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایے میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔(ضیاء القرآن ج ۲ ص: ۱۷۴، ۱۷۳)

حب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوے کی تیاری کا حکم دیا خصوصاً مالی تعاون کی تلقین فرمائی تو اپنے آقا سے محبت کرنے والے مردانِ وفا کیش اپنا اپنا مال لے کر آقائے کریم کے قدموں میں ڈھیر کرنے لگے، یہاں تک کہ عورتوں نے اپنے کان کی بالیاں اور گلے کے ہار بھی بارگاہ نبی میں حاضر کردیے، اس موقع پر غنی وفقیر، امیر وغریب سارے ہی صحابہ نے نذرانہ مال ودل لٹانے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن بعض جاں نثاروں کا معاملہ تو سب سے جدا اور الگ تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر اپنی پوری زندگی کی کمائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کردی تھی، مگر اس موقع پر جتنا مالی تعاون حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش فرمایا تھا اتنا کوئی دوسرا صحابی پیش نہ کرسکا۔(ایضاً ملخصاً)

حضرت عثمان کی فیاضی: حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صحابہ کرام کو جیش عسرت سے متعلق مالی تعاون کی طرف رغبت دلا رہے تھے، حضور کا ارشاد سن کر حضرت عثمان اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میں اللہ کے راستہ میں سو اونٹ مع پالان دوں گا، حضور نے پھر ترغیب دلائی حضرت عثمان پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! دوسو اونٹ مع پالان میرے ذمہ ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پھر رغبت دلائی حضرت عثمان پھر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! تین سو اونٹ مع پالان اللہ کی راہ میں دوں گا، حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضور منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور آپ فرمارہے تھے: ''ما علیٰ عثمان ما عمل

بعد ما علی عثمان ما عمل بعد" آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل نقصان نہ دے گا۔

(سنن الترمذی ابواب المناقب)

حضرت عبداللہ بن سمرہ روایت کرتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے وہ دینار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں ڈال دیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی گود میں دیناروں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرمارہے تھے "ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم" آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں گے انہیں نقصان نہ دے گا۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش عسرت کے وقت نوسو پچاس اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کیے تھے، اس طرح آپ نے ایک ہزار جانور پیش کیے، بلکہ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ص:۵۴۶)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کے پاس جیش عسرت میں مدد کی خاطر کسی کو بھیجا تو حضرت عثمان نے دس ہزار دینا حضور کی بارگاہ میں حاضر کیے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات سواوقیہ سونا پیش فرمایا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص:۱۷)

ایک اعتراض: حضرت عثمان سے متعلق ذکر کردہ روایات میں بہت تضاد ہے کیوں کہ کہیں تین سو اونٹ کا ذکر ہے، تو کہیں نوسو پچاس اونٹوں کا ذکر ہے وغیرہ، لہٰذا یہ ساقط الاعتبار ہیں۔

جواب: حدیث کی باریکیاں سمجھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ ساری روایات کے درمیان تطبیق کرنا ممکن ہے، وہ اس طور پر کہ حضرت عثمان نے جیش عسرت کے موقع پر کئی مرتبہ مالی تعاون پیش فرمایا۔ پہلے تین سو اونٹ مع پالان

بارگاہ نبوی میں حاضر کیے۔ پھر سفر خرچ کے طور پر ایک ہزار دینار حاضر کیے۔ پھر جب آپ کو پتہ چلا کہ اتنے جانور کافی نہیں ہوں گے تو آپ اور جانور بڑھاتے چلے گئے، جب زاد راہ کم محسوس ہوا تو آپ نے مزید دینار عطا کیے لہٰذا اس میں کوئی تضاد نہیں۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۱۷)

مجہز جیش عسرت: ہماری ذکر کردہ روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جتنا مال حضرت عثمان نے پیش فرمایا صحابہ میں کوئی اتنی بڑی مقدار میں مال دے کر لشکر اسلام کی مدد نہ کر سکا، اس لیے غزوۂ تبوک کی تیاری کا سہرا مسلمانوں نے حضرت عثمان کے سر پر باندھا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ کو مجہز جیش عسرت کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

شانِ عثمان: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکرر، سہ کرر فرمایا: آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھلی چھٹی دے دی ہے کہ حلال یا حرام جو مرضی آئے کرو، تم سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عثمان کی صالحیت پر مکمل اعتماد تھا، اور آپ کو کامل یقین تھا کہ عثمان سے کوئی ناجائز اور حرام کام ہو ہی نہیں سکتا۔ یوں تو تمام خلفاے راشدین پر سرکار کو یقین تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی ناجائز یا حرام کام نہیں کرے گا، اس لیے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ لیکن یہ شرف اور مقام صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا کہ حضور نے اپنے اس یقین کا حضرت عثمان کے بارے میں برملا اظہار کر دیا، کہ جاؤ جو مرضی آئے کرو تم سے کوئی نہیں پوچھے گا، کیوں کہ حضور جانتے تھے کہ حضرت عثمان تاحیات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ سرکار کا یہ فرمان درحقیقت حضرت عثمان کی اطاعت شعاری اور وفاداری کی سند تھی، مستقبل کے تفکرات اور آخرت کے خطرات سے

محفوظ رکھنے کا سہرا تھا اور یہ ایسا سہرا تھا جو حضور نے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عثمان کے سر باندھا تھا۔ (مقالات سعیدی ص:۱۹۹ تا ۲۰۰)

کاتب وحی: ابتدا میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمان نے بچپن ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، دیانت و امانت اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھی، لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ اعزاز بھی بخشا کہ عثمان کو کاتبین وحی میں شامل کرلیا۔ وحی کی کتابت کوئی معمولی منصب نہیں یہ منصب حاصل ہونا گویا عظمت و بزرگی کا تاج مل جانا ہے جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عثمان کے کاتب وحی ہونے کو ان کی عظمت و قبولیت کی دلیل بنایا۔

ایک خاتون نے آکر ام المومنین سے عرض کیا کہ آپ عثمان کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ لوگ ان کے بارے میں طعنہ کشی کرتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اللہ اس پر لعنت فرمائے جو حضرت عثمان پر لعنت کرے۔ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اپنی فخذ (ران مبارک ــــــ) حضرت عثمان سے ٹکائے ہوئے تھے، اور میں حضور کے چہرۂ انور سے پسینہ صاف کررہی تھی، اور حضور نے ان کے عقد میں یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ وحی نازل ہو رہی تھی اور فرمارہے تھے اے عثمان لکھو! حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی بارگاہ میں یہ مرتبہ اسی کو عطا فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کا مکرم بندہ ہوگا۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۱۸، ص: ۱۰۷ حدیث ۲۶۱۲۵)

بیعت وخلافت: آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ شہادت میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلیفہ کے انتخاب کا حق ایک کمیٹی کے سپرد کردیا تھا، اسی کمیٹی نے کس طور پر خلیفہ کو منتخب فرمایا، اس کو ہم بخاری شریف کی پیش کردہ حدیث کے بقیہ حصہ کے ذریعہ بیان کررہے ہیں:

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن سے فراغت ہوگئی، تو مذکورہ بالا افراد اکٹھا

ہوئے اور حضرت عبدالرحمن نے ان لوگوں سے کہا تم لوگ اپنا حق اپنے میں سے تین کو دے دو۔اس پر زبیر نے کہا: میں نے اپنا حق علی کو دے دیا، اور طلحہ نے کہا کہ میں نے اپنا حق عثمان کو دیا۔اور سعد نے کہا کہ میں نے اپنا حق عبدالرحمن بن عوف کو دیا۔اب عبدالرحمن نے علی اور عثمان سے کہا: تم دونوں میں سے جو شخص کنارہ کش ہوگا ہم اسی کو سپرد کردیں گے۔ پھر وہ اللہ کو گواہ بنا کر اور اسلام کی ترقی کو سامنے رکھ کر اپنے جی میں ضرور غور کرے کہ کون افضل ہے؟ دونوں حضرات خاموش رہے۔اس پر عبدالرحمن نے کہا کیا آپ لوگ اسے میرے سپرد کرتے ہیں؟ بخدا میں یہی کوشش کروں گا کہ آپ لوگوں میں جو افضل ہو اسی کو میں دوں۔ان دونوں حضرات نے فرمایا: ہاں۔اس کے بعد انہوں نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور کہا آپ کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو رشتہ داری ہے اور اسلام میں جو سبقت ہے وہ آپ جانتے ہیں۔اللہ آپ کا سب حال جانتا ہے۔اگر میں آپ کو امیر بناؤں تو آپ ضرور انصاف کریں گے اور اگر میں عثمان کو امیر بناؤں تو آپ یقیناً ان کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔اس کے بعد خلوت میں جا کر دوسرے سے وہی بات کہی۔جب پختہ عہد لے لیا تو کہا اپنا ہاتھ بڑھاؤ اے عثمان! اور ان کی بیعت کی، پھر حضرت علی نے ان کی بیعت کی اور اہل مدینہ اندر داخل ہوئے اور سب نے ان کی بیعت کی۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب)

حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اس وقت جو صورت حال تھی اس کے پیش نظر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از خود کسی کو ولی عہد بنانا پسند نہیں فرمایا۔اور ایک مجلس شوریٰ بنادی جس میں سبھی عشرۂ مبشرہ کے افراد تھے۔سبھی انتہائی ذہین وفطین، اسلام اور مسلمانوں کے مخلص، سابقین اولین میں سے تھے۔جن پر اس وقت بھی اور آج بھی پوری امت کا اعتماد تھا اور ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طرف عوام سے مل کر ان کا رجحان معلوم

کرتے رہے، اور دوسری طرف خود بھی غور و خوض کرتے رہے۔ انہوں نے ان دونوں باتوں سے یہی اندازہ لگایا کہ حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا جانا ہی ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے بڑی خوبصورتی سے پہلے اپنے حق سے خود دست برداری کر لی۔ پھر حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی دست برداری کا اقرار کرالیا۔ اور انتخاب کا حق سب سے پہلے اپنے لیے لے لیا کہ جسے وہ منتخب کر دیں اسے سب تسلیم کر لیں اس طرح انہوں نے بڑی خوبصورتی اور دانشمندی سے اس اہم معاملے کو طے کیا۔ (نزہۃ القاری ج ۷، ص: ۱۲۳)

تاریخ بیعت: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پیر کے دن عمل میں آئی جبکہ ذی الحجہ ۲۳ ھ کی صرف ایک رات باقی تھی۔ آپ نے یکم محرم الحرام ۲۴ ھ کو امور خلافت سنبھال لیے، جب آپ اپنا پہلا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! پہلی مرتبہ سواری پر سوار ہونا دشوار ہوتا ہے آج کے بعد بہت سارے دن ہیں اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ آپ سے خطاب کروں گا، اور میں کوئی خطیب نہیں ہوں، مجھے امید ہے کہ عنقریب میرا مولیٰ مجھے خطاب سکھا دے گا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۵۹ تا ۶۰)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے تین دن بعد عمل میں آئی تھی اور الاستیعاب وغیرہ کتب میں بیعت کا دن یوم السبت (ہفتہ) بیان کیا گیا ہے۔ (الاستیعاب ص: ۷۵۴، اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۸۵)

البدایہ والنہایہ کے مصنف نے تاریخ بیعت کے سلسلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض اقوال کو انہوں نے غریب اور اغرب قرار دیا ہے۔ ان کے انداز بیان سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک بیعت کی صحیح تاریخ ۳ محرم الحرام ۲۴ ھ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۱۴)

پہلا سنگین مقدمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابھی تخت خلافت پر متمکن بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک عظیم مقدمہ ان کے انتظار میں تھا، امور خلافت سنبھالتے ہی اس مقدمہ نے آپ کا استقبال کیا، مقدمہ بڑا نازک تھا اور سنگین بھی، اس مقدمہ کی حقیقت یہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے والا ابولؤلؤ فیروز تھا جس نے خود کشی کر لی تھی لیکن مدینہ شریف میں یہ بات بحث کا باعث بن گئی کہ ابولؤلؤ اگرچہ حملہ کرنے میں تنہا ہے لیکن قتل کی سازش رچنے میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ کو یہ خبر ملی کہ ابولؤلؤ کو اس خبیث عمل کی طرف مائل کرنے میں ایک حفینہ نامی نصرانی ہے اور دوسرا ہرمزان صاحب تستر ہے۔ لہٰذا حضرت عبید اللہ نے جوش غضب میں ہرمزان اور ابولؤلؤ کی ایک بیٹی پر حملہ کر کے تینوں کو قتل کر ڈالا۔

البدایہ والنہایہ کی راویت کے مطابق حضرت عمر ہی نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فیصلہ بعد والے خلیفہ کے حوالہ کر دیا۔ جبکہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص نے انہیں پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر دیا۔ بہر حال اب مقدمہ حضرت عثمان کی عدالت میں تھا، آیا یہ کہ حضرت عبید اللہ کو ان کے قصاص میں قتل کر دیا جائے یا انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اگر قتل کیا جاتا ہے تو کل باپ کے دفن سے فراغت ہوئی ہے اور آج ان کا لخت جگر تلوار کی بھینٹ چڑھ جائے گا، اور اگر یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے تو اسلام کے قانون کے ساتھ دو رخی پالیسی ہوگی۔ جب مرضی پڑے، تو ضعفاء اور گم نام لوگوں پر قانون نافذ کر دیا جائے اور جب قانون کی زد میں کوئی بھاری بھرکم اثر ورسوخ والی شخصیت آجائے تو اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ معاملہ کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ مشیر حضرات بھی مشوروں میں دو طرف منقسم ہو گئے ایک فریق چاہتا تھا کہ عبید اللہ کو قتل کیا جائے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مشورہ تھا اور دوسرے مہاجرین کا مشورہ تھا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کل حضرت عمر کو شہید کر دیا گیا ہے اور آج ان کے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ معاملہ آپ کے خلیفہ بننے سے پہلے کا ہے اور آج آپ کو ولایت حاصل ہے۔ اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بڑا عمدہ فیصلہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: میں اس مسئلہ کو دیت میں تبدیل کرتا ہوں، اور میں عبید اللہ کا ولی ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے

دیت ادا کرتا ہوں۔ آپ نے اپنے ذاتی مال سے مقتول کی دیت ادا کی۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص: ۴۶۷، البدایہ والنہایہ ۱۰ ص: ۲۱۷)

حکام کی طرف خطوط: تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد آپ نے امراء اور حکام کی طرف خطوط روانہ فرمائے۔ یہ حکام یا تو کسی شہر کے والی تھے، یا جنگی امور کے ذمہ دار تھے، یا نماز پڑھانے پر مامور تھے، یا پھر کسی بیت المال کے امین تھے۔ آپ نے انہیں نیکی کرنے کا حکم دیا اور برائیوں کے ارتکاب سے منع فرمایا تھا۔ اللہ جل مجدہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی تاکید فرمائی تھی اور قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات سے مجتنب رہنے کا حکم دیا تھا۔

اسی سال آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر منتخب فرمایا، بطور عامل یہ پہلی تقرری تھی جو آپ نے خلیفہ بننے کے بعد انجام دی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص: ۲۱۸)

حضرت عمرو بن عاص کی معزولی: ۲۷ھ میں آپ نے امیر مصر حضرت عمرو بن عاص کو معزول کر دیا، اور ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا امیر منتخب فرمایا۔

(ایضاً ۲۲۵)

حضرت عمرو بن عاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے ہی مصر کے والی تھے اور حضرت عمر کو بھی ان سے قلت آمدنی کی شکایت تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں خراج کا معاملہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے حوالے کر دیا اور دوسرے امور حضرت عمرو بن عاص سے متعلق رہے لہٰذا دونوں ایک دوسرے کی شکایتیں دربار خلافت میں پہنچاتے رہتے، اس پر حضرت عثمان نے حضرت عمرو بن عاص کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا اور ابن ابی سرح کو مکمل امارت سونپ دی۔ (عثمان بن عفان الفصل الثالث)

دور عثمانی کی فتوحات: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور شیخین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ عنہما کی سنت کے مطابق کار خلافت انجام دیتے تھے۔

آپ کے بارہ سالہ دورحکومت میں سلطنت کا دائرہ وسیع ہوگیا تھا۔ ۲۴ھ میں آپ نے آذربائیجان اور آرمینیہ پر فوج کشی کر کے وہاں کے باشندوں کو مطیع کیا۔ ۲۵ھ میں طرابلس کو فتح کیا۔ ۲۶ھ میں الجزائر اور مراکش کے علاقے فتح کیے۔ ۲۸ھ میں بحرِ روم میں شام کے قریب قبرص کو بحری جنگ سے فتح کیا۔ ۳۰ھ میں طبرستان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں قسطنطنیہ سے متصل علاقوں میں مرودر، طالستان، اور جوزجان کو فتح کیا۔ اسلامی فتوحات کا یہ سیلاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رک گیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال تک تعطل رہا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات اسلامیہ کو ایک بار پھر نشأۃ ثانیہ حاصل ہوئی۔ (شرح صحیح مسلم ج۶ص: ۹۴۳)

خلافت کے اولین چھ سال: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بڑے ہی حلیم اور نرم مزاج انسان تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزاج کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے سخت گیر انسان تھے۔ کہیں کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی سے لوگ گھبرا جاتے تھے یہ بات حضرت عثمان کے اندر نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دورِ خلافت کے ابتدائی چھ سال بڑی پزیرائی والے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مقبولیت حاصل رہی لیکن آخری چھ سالوں میں یہ مقبولیت حاصل نہ رہ سکی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ فیصلے جو انہوں نے اپنی صواب دید سے مصلحتاً کیے وہ لوگوں کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ اپنے قبیلے کے لوگوں کو حاکم بنانا۔ مروان کے لیے مصر کی آمدنی کا پانچواں حصہ ہبہ کر دینا، اپنے رشتہ داروں کی مالی امداد کرنا وغیرہ خاص طور پر بحث کا مرکز رہے جنہیں لے کر لوگوں نے آپ پر اعتراضات کیے۔

(طبقات ابن سعد ج۳،ص:۶۰)

اسلام میں سمندری فوج: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر سمندری راستے سے حملہ کرنے کی اجازت حضرت عمر فاروق اعظم سے کئی مرتبہ چاہی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از راہ شفقت مسلمانوں کو سمندری جنگ سے منع فرما دیا، لیکن جب حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت امیر معاویہ نے پھر اجازت چاہی تو آپ نے جنگ کی اجازت دی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس جنگ میں شریک ہونے کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے، جو خوشی سے شامل ہونا چاہتا ہے اسے شامل کر لیا جائے۔ اجازت مل جانے کے بعد حضرت امیر معاویہ نے صحابۂ کرام کی جماعت کے ساتھ پہلا حملہ قبرص پر کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس جنگ میں حضرت ابوذر، عبادہ بن صامت، شداد بن اوس اور حضرت ابو درداء شریک تھے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۲۳، نزہۃ القاری ج ۶ ص: ۱۵۹)

جامع القرآن: آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں جمع قرآن سے متعلق پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو مصحف کی شکل میں جمع کروا دیا تھا۔ اس لیے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی جامع آیات قرآن کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس بات پر جمع کر دیا کہ سارے لوگ ایک ہی قرأت میں قرآن مجید کو پڑھیں جس کی تفصیل بخاری شریف کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں اور اس کے سوا کثیر کتب احادیث و تاریخ میں موجود ہے لیکن ہم یہاں وضاحت اور قارئین کی ضیافت کے لیے تفسیر ضیاء القرآن کے مقدمہ کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں مصنف رقم طراز ہیں:

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اگر چہ سب قبائل کی مشترکہ زبان عربی ہی تھی لیکن ان کے لہجوں میں، تلفظ الفاظ میں اور بعض اعراب میں بین تفاوت تھا۔ یہ صورتِ حالات ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اردو بولی جاتی ہے وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب و لہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے، ابتدا میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیش نظر انہیں ان کے مخصوص انداز کے مطابق قرأت قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی، کیوں کہ سب اہل زبان تھے اس لیے ایسے تفاوت سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا، تو اور دوسرے ممالک قلمروِ اسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا،

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا لہٰذا ہر ایک نے قرآن کے فقط اسی لہجہ اور تلفظ کو صحیح یقین کیا جو اسے اس کے استاذ نے سکھایا تھا۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگ گئے اور فتنہ وفساد کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہ کے سامنے پیش آیا جس نے آپ کو حیران اور سراسیمہ کر دیا۔ حضرت حذیفہ جنگ ارمینہ میں شریک تھے۔

عراق اور شام کے نومسلم بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے اپنے معلم کی سکھائی ہوئی قرأت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ جس سے باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کی تغلیط کی اور اسے محرف قرآن کہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ چناں چہ آپ مدینہ منورہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "ادرك هذه الامة قبل ان تهلك" اس امت کی چارہ سازی کیجیے اس سے پیشتر کہ یہ ہلاک ہو جائے، اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا "انی اخشی عليهم ان يختلفوا فی كتابهم كما اختلف اليهود والنصاری" یعنی مجھے اس بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔

قرآن کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا محض آسانی اور سہولت کے پیش نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب ولہجہ میں اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی لیکن اب رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی۔ ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دہ اور مضر تھا چنانچہ صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغت قریش کے مطابق لکھیں۔ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار وامصار میں بھیجی گئیں، اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سد باب ہو گیا۔ امت اسلامیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس احسان کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے آپ کو جامعِ آیاتِ قرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب ولہجہ کے تفاوت اور قرأتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تا کہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے۔ چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان امور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا۔ مثلاً قریش حتی (جب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ اتی (تا پر تشدید کے ساتھ) کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف اتین کو مکسور پڑھا کرتے، جیسے تعلمون اور قریش کی لغت میں حرف اتین' مفتوح ہیں تَعلمون۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروف اتین'' کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں ماءغیرِ آسن ہے۔ لیکن بنو تمیم اسے ماءغیرِ یاسنِ پڑھتے۔

ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا۔ لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے معمولی سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں، اس لیے اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چناں چہ وہی قرآن جو عرش عظیم کے رب نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرمایا تھا، اور جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا ایک صحیفہ میں مدون فرمایا، وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی معمولی تغیر کے، بغیر کسی ادنیٰ ردوبدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اور اس کا اعتراف دوست اور دشمن سب کو ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۴، ۱۳)

حدوثِ فتن: امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ عنہما دونوں نے اس حدیث کو روایت فرمایا ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضرت عمر فاروق کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے کہ حضرت عمر نے فرمایا: فتنوں کے بارے میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ حضور کا قول کس کو یاد ہے؟ حضرت حذیفہ نے عرض کیا، مجھے (حضرت حذیفہ نے کچھ بیان فرمایا: اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میری مراد یہ نہیں ہے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ میری مراد ''الفتنۃ التی تموج کما یموج البحر'' میں اس فتنہ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح اٹھے گا۔ اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اس کے اور آپ کے درمیان بند دروازہ ہے۔ فرمایا بند دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ عرض کیا توڑا جائے گا، تو حضرت عمر نے فرمایا: تو پھر کبھی بند نہ کیا جا سکے گا۔

(صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

دروازہ توڑے جانے سے مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ جس کی تصدیق تاریخ کی ایک ایک سطر کر رہی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اسلام کا کلمہ متحد تھا، مسلمان شیر و شکر تھے، نہ کوئی مذہبی اختلاف تھا، نہ کوئی سیاسی تنازع، ان کی شہادت کے بعد ہی سے جو فتنے پیدا ہونے شروع ہوئے تو آج (تقریبا) چودہ سو برس ہو گئے ختم ہی نہ ہوئے، ختم کیا ہوں گے ایک فتنہ کچھ سرد پڑتا ہے تو دوسرا سر اٹھاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے ''کما یموج البحر'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ ہو گا اور جیسے سمندر کی ایک موج دوسرے سے ٹکراتی ہیں، یہ بھی ایک دوسرے سے ٹکراتے رہیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام بھی علم غیب رکھتے تھے حتی کہ یہ بھی تفصیل جانتے تھے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ (نزہۃ القاری ج ۳، ص: ۱۴۰)

حدیث پاک اور اس کی مختصر تشریح کے ذریعہ ہمارے قارئین نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ حضرت عمر کی ذات حدوث فتن کے خلاف مضبوط چٹان تھی۔ حضرت عمر کی شہادت ہوتے ہی وہ چٹان پاش پاش ہو چکی تھی جو فتنوں کے لیے رکاوٹ تھی اب فتنوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا، اور حضرت عثمان کے آخری دور میں یہ فتنے اپنے شباب پر پہنچ چکے تھے اور

آخر میں یہی فتنے حضرت عثمان کے لیے پیغام اجل ثابت ہوئے، اور آپ کی شہادت کا سبب بنے۔ اب ہم اختصار کے طور پر حضرت عثمان کے دور میں اٹھنے والے فتنوں کے اسباب ذکر کررہے ہیں:

فتنہ اور اس کے اسباب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ان کے خلاف بعض لوگوں نے شورش پیدا کردی اور فتنہ وفساد کا ایک سیلاب امڈ پڑا۔ اس شورش کے اسباب یہ تھے۔

(۱) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک تمام علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں تھا۔ جس میں سیکڑوں قومیں آباد تھیں، ان محکوم قوموں میں فطرةً مسلمانوں کے خلاف جذبہ انتقام موجود تھا لیکن مسلمانوں کی قوت اور سطوت کے مقابلہ میں وہ بے دست و پا تھے اس لیے انہوں نے سازشوں کا جال پھیلایا جن میں یہودی اور مجوسی سب سے آگے تھے۔

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چند مناصب پر اموی خاندان کے افراد کو مقرر کیا تھا ان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے شام کے گورنر تھے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری (صحابی) عامل مصر اور عبداللہ بن عامر بن کریز اموی (صحابی) عامل بصرہ تھے اور مروان بن الحکم کاتب تھے۔ ان چار کے علاوہ دو اموی عاملوں کو مقرر کرکے آپ نے انہیں معزول کردیا جن میں سے ایک ولید بن عقبہ اور دوسرے سعید بن العاص تھے۔ یہ تھے کل اموی افراد جن کے بارے میں مخالفین نے تہلکہ مچادیا کہ حضرت عثمان نے کنبہ پروری اور اقربا نوازی کرکے اپنے خاندان کے افراد کو حکومت کے عہدے سونپ دیے، اور یہ کسی نے نہیں دیکھا کہ ان کے علاوہ تقریباً بیس جگہ بلاد اسلامیہ میں گورنری اور دیگر اہم عہدوں پر سب غیر اموی افراد مقرر تھے، نہ یہ کسی نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اسّی فیصد عامل اموی خاندان سے لیے تھے۔ چناں چہ اٹھارہ علاقوں میں آپ نے اموی افراد کو مقرر کیا (طبری) پھر اگر پانچ عہدے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امویوں

کو تفویض فرمائے تو اس پر شورش اور ہنگامہ کھڑا کرنے کی کوئی اخلاقی اور شرعی وجہ نہ تھی۔

(۳) مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان کی طرف منتقل ہو جائے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں۔

(۴) یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔ ان اغراض کے تحت ہر شخص اپنی اپنی کوشش میں مصروف تھا۔ اشتر نخعی، جندب، اور صعصعہ نے کوفہ کو اپنی شرارتوں کا مرکز بنایا۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک شخص ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا تھا جس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا۔ عبداللہ بن سبا کے پیروں کاروں کا طریقہ کار یہ تھا۔

(۱) بظاہر متقی اور پرہیزگار بننا اور وعظ و نصیحت سے لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش کرنا۔ (۲) عمال کو تنگ کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔ (۳) ہر جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقرباپروری اور ناانصافی کی داستانیں مشہور کرنا۔ مفسدین کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کنبہ پروری کا اتہام بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی امیر و کبیر شخص تھے۔ عہد رسالت میں آپ کی فیاضی کی مثالیں یادگار ہیں، آپ نے بیس ہزار درہم دے کر ایک یہودی سے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ بیش بہا رقم خرچ کر کے مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خریدی اور بہت سے مواقع پر مسلمانوں کی اپنے مال سے خدمت کی۔ مفسدین کے اعتراض کے جواب میں آپ نے خود وضاحت فرمائی کہ میں اپنے اقربا کو جو کچھ دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں اور بیت المال کا مال نہ اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے شخص کے لیے۔

(تاریخ طبری ج ۳، ص: ۱۳۰۶)

ایک مشہور اعتراض یہ تھا کہ حکم بن العاص جس کو حضور نے مدینہ سے جلاوطن کر

دیا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں جلاوطن رہا لیکن حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ بلالیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان نے حکم کی حضور سے سفارش کر کے اسے مدینہ بلانے کی منظوری لے لی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے چوں کہ یہ منظوری نہیں لی گئی تھی اور حضرت عثمان کے سوا اس پر اور کوئی گواہ نہ تھا اس لیے انہوں نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ نہیں بلایا۔ حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں جو حکم کو مدینہ بلایا وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حضور کی مرضی سے بلایا تھا۔

ایک اور مشہور اعتراض یہ تھا کہ آپ نے طرابلس کے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ مروان کو بلاعوض دے دیا تھا یہ سراسر لغو بہتان ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

ابن الزبیر نے فتح کی بشارت اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دارالخلافۃ روانہ کیا اس مال کو مروان نے پانچ لاکھ دینار کے عوض خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مال مروان کو مفت دے دیا گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

اصلاح کی کوشش: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل حالات کی اصلاح کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت طلحہ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لیے وفود روانہ کیے جائیں۔ چناں چہ ۲۵ھ میں محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عمار بن یاسر کو مصر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام اور بعض افراد دیگر صوبہ جات کی طرف روانہ کیے گئے، نیز پورے ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا گیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام حکام کو جمع کرتا ہوں اور جس حاکم کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے تو فوراً تحقیق کر کے اس کا ازالہ کر دیتا ہوں اس کے باوجود بھی اگر کسی شخص کو کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو مجھ سے برجستہ بیان کرے میں تحقیق کر کے مظلوم کا حق ظالم سے دلاؤں گا۔

نوٹ: ابن خلدون اور امام طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان نے تحقیق کے لیے جس قدر صحابہ بھیجے تھے، عمار بن یاسر کے سوا سب واپس آ گئے۔ مصر میں عبداللہ بن سبا،

خالد بن ملجم، اور کنانہ بن بشر وغیرہ شر پسند موجود تھے۔ان لوگوں نے عمار بن یاسر کو واپس نہیں آنے دیا، حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ عمار بن یاسر ان لوگوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

(شرح صحیح مسلم ج ٦ ص: ۹۴۵، ۹۴۳)

عمّال کا اجتماع: ۳۵ھ میں حالات کی کشیدگی کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمال کو مشورے کے لیے طلب کیا تو حضرت امیر معاویہ، عمرو بن عاص، عبداللہ بن سعد، سعید ابن عاص، عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم امیر المومنین کی بار گاہ میں حاضر ہوئے۔آپ نے ان تمام حضرات سے پوچھا حدود خلافت میں یہ خلفشار کی شکایتیں کیوں کر سنائی دے رہیں؟ تو عمال نے عرض کیا: اپنے قاصدوں کے ذریعے خود تصدیق کر لی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ عوام کی جانب سے کسی بھی قاصد کو انتظامی امور میں قابلِ ذکر چیز نظر نہیں آتی اور جو باتیں کانوں تک آتی ہیں وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور جب تک کسی واقعہ کی شرعی تصدیق نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کو کیسے موردِ عتاب وعذاب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔آپ نے فرمایا: میں نے آپ حضرات کو اسی پریشانی سے نپٹنے کے لیے بغرض مشورہ طلب کیا ہے۔

بتاؤ آپ اپنے طور پر کیا مشورہ دینا چاہتے ہیں؟ اس پر حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ معاملہ بڑی پوشیدگی کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ اس معاملہ کو سختی کے ساتھ روکا جائے اور جو اس جرم میں گرفتار نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جن رائم کے لوگ مرتکب ہو رہے ہیں ان سے اس کا مواخذہ ضرور فرمایئے اور جو لوگ انعامات واحسانات کے مستحق ہوں انہیں اس سے نوازا جانا چاہیے یہی راہ میری رائے میں بہتر ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے یہاں حالات پر سکون ہیں وہاں کوئی شرارت دکھائی نہیں دیتی اور دونوں حضرات اپنے علاقہ کو بہتر جانتے ہیں۔ جہاں کے یہ والی ہیں ان کو ادب سکھانے کی آزادی ملنی چاہیے۔

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میری رائے میں آپ زیادہ نرمی سے کام لے رہے ہیں۔ آپ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما والا ہی طریقہ اپنانا چاہیے۔ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی۔

سب کے مشورے سن کر آپ نے فرمایا: جس فتنہ کا خوف اس امت پر کیا جا رہا ہے وہ سب کو ہو کر رہے گا جو دروازہ ابھی تک بند ہے وہ ضرور کھل کر رہے گا ہم اس کو نرمی اور موالات کے طور پر روکتے رہیں گے اور حدود اللہ کو پامال کرنے والوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔

اس کے باوجود بھی یہ دروازہ کھل جاتا ہے تو میں اس جرم سے بری ہوں اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے فتنہ کی جو چکی چل رہی ہے اس کی رفتار عثمان کی طرف سے بڑھے اس سے بہتر ہے کہ عثمان دنیا سے رخصت ہو جائے۔ پھر آپ نے اپنے عمال کو چند نصیحتیں کرنے کے بعد ان کی علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۴۸)

شہادت کے اسباب: حضرت ابن شہاب زہری فرماتے ہیں: میں نے حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا کیا آپ وہ چیز بتا سکتے ہیں جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی؟ امیر المومنین کے ساتھ لوگوں کا کیا سلوک تھا اور امیر المومنین کا لوگوں کے ساتھ کیا رویہ تھا اور صحابہ کرام نے آپ کا ساتھ کس لیے چھوڑ دیا تھا؟ حضرت سعید بن مسیب نے جواب دیا حضرت عثمان غنی شہید ہونے میں مظلوم ہیں، اور جس نے آپ کو شہید کیا وہ ظالم ہے اور جو لوگ آپ کی مدد نہ کر سکے وہ معذور ہیں۔ اس پر حضرت ابن شہاب نے عرض کیا یہ سب کیسے ہوا؟ ذرا تفصیل سے ارشاد فرمائیں۔ حضرت سعید بن مسیب تفصیلا بیان فرماتے ہیں: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سلطنت اسلامیہ کا والی مقرر کیا گیا، تو کچھ صحابہ کرام نے آپ کی خلافت کو اس لیے ناپسند کیا کہ آپ اپنی قوم سے شدید محبت فرماتے تھے، آپ نے اپنی بارہ سالہ مدت خلافت کے ابتدائی ایام میں ایسے افراد بنی امیہ کو والی نہیں بنایا جن کو شرف صحابیت حاصل نہ ہو، اگر کبھی آپ کے حکام کی

جانب سے ایسے امور سرزد ہوتے جن کو صحابہ کرام پسند نہ فرماتے اور لوگ ان کی شکایتیں کرتے، تب بھی آپ حکام کو معزول نہیں کرتے تھے (بلکہ امور میں سدھار کی تاکید فرما کر بات کو ختم فرما دیتے تھے) لیکن چھ سال کے بعد آپ کا رویہ تبدیل ہوا اور آپ نے اپنے خاندان والوں کو دوسروں پر ترجیح دی اور انہیں کو حاکم متعین کیا۔

مصر پر عبداللہ بن ابی سرح کو والی بنایا، اور یہ چند سال تک وہاں کے والی رہے لیکن مصر والوں کو ان سے شکایت تھی، اور وہ لوگ ان کے خلاف دربار خلافت میں استغاثہ پیش کر چکے تھے اور اس سے پیشتر حضرت عثمان کو حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوذر غفاری سے بھی شکایت تھی اور کچھ ناخوش گوار باتیں سامنے آ چکی تھیں، اور بنوزہرہ، بنوغفار اور ان کے حلیف قبائل اور بنی مخزوم حضرت عثمان سے دل برداشتہ تھے۔ اسی اثنا میں مصر والے عبداللہ بن ابی سرح کی شکایتیں لے کر حضرت عثمان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان نے ایک خط والی مصر کو لکھا، جس میں انہیں صحیح طور پر اپنی ذمہ داری نبھانے کی سخت تاکید کی گئی تھی، لیکن والی مصر پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ اس نے ان احکام کو پادر ہوا کرتے ہوئے لوگوں کے خلاف مورچہ کھول دیا، بلکہ بعض کو قتل کی دہلیز تک پہنچا دیا اس واقعہ سے مصر کے حالات بڑے خستہ وخراب ہو گئے۔ اور سات سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف دادرسی کے لئے مدینہ شریف حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اجلہ صحابہ کرام سے اس معاملہ کی شکایت کی اور معاملہ میں مداخلت کرنے کی اپیل کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سارے لوگوں کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے حضرت عثمان سے سخت لہجہ میں کلام فرمایا۔ آپ نے کہا کہ لوگ آپ سے ایک حاکم کی جگہ دوسرا حاکم بدلنے کی درخواست کر رہے ہیں حالانکہ اس سے قبل لوگ اس حاکم پر قتل کا الزام عائد کر چکے ہیں تو آپ اس حاکم کو معزول کیوں نہیں کر دیتے اور اگر اس حاکم کے خلاف فرد جرم ثابت ہو جائے تو لوگوں کو انصاف دینے میں آپ کو کون سی چیز مانع ہے۔

یہ سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: میں یہ اختیار تم کو دیتا ہوں تم جس کو چاہو اپنا حاکم متعین کرلو۔ آپ کے اس فرمان کے بعد لوگوں نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، آپ نے فوراً ہی محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں پروانہ ولایت تحریر فرما کر انہیں مصر کی گورنری کی سند عطا فرمادی۔ حضرت محمد بن ابی بکر چند لوگوں کے ساتھ مصر کے لیے روانہ ہو گئے۔ کچھ لوگ محض یہ منظر دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے تھے کہ اب اہل مصر اور عبداللہ بن ابی سرح کے درمیان کیا معاملہ درپیش ہوگا۔ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی ابھی مدینہ شریف سے تین دن کی راہ طے کر پائے تھے کہ انہیں ایک مشکوک شتر سوار نظر آیا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۲۵، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص:۵۷)

راہ میں مشکوک شتر سوار: یہ ایک کالا غلام تھا جس کی چلت پھرت نے لوگوں کو شک میں مبتلا کر دیا تھا، لہٰذا ان لوگوں نے اس کو پکڑ کر کچھ سوالات کیے اور اس سے کہا کہ تم یا تو بھاگے ہوئے ہو یا پھر کسی چیز کی تلاش میں ہو۔ اس غلام نے جواب دیا میں امیر المومنین کا غلام ہوں اور مجھے امیر المومنین نے والی مصر کے پاس ایک پیغام دے کر روانہ فرمایا ہے۔

اس بات کی خبر حضرت محمد بن ابی بکر کو دی گئی تو انہوں نے اس کو بلا کر چند سوالات کیے، تو کون ہے؟ اس کے جواب میں اس نے کبھی اپنے آپ کو حضرت عثمان غنی کا غلام ظاہر کیا، اور کبھی مروان کا غلام ہونا بتایا، اور کہا کہ میں والی مصر کے نام ایک پیغام لے کر جا رہا ہوں تب لوگوں نے اس کی تلاشی لی، تو اس کے پاس سے کوئی خط تلاش بسیار کے باوجود بھی برآمد نہیں کیا جاسکا۔ آخر میں ایک پانی کا برتن (مشک) دیکھا گیا جس میں پانی نہیں تھا جب اس میں کچھ ہونے کا شبہ ہوا تو اس کو چیر کر دیکھا گیا تو اس میں ایک خط موجود تھا۔ یہ حالت دیکھ کر محمد بن ابی بکر نے اپنے مہاجرین اور انصار ساتھیوں کو جمع کیا۔ مجمع عام میں اس خط کو پڑھا گیا۔ خط میں تحریر تھا ''جب تمہارے پاس محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں صاحبان آئیں تو کسی بہانے سے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دو، اور تم اپنے منصب پر برقرار رہو، اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو'' خط کی عبارت سن کر لوگ حواس باختہ ہو گئے۔ اب وہ

لوگ مصر جانے کے بجائے محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ شریف کا رخ کر چکے تھے۔

اس خط کے بارے میں محمد بن ابی بکر نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے حفاظتی انتظام یہ کیا تھا، کہ خط پڑھنے کے بعد ان کے ساتھ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ تھے ان سب سے خط کے اوپر تصدیقی مہر ثبت کروالی تھی اور کسی بھی ردوبدل کی گنجائش کو جڑ سے ختم کر دیا تھا۔ اور یہ خط ایک صاحب کی حفاظت میں دیا گیا تھا۔ اب سارے لوگ مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اور دربار محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ممتاز افراد حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرھم اصحاب رسول کو جمع کر لیا گیا، صحابہ کے مجمع کے سامنے اس خط کو پڑھ کر سنایا گیا اور اس غلام سے متعلق پورا واقعہ بیان کیا گیا یہ سب سن کر اہل مدینہ حضرت عثمان کے خلاف بھڑک اٹھے۔ اور حضرت ابن مسعود، حضرت ابوذر غفاری، حضرت عمار کی معزولی کے واقعات نے اس وقت وہی کام کیا تھا جو آگ میں ایندھن کا کام ہوتا ہے۔ اب سارے صحابہ اپنے اپنے گھروں کی طرف پلٹ چکے تھے اور دیگر بہت سارے لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بگڑی ہوئی صورت حال دیکھی تو آپ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عمار اور ان کے سوا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا یہ بتائیے کہ یہ غلام اور یہ اونٹ آپ کا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں یہ غلام اور اونٹ دونوں میرے ہیں، یہ جواب سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا یہ خط آپ نے تحریر فرمایا ہے؟

حضرت عثمان کا انکار: اس سوال کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم خدا کی نہ میں نے یہ خط لکھا ہے، اور نہ لکھنے کا حکم دیا ہے، نہ یہ بات میرے علم میں ہے اور نہ اس غلام کو مصر روانہ کیا ہے۔

اس وقت لوگوں نے تحریر پر غور و فکر کیا، اور یہ پہچاننے میں کامیاب ہو گئے، کہ یہ

تحریر مروان کی تحریر ہے، یہ عجیب اتفاق تھا کہ مروان اس وقت حضرت عثمان کے گھر میں موجود تھا، لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ مروان کو ان کے حوالے کر دیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر قتل کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے مروان کو ان کے سپرد نہیں کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے وہاں موجود تمام لوگ ناراضگی کے ساتھ واپس لوٹ آئے، واپس پلٹنے والے یہ تو جانتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی قسم میں سچے ہیں لیکن وہ اس بات پر ضرور ناراض تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو ان کے حوالے نہیں کیا۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص:۵۷)

لوگوں کا غصہ اور محاصرہ: لوگ اس بات سے سخت ناراض ہوئے کہ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کو ہمارے حوالہ کیوں نہیں کر رہے ہیں یہ ناراضگی اس حد تک جا پہنچی کہ لوگ ہر قیمت پر مروان کو اپنی گرفت میں لینا چاہتے تھے لہٰذا ان لوگوں نے محاصرے میں سختی پیدا کر دی، اور ایک بہت بڑا فیصلہ انہوں نے یہ لیا کہ (معاذ اللہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دیا گیا تو آپ نے اپنے مکان سے جھانک کر لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگوں میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ ہم میں سعد رضی اللہ عنہ بھی موجود نہیں ہیں یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہماری پیاس کی خبر دے دے کہ وہ ہمیں سیراب کر سکیں، یہ خبر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موصول ہوئی تو آپ نے پانی سے بھرے تین مشکیزے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بھجوائے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پانی پہنچنا اتنا آسان نہ تھا، کیوں کہ لوگ ان تک پانی پہنچنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ پانی پہنچانے اور روکنے کی کوشش میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلام بھی زخمی ہو گئے تب جا کر وہاں پانی پہنچایا جا سکا۔

(تاریخ الخلفا ص:۱۲۷)

باغیوں سے حضرت عثمان کا خطاب: اللہ رب پاک بے نیاز ہے، وہ قادر حکیم اور مالک ہے، اس کے فیصلوں کی حکمتیں وہی جانتا ہے، خود ارشاد فرماتا ہے ''وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ'' زمانہ سب کے لیے ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، یہ وہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی دولت نے نہ جانے کتنی مرتبہ اسلام کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا تھا، جن کی دولت سے غربائے اسلام کی مشکلیں حل کی گئیں تھیں، جنہوں نے اپنی دولت کو اسلام کی ترقی کے لیے قربان کردیا تھا، جنہوں نے اپنی دولت کو اپنے اوپر اتنی فراخ دلی سے کبھی صرف نہیں کیا جتنی کشادگی سے وہ اسلام اور فقراء مسلمین پر خرچ کرتے تھے، لیکن آج اسی ذات کو لوگوں نے اس کے گھر میں محصور کردیا تھا، نہ صرف محصور کردیا تھا بلکہ وہ اسے پانی تک نہیں دینا چاہتے تھے ایسے حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سینے میں جذبات کا جو تلاطم برپا ہوا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں لیکن شاید اہل دل کچھ درد محسوس کرسکیں اس لیے ہم آپ کا خطاب نقل کررہے ہیں:

آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب مدینہ شریف تشریف لائے تو وہاں بیر رومہ کے سوا اور کہیں میٹھا پانی نہیں تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو بیر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردے اور اس کے بدلے جنت میں اس سے بہتر چیز لے لے، تو میں نے اسے اپنے ذاتی مال سے خریدا (اور مسلمانوں کے لیے وقف کردیا) آج تم لوگ مجھے اس کنویں کا پانی پینے نہیں دیتے اور میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں، سارے محاصرین نے جواب دیا تھا "اللھم نعم" بیشک آپ نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ مدینہ شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجد نمازیوں پر تنگ ہوگئی تھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کون ہے جو فلاں خاندان کی زمین خرید کر مسجد کو وسیع کردے اور جنت میں اس سے بہتر چیز لے لے، تو میں نے وہ زمین اپنے ذاتی مال

سے خرید کر مسجد میں وقف کر دی تھی، لیکن تم لوگ مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز بھی پڑھنے نہیں دیتے، باغیوں نے جواب دیا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو؟ میں نے سخت تکلیف کے وقت میں اپنے مال سے جیش عسرت کے لیے سامان مہیا کیا تھا سب نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ ایک مرتبہ حضور پہاڑ پر تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ حاضر تھا اس وقت پہاڑ ہلنے لگا تھا، یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے تھے تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہاڑ پر ٹھوکر مار کر فرمایا تھا: اے پہاڑ! ٹھہر جا کیوں کہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید سوار ہیں، محاصرین نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، یہ سن کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ لوگوں نے میرے حق میں گواہی دی ہے رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب، باب مناقب عثمان)

باغیوں کی تعداد: بلوائیوں اور باغیوں میں زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی تھی جن کی تربیت ابن سبا اور اس کے گروہ نے کی تھی یہ فتنے میں مضبوط تھے اور ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کی تعداد امام ابن عربی مالکی کے نزدیک تقریباً چار ہزار تھی۔ آپ فرماتے ہیں: "**ولقد قتل عثمان وطالبوه اربعة آلاف وفي المدينة اربعون الفا كلهم لا يريد قتله ويريد نصره**" جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا وہ اپنے مطالبات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منوانا چاہتے تھے یہ صرف چار ہزار لوگ اور ان کے علاوہ مدینہ شریف میں چالیس ہزار وہ لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۳، ص: ۱۵۶)

اور علامہ محمد بن سعد واقدی کی روایت کے اعتبار سے محاصرین میں چھ سو افراد مصر

والے تھے اور دوسو افراد کوفی تھے اور سو افراد بصرہ کے رہنے والے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۶۸)

اس روایت کے مطابق مدینہ شریف کے باہر سے آنے والوں کی تعداد نوسو تھی اس میں مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ باغیوں میں ضرور کچھ لوگ مدینہ شریف کے شامل تھے تو اب یہ تعداد نوسو سے بڑھ جائے گی۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں باہر سے آنے والے باغیوں کی تعداد تقریباً دو ہزار تحریر فرمائی ہے جو ماہر جنگجو تھے۔ (البدایہ والنھایہ ج ۱۰، ص: ۳۴۴)

علامہ غلام رسول سعیدی نے بھی ان کی تعداد تقریبا دو ہزار تحریر فرمائی ہے۔

(مقالات سعیدی ص ۲۰۵)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بلوائی خاصی تعداد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے ارد گرد جمع تھے۔

حضرت عثمان مجرم نہیں تھے: بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اتنی بڑی تعداد امیر المومنین کے خلاف کیوں کر جمع ہو گئی تھی، ضرور امیر المومنین نے (معاذ اللہ) کسی جرم کا ارتکاب کیا ہوگا۔ تو ہم جواباً عرض کیے دیتے ہیں ایسا شبہ انہیں ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے جو ذہن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق احادیث میں وارد نقوش سے غافل ہوں گے کیوں کہ اللہ و رسول کے فرامین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برأت کے لیے بہت کافی ہیں، انہیں الگ سے کسی سرٹیفکٹ یا سند کی ضرورت نہیں، خاص طریقہ سے احادیث صحیح میں وارد یہ قول "بشرہ بالجنة علی بلوی تصیبہ" (صحیح البخاری کتاب المناقب) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو مظلوم ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

حضرت امام ابن عربی مالکی اس قسم کے نصوص کو جمع کرنے اور نصوص کی صحت یا حسن بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وھٰذہ کلھا نصوص تشھد ببرأتہ" یہ سارے نصوص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برأت پر شاہد اور گواہ ہیں۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۳، ص: ۱۵۶)

حضرت عثمان لاچار نہیں تھے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے محصور کر رکھا تھا، یہ محاصرہ تقریباً چالیس دن تک جاری رہا، حتیٰ کہ آپ پر پانی تک بند کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ہٹانے کے لیے کسی بھی انتقامی کاروائی کو انجام نہیں دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مجبور ولاچار تھے یا ان کے پاس کوئی طاقت نہ تھی ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حلم تھا اور بلوائیوں کی کلمہ گوئی کا پاس تھا، ورنہ جو وسیع وعریض اسلامی سلطنت کا فرماں روا ہو جس کے زیر فرمان امیر معاویہ جیسے کئی زیرک ہوشیار اور شیر دل امرا ہوں، اگر وہ صرف اشارہ کر دیتا تو سلطنت کے کونے کونے سے اسلامی فوجیں آ کر مدینہ شریف کو اپنا مستقر بنا لیتیں یقیناً ایسے خلیفہ پر لاچاری کا الزام عائد کرنا سراسر ناانصافی ہوگی، بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ؎

رنج اعدا کا رضا چارہ ہی کیا ہے جب انہیں
آپ گستاخ رکھے حلم و شکیبائی دوست

آیئے اب پڑھیے یارانِ وفا شعار کی وفا شعاری

صحابہ کرام کی پیش کش: مشہور صحابیٔ رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دولت کدے پر انصار کی جماعت کے ساتھ حاضر ہوئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کی انصار کی جماعت آپ کے دفاع کے لیے دروازے پر حاضر ہے اجازت چاہتے ہیں، اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں اگر آپ چاہیں تو وہ ایک مرتبہ پھر انصار کا کردار نبھانا چاہتے ہیں آپ نے جواب دیا آپ لوگوں کو قتال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ٦٦)

حضرت ابن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس وقت سات سو افراد موجود تھے ان میں حضرت امام حسن اور امام حسین، حضرت ابن عمر، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے لوگ موجود تھے۔ اگر امیر المومنین نے ان حضرات کو اجازت دی ہوتی تو یہ لوگ خدا کے فضل سے بلوائیوں کو مار مار کر بھگا دیتے بلکہ حضرت

عبداللہ بن زبیر نے امیر المومنین سے عرض کیا تھا کہ اس وقت آپ کے گھر میں آپ کے مددگاروں کی ایک جماعت موجود ہے، اجازت دیں تو قتال شروع کیا جائے اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہر اس انسان کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں جو میرے بارے میں خون بہانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (ایضاص:۶۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محصوری کے زمانہ میں ان سے ملا، اور میں نے عرض کیا آپ امیر المومنین ہیں، اور آپ دیکھ رہے ہیں جو آپ کے ساتھ ہو رہا ہے، میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کر رہا ہوں ان میں سے کسی ایک کو منظور کر لیجیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ حق پر ہیں اور یہ باطل پر ہیں، اور آپ کے پاس طاقت وقوت سب موجود ہے لہٰذا آپ ان کا مقابلہ کر کے ان کو پسپا کر دیجیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ آپ کو خفیہ دروازے سے باہر کیے دیتے ہیں آپ سواری پر سوار ہو کر مکہ پہنچ جائیں، مکہ حرم ہے وہاں پر یہ لوگ آپ پر دست درازی نہیں کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آپ ملک شام چلے جائیں، وہاں اہل شام اور بالخصوص حضرت معاویہ آپ کی حفاظت کے لیے کافی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: آپ کی پہلی بات اس لیے منظور نہیں ہے کہ میں امت کا پہلا ایسا خلیفہ نہیں بننا چاہتا ہوں جو اپنی جان کی خاطر خونریزی کرے اور دوسری بات اس لیے منظور نہیں کہ مجھے ان لوگوں سے امید نہیں ہے کہ یہ حرم شریف کا کچھ پاس ولحاظ رکھیں گے، مزید یہ کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ قریش کا ایک فرد مکہ میں الحاد کرے گا عالم کا نصف عذاب اللہ نے اس کے لیے خاص کر دیا ہے وہ فرد میں نہیں بننا چاہتا ہوں اور تیسری بات اس لیے منظور نہیں کہ میں دار ہجرت اور حضور کی ہمسائیگی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ا ص: ۳۷۲ حدیث: ۴۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین! "طاب لنا الضرب" اب ہمارے لیے لڑنا حلال ہو گیا ہے (ہمیں اجازت دیں) آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے تم مجھ سمیت تمام لوگوں کو قتل کر دو (مَنۡ قَتَلَ

نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا) ﴿المائدة ۳۲﴾
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں، تو آپ نے فرمایا: اگر آپ نے (بغیر حکم شرعی کے) ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا تو گویا کہ سارے لوگوں کو قتل کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں یہ سن کر میں واپس آ گیا اور قتال نہیں کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۶۶)

جب محاصرہ میں سختی ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے، اور ان کے ساتھ میں مہاجرین کی ایک جماعت تھی، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ بلوائی جنہوں نے آپ کے کاشانۂ اقدس کو گھیر لیا ہے یہ وہی ہیں جنہیں ہم نے بزور شمشیر مسلمان بنایا تھا، اب بھی ان کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ یہ ہمیں دیکھ کر کپڑوں میں پاخانہ کر دیں گے، ان کی یہ سب کارستانیاں اس لیے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھتے ہیں اور آپ ان کی کلمہ گوئی کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، اگر آپ حکم دیں تو ہم انہیں انکی بھولی ہوئی حقیقت یاد دلا دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسی بات نہ کہو محض میری جان کی خاطر اسلام میں پھوٹ ہرگز نہ ڈالو۔ (تحفہ اثنا عشریہ باب دہم مطاعن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خطبات محرم ص: ۱۹۷)

حضرت عثمان نے مدافعت کیوں نہیں کی: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یا اپنے ساتھیوں سے اپنی ذات سے متعلق جو احادیث سن رکھی تھیں مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی بشارت دے دو ایک مصیبت پہنچنے کے بعد۔ ''یہ شخص فتنہ وفساد کے دن حق پر ہوگا، پہاڑ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں'' اور ان جیسی احادیث کو سن کر حضرت عثمان کو یقین ہو گیا تھا کہ شہادت ان کا مقدر بن گئی ہے، بلکہ وہ اسی ساعت کے انتظار میں تھے، اسی لیے جب ابو سہلہ نے ایام محاصرہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا: ''ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم قد عهد الىّ عهدا فانا صابر عليه''، مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عہد لیا تھا میں اس پر صبر کر رہا ہوں۔ (سنن الترمذی کتاب المناقب)

لہٰذا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا، تو اب کوئی بھی انتقامی کاروائی کرنا بے فائدہ ہوتا مزید مسلمانوں میں قتل وخوں ریزی کا سبب بنتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلم اور ان کی شان ایمانی کے منافی تھا۔

صحابہ کی احتیاطی تدبیریں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینا چاہتے ہیں، لیکن معاً یہ خبر موصول ہوئی، کہ باغیوں کا کہنا ہے وہ حضرت عثمان کو قتل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ وہ حضرت عثمان سے صرف مروان کا مطالبہ کر رہے ہیں، تقریباً یہی خبر تمام صحابہ کو حاصل تھی، پھر بھی صحابہ کرام نے احتیاطی اقدام کے طور پر حضرت عثمان کی حفاظت کے انتظام کر رکھے تھے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں شہزادوں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو ان کی تلواروں کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر سخت تاکیدی حکم کے ساتھ بغرض حفاظت متعین کر رکھا تھا، انہیں حکم تھا کہ ہرگز کوئی انسان دروازے کے اندر نہ جانے پائے، اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے بھی اپنے جگر پاروں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے لگا رکھا تھا ان کے سوا اور بھی صحابہ کرام نے اپنے اپنے بیٹوں کو اس خدمت پر مامور کر رکھا تھا، باغی برابر مروان کا مطالبہ کر رہے تھے۔ انہوں نے مقصد کے حصول کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر پتھر برسانا شروع کیے، جس سے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن طلحہ دروازے پر زخمی ہو کر خون میں لت پت ہو گئے۔ گھر کے اندر مروان کو بھی ایک تیر لگا، اور باہر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام بھی تیر کی زد میں آئے۔ (تاریخ الخلفاص:۱۲۷)

حضرت عثمان کا خواب: ادھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا وقت قریب ہو رہا تھا ادھر بلوائیوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا اچانک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس غلام آزاد فرمائے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خواب میں زیارت کی ہے، انہوں نے مجھ سے فرمایا ہے

کہ عثمان آنے والی شام کا افطار تم ہمارے ساتھ کرو گے۔ حضرت عثمان نے یہ خواب بیان کرنے کے بعد قرآن پاک منگایا اور تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص: ۳۹۰ حدیث نمبر ۱۷۹)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: تم جمعہ میں ہمارے ساتھ شریک رہنا، یہ خواب آپ نے جمعہ کی رات میں دیکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۱۷)

حضرت عثمان کی شہادت: آپ پڑھ چکے ہیں کہ بلوائیوں کے ذریعہ برسائے گئے پتھروں سے کئی افراد زخمی ہوئے تھے ان زخمیوں میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات خاص طور پر قابل ذکر ہے، جب محمد بن ابوبکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے کا بہتا ہوا خون دیکھا، تو دل میں دہشت پیدا ہو گئی کہ معاملہ بگڑ نہ جائے، بنو ہاشم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو دیکھ کر جذبۂ انتقام سے سرشار ہو کر میدان میں نہ کود پڑیں، اگر ایسا ہو گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے فوراً دو آدمیوں کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھاما اور کہا تاخیر کرنے کا بالکل وقت نہیں ہے، اگر بنو ہاشم آ گئے تو پورا منصوبہ خاک میں مل جائے گا، اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ دوسرے کے گھر سے پھاند کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں کود جائیں، اس سے پہلے کہ کسی کو بات معلوم ہو گی ہم اپنا کام کر چکے ہوں گے لہٰذا محمد بن ابوبکر اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ پاس والے انصاری کے مکان پر چڑھے اور اس سے ہو کر یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں کود گئے، یہ لوگ گھر کی نچلی منزل میں پہنچ گئے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صرف ان کی اہلیہ موجود تھیں، نائلہ کافی چیخی اور چلائی مگر ان کی آواز بلوائیوں کی آواز میں دب کر رہ گئی جو افراد بھی گھر کے بالا خانہ پر موجود تھے وہ ان کی آواز کو نہیں سن سکے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۲۷)

حضرت عثمان کے قاتل: محمد بن ابوبکر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی مبارک پکڑ لی، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اس

کو چھوڑ دے خدا کی قسم تیرے والد اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ حضرت عثمان کے اس کلام سے محمد بن ابوبکر کو حیا آ گئی، اور وہ آپ کو چھوڑ کر مکان سے باہر نکل گئے، پھر رومان بن سرحان آپ کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ میں خنجر تھا یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آیا اور آپ سے سوال کیا "علی ای دین یا نعثل "اے لمبی داڑھی والے بوڑھے تو کون سے دین پر ہے؟ حضرت عثمان نے پوری جرأت کے ساتھ جواب دیا میں نعثل نہیں ہوں بلکہ عثمان بن عفان ہوں، میں مسلمان ہوں، ملت ابراہیمی پر قائم ہوں، اور میں مشرک نہیں ہوں، اس نے کہا کہ آپ نے جھوٹ کہا اور آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب باب حرف العین ص:۵۴۸)

دوسری روایت میں ہے کہ جب محمد بن ابوبکر شرمندہ ہو کر وہاں سے باہر چلے گئے تو قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی آپ پر حملہ آور ہوئے، غافقی نے لوہے کے چھڑ سے آپ پر حملہ کیا اور قرآن پاک (جس کی آپ تلاوت کر رہے تھے) پر ایسی لات ماری کہ قرآن پاک گھوم کر آپ کے پاس ٹھہر گیا، اور اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون بہا (العیاذ باللہ) اب سودان مارنے کے لیے آگے بڑھا آپ کی وفا شعار بیوی آپ پر جھک گئی اور تلوار کو اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کی تو اس ظالم نے آپ کے ہاتھ کی انگلیوں کو کاٹ دیا۔ جب وہ دوسری جانب متوجہ ہوئی تو اس ظالم نے اس وفا شعار، باحیا بیوی پر گندی طعنہ کشی کی، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا (العیاذ باللہ) اور ایک قول کے مطابق آپ کے قاتل کا نام کنانہ بن بشر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا تو آپ کے خون کے چھینٹے آیت کریمہ۔ "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ" پر پڑے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند غلام اندر داخل ہوئے اور ایک غلام نے آپ کے قاتل سودان پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن دوسرے ہی لمحہ میں آپ کے دوسرے قاتل قتیرہ نے اس غلام کو شہید کر دیا، اور پھر آپ کے گھر میں جو کچھ مال و اسباب تھا سب کو لوٹ لیا اور دروازہ بند کر کے

نکل رہے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے غلام نے قتیرہ کو بھی قتل کر ڈالا۔ باغیوں نے یہاں تک لوٹ مار مچائی کہ عورتوں سے ان کے زیور تک چھین لیے، اسی اثنا میں ایک اور باغی کا قتل ایک غلام کے ہاتھوں عمل میں آیا اور وہ اپنے کیفر کردار تک پہنچا اس کے بعد بلوائیوں نے بیت المال کا قصد کیا اور اس میں رکھے دو بورے بھی لوٹ لیے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۶۸)

آپ کے قاتل کے بارے میں تاریخ نے تین اور نام بھی شمار کرائے ہیں۔ جبلہ بن ایہم، الاسود، یسار بن عیاض، جب آپ پر وار کیا گیا اور خون آپ کی داڑھی مبارک سے بہ نکلا تو آپ نے یہ الفاظ کہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" ﴿الانبیاء ۸۷﴾ پھر آپ نے عرض کیا: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اپنے تمام معاملات میں تجھی سے مدد چاہتا ہوں، اپنی پریشانی میں تجھ ہی سے صبر کا سائل ہوں۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۶۴)

تاریخ شہادت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ شہادت میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف ہے، زیادہ تر مؤرخین نے جس قول کو سب سے پہلے شمار کرایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی شہادت بروز جمعہ ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی۔

تاریخ شہادت کے بارے میں مزید اقوال یہ ہیں۔

ابو عثمان نہدی کے بیان کے مطابق آپ کی شہادت ایام تشریق کے وسط میں ہوئی۔

ابن اسحاق نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے گیارہ سال، گیارہ مہینے اور بائیس دن کے بعد آپ کی شہادت ہوئی۔

امام واقدی نے فرمایا: ۸/ ذی الحجہ یوم ترویہ ۳۵ھ میں آپ کو شہید کیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کی شہادت بروز جمعہ ۲۷ یا ۲۸/ ذی الحجہ کو ہوئی۔

امام واقدی کے مطابق مدت محاصرہ ۴۹/ دن تھی، اور حضرت زبیر نے فرمایا: دو ماہ بیس دن مدت محاصرہ تھی۔ (اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۸۵)

مدتِ خلافت: آپ کی خلافت کی مدت بارہ سال ہے لیکن بارھواں سال مکمل نہ ہوسکا اس میں بارہ دن کم رہ گئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی مدت خلافت گیارہ سال گیارہ ماہ اور چودہ دن ہے۔ (ایضا)

عمر مبارک: وقت وصال آپ کی عمر ۸۲ رسال تھی۔ بعض نے کہا کہ ۸۶ رسال، بعض نے ۸۸ راور ۹۰ رسال آپ کی عمر بتائی ہے اور بعض نے ۷۵ رسال بھی آپ کی عمر بتائی ہے لیکن آخری قول بہت غریب ہے۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۵۸۷، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰، ص: ۳۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غصہ: جب یہ خبر مدینہ شریف میں پھیلی تو لوگوں کے ہو ش اڑ گئے، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد وغیرہم صحابہ کرام حضرت امیر المومنین کے گھر پہنچے، موقع واردات کا جائزہ لیا تو حضرت عثمان کو شہید پایا، سب نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش غضب میں اپنے دو نوں بیٹوں سے فرمایا: تمہارے دروازے پر رہتے ہوئے امیر المومنین کو شہید کیسے کر دیا گیا، ایک طمانچہ آپ نے حضرت حسن کو لگایا اور حضرت امام حسین کے سینے پر ضرب لگائی، محمد بن طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر کو بھی سخت وست کہا۔ (تاریخ الخلفا ص: ۱۲۷)

محمد بن ابوبکر قاتل نہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سے سوال کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ تو آپ نے فرمایا میں قاتلوں کو نہیں پہچانتی، مگر اتنا جانتی ہوں کہ دو شخص گھر میں داخل ہوئے تھے اور ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر حضرات کو وہ تمام باتیں بتائیں جو محمد بن ابوبکر کی طرف سے عمل میں آئی تھیں، یہ سن کر حضرت علی نے محمد بن ابوبکر کو بلایا، اور تفتیشِ حال کی، تو محمد بن ابوبکر نے جواب دیا کہ حضرت عثمان کی اہلیہ صحیح فرما رہی ہیں۔ خدا کی قسم میں داخل ہوا تھا اور قتل کے ارادے سے داخل ہوا تھا لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے والد کا تذکرہ کیا تو میں واپس چلا آیا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے کہا کہ یہ بات تو

سچ ہے کہ یہ واپس چلے آئے لیکن ان دونوں شخصوں کو داخل انہی نے کیا تھا۔ (ایضاص: ۱۲۸)

تجہیز، تکفین، تدفین، نمازِ جنازہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے خدام نے غسل دیا، اور کفن پہنایا، ایک قول یہ ہے کہ آپ کو نہ غسل دیا گیا نہ کفن، (بلکہ آپ کو انہیں کپڑوں میں دفن کر دیا گیا جو آپ پہنے ہوئے تھے) لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

حضرت ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دو یا تین دن بعد آپ کی تدفین عمل میں آئی، اور بلوائیوں کے خوف سے آپ کو مغرب اور عشا کے درمیان دفن کیا گیا، (عام لوگوں کو اطلاع نہیں دی گئی) چند صحابہ آپ کے جنازہ میں شامل تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں حکیم بن حزام، حویطب بن عبد العزی، ابو الجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم، جبیر بن مطعم، زید بن ثابت، کعب بن مالک، طلحہ، زبیر، علی بن ابی طالب وغیرہم، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کو جنت البقیع میں مشرقی جانب حش کوکب میں دفن کیا گیا۔

علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ زمانہ بنی امیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر عظیم الشان گنبد بنایا گیا (مزار) جو آج تک باقی ہے (علامہ ابن کثیر کے زمانہ تک باقی تھا مگر برا ہو نجدی تعصب اور بے دینی کا کہ بعد میں آل سعود نے صحابۂ کرام کے مزارات پر بلڈوزر چلوا کر سب مزارات اور قبروں کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا العیاذ باللہ) حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اپنی حیات ظاہری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حش کوکب سے گزرے (حش کوکب کو آپ ہی نے خرید کر جنت البقیع میں شامل فرمایا تھا) تو آپ نے فرمایا تھا کہ عنقریب یہاں مرد صالح کو دفن کیا جائے گا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۲۴، ۳۲۶)

مروان کو سپرد کیوں نہیں کیا: بعض کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب لوگوں نے یہ پہچان لیا تھا کہ وہ شرارت بھرا خط مروان نے لکھا ہے اور اسی خط کی وجہ سے یہ سب ہنگامہ بپا ہوا اور لوگ امیر المومنین سے مروان کی سپردگی کا سوال کر رہے تھے،

اگر امیر المومنین مروان کو لوگوں کے حوالے کر دیتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔اس کا جواب فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی نے یہ تحریر فرمایا ہے:

مروان اس وقت امیر المومنین کے مکان میں موجود تھالوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیجیے آپ نے انکار کر دیا،اس لیے کہ وہ لوگ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے تھے،مروان کو سزا دیتے اور قتل کر دیتے حالانکہ تحریر سے یقین کامل نہیں ہوتا،اس لیے کہ ''الخط یشبہ الخط'' ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے،انہیں مروان کی تحریر ہونے کا صرف شبہ تھااور شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو پہنچتا ہے اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو ان کے سپرد نہیں کیا۔علاوہ اس کے سپرد کرنے میں بہت بڑے فتنے کا اندیشہ بھی تھا۔(خطبات محرم ص:۱۷۸)

ایک شبہ کا ازالہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت،اور مدینہ منورہ نیز وہاں کے باشندگان کے حالات پڑھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ شریف میں کیسے شہید کر دیا گیا جبکہ وہاں صحابہ کبار کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔

اس شبہ کے علامہ ابن کثیر نے چار جواب دیے ہیں۔

(۱) اکثر یا کل صحابہ کرام کو یہ گمان تک نہ تھا کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیں گے کیوں کہ بلوائی تین باتوں میں سے ایک بات چاہتے تھے۔

(الف) حضرت امیر المومنین خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

(ب) مروان کو ان کے سپرد کر دیں۔

(ت) خود امیر المومنین مروان کو قتل کر دیں،زیادہ تر صحابہ کا گمان یہ تھا کہ آپ مروان کو ان کے حوالے کر دیں گے یا خلافت سے دست بردار ہو کر اس فتنے کو ختم کر دیں گے قتل کا تو ان کو گمان ہی نہ تھا۔

(۲) صحابہ کرام تو بھر پور حفاظت کرنا چاہتے تھے لیکن جب معاملے میں سختی پیدا ہو

گئی تو خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ ہرگز ہرگز جنگ کرنے کی کوشش نہ کریں، اگر صحابہ کو یہ یقین ہوتا کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا تو وہ ضرور بلوائیوں سے جنگ کرتے۔

(۳) بلوائیوں نے حملہ کرنے کا وقت ایسا چنا تھا کہ حالات ان کے موافق رہے، مدینہ شریف کے اکثر سکان مدینہ شریف سے باہر تھے، کیوں کہ یہ حج کا مہینہ تھا اور اس وقت باہری لشکر کا مدینہ شریف میں ورود نہیں ہوا تھا اور جیسے ہی لوگوں کے آنے کا خطرہ محسوس ہوا انہوں نے اپنا مقصد پورا کرلیا۔

(۴) حملہ آور گروہ کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی اور یہ لوگ ماہر جنگ جو تھے ممکن ہے کہ اس وقت مدینہ شریف میں اتنی تعداد موجود نہ ہو کیوں کہ کچھ لوگ سرحدوں پر رہتے تھے اور بہت سارے لوگ دوسرے اقالیم کے سفر پر ہوتے تھے اور کچھ لوگ مکہ شریف میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے گئے ہوئے تھے۔

پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد کو بھیج کر دروازہ کی حفاظت کے پختہ انتظام کردیے تھے اور یہ انتظام اتنے پختہ تھے کہ بلوائی دروازہ کی جانب سے کامیاب نہ ہوسکے، صحابہ کو توقع تھی کہ اس درمیان باہر سے لشکر آکر بلوائیوں کا قلع قمع کردیں گے لیکن بلوائیوں نے دوسرا رخ اختیار کرکے حضرت امیر المومنین کو شہید کردیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۴۴)

دس مبارک خصلتیں: حضرت ابوثور فہمی بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب بلوائیوں نے آپ کا گھراؤ کررکھا تھا تو مجھ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے رب کے پاس میری دس خصلتیں موجود ہیں، میں چار مسلمانوں میں چوتھے نمبر پر ہوں، میرے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو شہزادیوں کا نکاح فرمایا، میں نے کبھی بھی گانے بجانے میں حصہ نہیں لیا، میں نے کبھی بھی کسی برائی کی تمنا نہیں کی، میں نے جس دن سے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے داہنے ہاتھ سے بیعت کی اس کے بعد اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا، میں جس دن سے اسلام لایا ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتا رہا اگر کسی جمعہ کو غلام نہ رہا تو میں نے بعد میں دو غلام آزاد کیے، میں نے زمانہ جاہلیت میں نہ زنا کیا اور نہ میں زمانۂ اسلام میں زنا کے قریب گیا، اور میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے مطابق قرآن پاک کو جمع کیا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۲۸)

سیرت وکردار: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور مسلمانوں کے حیرت انگیز حد تک خیر خواہ تھے، وہ مسلمانوں کی مصیبت پر بے قرار ہو جاتے تھے اور ممکنہ حد تک اسے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس پر اپنا مال خطیر قربان کرتے تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تو حد درجہ محبت فرماتے تھے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سی پریشانی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال نے چار دن تک کچھ نہیں کھایا، یہاں تک کہ بچے بھوک سے آہ وبکا کرنے لگے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ نے سارا واقعہ سنایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوراً مسجد تشریف لے گئے، اتنے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دولت کدۂ حضور پر حاضر ہوئے، دستک دی، تو ام المومنین نے بتایا کہ حضور مسجد میں تشریف رکھتے ہیں، اور پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سارا واقعہ سنایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کا یہ حال سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، اور بے قرار ہو کر عرض کی محترم ماں آپ نے مجھے خبر کیوں نہیں کی فوراً گھر سے کھانے کی چیزیں خاصی مقدار میں لا کر حاضر کیں، اور تین سو درہم نقد حاضر کیے، سرکار گھر تشریف لائے، حضرت عائشہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری بیان کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور دوبارہ مسجد میں پہنچ کر اللہ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے "اللّٰھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ" اے اللہ! میں عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہوں تو بھی میرے غلام سے راضی ہو جا۔ خیال رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر ام المومنین سے عرض کیا تھا کہ جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو خادم کو خبر ضرور کر دیا کریں۔ (کنز العمال تتمۃ فضائل ذی النورین حدیث: ۳۶۲۱۷)

عشق رسول اور احترام سنت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتنی اونچی چوٹی پر فائز تھے جس کی بلندی کا اندازہ کرنے والوں کی ٹوپیاں سر سے زمین پر آ جاتی ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طواف ترک کر دیا اور کفار کے اصرار پر آپ نے انہیں جواب دیا تھا کہ میں اپنے سرکار کو چھوڑ کر طواف نہیں کر سکتا بلکہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا، کہ تم نے تو طواف کر لیا ہو گا؟ اس وقت آپ نے جواب دیا تھا تم لوگوں نے میرے ساتھ بہت برا گمان کیا اگر میں ایک سال بھی مکہ مکرمہ میں رہتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حدیبیہ میں تشریف رکھتے تب بھی میں طواف نہیں کرتا۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ سے واپس آنے سے پہلے یہی سوال صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور سے کیا تھا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طواف کر لیا ہو گا، اس پر رحمت عالمیاں نے ارشاد فرمایا تھا: کہ مجھے عثمان سے یہ امید نہیں ہے کہ عثمان مجھے چھوڑ کر طواف کر لیں گے۔ (کتاب المغازی للواقدی غزوۃ الحدیبیۃ)

جس ہاتھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک میں دے کر آپ نے اسلام پر بیعت کی تھی اس ہاتھ کو کبھی گندگی کی جگہ نہیں جانے دیا۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۱۶۰)

حضرت حمران بن ابان فرماتے ہیں: ہم ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے، آپ نے وضو فرمایا، اور وضو کرنے کے بعد مسکرانے لگے اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرا رہا ہوں سنو! ایک دن اللہ کے محبوب نے وضو فرمایا جیسا کہ میں نے ابھی تمہیں نقل کر کے دکھایا ہے پھر سرکار نے تبسم فرمایا اور لوگوں سے سوال کیا کیا تم میرے تبسم کی وجہ جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا **اللہ ورسولہ اعلم**۔ تب

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا تھا جب بندہ اچھا وضو کر کے اچھے طریقے سے نماز پڑھتا ہے تو نماز سے اس حال میں باہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (مسند احمد بن حنبل ج ا ص:۳۴۸ حدیث:۴۳۰)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رب کی رحمت پر مسکرا رہے تھے اور عثمان ادائے محبوب کو نقل کر کے اپنے عشق کی پیاس بجھا رہے تھے۔

وہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تو انہیں ایک عجیب لطف محسوس ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی خوشی میں دوسروں کو شامل کرنے کے لیے بیان بھی فرماتے تھے کہ یہ کام میں نے اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے ایسا کرتے دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جنازہ جاتا ہوا دکھائی دیا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

(مسند احمد بن حنبل ج ا ص:۳۶۱/حدیث:۴۵۷)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات، عادات اور قول وفعل سے تو انہیں والہانہ عقیدت ومحبت تھی ہی وہ حضور کے شہر پاک سے بھی اتنی محبت کرتے تھے کہ انہوں نے اپنا قتل ہو جانا گوارہ کر لیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس شہر سے کوچ نہیں کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطرے کو تاڑتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ شام چلیں آپ انشاء اللہ ہر خطرے سے باہر ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنین نے فرمایا: میں حضور کے جوار کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں حفاظت کے لیے شام سے فوجی دستے بھیج دیتا ہوں آپ نے فرمایا: نہیں اے امیر معاویہ! میں نہیں چاہتا کہ اہل مدینہ کو فوج کی وجہ سے کوئی پریشانی جھیلنا پڑے۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص:۱۴۴)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

منبر کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم درجۂ بالا پر خطبہ دیا کرتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر۔ جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا، سبب پوچھا گیا فرمایا: اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں، اور تیسرے پر پڑھتا تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور نہیں۔ (فتاوی رضویہ ج ۳، ص: ۲۰۰)

پرہیزگاری اور خشیت ربانی: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ "وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿الفرقان ۶۴﴾ کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تفسیر تھے، رات قیام و سجود میں بسر ہوتی تو دن روزے کی برکتوں سے آباد رہتا، ایک طرف خوف آخرت سے دہشت زدہ، تو دوسری طرف رب کی رحمتوں پر کامل بھروسہ، آپ نے پوری حیات امید و بیم کے درمیان گزاردی، عبادت کا وہ ذوق پایا جس کی مثال کم یاب ہے۔ آپ کی اہلیہ نے قاتلان عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم نے ایسے شخص کو شہید کیا ہے جو عابد شب زندہ دار تھا جو ایک رکعت میں پورا قرآن مکمل تلاوت کرلیتا تھا۔

(حلیۃ الاولیاج ۱، ص: ۵۷)

اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں اتنا سمایا ہوا تھا کہ بسا اوقات آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، جب کبھی قبر کے پاس سے گزر ہوتا تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہوجاتی، لوگوں نے پوچھا آپ کے سامنے جنت ودوزخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو آپ کی یہ حالت نہیں ہوتی؟ فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر انسان اس میں کامیاب ہوگیا تو آگے کے مراحل آسان ہوجائیں گے، اور اگر انسان اس میں ناکام ہوگیا تو آگے کا معاملہ بڑا دشوار ہوجائے گا! اور فرمایا میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے: میں نے قبر سے زیادہ بھیانک منظر نہیں دیکھا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص: ۳۶۰/حدیث: ۴۵۴)

حیا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیا کے اعتبار سے امت میں سب سے ممتاز بنایا ہے، سرکار کے فرمان کے مطابق وہ اتنے باحیا ہیں کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔
ایک دوسری حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت میں عثمان سب سے زیادہ حیادار ہیں۔

آپ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ گھر بند ہوتا تو بھی بدن پر پانی بہانے کے لیے کپڑے نہیں نکالتے اور شرم کی وجہ سے (غسل کے درمیان) اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتے تھے۔

(حلیۃ الاولیاج ۱ص:۵۶)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ فرماتی ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل فرماتے، اور میں ان کے کپڑے لے کر ان کے پاس جاتی تو فرماتے میرے جسم کی طرف نظر مت کرنا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳،ص:۵۶)

علم میراث ومناسک: یوں تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی مقام بہت بلند وبالا ہے مگر بعض علوم میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابن شہاب نے فرمایا: اگر حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ہلاک ہوجاتے تو علم میراث فنا ہوجاتا، کیوں کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ ان دونوں کے سوا اس علم میں کسی کو مہارت تامہ نہیں تھی۔ (کنز العمال حدیث:۳۶۱۷۶)

حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شمار کیا جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳،ص:۵۷)

فراست وکرامت: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله" مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کامل الایمان بندے کی نگاہیں جتنی دوربیں اور دوررس

ہوتی ہیں، وہ دوسرے حضرات کی نہیں ہوتیں، دوسرے لوگ صرف ظاہر دیکھتے ہیں، لیکن ایمان سے نکھری اور سنوری ہوئی آنکھیں باطن کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں آنے والے واقعے کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت کہا جائے یا فراست، یا فراست بصورت کرامت یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

حضرت محجن جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں: میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زمین پر آپ کے ساتھ تھا، کہ اچانک اعرابیہ (دیہات کی رہنے والی عورت) امیر المومنین کے سامنے آ گئی جس کی حالت بڑی خستہ ہو رہی تھی، اس نے حضرت امیر المومنین سے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے محجن اس کو یہاں سے باہر کرو میں نے اس کو باہر نکال دیا، وہ پھر واپس آ گئی اور اس نے وہی بات دہرائی آپ نے پھر اسے باہر کرنے کا حکم دیا، میں نے اس کو باہر کر دیا اس نے دوبارہ واپس آ کر کہا کہ میں نے زنا کیا ہے اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے محجن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے سوے حال نے اسے شر پر ابھارا ہے، اس کو لے کر جاؤ اس کے پیٹ بھرنے کا بندوبست کرواور اسے پہننے کے لیے کپڑے دو، محجن کہتے ہیں کہ میں نے وہی کیا جو امیر المومنین نے فرمایا تھا۔ جب اس کا پیٹ بھرا تو اس کے ہوش ٹھکانے لگے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک گدھے پر کھجور، آٹا اور کشمش لاد کر فرمایا جاؤ اور اسے مسافروں کے سپرد کر دو جو اس کو اس کے گھر والوں کے پاس بحفاظت پہنچا سکیں۔ محجن کہتے ہیں کہ جب میں اسے لے کر چلا پھر میں نے اس سے راستے میں پوچھا کہ کیا تو اب بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے، جس کا اقرار تھوڑی دیر پہلے تو نے امیر المومنین کے سامنے کیا تھا؟ تو اس اعرابیہ نے کہا نہیں وہ تو میں اپنی سخت حالی اور پریشانی کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ (کنز العمال حدیث نمبر: ۳۶۱۷۳)

جس راز سے لوگ بعد میں آشنا ہوئے امیر المومنین نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔

ایک مرتبہ جہجاہ غفاری نامی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بے

ادبی کرتے ہوئے آپ کے عصاء مبارک کو چھین کر توڑ ڈالا، آپ کی یہ بے ادبی اس کو مہنگی پڑی، چناں چہ اسے آکلہ نامی بیماری ہوئی اس بیماری میں آدمی کے اعضا سڑ کر گر جاتے ہیں۔

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دورانِ سفر ایک آواز سنی ہائے تباہی! ہائے آگ! میں اس شخص کے پاس گیا جس کی یہ آواز تھی، اب میری نگاہوں کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر کٹے ہوئے تھے، اور دونوں آنکھوں سے اندھا تھا، میں نے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ میں جب غلط ارادے سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہوا تو ان کی اہلیہ چلانے لگی میں نے ان کو ایک طمانچہ مار دیا، یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے لیے بددعا کر دی کہ اللہ تیرے ہاتھ پیر کاٹ دے، تجھے اندھا کر دے اور تجھے آگ میں داخل کر دے، پھر مجھے ایک کڑک دار آواز نے آلیا اور میرا یہ حال ہوا جو آپ دیکھ رہے ہیں، ان کی ساری دعائیں قبول ہو گئیں ہیں، صرف آگ والی دعا ابھی باقی ہے میں نے اس سے کہا کہ تو اللہ کی رحمت سے دور ہو چکا ہے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۳، ص: ۷۳)

حضرت امام زہری ولید بن سوید کے واسطے سے بیان فرماتے ہیں کہ بنی سلیم کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں حاضر تھا جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، اور میں اس سے پہلے یہ سوچتا تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے کچھ ناراضگی ہوگی کیوں کہ حضرت عثمان نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام ربدہ میں رہنے کا حکم دیا تھا لیکن جب اس مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا اور کسی تنقید کرنے والے نے آپ پر تنقید کی تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان کے بارے میں خیر کے سوا کوئی بات مت کرنا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ایک ایسا منظر دیکھا ہے جسے میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا، میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تنہائی میں حا

ضر تھا اور کچھ سماعت کر رہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آ گئے ان کے آنے کے بعد حضور نے اپنے دست اقدس میں کچھ کنکریاں اٹھائیں تو ان کنکریوں نے حضور کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی ان کنکریوں کی ایسی آواز سنائی دے رہی تھی کہ جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے، پھر وہی کنکریاں حضرت ابوبکر نے اپنے ہاتھ میں لے لیں تو ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی، پھر حضرت ابوبکر نے وہ کنکریاں زمین پر رکھ دیں تو وہ خاموش ہو گئیں پھر ان کو حضرت عمر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح بیان کی پھر انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں، پھر وہ کنکریاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھالیں کنکریوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی تسبیح بیان کی پھر سرکار نے ان کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دیا تو آواز آنا بند ہو گئی۔ (تاریخ اسلام للذہبی ج ۳،ص: ۴۷۸)

ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں نامحرم کے ساتھ بدنگاہی کر کے آیا، آپ نے فرمایا! تعجب ہے کہ بعض لوگ اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی نگاہوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ کیا حضور کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے اس پر آپ نے فرمایا: وحی تو جناب رسالت ماب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی پر نازل نہیں ہوئی لیکن قول حق کی برکتیں اور سچائی کی فراست ہمیشہ جاری رہے گی۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص: ۳۶)

ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے چہرہ کے ساتھ گستاخی کی اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں: میں نے اس کے ہاتھ کو لکڑی کی طرح سوکھا ہوا دیکھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰،ص: ۲۲۷)

زہد وتواضع: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ رب پاک نے اپنی ان گنت نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، دولت ان کے قدموں میں انڈیل دی گئی تھی، وہ امت کے

اتنے بڑے غنی تھے کہ ان کے نام کے ساتھ لفظ غنی جڑا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی ذات تکبر، گھمنڈ، اور فضول خرچی وغیرہ سے پاک تھی وہ اپنی دولت سے دوسروں کی حاجتیں پوری کرتے اور خود زہد و عاجزی کی تصویر بنے رہتے تھے۔

حضرت شرحبیل فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو عمدہ کھانا کھلاتے اور خود سرکہ اور زیتون پر گزارا کرتے۔

حضرت عبداللہ بن شداد کہتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے دیکھا جب وہ امیر المومنین تھے، آپ معمولی کپڑا پہنے ہوئے تھے جس کی قیمت چار پانچ درہم تھی۔

حضرت حسن فرماتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں دیکھا کہ اپنی چادر کو تکیہ بنائے سو رہے تھے، اور لوگ آتے جاتے اور ان کے گرد بیٹھتے جاتے، گویا کہ امیر المومنین کو ان سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس غلاموں کی کثرت تھی، لیکن اس کے باوجود بھی زندگی اتنی سادہ تھی کہ اگر رات میں کوئی ضرورت پیش آتی تو اپنے کسی بھی غلام کو نیند سے بیدار نہیں کرتے (بلکہ خود ہی اپنا کام کر لیتے)

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص:۴۲)

مال و دولت کی فراوانی کے باوجود ہمیشہ زاہدانہ زندگی بسر فرمائی قز نام کا ایک خوبصورت رومی کپڑا تھا، جس کو متوسط طبقہ کے لوگ پہنا کرتے تھے، لیکن آپ نے وہ کپڑا نہ خود کبھی استعمال کیا اور نہ اپنی ازواج کو استعمال کرنے دیا۔ (مقالات سعیدی ص:۱۹۷)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات کا وظیفہ باقی صحابہ کی نسبت دوگنا کر دیا، ہمیشہ اپنے مال سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، اپنے بارہ سالہ دور خلافت کے اندر بحیثیت خلیفہ کے ایک پیسہ بھی بیت المال سے نہیں لیا اور اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔ اس حساب سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ سال میں ساٹھ ہزار درہم کی رقم بیت المال میں مسلمانوں کے لیے چھوڑی۔

(مقالات سعیدی ص: ۱۹۷)

مسجد نبوی کی توسیع: ۳۳ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی، اس میں پہلے کی نسبت بہت وسعت کر دی حتیٰ کہ اس کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ پر مشتمل ہو گیا، حضرت عثمان نے نقشین پتھروں سے اس کی دیواریں اور ساگون کی لکڑی سے اس کی چھت بنوا کر مسجد کو بے حد حسین وجمیل بنا دیا۔

(تاریخ الخلفاص: ۱۲۰، مقالات سعیدی ص: ۱۹۷)

اولیات حضرت عثمان: سب سے پہلے آپ ہی نے لوگوں کو جاگیروں کا مالک بنایا، جانوروں کے لیے چراگاہیں بنائیں، تکبیر دھیمی آواز سے کہنے کا حکم دیا، مسجدوں کو ایک خاص قسم کی خوشبو سے مہکایا، جمعہ میں پہلی اذان کا اضافہ فرمایا، مؤذن حضرات کی تنخواہ آپ ہی کے دور سے شروع ہوئی، آپ نے لوگوں کو ان کی زکوٰۃ خود نکالنے کا اختیار دیا، آپ ہی نے محکمۂ پولیس میں عہدے داران کو منتخب فرمایا، آپ ہی نے مسجد میں مقصورہ (حفاظت کے لیے محفوظ جگہ) بنوایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا واقعہ نہ دہرایا جاسکے، آپ ہی کے دور میں مال کی اتنی کثرت ہو گئی کہ لوگ فکر معاش سے آزاد ہو کر کبوتر اڑانے اور غلیل چلانے میں مصروف ہو گئے تو آپ نے ایک شخص کو ایسی خرافات کے ازالے پر متعین فرمایا۔

(تاریخ الخلفاء ص: ۱۳۱)

صحابہ کا اظہار افسوس: صحابہ کرام کی پوری جماعت تقویٰ سے آراستہ، محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مزین، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی آئینہ دار، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی زندہ مثال تھی، یہ حضرات خود تو نیک بلکہ نیکوں کے امام تھے ہی، نیکوں سے محبت کرنا ان کا طرۂ امتیاز تھا، جس ذات میں خیر پاتے یہ حضرات اس ذات سے دلی محبت فرماتے، تو جو ذات منبع خیر ہو، کان حیا ہو، داماد مصطفی ہو، میدان کا غازی ہو،

غریبوں، یتیموں کا حامی ہو، جس کے روزوں کی کثرت کا یہ عالم کہ لوگ انہیں ''صائم الدہر'' کا خطاب دیں بلکہ جس نے اپنے کاروان حیات کی آخری منزل روزے کی حالت میں طے کی ہو، اور روزے کی حالت میں شہادت کو گلے لگایا ہو۔ جسے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پاس ابوبکر و عمر کے ساتھ روزہ افطار کی دعوت دی ہو، جس کو شدت پیاس سے تڑپتا دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عالم بالا سے آکر سیراب کیا ہو اور اس کی ٹھنڈک حضرت عثمان نے محسوس سے کی ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۲۹۹ تا ۳۰۰)

جب یہ امر عظیم (واقعہ شہادت) جس کی فظاعت، شناعت بیان سے باہر ہے جب واقع ہوا تو صحابہ کرام کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے اپنے اپنے انداز میں جذبات کا اظہار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کو بہت عظیم اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا قرار دیا آپ فرماتے ہیں:

اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر سارے لوگ جمع ہو جاتے، اور کوئی بھی آپ کے قتل کی مخالفت نہ کرتا، تو لوگوں پر ویسے ہی پتھروں کی بارش کر دی جاتی جیسے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے اور ان کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: اگر لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا قصاص طلب نہ کیا تو آسمان سے پتھر برسیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا: اے اللہ! میں عثمان کے معاملہ میں بری ہوں، نہ میں ان کے قتل میں شامل ہوں اور نہ ہی میں نے قتل کا حکم دیا ہے لیکن میں مظلوم رہا کہ انہیں قتل ہونے سے بچا نہ سکا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۶۷ تا ۷۸)

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر ملی کہ قاتلین عثمان اپنے کیے پر شرمندہ ہیں تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ''كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ'' ﴿الحشر ۱۶﴾ شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر اور اس نے کفر کر لیا تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے دور

ہوں بے شک میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قاتلین کی ندامت کے بارے میں سن کر فرمایا مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۵۰﴾" ﴿یٰسٓ ۵۰﴾ وہ لوگ صرف ایک عذاب کی چیخ کے انتظار میں ہیں وہ ان کو آلیگی اور وہ جھگڑ رہے ہوں گے تو نہ وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔

اس تناظر میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آیت تلاوت فرمائی: "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴿۱۰۴﴾ "﴿الکہف ۱۰۴﴾" اے محبوب! فرما دیجیے کیا تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

بعد تلاوت آپ نے دعا کی "اللّٰھم اندھم ثم خذھم" اے اللہ! انہیں رسوا کر دے اور پھر ان کی گرفت فرما۔

حضرت سعد مستجاب الدعوات تھے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے دعا قبول ہوئی لہٰذا بعض لوگوں نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: قاتلین عثمان میں کوئی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔" اور بعض نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک مرنے سے پہلے پاگل ہو گیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۲۰)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس امت کا پہلا فتنہ حضرت عثمان کو قتل کرنا ہے اور آخری فتنہ دجال کا نکلنا ہوگا۔

آپ نے مزید فرمایا: جس کے دل میں حضرت عثمان کے قتل سے تھوڑی سی خوشی ہوگی تو دجال اس کا اس کی قبر تک پیچھا کرے گا۔ (ایضاص: ۳۳۱)

حضرت عثمان بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرش کے پاس کھڑے ہیں اور حضرت ابوبکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کاندھا تھامے ہوئے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہیں اور حضرت عثمان حضرت عمر کا کاندھا پکڑے ہوئے ہیں اور ان حضرات کے سامنے خون موجود ہے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قصاص کی فریاد کر رہا ہے۔(ایضاص:۳۳۹)

فقید المثال شہادت: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے فقید المثال انسان ہیں، جنہوں نے طاقت وقوت کے باوجود مسلمانوں میں خوں ریزی پسند نہیں فرمائی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ حالات حد سے آگے تجاوز کر چکے ہیں اور بلوائیوں کے تیر وتلوار کسی وقت بھی ان تک پہونچ سکتے ہیں، اپنے حامیوں میں سے کسی کو بھی لڑنے کی اجازت نہیں دی خود ظلم برداشت کرتے رہے لیکن امت رسول میں ظلم وستم کا سلسلہ دراز نہیں ہونے دیا، آخری وقت تک دیار رسول سے کوچ نہیں کیا، نہ مدینہ طیبہ میں خون کی ندیاں بہنے دیں، اور نہ ہی مکہ کی حرمت پامال ہونے دی، طاقت ہونے کے باوجود طاقت کا استعمال اپنی جان کے لیے نہ کرنا، اور شہادت قبول کر لینا، یہ صرف غلام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا حصہ ہوسکتا ہے۔ صلاۃ وسلام ہوں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کہ جس کے دامن کرم سے لپٹ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بلند مقام حاصل ہوا اور سلام ہو حضور کے عاشق صادق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ پوری عمر دین کی خدمت میں گزار دی اور اپنی آخری سانس تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کرتے رہے اور اس میں کامیاب رہے۔ آج بھی ان کی تربت پر اہل دل یہ آواز محسوس کر سکتے ہیں کہ میں اپنے نبی سے کیے ہوئے وعدے پر صبر کر رہا ہوں۔

اولاد امجاد: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۹ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔

بیٹے: (۱) عبد الرحمٰن، یہ بنت رسول اللہ حضرت رقیہ کے فرزند تھے (۲) عبد اللہ اصغر ان کی والدہ فاختہ بنت غزوان ہیں

(۳) عمرو (۴) ابان (۵) خالد (۶) عمر، ان چاروں کی والدہ بنت جندب ہیں (۷) سعید (۸) ولید، ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنت ولید ہیں (۹) عبدالملک، ان کی والدہ ام بنین بنت عیینہ ہیں۔

بیٹیاں (۱) مریم، ان کی والدہ بنت جندب ہیں (۲) ام سعید، ان کی والدہ فاطمہ بنت ولید ہیں (۳) عائشہ (۴) ام ابان (۵) ام عمرو، ان کی والدہ رملہ بنت شیبہ ہیں (۶) مریم، ان کی والدہ نائلہ ہیں (۷) ام البنین، ان کی والدہ ام ولد ہیں۔ (صفۃ الصفوہ ج ۱، ص: ۲۹۵)

الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۸۸ صاحب ریاض النضرہ نے بنت رسول کے شہزادے کا نام عبداللہ اصغر بیان کیا ہے۔

یہ تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر سیرت جسے پڑھ کر زندہ دل افراد کو تقویٰ، خشیت، سخاوت، عشق رسالت، جاں نثاری، وفا شعاری اور صبر آزمائی کا درس ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقے ان حضرات کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

زاہد مسجد احمدی پر درود
دولت جیش عسرت پہ لاکھوں سلام
درمنثور قرآں کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ تبارک وتعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو انسانوں کی ہدایت کے لیے مکہ میں پیدا فرمایا، رحمۃ للعالمین اور ھادیٔ اعظم بنایا، پورے عالم نے آپ کی رحمت سے اپنے حسب حال حصہ پایا اور ان گنت وہ ہیں جو آپ کی خصوصی رحمتوں کے حق دار ہوے، ان پر آپ کا فیض کرم برسا اور ہمیشہ برستا رہے گا، یہ خوش نصیب، بلند قسمت اور مقدر کے سکندر قیامت تک آنے والے وہ حضرات ہیں جنھوں نے آپ کی لائی ہوئی خدائی ہدایت کو قبول کیا اور اس پر گامزن رہ کر اللہ تعالیٰ سے جنت کا سودا کر لیا۔ یوں تو آپ کی راہ چلنے والے ہر زمانے کے مسلمان کامیاب اور فائز المرام ٹھہرے، لیکن اللہ کے جن بندوں کے سروں پر تاج صحابیت سجا ان کے علو مکان، رفعت منصب، بلندیٔ درجات اور ان کی ذات میں موجود فضائل ومناقب کے بحر ذخار کو بیان کر پانے میں الفاظ کا دامن تنگ تر اور ناکافی ہے۔

صحابہ کے درجات بھی مساوی نہیں بلکہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ فتح مکہ سے قبل ایمان لانے والے صحابہ کو قرآن پاک نے خصوصی مقام عنایت فرمایا۔ اس تناظر میں یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو صحابۂ کرام آغاز اسلام کے دور میں حلقہ بگوش اسلام ہوے، ان کا مقام دیگر صحابہ سے ممتاز اور جدا ہے۔ پھر ان کا کیا کہنا جو ابتداءً اسلام لاے اور حضور کے وصال تک آپ کی صحبت کو زندگی کی سب سے قیمتی اور گراں مایہ دولت تصور کرتے رہے۔

پھر اس ذات کے مراتب کا کیا بیان جس نے دنیا میں آ کر ماں کا دودھ بعد میں پیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لعاب دہن کو اپنی سب سے پہلی غذا بنایا، جو پیدا ہوا خانۂ کعبہ کی چھاؤں میں، کھیلا حضور کی باہوں میں، حضور کے الطاف کریمانہ جس کے مربی، جس کا بچپن و جوانی سب حضور کی نگاہوں میں، اعلان نبوت ہوتے ہی جو حضور کی بارگاہ میں آ کر دامن اسلام میں داخل ہوا، جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاندانی بلکہ حضور کے سگے چچا کا بیٹا، جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی لخت جگر کا شوہر بن کر دامادِ پیغمبر کے عظیم منصب پر فائز ہوا اور آگے چل کر فاتح خیبر بنا، اللہ و رسول اس کے محبوب اور وہ اللہ و رسول کا محبوب جل مجدہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جس کی محبت ایمان کی علامت، جس سے بغض علامت کفر، جس کے بیٹے جنتی جوانوں کے سردار، جس کی زوجہ جنتی عورتوں کی سردار، جس کی اداؤں کا بیان اللہ کے مقدس کلام میں، ان کا محبوب حضور کا محبوب، ان کا معتوب حضور کا معتوب، یہ سو جائیں تو حضور جگائیں، روٹھ جائیں تو حضور منائیں، جس کے سانس لینے کی ابتدا بیت اللہ سے، اور انتہا بھی خانۂ خدا میں، ولایت کے تاج داروں کا سردار، مومنین کا مولیٰ، رات کا نمازی، دن کا غازی، غزوات میں اس کی شرکت کامیابی کی ضمانت، جس کی تلوار نے بدر میں دھاک بٹھائی، اور اس کی رفتار اور یلغار بڑھتی ہی رہی، یہاں تک کہ عرشی و فرشی سب نے کہا؎

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار
لافتیٰ الاعلی لاسیف الا ذوالفقار
بہر تسلیم علی میداں میں
سر جھکے رہتے ہیں تلواروں کے

ان کی محبت میں زندہ رہنا عبادت اور مرجانا شہادت، انہیں دنیا حیدر کرار علی ابن ابی طالب کے نام سے جانتی ہے۔

نام و نسب: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن

کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ ی قرشی ہاشمی (خیال رہے کہ ابو طالب کا نام عبد مناف اور ہاشم کا نام عمرو ہے) آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے، کنیت ابوالحسن اخ رسول اللہ ہے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کی کنیت ابوتراب رکھی) آپ کی زوجہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، اور آپ حسنین کریمین کے والد ہیں، آپ پہلے ایسے ہاشمی بچے پیدا ہوے جس کے ماں، باپ دونوں ہاشمی ہیں، بنی ہاشم میں بننے والے پہلے خلیفہ ہیں، اپنے تینوں بھائی جعفر، عقیل، طالب سے چھوٹے تھے۔

(اسدالغابہ ج ۴، ص: ۸۷)

بیان کردہ نسب نامہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نسب کے اعتبار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے قریب ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عبدالمطلب پر جا کر حضور سے مل جاتا ہے۔

پیدائش: آپ کی پیدائش ۳۰ھ عام الفیل میں ہوئی، ہجرت سے پچیس یا تیئس سال قبل۔ (نورالابصار ص: ۸۵)

آپ کا حلیہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد میانہ تھا جسے نہ لمبا کہا جا سکتا ہے اور نہ پست، رنگ گندمی بعض حضرات کے نزدیک مائل بسرخی تھا، کاندھے بھرے ہوے، آنکھیں بڑی بڑی، داڑھی لمبی، پیٹ دیگر اعضا کے مقابل بڑا، بال سفید، سر بالوں سے خالی (بعض علما نے لکھا ہے کہ خود زیادہ استعمال کرنے کی وجہ سے بال گر گئے تھے) جسم تھوڑا موٹا، بازو اور ہاتھ بہت مضبوط، جسم قوت سے بھرپور تھا جس سے بھی آپ کی کشتی ہوئی اسے آپ نے پچھاڑ دیا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷، ص: ۲۹۹، الریاض النضرہ ج ۳، ص: ۹۳)

خاندانی وجاہت: خاندان بنو ہاشم کو سرزمین عرب اور قریش کے تمام قبائل میں جو عظمت اور بزرگی حاصل تھی وہ عرب کے کسی اور قبیلہ کو حاصل نہیں تھی اسی باوقار خاندان میں حضرت علی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوے۔

حضرت علی کے والد اگر چہ اسلام نہیں لائے، تاہم انہوں نے ہمیشہ حضور کی حفاظت کی، اور ہر موقع پر آپ کی حمایت کا حق ادا کیا' حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد مسلمان ہو گئی تھیں اور مستند روایات کے مطابق ہجرت کر کے مدینہ گئیں' جب ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی قمیص مبارک سے ان کا کفن بنایا، قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا اور دفن کے بعد دعا مانگی "اللّٰھم اغفر فاطمة بنت اسد ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیك والانبیاء الذین من قبل" "اے اللہ! فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیاے سابقین کے وسیلے سے۔(مقالات سعیدی ص:۲۱۳، نورالابصار ص:۸۶)

حضور کا پیارا جواب: جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کی قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضور نے جواب دیا: میں نے ان کو اپنی قمیص اس لیے پہنائی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنتی لباس پہنائے، میرے قبر میں لیٹنے کی وجہ سے انہیں قبر میں آسانیاں عطا فرمائے۔ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ بھلائی کرنے میں ان سے عمدہ کوئی نہیں تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے گریہ فرمایا، فاطمہ بنت اسد کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم والدہ کی طرح سمجھتے تھے کیوں کہ حضور کی پرورش میں ان کا بھی حصہ تھا۔(الریاض النضرۃ ج ۳، ص:۹۰)

علی آغوشِ نبی میں: ابو طالب کثیر العیال تھے، مکہ میں قحط پڑنے کی وجہ سے سبھی لوگ معاشی تنگی سے جوجھ رہے تھے، ابو طالب کے حالات تو پہلے سے ہی ناسازگار تھے، قحط نے انہیں اور توڑ کر رکھ دیا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دوسرے چچا عباس کے پاس پہنچے اور انہیں اس بات کی ترغیب دی کہ ہمیں مل کر جناب ابو طالب کا بوجھ بانٹ لینا چاہیے ان کا ایک بیٹا میں لے لیتا ہوں جس کی کفالت میں کروں گا، جب کہ دوسرے بیٹے کے اخراجات کی ذمہ داریاں آپ سنبھال لیں، اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ چناں چہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے چچا عباس کے ساتھ ابو طالب کے پاس پہنچے اور اپنے آنے کا

مقصد ان پر واضح فرمایا، ان دونوں حضرات کی گفتگو سن کر ابو طالب نے کہا عقیل اور طالب کو آپ میرے پاس رہنے دیں اور باقی کے ساتھ جو چاہیں کریں، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور عباس جعفر کی کفالت کرنے لگے۔ (نور الابصار ص:۸۶، الریاض النضرہ ج ۳، ص: ۹۴)

قادر مطلق کی قدرت اور حکیم مطلق کی حکمت پر سو جان سے قربان ہو جایئے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے ہی حضرت علی کو اپنے محبوب کی آغوش میں دے دیا تا کہ یہ قطرہ صدف احمدی میں پہنچ کر دُرِّ شہوار بنے اور اپنے علمی اور روحانی انوار ساطعہ سے تا قیامت اکناف عالم کو روشن اور منور کرتا رہے۔

علی آغوشِ اسلام میں: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن ہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آ گئے تھے اگر چہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابھی تک اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن آپ کے کردار و گفتار، عادات و اطوار کی بھینی بھینی خوشبو سے اہل مکہ اپنے مشام جاں کو معطر کر رہے تھے، محلے محلے بلکہ گلی گلی میں آپ کی پاک دامنی، حفظ امانت اور خوش اخلاقی کے گیت گائے جا رہے تھے۔

آخر وہ بچہ اس خوشبو سے کیوں کر محروم رہ سکتا تھا جس کی حیات کا پورا نظام اس عطر بیز ماحول سے وابستہ تھا جیسے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا، اپنی ذمہ داریوں اور تعلیمات سے اپنی شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبری کو آگاہ کیا، وفا شعار و فرماں بردار بیوی اپنے شوہر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی ماحول میں ڈھلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ آپ کی شریک حیات ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر حرز جاں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت خدیجۃ الکبری کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی عبادت میں مشغول ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر جب اس نورِ مجسم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ پر پڑی تو دیکھتے رہ گئے، آپ نے ان دونوں حضرات کو سیکڑوں بار دیکھا تھا لیکن اس بار کا دیدار اپنے اندر کچھ الگ ہی جاذبیت رکھتا

تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامنِ دل غیر شعوری طور پر ان دونوں کی طرف کھچا چلا جا رہا تھا، وجہ یہ تھی کہ کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو اس طور پر عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، ظاہر ہے کہ جب دل کسی کی طرف مائل ہو رہا ہو، تو پھر نظر پر قابو کہاں! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نگاہیں جمائے رہے، جب تک حضور نماز سے فارغ نہیں ہو گئے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کچھ پوچھنے کے لیے سراپا انتظار تھے ہی، حضور کو فارغ دیکھتے ہی عرض کیا! یہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے ہی آسان لب و لہجے میں اس کم سن کی ذہنی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا: "دین اللہ الذی اصطفیٰ لنفسہٖ" یہ اللہ کا وہ دین ہے جس کو خدا پسند فرماتا ہے۔ اس دین کی تبلیغ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں، میری دعوت قبول کرلو اور بتوں سے ہمیشہ دور رہو۔

اتنی سی عمر میں اتنا عظیم مسئلہ درپیش ہے اس سے پہلے کبھی کسی کی زبانی یہ ہدایات سننے میں نہیں آئیں تھیں، قوت فیصلہ جواب دے رہی ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت بھی وہی جواب دیا جو ہر فرماں بردار ہونہار بچہ کا جواب ہوتا ہے۔ میں اپنے والد سے مشورہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی اس راز کو فاش نہیں کرنا چاہتے تھے لہٰذا آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے علی! اگر تم ابھی اسلام قبول نہیں کرتے تو اتنا کرو کہ اس راز کو کسی کے سامنے فاش نہ کرنا یہ راز تمہارے سینے ہی میں رہنا چاہیے۔ اس کے بعد سلسلہ کلام تو منقطع ہو گیا لیکن فیضان ہدایت اثر انداز ہوتا چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو قبول اسلام کے لیے معمور کر دیا، کسی طرح رات کٹی، صبح ہوتے ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ عرض کرتے ہیں: حضور ایک مرتبہ پھر سے وہی نورانی کلمات دہرا دیجیے اور دل مضطرب کو دولت اطمینان سے مالا مال فرمایے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر اپنا واضح، سنجیدہ، غیر مشتبہ اور

دلوں کو فتح کر لینے والا کلام ان کے سامنے دعوت اسلام کے طور پر پیش فرمایا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کلام پورا ہوا اور علی آغوش اسلام میں سما گئے، فلاح وسرمدی اور نجات ابدی ان کا مقدر بن گئی۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۸۹)

قبولِ اسلام کے وقت آپ کی عمر: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے (بچوں میں) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منگل کے دن اسلام قبول کیا۔ حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا جب حضرت ابراہیم نخعی نے یہ روایت سنی تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا سب سے پہلے حضرت ابوبکر اسلام لائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ اس امت میں مجھ سے پہلے کسی نے اللہ کی عبادت نہیں کی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۸۹)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے اسلام لانے کی عمر ۱۰/سال ہونا بیان فرمایا ہے اور اس کو قول راجح قرار دیا اور سات اور آٹھ کے اقوال بھی بیان فرمائے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۲۸، ص: ۴۳۵)

وضاحت: علامہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر اپنی سند سے کئی روایات درج فرمائی ہیں لیکن جمہور مؤرخین اور محدثین وفقہا کا یہ موقف ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپ پر کبھی کفر طاری نہیں ہوا: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے مبارک رسالہ "تنزیہ مکانۃ الحیدریۃ" میں تحقیق کے دریا بہاتے ہوئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی بھی زمانہ میں کافر نہیں کہا جاسکتا۔ "بعد قبول اسلام تو بات بالکل ظاہر ہے کہ آپ ہمیشہ مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے سردار رہے اور قبولِ اسلام سے قبل بھی آپ پر کفر کا طریان نہیں ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: بعد بعثت تو اس خیال شنیع (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کفر کے طریان کا خیال) کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب پر تخفیف عیال کے لیے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنی بارگاہِ ایمان پناہ میں لے آئے تھے۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کنار اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں تو جب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعاً یقیناً رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامنِ پاک کبھی آلودہ نہ ہوا اس لیے لقب کریم کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ملا۔ اب رہ گئے صرف چند برس جو روز پیدائش سے بالکل ناسمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جاسکتا کہ صدقِ مشتق قیامِ مبدا کو مستلزم، کفر تکذیب ہے اور تکذیب بے ادراک وتمیز نامتصور بلکہ اس وقت تک ہر بچہ کا دین فطری اسلام ہے"۔ (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۸، ص: ۴۳۷)

جس کو تحقیق کے دریا میں غوطہ زن ہونے کا شوق ہو وہ امامِ اہل سنت کے پورے رسالے کا مطالعہ کرے۔

آپ کی ہجرت: ہادیٔ اعظم اور داعیٔ اسلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت مکہ میں عام ہوتی جارہی ہے، رفتہ رفتہ ایوانِ کفر کے ستون منہدم ہورہے ہیں، کفار کا

مذہبی محل مسمار ہونے کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے، وہ چشم مشاہدہ سے دیکھ رہے ہیں کہ ان کی ہزار مخالفتوں کے بعد بھی پیغمبر اسلام کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے، شمع رسالت کے گرد منڈلانے والے پروانوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، قریش کے پاس سب سے بڑا ہتھیار ان کی مادی طاقت تھی، انہوں نے اس طاقت کا غیر محل میں بھر پور استعمال کیا اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر کے رکھ دیا۔

مسلمان بھی رب کے پیغمبر اور انسانیت کے ہادئ اعظم کے حکم پر اپنا مال ومتاع بلکہ جان تک قربان کرنے کے لیے ہر لمحہ تیار تھے، مکہ والوں کے ظلم کو دائرۂ خیال میں لائیے اور غور کیجیے کہ ان کے ظلم کا سلسلہ کتنا طویل اور کتنا دراز تھا، مکہ کی سرزمین پر اسلام کا کلمہ نہیں پڑھنے دیتے اور اگر اس کلمہ کا عاشق مکہ چھوڑ کر کلمہ کو سینے سے لگائے ہوئے دوسری سرزمین کا قصد کرتا کہ وہاں پہنچ کر سکون واطمینان سے اپنے رب کا ذکر کرے گا تو اسے مکہ چھوڑنے کی آزادی بھی نہیں دیتے، بلکہ بزورِ شمشیر اس کو وہیں رہنے پر مجبور کرتے، مگر راہِ حق کے دیوانوں کا راستہ روک پانا اتنا آسان تو نہ تھا۔

بے چارے مسلمان لٹتے، پٹتے، مار کھاتے، مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے، کوئی دن کے اجالے میں چھپتے چھپاتے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاتا تو کوئی کسی حیلہ بہانے سے پہنچنے میں کامیاب ہوتا، کوئی رات کے اندھیرے میں رختِ سفر باندھتا اور منزل مقصود کی طرف رواں ہو جاتا۔ ابھی تو عام مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت ملی تھی لیکن اب رب تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی ہجرت کرنے کا اِذن عطا فرما دیا ہے۔ پیغمبر اسلام کو ہجرت فرمانا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت فرمانے کی منصوبہ بندی فرمائی۔ آپ کے دو جاں نثار آپ کے منصوبہ کا لازمی حصہ تھے ایک جاں نثار کا نام ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جسے سفر میں ساتھ رہنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، دوسرے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن سے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں: اے علی! یہ اہل مکہ کی امانتیں ہیں جو انہوں نے مجھے

صادق وامین سمجھتے ہوئے سونپی ہیں انہیں سنبھال کر رکھو میں آج رات مدینہ شریف روانہ ہو رہا ہوں، تم آج میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا میرے بعد چند دن تک مکہ میں ٹھہرے رہنا، پھر مدینہ شریف میری بارگاہ میں حاضر ہو جانا، جس رات مصطفیٰ جانِ رحمت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا، یہ وہی رات ہے جس میں کفار قریش حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے (معاذ اللہ) حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں آ کر عرض کیا تھا کہ آج آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔

اس پر خطر رات میں جب کہ کفار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کے درپے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری جواں مردی و ہمت مردانہ کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بستر پر محوِ خواب ہیں، ادھر قریش اس انتظار میں ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لائیں اور ہم ان کا کام تمام کر دیں، وہ سوئے ہوئے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی سمجھ رہے تھے، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر نبوت پر آرام سے سوتے رہے اور کفار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتظار کرتے رہے، وقت تیزی کے ساتھ گزرتا رہا، بستر پر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی نے کفار کو کوئی بھی کاروائی کرنے سے روکے رکھا اور جب صبح کفار کو اس بات کا علم ہوا تب بھی کفار فوری طور پر کوئی کاروائی کرنے سے صرف اس وجہ سے باز رہے کہ وہ سمجھ رہے تھے جب علی مکہ میں موجود ہیں تو نبی بھی مکہ میں موجود ہوں گے اور ادھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے یار کے ساتھ غار میں پناہ لینے کا وقت مل گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند دن مکہ میں ٹھہرے رہے، مکہ والوں کی امانتیں واپس کیں اور مدینہ منورہ کا رخ کر لیا، رات میں سفر کرتے اور دن میں کفار کی نگاہوں سے چھپنے کے لیے کسی پوشیدہ جگہ کو پناہ گاہ بناتے۔

اس طرح کئی رات مسلسل سفر کر کے آپ بارگاہ رسول میں حاضر ہو گئے۔ مسلسل دشوار گزار راہوں پر سفر کرنے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم مبارک زخمی

ہو گئے تھے اوران سے خون بہہ رہا تھا تکان کی وجہ سے پیر بھی سوج گئے تھے، جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی ملاقات ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہتی آنکھوں کے ساتھ علی کو شفقت ورحمت والی بانہوں میں لے لیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخمی پیروں پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اپنا دست کرم ان پر پھیرا اور دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے لعاب دہن کی برکت سے آپ کو ایسی شفا بخشی کہ پھر شہادت تک کبھی بھی یہ پریشانی لاحق نہ ہوئی۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۹۲)

علی کا اعتماد: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطرناک ماحول میں اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنی جان کو بارگاہ رسالت میں نذر کرکے زندگی کی بے مثال قربانی پیش فرمائی۔ ان خطرات کے سایے میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر آپ کو مکمل اعتماد تھا، خود آپ کا بیان ہے کہ مجھے ایسی نیند زندگی کے کسی حصہ میں نہیں آئی وجہ یہ تھی کہ میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ضمانت پر سویا تھا اس لیے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ان تمام امانتوں کو دے کر مجھ سے مدینہ منورہ میں ملاقات کرنا۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ ص: ۸۸)

تبلیغ دین میں حضرت علی کی معاونت: اعلان نبوت کے بعد تین سال تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خفیہ طریقے پر تبلیغ کرتے رہے، خاص خاص لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور ان میں سے اکثر قبول کر لیتے، نبوت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ کھلے عام تبلیغ کیجیے اور اس کی ابتدا اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیجیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا لیکن ابولہب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بدتمیزی کرکے مجمع منتشر کر دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار پھر اپنے اقربا کو جمع کیا اور چالیس

افراد کی دعوت کی، جن میں حمزہ، عباس، ابو طالب اور ابولہب بھی تھے، دعوت سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے بنی عبد المطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمتیں پیش کرتا ہوں، بتاؤ اس معاملہ میں کون میرا ساتھ دے گا؟ یہ سن کر ساری محفل پر سکوت طاری ہو گیا۔ اس خاموشی میں اگر کسی کی آواز ابھری تو وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے فرمایا: اگرچہ میری عمر سب سے چھوٹی ہے، میری آنکھیں دکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، لیکن میں اسلام کی راہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار اپنے اقربا سے اسلام کی راہ میں تعاون کی اپیل کرتے رہے لیکن ہر بار صرف حضرت علی کی آواز سنائی دیتی تھی۔

(الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص: ۱۲۳/ مقالات سعیدی ص: ۲۱۴)

اخوتِ رسول: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں باہمی محبت قائم کرنے اور مہاجرین کی مدینہ منورہ میں اجنبیت ختم کرنے کے لیے عقد مواخات قائم فرمایا، ایک انصاری کے ساتھ ایک مہاجر کو کھڑا کیا جاتا اور حکم ہوتا تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قائم کردہ رشتہ کو نبھانے کا حق ادا کر دیا اور وہی سلوکِ محبت کر دکھایا جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ اس مدنی رشتہ مواخات میں بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھائی بنے جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کر چکے تب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آگے کا حال امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنیے آپ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے

اپنے صحابہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی (اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقی رہ گئے) تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں روتے ہوئے حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا لیکن آپ نے میرا بھائی کسی کو نہیں بنایا؟ اپنے غلام کی اس عرض پر آقائے کریم نے ارشادفرمایا: "انت اخی فی الدنیا والآخرۃ" اے علی! تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب مناقب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

قارئین! اندازہ فرمائیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنج وغم کی جس کیفیت میں ڈوبے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے وہ کتنی شدید تھی یہ اس کی شدت کا اثر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں کو ضبط نہ کرسکیں، ہر باشعور انسان ان کے آنسوؤں کی زبانی شدت غم کا اندازہ کرسکتا ہے لیکن اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخمی دل پر کیسا مرہم شفا رکھا کہ اس سے نہ صرف تکلیف جاتی رہی بلکہ حضور کے ایک جملے نے دنیا وآخرت کی ان گنت مسرتیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن میں جمع کردیں اس جملے میں علی کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت والفت اور ان سے آپ کے قلبی لگاؤ کا جو ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہے اسے اہل دل ہی بہتر جانتے ہیں۔

اسلامی لشکر کے علم بردار: یوں تو اسلامی فوج میں شرکت کرنے والا ہر مومن قابل قدر اور اپنی جگہ عظیم اہمیت کا حامل ہوتا ہے، مومن تو رہے مومن اسلامی لشکر میں شریک بے عقل چوپائے اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ قرآن پاک نے ان کی عظمتوں کی قسم کھائی ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر از سرِ نو علی کی رفعتوں کو سلام کیجیے۔ علی صرف شریک لشکر ہی نہیں کتنے غزوات میں حضور کا جنگی جھنڈا علی کے ہاتھوں میں بلند ہوتا رہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر کے علم بردار منتخب ہوئے۔ بعض علما کے نزدیک جنگ بدر کے دن بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کو اٹھائے

ہوئے تھے۔ یہ وہ جنگ ہے جس میں شریک ہونے والے ہر مسلمان کو یہ مژدہ سنایا گیا اب وہ چاہے جو کرے اللہ نے اسے بخش دیا ہے، جنگ احد میں اولاً جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں تھا، پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا گیا لیکن ان کی شہادت کے بعد پھر یہ عظیم ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے سپرد کر دی گئی۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ص: ۵۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص: ۳۶۷)

اللہ نے آپ کا نام ہی وہ رکھا ہے جس سے عظمت و بزرگی کا پتہ چلتا ہے تو پھر علی کیوں نہ رفعت کے بامِ عروج پر ہوں گے۔

میدانِ محشر میں علی حضور کے علم بردار: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ اصحاب رسول نے ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: حضور! قیامت کے دن آپ کا جھنڈا کون اٹھائے گا؟ تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اور کس کو یہ سعادت میسر آسکتی ہے سوائے اس کے جو دنیا میں میرا جھنڈا بلند کرتا رہا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ (تاریخ دمشق ج ۱۷ ص: ۳۲۱)

غزوات میں شرکت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فطرۃً ایک سپاہی تھے، غزوات میں شرکت کرنا اور اسلام کی ترقی کے لیے اپنی جواں مردی کے جوہر دکھانا، کفار و مشرکین کو خاک و خون میں تڑپانا، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جان کی بازی لگا دینا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کے لیے نقد جاں پیش کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا بلکہ خدا اور رسول جل مجدہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے جنگ کرنا ان کی فطرت ثانیہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے بدر، احد، خندق، بیعت رضوان، وغیرہ تمام اسلامی معرکوں میں جان پر کھیل کر آپ نے اسلام کی خدمت فرمائی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کے تارے بنے رہے۔ صرف غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکے کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ شریف میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص: ۸۸)

بدر میں شجاعت: تاریخ اسلام کا یہ وہ معرکہ ہے جب اسلام وکفر، حق و باطل کے درمیان پہلی ٹکر ہوئی، اس معرکہ میں فرزندانِ اسلام کی تعداد لشکر کفار کی تعداد سے ایک تہائی تھی، وسائل اور اسلحہ کے اعتبار سے بظاہر بہت کمزور تھے، جزیرہ عرب کا اجتماعی ماحول سراسر ان کے خلاف تھا، انتہائی خوش فہمی کے باوجود اسلام کے غلبہ اور فتح مند ہونے کی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی تھی، کفر بڑے کروفر کے ساتھ حق کی بے سروسامانی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تین گنا فوج لے کر بڑے غرور اور رعونت سے میدان میں آیا تھا لیکن اسے ایسی فیصلہ کن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس نے اس کی کمر توڑ دی پھر اسے کبھی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس شان سے حق کو للکار سکے۔ (سیرت الرسول ج ۳، ص ۲۹۳)

میدان بدر میں مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے ایک نئی تاریخ رقم فرمائی تھی اور آپ کی شجاعت کو صرف فرشیوں ہی نے تحسین وقدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھا بلکہ عرشیوں نے بھی آپ کو داد وتحسین سے نوازا۔

حضرت محمد بن علی فرماتے ہیں: اس دن آسمان سے رضوان نامی فرشتے نے یہ ندا لگائی تھی "لا سیف الا ذو الفقار۔ ولا فتی إلا علی"

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۱۴۴، الریاض النضرہ ج ۳، ص: ۱۳۴)

اس وقت کی جنگوں میں بالخصوص کفار قریش کا دستور یہ تھا کہ پہلے فرداً فرداً ایک پر ایک مقابلہ کرتا پھر عام لڑائی شروع ہوتی۔ کفار کی طرف سے امیر لشکر عتبہ، شیبہ اور ولید مقابلے کے لیے ابتداً نکلے ان کے مقابلے کے لیے تین انصاری جوان عوف ومعوذ اور عبداللہ بن رواحہ میدان میں آئے لیکن کفار گھمنڈ کے پتلوں نے کہا تم کون ہو؟ غلامانِ مصطفی نے جواب دیا: ہم انصار ہیں ان سرکشوں نے کہا تم ہمارے مدمقابل نہیں ہو ہمیں "أکفائنا من قومنا" ہماری قوم کے ہم سر چاہیے تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ، علی، اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کو ان کے مقابلے میں بھیجا، حضرتِ عبیدہ (جو عمر میں ان دونوں سے بڑے تھے) نے عتبہ کو للکارا، حضرت حمزہ نے شیبہ کو، سیدنا حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عتبہ کے بیٹے ولید کو، حضرت حمزہ نے اپنے مدمقابل کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا اور ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شمشیر خارہ شگاف سے وار کیا اس سے پہلے کہ ولید سنبھل پاتا آپ کی شمشیر بُرّاں نے اسے دو ٹکڑے کر کے زمین پر پھینک دیا اور اس کا سرغرور ہمیشہ کے لیے تن سے جدا کر دیا پھر یہ دونوں حضرات حضرت عبیدہ کی امداد کے لیے تیزی سے بڑھے اور ان کی تلوار بجلی کی سرعت سے کوندیں اور عتبہ کی لاش کو پارہ پارہ کر دیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲، ص ۲۲)

اور جب عمومی جنگ شروع ہوئی تب شیر خدا کی تلوار کے جوہر دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت سعید بیان فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ وہ اپنی تلوار سے مشرکین کی گردنیں اڑا رہے تھے اور کہہ رہے تھے "سنحنح اللیل کأنی جنی،، میں ہر لمحہ مکمل بیداری کے ساتھ تیار رہتا ہوں گویا کہ میرا تعلق عالم جن سے ہے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۹۲)

بنتِ رسول اللہ سے نکاح: حضور سرورِ کائنات علیہ وعلی آلہ اطیب التحیات واز کی التسلیمات کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادیاں عطا فرمائی تھیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی کا اسم مبارک سیدہ زینب، ان سے چھوٹی صاحبزادی کا نام نامی سیدہ رقیہ، ان سے چھوٹی صاحبزادی کا اسم گرامی سیدہ ام کلثوم تھا، اور سب سے چھوٹی اور پیاری لختِ جگر کا بابرکت نام سیدہ فاطمہ تھا جو سیدۃ نساء العالمین تھیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علی ابیھن وعلیھن الی یوم الدین ان سب کی مادر مشفقہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

جب سیدہ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو خاندانِ قریش کے متعدد سرداروں نے جو مال و دولت، اثر و رسوخ اور اپنی اسلامی خدمات کے باعث عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کے رشتہ کے لیے بارگاہِ رسالت میں درخواست کی، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو یہی جواب دیا کہ جیسا اللہ چاہے گا ویسا ہوگا۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی بھی دلی آرزو تھی کہ وہ اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوں لیکن جب اپنی تہی دامانی اور کم مائگی پر نظر پڑتی تو پھر عرضِ مدعا کی جرأت نہ

ہوتی، رہ رہ کر نبی رؤف ورحیم کی خوے بندہ نوازی ہمت بندھاتی کہ وہ کریم جس نے بچپن سے مجھے اپنی آغوشِ شفقت میں لیا اور مجھ سے اتنی محبت اور اتنا پیار کیا کہ اس کے سامنے باپ کی شفقت اور ماں کا پیار ہیچ نظر آنے لگا، پھر ایسی تربیت فرمائی کہ دل کی آنکھوں کو بینا کر دیا، جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو اس نور بصیرت کی برکت سے جو نگاہِ مصطفوی نے ارزانی فرمایا تھا نور حق کو پہچاننے میں ذرا دقت نہ ہوئی، اس کے بعد بھی اپنے ٹھنڈے سائے میں نشو ونما پانے کا موقع بخشا، ایسے کریم آقا کی فیاضیوں کے سامنے میری ان ناداریوں کی کیا حقیقت ہے مجھے عرض کرنا چاہیے وہ شفیق آقا مجھے مایوس نہیں کرے گا، بڑی پس وپیش کے بعد آپ نے حرفِ مدعا عرض کرنے کا عزم مصمم کر ہی لیا، ایک روز لجاتے اور شرماتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سراپا ادب بن کر بیٹھ گئے لیکن ہمت نے ساتھ نہ دیا، زبان گنگ ہوگئی، یارائے تکلم نہ رہا، زبان قال اگرچہ خاموش تھی مگر زبانِ حال کیفیات دل کی ترجمانی کر رہی تھی۔ ؎

زمشتاقان اگر تاب سخن بردی نمی دانی
محبت می کند گویا نگاہ بے زبانے را

نبی مکرم نے مہر سکوت توڑی اور فرمایا: ''ما جاء بك الك حاجة'' اے علی! کیسے آئے ہو کیا کوئی کام ہے؟ آپ پھر بھی بول نہ سکے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لعلك جئت تخطب فاطمة'' ، کیا فاطمہ کے رشتہ کے لیے آئے ہو؟ عرض کی: ہاں یارسول اللہ! حضور نے پوچھا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز ہے؟ عرض کی: ''لا واللہ یا رسول اللہ'' ، یارسول اللہ! بخدا میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ زرہ جو میں نے تمہیں پہنائی تھی وہ کدھر گئی، عرض کی: وہ تو میرے پاس ہے۔ فرمایا: وہی زرہ بطورِ مہر پیش کر دو۔ نکاح پہلے پڑھا گیا اور رخصتی کچھ عرصہ بعد ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ نکاح ماہِ رجب ایک ہجری میں ہوا اور رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت حضرت سیدہ کی عمر مبارک اٹھارہ

سال تھی۔

شب زفاف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو کہلا بھیجا کہ میرے آنے کا انتظار کریں، حضور تشریف لے گئے وضو فرمایا، پھر پانی پر دم کیا اور ان دونوں پر چھڑک دیا، پھر دعا فرمائی: اللّٰھم بارك فيهما وبارك عليهما وبارك لهما في نسلهما ''اے اللہ! ان دونوں میں برکت ڈال، ان دونوں پر برکت نازل فرما اور ان کے لیے ان کی نسل میں برکتیں عطا فرما''۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس متاع زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی موزوں مکان نہ تھا، آپ نے کرایہ پر مکان لیا اور چند راتیں وہاں بسر کیں۔ حضرت سیدہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ حضور کے غلام حارثہ بن نعمان کے کئی مکانات ہیں اگر حضور انہیں فرمائیں تو وہ ہمیں ایک مکان دے دیں گے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: حارثہ نے اس سے پہلے ہمیں کئی مکانات دیے ہیں اب مجھے اس کو تکلیف دیتے ہوئے شرم آتی ہے، یہ بات کسی طرح حارثہ نے سن لی فوراً حاضر خدمت ہو کر عرض پرداز ہوئے یا رسول اللہ! میرے سارے مکان حضور کے لیے ہیں، بخدا میرا جو مکان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قبول فرما لیتے ہیں وہ مجھے اس مکان سے بہت زیادہ عزیز ہوتا ہے جو میرے پاس رہ جاتا ہے۔ اپنی صاحبزادی کے لیے جو مکان حضور چاہیں پسند فرمائیں مجھے پیش کر کے انتہائی مسرت ہوگی۔

کریم آقا نے فرمایا: صدقت بارک اللہ فیک اے حارثہ! تم سچ کہتے ہو اللہ تجھے اپنی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ چناں چہ حضرت سیدہ اپنے شوہر نامدار علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس مکان میں تشریف لے آئیں۔

(سیرت الرسول ج ۳،ص: ۴۲۲، ۴۲۴، البدایہ والنہایہ ج ۵،ص: ۳۰۹)

علامہ پیر کرم شاہ ازہری اس واقعہ کو دوسری روایت کے مطابق یوں تحریر فرماتے ہیں:

ایک روز حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں بیٹھے تھے،

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود تھے، حضرت سیدہ کے رشتہ کے بارے میں گفتگو ہونے لگی، حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: بڑے بڑے شرفا نے اس رشتہ کے لیے درخواست کی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا: جیسے اللہ چاہے گا، لیکن علی مرتضیٰ نے ابھی تک گزارش نہیں کی شاید غربت وافلاس کی وجہ سے جسارت نہ کر سکے، میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس رشتہ کو ان کے لیے روکے ہوئے ہیں پھر حضرت صدیق نے دونوں کو کہا چلو علی کے پاس اور انہیں کہتے ہیں کہ وہ عرض کریں اور اگر غربت وافلاس کی وجہ سے وہ خاموش ہوں تو ہم ان کے ساتھ مالی تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ چناں چہ یہ سب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے پہلے ان کے گھر گئے پتہ چلا کہ وہ فلاں انصاری کا باغ سیراب کرنے کے لیے اپنی اونٹنی لے کر گئے ہیں۔ یہ حضرات اس انصاری کے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدنا علی نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا اور پوچھا خیریت تو ہے؟ حضرت ابوبکر نے اپنی آمد کی وجہ بتائی آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا:

آپ مانگیے حضور آپ کو ضرور یہ رشتہ دیں گے شاید یہ رشتہ اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے روکا ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے کہا میرا دل بہت چاہتا ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو لیکن تہی دامن ہوں عرض کرنے کی جرأت کیسے کروں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اے علی! آپ اس بات کی پرواہ نہ کریں اللہ اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس مال ودولت کی پر کاہ (سوکھی گھاس) کے برابر بھی وقعت نہیں آپ ضرور خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور یہ گزارش پیش کریں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے سلام عرض کیا اور ادب سے بیٹھ گئے کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! میرا خیال ہے کہ تم کسی کام کے لیے آئے ہو بتاؤ کیا کام ہے؟ آپ نے شرم وحیا میں ڈوبے ہوئے لہجے میں گزارش پیش کی حضور پرنور کا

رخِ انور خوشی سے چمکنے لگا مسکراتے ہوئے پوچھا مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز ہے؟ آپ نے عرض کی: میرے ماں باپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان ہوں میری حالت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخفی نہیں، میرے پاس ایک تلوار، ایک زرہ اور ایک اونٹنی ہے جس پر میں پانی بھر کر لاتا ہوں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: تلوار تمہاری اہم ضرورت ہے، اونٹنی بھی تمہاری روزی کا ذریعہ ہے اور زرہ کے عوض میں اپنی بچی کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں۔

یہ مژدۂ جاں فزا سن کر آپ باہر نکلے آپ کی خوشی کی انتہا نہ تھی حضرت صدیق اور عمر فاروق آپ کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کا رشتہ مجھے دے دیا۔ ان دونوں حضرات کو یہ بات سن کر از حد مسرت ہوئی اور دونوں میرے ساتھ اکٹھے مسجد کی طرف آئے، ہم جب مسجد میں پہنچے، تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تشریف فرما ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا رخِ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ انصار و مہاجرین کو جمع کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان دونوں کا عقد فرمایا، حضور نے مجھے فرمایا: اے علی! اب جاؤ اور زرہ بیچ کر اس کی رقم میرے پاس لاؤ، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے چار سو درہم میں وہ زرہ حضرت عثمان کو فروخت کی جب میں نے وہ زرہ ان کے حوالے کر دی اور ان سے روپے لے لیے تو حضرت عثمان نے مجھے کہا کہ اس زرہ کی قیمت میں نے ادا کر دی اب میری طرف سے یہ زرہ بطور تحفہ آپ قبول فرمایئے میں نے زرہ بھی لے لی اور روپے بھی اور انہیں لے کر میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا دونوں چیزیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں آ کر ڈال دیں، اور حضرت عثمان نے جو سلوک میرے ساتھ کیا تھا وہ بھی عرض کیا: ''فدعا لہ بخیر،، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ پھر حضرت صدیقِ اکبر کو حکم دیا کہ جاؤ اور میری بیٹی کے لیے ضروری چیزیں خرید کر لے آؤ۔ سلمان فارسی اور بلال

کوساتھ بھیجا تا کہ وہ سامان اکٹھا کر لے آئیں۔ (سیرت الرسول ج ۳،ص: ۴۲۷، ۴۲۸)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی کا عقد نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ۲ ھ میں فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ واقعات ۲ رہجری)

احد میں آپ کا کارنامہ: جنگِ اُحد اسلام وکفر کے درمیان ایک عظیم جنگ کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے، جس میں کفار ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں سے بدر کا بدلہ لینے آے تھے، احد پہاڑ کے دامن میں لڑی گئی یہ جنگ دورخی ثابت ہوئی تھی اس کا پہلا مرحلہ مسلمانوں کے حق میں رہا جب کہ دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کو شدید جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا تھا اس کی وجہ بعض مسلمانوں کی خطاے اجتہادی تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اسلامی پرچم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ دار ہاتھوں کے سپرد فرمایا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین کا جھنڈا بنی عبد دار کے پاس ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحتاً یہ جھنڈا اسلام کے عظیم سپوت حضرتِ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا لیکن جب حضرت مصعب بن عمیر جامِ شہادت نوش فرما کر خلد بریں میں جا بسے تو پھر اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا علم حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مضبوط ہاتھوں میں تھما دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵،ص: ۳۶۷)

جنگ شروع ہوئی مجاہدین اسلام نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھاے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے صدقے رحمت نازل فرمائی اور مشرکین شکست خوردہ ہو کر بھاگنے لگے اور مشرکین کی عورتیں پہاڑ پر دوڑتی نظر آئیں مسلمان یہ سمجھ کر کہ جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے اور تیراندازوں کا وہ دستہ جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ اپنی جگہ جمے رہنے کا حکم فرمایا تھا اس کے زیادہ تر افراد اپنی جگہ سے یہ سوچتے ہوے ہٹ گئے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ خالد بن ولید جو صف کفار میں شامل تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا اور پھر جنگ کا پورا نقشہ بدل گیا فتح شکست میں

تبدیل ہو گئی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲، ص ۴۸)

مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی، افواہوں کا بازار گرم ہو گیا، مسلمان دو طرف سے دشمن کے بیچ میں پھنس چکے تھے، اپنی تلواریں اپنی ہی گردنیں اڑانے لگیں، ایسے ماحول میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جرأت کی روداد فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

جنگ احد میں جب کہ مسلمان آگے اور پیچھے سے کفار کے بیچ میں آ گئے جس کے سبب بہت سے لوگ شہید ہو گئے تو اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی کافروں کے گھیرے میں آ گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی قتل کر دیے گئے اس اعلان کو سن کر مسلمان بہت پریشان ہو گئے یہاں تک کہ اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے بلکہ ان میں سے بہت لوگ بھاگ بھی گئے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: جب کافروں نے مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو پہلے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زندوں میں تلاش کیا مگر نہیں پایا پھر شہیدوں میں تلاش کیا وہاں بھی نہیں پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضور میدان جنگ سے بھاگ جائیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس لیے اب بہتر یہی ہے کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں میں گھس جاؤں یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔ فرماتے ہیں: میں نے تلوار لے کر ایسا سخت حملہ کیا کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور میں نے یقین کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی، میں دوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کھڑا ہوا۔ کفار گروہ در گروہ حضور پر حملہ کرنے کے لیے آنے لگے۔ آپ نے فرمایا: علی! ان کو روکو تو میں نے تنہا ان سب کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیے اور کئی ایک کو قتل بھی کیا۔ اس کے بعد پھر ایک گروہ اور حضور پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا آپ

نے پھر میری طرف اشارہ فرمایا تو میں نے پھر اس گروہ کا اکیلے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے میری بہادری اور مدد کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: "انه منی وانا منه،، یعنی بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں مطلب یہ ہے کہ علی کو مجھ سے کمالِ قرب حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا "وانا منکما،، میں بھی تم دونوں میں سے ہوں۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۹۴، خطبات محرم ص: ۱۹۰)

جس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک گڑھے میں جا پہنچے اور مسلمانوں میں سخت افراتفری مچی ہوئی تھی اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ کے ساتھ مل کر گڑھے سے باہر نکال کر سیدھا کھڑا کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵، ص ۳۷۸)

جنگ احد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو روح القدس کی تائید حاصل تھی آپ اس جاں بازی کے ساتھ کفار سے لڑے کہ آپ کو سولہ زخم لگے تھے اور ہر زخم اتنا کاری تھا کہ حضرت علی جیسا قوی اعصاب کا دھنی مرد میدان زمین پر آجاتا۔ مگر جب بھی آپ زمین پر آتے حضرت جبرئیل امین آپ کو اٹھا کر کھڑا کر دیتے۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص ۹۳)

اتنے شدید زخمی ہونے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حوصلہ توڑا نہیں بلکہ حضور کے ہر حکم پر فدا نظر آتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

جذبۂ جاں نثاری: کفار نے معرکہ سر کر لیا تھا اور مسلمان شکست کھا چکے تھے، ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کرم فرمایا اور کفار خصوصاً ان کے قائد ابوسفیان کی عقل پر پردے ڈال دیے، اس کی عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ مسلمانوں کا کلیۃً خاتمہ کر دیا جائے جو بچیں ان کو قیدی بنا لیا جائے یا پھر مدینہ شریف پر حملہ کر دیا جائے۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمان شکست کھا چکے ہیں تو اس نے کہا کہ آئندہ سال ہمارا تمہارا مقابلہ میدان بدر میں ہوگا اور میدان سے اپنے لشکر کو واپس بلا لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اپنے ایک صحابی

کو حکم دیا اس کو جواب دو ہمیں منظور ہے جواب دے دیا گیا اور لشکر کفار میدان سے کوچ کر گیا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جانتے تھے کہ اگر ابوسفیان کے دماغ میں مسلمانوں کے خاتمہ کر دینے کی بات آ گئی یا اسے کسی نے مشورہ دے دیا اور اس نے دوبارہ حملہ کرنے کا عزم کر لیا تو صورت حال بڑی خطرناک ثابت ہو گی۔

لہٰذا پیغمبر اسلام اور عالم کے سب سے بڑے قائد و جرنل نے ارشاد فرمایا: علی جاؤ اور کفار کے لشکر سے متعلق پتہ لگاؤ کہ ان کا ارادہ کیا ہے اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو اپنے پہلو میں چلا رہے ہوں تو سمجھ لینا کہ یہ لوگ مکہ جا رہے ہیں اور اگر معاملہ اس کا الٹا ہو تو سمجھ لو کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں مجھے پتہ لگا کر بتاؤ خدا کی قسم اگر یہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کریں گے تو میں پھر ان سے آگے بڑھ کر مقابلہ کروں گا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم پاتے ہی علی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور پتہ لگا کر حضور کو خبر دی کہ وہ لوگ مکہ جا رہے ہیں جواب سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مطمئن ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵، ص: ۴۲۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں فگنی اور تن کوشی اسی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ

ع ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کئی زخم لگے ہیں، دانت کو کسر لاحق ہوا ہے، جسم ناز سے خون جاری ہے رحمت عالم کی یہ حالت دیکھ کر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زخم بھول گئے اور حضور کی دوا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لاتے اور حضور کی لخت جگر اپنی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر زخموں کو دھلتے اور ایک چٹائی جلا کر زخموں میں بھر دی گئی تب کسی طرح خون کے سیلان کو روکا جا سکا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۵، ص: ۳۹۵)

جنگ خندق میں آپ کا کارنامہ: غزوۂ خندق شوال ۵ ھ میں پیش آیا اس میں مسلمانوں کے خلاف قریش کے ساتھ کئی قبائل جمع ہوئے تھے اور منافقین ہمیشہ کی طرح مسلمانوں کی آستین کا سانپ ثابت ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ

سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے غلاموں کو خندق کھودنے کا حکم دیا اور دس مسلمانوں کی ٹکڑی کو چالیس گز خندق کھودنے کی ذمہ داری سونپی گئی خندق کی کھدائی کے دوران ہی صحابہ کرام کے سامنے وہ چٹان حائل ہوئی تھی جسے توڑنے سے صحابہ کرام عاجز رہ گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ہی کدال میں اسے چورہ چورہ کر دیا تھا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲، ص: ۷۰)

اس جنگ کے دوران عمرو بن عبدِ وُد کفار کا نامور پہلوان مسلمانوں کو دعوت مبارزت دیتا ہوا میدان میں آیا، اس نے اپنے آپ کو لوہے کی زرہ میں چھپا رکھا تھا اب وہ مسلمانوں کو دعوت مقابلہ دے رہا تھا اس کی ڈینگیں سن کر شیر خدا کی حمیت ایمانی اپنے شباب پر آ گئی، ہاشمی خون کی حرارت نقطہ انتہا کو پہنچ گئی بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ''انا لھا یا نبی اللہ''، یا رسول اللہ! میں اس کے مقابلے کے لیے حاضر ہوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علی بیٹھ جاؤ یہ عمرو بن عبدود ہے عمرو نے پھر دعوت مقابلہ پیش کرتے ہوئے ایک ناقابل برداشت طعنہ مسلمانوں کو دیا وہ یہ کہہ رہا تھا کہاں ہے تمہاری وہ جنت جس کے بارے میں تمہارا گمان ہے کہ تم شہید ہوتے ہی اس میں پہنچ جاتے ہو میرے مقابلے کے لیے کیوں نہیں نکلتے حضرت علی نے پھر بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: حضور میں حاضر ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر فرمایا: علی بیٹھ جاؤ۔

دوسری روایت کے مطابق حضور نے صحابہ سے پوچھا تھا اس کا مقابلہ کون کرے گا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبیک کہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیٹھنے کا حکم دیا اور صحابہ سے پوچھا اس سے مقابلہ کون کرے گا؟ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور مجھے اجازت عطا فرمائیں میں اس وقت اپنے آپ کو دو نیکیوں کے بیچ میں دیکھ رہا ہوں اگر میں نے اس کو قتل کر دیا تو اسے جہنم میں پہنچانے کا ثواب مجھے ملے گا اور اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو مرتبۂ شہادت پا کر داخل جنت ہو جاؤں گا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر آواز لگائی اس سے کون مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر

عرض کیا یا رسول اللہ میں تیار ہوں سرکار نے فرمایا: علی یہ عمرو ہے علی نے عرض کیا اگر چہ یہ عمرو ہے یہ سن کر سرکار نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت عطا فرمادی۔

شیر خدا مقابلے کے لیے نکلے اور اپنی بہادری سے متعلق چند اشعار گنگنائے۔عمرو نے پوچھا تو کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں علی ابن ابی طالب ہوں۔عمرو نے کہا کہ چھوٹے ہو مجھے بڑی عمر کا مدمقابل چاہیے مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تمہارا خون بہاؤں شیر خدا نے جواب دیا لیکن اے عمرو! میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تمہارا خون بہانا پسند ہے۔ یہ سن کر عمرو غصے سے پھٹا جارہا تھا اس کا چہرہ آگ کا انگارہ دکھائی دے رہا تھا تلوار سونت کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا اور پوری طاقت سے حضرت علی پر وار کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وار کو ڈھال پر روکا لیکن وار اتنا سخت تھا کہ ڈھال بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی ہونے سے نہ بچاسکی، فوراً ہی ذوالفقار حیدری چمکی اور عمرو کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔ ہوا میں غبار اڑا اور تکبیر کا نعرہ بلند ہوا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھ لیا کہ شیر خدا نے عمرو کو جہنم میں پہنچادیا پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نیاز مندانہ حضور کی طرف بڑھے مصحف رخ پر نظر پڑی تو خوشی کی وجہ سے درخشندگی کا منظر قابل دید تھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اے میرے بھائی! آپ نے اس کی زرہ پر قبضہ کیوں نہ کیا ملک عرب میں اس زرہ سے اچھی کوئی دوسری زرہ ہے ہی نہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جواب دیا: میں زرہ لینے کے لیے بڑھا تو اس کی شرم گاہ مجھے نظر آئی اور میں حیا کرتے ہوے واپس ہوگیا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷، ص: ۳۲۴)

حدیبیہ میں عشق کی جلوہ سامانیاں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہجرت کرنے کے بعد چھ سال تک مسلمان مشرکین مکہ کے ساتھ مختلف جنگوں میں مشغول رہے اور مہاجرین وانصار اس عرصہ میں مشرکین کی دشمنی کے باعث مکہ

مکرمہ میں جا کر حج وعمرہ کی سعادت حاصل نہ کر سکے، ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کرنے کا قصد فرمایا' یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳، ص: ۳۳۰)

اور یہ مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جن کو اشہر حرم کہا جاتا ہے اور عربوں کی ہمیشہ یہ روایت رہی ہے کہ وہ ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب میں باہمی لڑائیاں موقوف کر دیتے ہیں، کیوں کہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور حج کے بعد واپس جاتے تھے اور رجب کے مہینے میں عمرہ کا سفر کرتے تھے، اس لیے یہ امن کا زمانہ تھا اور اس مہینہ میں مشرکین سے بہ ظاہر جنگ کا کوئی خطرہ نہ تھا اس لیے آپ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوئے' آپ کے اکثر اصحاب نے احرام باندھا ہوا تھا اور اپنے اونٹوں کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کی نال بھی ڈالا ہوا تھا، جب مسلمان حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا اور اس شرط پر عمرہ کرنے کی اجازت دی کہ اس سال تو آپ واپس جائیں اور اگلے سال بغیر ہتھیاروں کے آئیں اور صرف تلوار کو میان میں رکھنے کی اجازت ہے، پھر آپ صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے واپس چلے جائیں اور دس سال کے لیے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان صلح کا معاہدہ کیا اور اس میں یہ شرطیں رکھیں (۱) اگر اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان آپ کے ساتھ جانا چاہے تو آپ اس کو ساتھ نہیں لے جاسکیں گے (۲) اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو آپ کو اسے مکہ واپس بھیجنا ہوگا (۳) مدینہ سے کوئی شخص مکہ چلا آیا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے (۴) مکہ کے گرد جو قبائل ہیں ان کو اختیار ہوگا خواہ وہ آپ کے حلیف بن جائیں یا ہمارے حلیف بن جائیں، سو بنو خزاعہ آپ کے حلیف بن گئے اور بنو بکر مشرکین کے حلیف بن گئے۔ (تبیان القرآن ج ۱۱، ص: ۱۸۳)

مقام حدیبیہ پر جو عظیم صلح نامہ تیار ہوا تھا جس کے شرائط کا اجمالی ذکر آپ ابھی پڑھ آئے ہیں اس صلح نامہ کو لکھنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی ہی کی

ذات کا انتخاب فرمایا تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: لکھو "هذا ما صالح عليه محمد رسول الله"، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ مبارک جملہ لکھ چکے تو کفار کے نمائندے سہیل نے کہا کہ ہمارے آپ کے درمیان یہی تو وجہ نزاع وقتال ہے، اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیتے تو آپ سے ہرگز جھگڑا نہیں کرتے لہٰذا آپ علی کو حکم دیں کہ وہ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی! ''لفظ رسول اللہ'' کو مٹا دو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور آپ کو (آپ کے نام کو) نہیں مٹا سکتا یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام کے جذبۂ عشق کو سمجھ لیا اور سرکار نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا اور فرمایا: میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ (صحیح البخاری باب عمرۃ القضا، الکامل فی التاریخ ج ۲، ص: ۹۰)

خیبر میں حیدر: حدیبیہ سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۷ ھ میں خیبر کے یہودیوں کی سرکوبی کے لیے نکلے (خیبر مدینہ شریف سے تقریباً دوسو میل کے فاصلہ پر واقع ہے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر چودہ سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں دوسو سوار تھے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲، ص: ۹۹)

لشکر اسلام تو خیبر پہنچ گیا لیکن شیر خدا مدینہ شریف ہی میں رہ گئے اور مدینہ شریف میں رہ جانے کی وجہ کوتاہی یا تن پروری نہ تھی بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آشوب چشم ہو گیا تھا جو آپ کے رک جانے کا سبب بنا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ جانے کے احساس نے انہیں قلق واضطراب میں مبتلا کر دیا، آخر ہمت کر کے بیماری کی حالت میں خیبر کا قصد کیا اور پابہ رکاب ہو کر خیبر پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو خیبر کا محاصرہ کیے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اب تک کئی قلعے فتح ہو چکے تھے، لیکن خیبر کا سب سے بڑا قلعہ جو مرحب نامی نامور یہودی پہلوان کا قلعہ تھا ابھی تک فتح نہ ہوا تھا، اس کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی علم قیادت دیا تھا اور دونوں حضرات نے سخت قتال کیا لیکن ابھی تک کوئی کامیابی نہ مل سکی تھی۔

آخر کار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور وہ خود اللہ ورسول کا محبوب ہے جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمادے گا، غیب داں نبی کی زبان سے سنے گئے ان کلمات نے صحابہ کو بے چین کر دیا، رات بڑی بے چینی میں گزاری ہر ایک اس فکر میں تھا کہ وہ خوش نصیب کون ہے جس کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوگا۔ اور اللہ ورسول اس کے محبوب ہیں وہ اللہ ورسول کا محبوب ہے جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ہر ایک اس آرزو میں ڈوبا ہوا ہے اے کاش! یہ نعمت میرے حصہ میں آجائے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمنا اس انداز میں ظاہر فرمائی ''اس سے پہلے مجھے کبھی بھی یہ خواہش نہ رہی کہ مجھے امیر بنایا جائے لیکن اس دن میری یہ خواہش تھی کہ کاش یہ سعادت میرے حصہ میں آجائے۔

صبح ہوتے ہی لوگ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا حضور علی کی آنکھیں دکھ رہی ہیں، اس وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں بلا لاؤ، آخر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی فوراً مرض جاتا رہا اور ایسا محسوس ہوا کہ کبھی مرض تھا ہی نہیں پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو چند نصیحتیں فرمائیں: اے علی! قتال کرنے سے پہلے انہیں دعوت اسلام پیش کرنا اور انہیں اللہ کے حقوق سمجھانا، خدا کی قسم تمہاری وجہ سے ایک شخص بھی ہدایت پا گیا تو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعاؤں کے ساتھ روانہ فرمایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ماتحت لشکر کے ساتھ مرحب کے قلعہ پر

پہنچے قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی نے جھانک کر پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا نام بتادیا، اس وقت اس یہودی نے اپنے یہودی بھائیوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہا اے گروہِ یہود! تمہاری شکست یقینی ہے۔

پھر صاحب قلعہ مرحب مقابلے کے لیے قلعہ سے باہر آیا اس نے اپنے سر کو یمنی خود سے ڈھانک رکھا تھا۔ اس نے آتے ہی رجز پڑھتے ہوئے دعوت مبارزت دی اور بولا خیبر کے درودیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار سے مسلح ہوں، بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ اس کے مقابلے کے لیے شیر خدا آگے بڑھے آپ نے اس کا جواب رجز پڑھ کر دیا اور فرمایا: میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا، جنگل کے شیروں کی طرح بڑا خوف ناک ہوں، پھر مقابلہ شروع ہوا، تلواروں کی ضربوں کے تبادلے ہوئے، اور فوراً ہی حضرت شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایسا وار کیا کہ تلوار مرحب کی ڈھال، خود، اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک بیٹھ گئی مرحب جہنم پہنچ گیا اور خیبر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۶۷، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۰۲، طبری ج ۲ ص: ۲۴۴)

اس جنگ میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلعہ کے دروازے کو ڈھال کے طور پر استعمال فرمایا، جب جنگ ختم ہوگئی، تب اس دروازے کو آپ نے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔

دوسری روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازے کو اپنے ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا اور مسلمان اس کے ذریعہ قلعہ پر چڑھ رہے تھے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دروازے کو پھینک دیا تو ایک روایت کے مطابق چالیس اور دوسری روایت کے مطابق ستر لوگ مل کر بھی اس دروازے کو نہ اٹھا سکے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۷۴)

فتح مکہ اور حضرت علی: ۸ ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور آپ اس کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے اس دوران مکہ مکرمہ سے سارہ نامی ایک غیر مسلم عورت مدینہ طیبہ آئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تو

مسلمان ہوکر حاضر ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ مجھے میری تنگ دستی یہاں لے کر آئی ہے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں نے اس کی مدد فرمائی، جب وہ عورت مکہ جانے لگی تو حضرت حاطم ابن ابی بلتعہ نے کچھ رقم اسے پیش کی اور اہل مکہ کے نام خط لکھ کر دے دیا جس خط میں لکھا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تم پر حملہ کرنے والے ہیں، اپنے بچاؤ کا انتظام کرلو، یہ خط لے کر وہ عورت روانہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو پورے واقعہ سے خبردار فرمادیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو یہ کہہ کر اس عورت کی طرف روانہ فرمایا کہ روضۂ خاخ پر تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے لے لینا بصورت دیگر اس کی گردن ماردینا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس مقام پر پہنچے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں جانے کا حکم دیا تھا۔ فرمانِ رسول کے مطابق عورت کو اسی مقام پر موجود پایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط طلب کیا عورت نے صاف انکار کردیا، ان حضرات نے اپنے طور پر اس کی تلاشی لی لیکن خط کا کوئی نشان نہ پایا، سخت حیرت ہوئی، آخر معاملہ کیا ہے اب شیر خدا نے اپنے تیور بدلے اور فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوسکتی اے عورت! یا تو خط ہمارے حوالے کردے ورنہ کپڑے نکال کر تلاشی لی جائے گی جب اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزم کو دیکھا تو خط اپنے جوڑے سے نکال کر حضرت علی کی طرف بڑھا دیا۔ خط لے کر غلام وفادار حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کردیا۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح)

اللہ تعالیٰ نے آخر اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی راہ سے وہ دیوار ہٹادی جو اسلام کی تبلیغ واشاعت کا راستہ کافی حد تک روکے ہوئی تھی۔ اس دیوار کا نام تھا قریش مکہ اور ان کا کفر۔ اب یہ دیوار پاش پاش ہوکر بکھر چکی تھی، قریش کی لن ترانیاں پیوند خاک ہوچکی تھیں، غرور وتکبر کے اونچے اونچے محل ریت کے ذرات کی طرح ہوا میں تحلیل ہوگئے

تھے، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے اب انہیں کی نگاہ لطف وکرم کے منتظر تھے، کبھی اپنا غلام سمجھ کر ان کی پیٹھ پر کوڑے برسانے والے آج انہیں سے رحم وکرم کی بھیک مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سینوں کو عفو ودرگزر کے جذبات سے بھر دیا، رحمت عالمیاں کے تربیت یافتہ غلام مکہ میں اپنی بہادری دکھانے یا سابقہ مظالم کا بدلہ لینے نہیں آئے تھے، وہ تو رسول خدا کی قیادت میں اللہ کے گھر پر اللہ کی توحید کے پرچم لہرانے آئے تھے، معدودے افراد کے سوا ہر امان کے متلاشی کو امان دے دی گئی ہے۔

اب اللہ کا پیغمبر اللہ کے گھر کا طواف کرنے کے لیے چلتا ہے، ساتھ میں غلاموں کا ازدہام ہے، اپنے تمام جاں نثاروں کے ساتھ اللہ کے گھر کا طواف فرمایا، اور پھر آپ نے اللہ کے گھر کو ان تمام اصنام سے پاک فرمایا جو ہر قبیلے نے اپنے اپنے طور پر خانۂ کعبہ میں نصب کر رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں ایک چھڑی لے رکھی تھی آپ ایک ایک بت کی طرف اشارہ فرماتے جارہے تھے اور بت دھڑام دھڑام زمیں بوس بلکہ زمیں دوز ہوتے جارہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات مبارکہ جاری تھے:

"وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾"

﴿بنی اسرائیل ۸۱﴾

ترجمہ: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص: ۱۷۵)

تم آئے چھٹی بازی رونق ہوئی پھر تازی
کعبہ ہوا پھر کعبہ، کر ڈالا تھا بت خانہ

(مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ شریف میں رکھے تین سو سے زائد بتوں کو اپنی چھڑی سے توڑ دیا اور بیت اللہ کو اس قسم کی تمام نجاستوں سے پاک کر دیا گیا، اس میں رکھے ہوئے بتوں کو بھی انتہائی اہانت کے ساتھ وہاں سے پھینک دیا۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ مقدسہ میں بت شکنی فرمائی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک دن تنہائی میسر آئی آپ نے حضرت علی کو بلایا اوران سے فرمایا: علی! بیٹھ جاؤ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم پاتے ہی بیٹھ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پھر میرے کاندھوں پر سوار ہوے اور میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی کوشش کی (لیکن میں نہ اٹھا سکا) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری کمزوری کو ملاحظہ فرمایا تو اللہ کے نبی خود بیٹھ گئے، اور مجھ سے فرمایا: علی! میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ میں حکم پا کر کاندھوں پر سوار ہو گیا، حضور مجھے اپنے کاندھوں پر لے کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب میں حضور کے کاندھوں پر سوار تھا، تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے کناروں کو پکڑ لوں، پھر میں کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا، اور وہاں رکھے مجسمے کو سرکار کے حکم سے نیچے پھینک دیا وہ مجسمہ زمین پر آ کر شیشے کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا۔ (مسند احمد بن حنبل ج۱، ص: ۴۴۴ حدیث نمبر ۶۴۴، جامع الاحادیث حدیث نمبر ۳۳۰۵۲، مجمع الزوائد حدیث نمبر ۹۸۳۶، مستدرک علی الصحیحین حدیث نمبر: ۴۲۶۵ غایۃ المقصد فی زوایدالمسند کتاب السیرۃ)

بعض مؤرخین نے اس واقعہ کو فتح مکہ کا حصہ قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قارئین کرام غور فرمائیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم کی عظمت اور ذات کی رفعت تمام عالم سے جدا اور الگ ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مرد میدان، عظیم طاقتور انسان بھی حضور کے جسم مبارک کو اپنے کاندھوں پر اٹھا نہ سکا، اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے کاندھوں پر کھڑے ہوے تو آپ کا تصرف اتنا بڑھ گیا کہ آسمان آپ کے ہاتھ میں نظر آیا، جس ذات کے کاندھوں پر کھڑا ہونے والا آسمان کو اپنی گرفت میں پاتا ہے تو خود اس ذات کے اختیار سے کون سی چیز باہر ہوگی۔ ہم اپنے قارئین کو بتادیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، صاحب مستدرک نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور مسند احمد بن حنبل کے محقق نے بھی اس حدیث کو

صحیح لکھا ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ اس کی صحت کو ثابت فرمایا ہے۔ صاحب مجمع الزوائد حافظ احادیث، علامہ ہیثمی نے فرمایا: اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

(اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)

حنین میں علی کا کارنامہ: فتح مکہ کے بعد شوال ۸ ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ملی کہ وادیٔ حنین میں کچھ قبائل مسلمانوں سے آمادۂ جنگ ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں کا قصد فرمایا، ہوازن کے لوگ بڑے ماہر تیر انداز تھے انہوں نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کردیا، مسلمان حملے کی تاب نہ لا سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن ان سخت ترین مہلک حالات میں بھی اللہ کے رسول میدان جنگ میں ثابت قدم تھے آپ کے ساتھ آپ کے کچھ فدائین غلاموں کی جماعت بھی تھی، ان میں حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ شامل تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے آقا کے قدم قدم پر ساتھ تھے اور اپنی جواں مردی کے جوہر دکھا رہے تھے وہ شخص جس کے ہاتھ میں ہوازن کا جھنڈا تھا وہ اونٹ پر سوار تھا اس کے اشارہ پر اہل ہوازن چل رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک انصاری کے ساتھ مل کر اس کو مار گرایا اور جنگ کا نقشہ بدل گیا، جو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے وہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بلانے پر واپس آ گئے، مشرکین کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے واصل جہنم ہوئے اور کثیر تعداد میں مسلمانوں کے قیدی بنے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری اور جنگی مہارت کا نتیجہ تھا کہ ہاری ہوئی بازی دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی، اور یہ سب صدقہ تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص: ۱۶)

سورۂ برأۃ کا اعلان اور نبی کی نیابت: سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

غزوۂ تبوک سے ماہِ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ تشریف لے آے۔ ماہ رمضان کے بقیہ دن، شوال اور ذی قعدہ کے مہینے حضور نے مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ ماہ ذی الحجہ میں حجاج کا ایک قافلہ روانہ ہوا جو تین سوافراد پر مشتمل تھا اور اس کا امیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے لیے بیس اونٹ عطا فرماے اور ان کے گلے میں جو قلادے ڈالے گئے تھے، وہ حضور نے خود تیار کراے اور اپنے دست مبارک سے ان اونٹوں کے گلے میں ڈالے۔

جب حجاج کا یہ کارواں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوا تو اس کے بعد سورۂ براۃ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی ممانعت فرمائی اور ان کے ساتھ جو معاہدے تھے ان کو کالعدم قرار دے دیا، جو معاہدے ایک متعین مدت کے لیے تھے ان کے لیے حکم دیا کہ جب وہ مدت ختم ہو جاے گی معاہدہ خود بخود کالعدم ہو جاے گا اور جن کے لیے مدت متعین نہ تھی، ان کے لیے چار ماہ کی میعاد مقرر کی گئی تا کہ اس اثنا میں لوگ اپنے گھروں کو بخیریت لوٹ جائیں، جب یہ چار ماہ پورے ہو جائیں گے تو معاہدہ ختم تصور کیا جاے گا۔ اس سورت میں کئی دیگر احکام بھی تھے۔

جب یہ سورت نازل ہوئی تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یاد فرمایا انہیں حکم دیا کہ وہ حج کے لیے جائیں اور جب میدان منیٰ میں تمام لوگ جمع ہو جائیں اس وقت یہ سورت سب کو پڑھ کر سنا دیں۔

سیدنا علی کی سواری کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتی اونٹنی آپ کو مرحمت فرمائی۔ آپ کی ملاقات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرج کے مقام پر اور بقول دیگر دجنان کے مقام پر ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے مصلیٰ پر کھڑے تھے۔ ابھی تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی، آپ فوراً رک گئے۔ فرمایا: یہ محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ کی آواز ہے، ہوسکتا ہے

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا ہو اور خود تشریف لے آرہے ہوں، اس لیے ٹھہر جاؤ، اگر حضور تشریف لائے تو حضور کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے، جب اونٹنی قریب آئی تو دیکھا کہ علی مرتضی اس پر سوار ہیں، آپ نے فوراً دریافت کیا "امیر اوماموراً، آپ قافلہ کے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا قافلہ کے دیگر افراد کی طرح مامور بنا کر بھیجے گئے ہیں؟ سیدنا علی مرتضی نے جواب دیا "بل مامور"، امیر آپ ہی ہیں، میں تو مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر دونوں حضرات اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہوے۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آمد کی وجہ بتائی کہ آپ کے روانہ ہونے کے بعد اللہ کے محبوب پر ایک سورت نازل ہوئی جس میں کفار سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا گیا اور دوسرے مسائل جو حج سے متعلق ہیں وہ بتائے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے کہ منیٰ کے میدان میں جب سارے حاجی جمع ہو جائیں تو سب کو یہ سورت پڑھ کر سناؤں تا کہ سب ان احکام سے آگاہ ہو جائیں جو اس سورت میں نازل کیے گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایام حج میں ہر روز ہر مقام پر خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں سامعین کو ان مسائل سے آگاہ کرتے جن کی اس روز اور اس مقام پر ادائیگی ضروری تھی۔ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خطبہ کے بعد سب کے سامنے سورۂ برأت کی تلاوت فرماتے۔

حضرت امام احمد اپنی مسند میں علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مجھے حضرت ابوبکر کی معیت میں حج ادا کرنے کے لیے بھیجا تو چار باتوں کے اعلان کرنے کا حکم دیا (۱) پہلی بات تو یہ تھی کہ ایمان کے بغیر کوئی آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا (۲) کوئی مرد یا عورت برہنہ طواف نہیں کرے (۳) جس کے ساتھ حضور کا کوئی عہد ہے جب اس کی مدت پوری ہو گی وہ عہد خود بخود کالعدم ہو جائے گا (۴) اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷، ص: ۲۲۴، سیرت الرسول ج ۴، ص: ۲۸۷)

حضرت علی کو بھیجنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت علی حضور کے اہل بیت میں سے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو کسی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: حضور یہ پیغام حضرت ابوبکر کو بھجوا دیں وہ یہ ذمہ داری ادا کر دیں گے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''یہ ذمہ داری صرف میرے اہل بیت میں سے کوئی ادا کر سکتا ہے،، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا: علی جاؤ یوم نحر میں جب سب لوگ منیٰ میں جمع ہوں تو یہ اعلان کر دینا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص: ۲۲۴)

ذخائر العقبیٰ کے مصنف علامہ احمد بن عبداللہ طبری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنے کی ایک وجہ یہ بھی ذکر فرمائی ہے کہ کسی عہد و پیمان کے توڑنے میں عربوں کی عادت یہ تھی کہ وہ معاہدے کو اسی وقت ٹوٹا ہوا تسلیم کرتے تھے جب کہ اس کو وہی شخص توڑے جس نے معاہدہ کیا تھا یا پھر اس کے قبیلے کا کوئی فرد اس کے توڑنے کا اعلان کرے اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا۔

(ذخائر العقبی۔ ذکر اختصاصه بالتبليغ عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم)

علامہ پیر کرم شاہ از ہری علیہ الرحمہ نے اس مقام پر منیٰ کی جگہ مقام عرفات کا ذکر فرمایا ہے جسے تلاش کرنے میں ہم ناکام رہے۔

یمن میں حضرت علی کی تبلیغ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ۱۰ ھ میں حضرت خالد بن ولید کو یمن روانہ فرمایا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھ ماہ تک اہلِ یمن کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ ایمان نہ لائے پھر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی کو روانہ فرمایا اور حضرت خالد کو واپس بلا لیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خط بھی دیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خط کی برکت یہ رہی کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط اہل یمن کو پڑھ کر سنایا تو قبیلہ ہمدان کے لوگ سب کے سب ایمان سے مشرف ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے مکتوب کے ذریعہ اہل ہمدان

کے ایمان کی اطلاع بھیجی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بڑے خوش ہوئے اور سجدۂ شکر ادا کیا اور آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ”السلام علی همدان،،

اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو صدقات کی وصولیابی پر مامور فرمایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجران کی وصولیابی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲،ص:۱۶۹)

حضرت علی اور نزولِ قرآن: علامہ آلوسی بیان کرتے ہیں: حاکم وغیرہ نے سند متصل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ ابن سلام اور ان کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول! ہمارے گھر دور ہیں اور نہ اس مجلس کے سوا ہماری کوئی مجلس ہے، ہماری قوم کو جب معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاچکے ہیں تو وہ ہم سے قطع تعلق کرلیں گے، ہمارے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، بات چیت، نکاح وغیرہ تمام تعلقات منقطع کرلیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول تمہارا مددگار ہے۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے، کچھ صحابہ قیام میں تھے، کچھ رکوع میں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لوگوں میں سے ایک سائل کو دیکھا آپ نے پوچھا تمہیں کسی شخص نے کچھ دیا؟ سائل نے کہا: ہاں چاندی کی ایک انگوٹھی۔ فرمایا: کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس شخص نے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ حضور نے پوچھا: کس حالت میں دی ہے؟ سائل نے کہا: حالت رکوع میں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

”إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ،، ﴿المائدۃ ۵۵﴾

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے مددگار ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں صدقہ دیتے ہیں۔

(علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۶، ص: ۱۶۷)

اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کئی وجہ سے عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اولاً یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دیا اور اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ثانیاً اس سے یہ معلوم ہوا کہ نگاہِ رسالت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان والے ہیں۔ یوں تو سارے صحابہ ایمان والے ہیں لیکن جن کو خود سرکار فرمادیں کہ یہ ایمان والے ہیں ان کے ایمان کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ثالثاً اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے مددگار ہیں اور صرف ابن سلام (سائل) کی قوم کے نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کے مددگار ہیں، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ چناں چہ آج تک عرف عام میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشکل کشا کہا جاتا ہے۔ رابعاً یہ آیت نازل ہو چکی تھی لیکن ابھی تک اس کا مصداق نہیں پایا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالت رکوع میں انگوٹھی کو صدقہ کیا اور وحی الٰہی کی تصدیق کردی، بھلا اس سے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اور کیا ہوگا کہ وہ زبان رسالت سے وحی ربانی کے مصداق قرار پاے۔ (مقالاتِ سعیدی ص: ۲۱۸، ۲۱۹)

اب ہم صرف چند آیات کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں اگر شان نزول بیان کیا جائے تو بات بہت طویل ہوجائے گی۔ آپ کی شان میں نازل ہونے والی بعض آیات یہ ہیں:

(۱) اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ﴿المائدۃ ۵۵﴾ تفسیر طبری)

(۲) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ﴿السجدۃ ۱۸﴾ تفسیر خازن

(۳) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿البقرة ۲۷۴﴾ تفسیر ابن کثیر)

(۴) اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿التوبة ۱۹﴾ تفسیر بغوی۔)

(۵) وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿الاحزاب ۵۸﴾ تفسیر بغوی۔ ان کے سوا کثیر آیات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

فضائل ومناقب: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب سے کتب احادیث وسیر وتاریخ معمور ہیں، اگر ان کو یک جا کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوجائے یوں تو تمام صحابہ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منظور نظر اور کرم یافتہ تھے بالخصوص خلفائے راشدین اپنی نمایاں خوبیوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے لیکن اِن سب کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بعض عظمتیں ایسی ہیں جن میں ان کا کوئی ہم سر نہیں تھا بلکہ حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ نے فرمایا: جتنے فضائل ومناقب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منقول ہیں اتنے فضائل کسی اور صحابی کے نقل نہیں کیے گئے، اگرچہ علما نے حضرت امام احمد کے اس قول پر کلام کیا ہے۔ تاہم آپ کے قول سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کثرت فضائل کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

ہر صحابی کو فیضان نبوی سے حصہ ملا کسی کو کسی رنگ میں نمایاں کردیا، کسی کو کسی وصف میں ممتاز کردیا، لیکن بعض کو اوصافِ عدیدہ میں کمال بخشا گیا، ان خوش نصیبوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نمایاں شان کے حامل ہیں۔

اب ہم احادیث کے ذخیرے سے چند آبگینے چن کر ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں اس امید پر کہ ان آبگینوں کی چمک سے ہم سب کی دنیا وعقبیٰ پر چھائے ہوئے اندھیرے منہ چھپالیں اور ہمیں نور حاصل ہوجائے۔

نبی کے قائم مقام: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ تبوک میں اپنا خلیفہ بنایا تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنایا ہے اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ اس پر راضی نہیں ہیں کہ آپ میرے لیے اس طرح بن جائیں جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک)

علی کی صلب سے نبی کی ذریت: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کی صلب سے جاری فرمائی اور میری ذریت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب سے چلے گی۔

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کتنا عظیم اعزاز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخشا ہے، قیامت تک گلشن نبوت جتنے برگ و بار لاتا رہے گا، پھولتا اور پھلتا رہے گا، کونپلیں نکلتی رہیں گی، کلیاں چٹکتی رہیں گی اور حسن ہستی نکھرتا رہے گا، سب کا سہرا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جبین سعادت پر سجتا رہے گا۔ (معجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۲۵۶۴)

باب علی: حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں سے بعض کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی کی طرف کھلتے تھے ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان تمام دروازوں کو بند کر دو سوائے باب علی کے۔ راوی کہتے ہیں: اس پر بعض لوگوں نے چہ می گوئیاں کیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مجھے باب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا ان تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس تم میں سے کسی نے اس بات پر اعتراض کیا ہے خدا کی قسم میں خود کسی چیز کو کھولتا ہوں نہ بند کرتا ہوں مگر یہ کہ مجھے جو حکم ہوتا ہے میں اسی پر عمل کرتا ہوں۔ (مستدرک علی الصحیحین للحاکم حدیث نمبر: ۴۶۳۱)

فرمانِ رسول کا مطلب یہ ہے کہ میں وہی حکم دیتا ہوں جو مجھے میرا رب حکم عطا فرماتا ہے۔

اس فرمان میں حکمت یہ تھی کہ جب کسی پر غسل فرض ہوگا وہ غسل کے لیے گھر سے نکلے گا، تو پھر وہ مسجد نبوی میں قدم رکھے گا، اور یہ بات مسجد کے آداب کے خلاف ہے، کیوں کہ مسجد میں جنبی کا جانا جائز نہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اجازت دے دی تھی،

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: میرے اور تیرے سوا کسی کو اس مسجد میں جنبی ہونا جائز نہیں۔ علی بن منذر کہتے ہیں: میں نے ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس سے گزرنا مراد ہے۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی)

علی کی محبت ایمان ہے: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ چیر کر اگایا اور انسان کو پیدا فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے صرف منافق ہی بغض رکھے گا۔ (صحیح المسلم کتاب الایمان حب الانصار وعلی من الایمان)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت حضرت علی کے ساتھ کتنی شدید تھی اور حضور کے آپ کتنے قریب تھے۔ اس کو سمجھنے کے لیے حدیث کا آنے والا جملہ کافی ہے۔

"انت منی و انا منك،، اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاۃ)

جس کا نبی مولیٰ اس کا علی مولیٰ: حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کا مولیٰ ہیں۔ (سنن الترمذی)

ایک صحابی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی شکایت کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا:

میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ (سنن نسائی الکبریٰ حدیث نمبر ۸۴۶۶)

ایک موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر حضرت علی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔

(سنن نسائی الکبریٰ حدیث نمبر ۸۴۷۸)

یمن کا دوسرا دورہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو افراد پر امیر بنا کر یمن کی جانب روانہ فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قنات پر فوج کشی کرنے کا حکم فرما دیا تھا، جب مہم پر روانہ ہونے والے مجاہدین جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسلامی علم تیار فرما کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں دیا، پھر اپنے ہاتھوں سے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر عمامہ سجایا اور جنگ سے متعلق ضروری نصیحتیں کر کے علی کو روانہ کر دیا۔

یہ فوجی ٹکڑی سرزمین مذحج پر پہنچی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سپاہیوں کو ادھر ادھر پھیلا دیا جب وہ لوگ واپس آئے تو اپنے ساتھ غنیمت بھی لے کر آئے تھے، آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب کو اموال پر نگراں متعین فرمایا، پھر آپ کی ملاقات ایک گروہ سے ہوئی، آپ نے اسے قبول اسلام کی دعوت دی، انہوں نے دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، آپ نے ان پر جوابی حملہ کیا، وہ پسپا ہو گئے اور پھر آپ کی دعوت پر ایمان لے آئے۔

آپ کو جو مال غنیمت کے طور پر ملا تھا اس کو آپ نے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا اور خمس میں سے آپ نے کسی بھی مجاہد کو مطالبے کے باوجود کچھ نہ دیا بلکہ فرمایا: یہ خمس میں سرکار کی بارگاہ میں حج کے موقع پر پیش کروں گا، سرکار جو بہتر سمجھیں گے فیصلہ فرمائیں گے۔ اور بقیہ مال آپ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے مکہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہی وہ حج ہے جو تاریخ اسلام میں حجۃ الوداع کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اموال خمس اور لشکر پر حضرت ابورافع کو نگراں متعین کیا اور آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جلد ملاقات کرنے کے لیے آگے بڑھ گئے، مال خمس میں سے کچھ یمنی چادریں بھی تھیں، مجاہدین نے ابورافع سے احرام کے لیے چادروں کا مطالبہ کیا تو ابورافع نے انہیں چادریں دے دیں۔ جب مقام سدرہ پر ان لوگوں کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تو آپ نے ان کے جسم پر یمنی چادریں دیکھیں، فوراً ابورافع کو بلا کر معاملے کی تفتیش کی، ابورافع نے پوری بات بیان کر دی اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابورافع پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کئی لوگوں سے آپ نے چادریں واپس لے لیں، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کی ملاقات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی تو انہوں نے آپ کی بارگاہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کچھ شکایتیں پیش کیں، شکایتیں سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کر کے فرمایا: یہ لوگ آپ کی شکایت کیوں کر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق اپنا فیصلہ اور ان لوگوں کا ردعمل حضور کی بارگاہ میں پیش فرما دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ذریعہ دی گئی صفائی سن کر خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۶ ص: ۳۶۴)

نبی کے خطبے میں علی کی وجاہت: ارکان حج ادا کرنے کے بعد نوع انسانی کے رہبر اپنے جملہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے، جب کاروان عشق و محبت غدیر خم کے مقام پر پہنچا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو ٹھہرنے کا حکم دیا، حجۃ الوداع میں اپنے محبوب کی معیت میں حج ادا کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں کھنچے چلے آئے تھے، غدیر خم ایک مرکزی جگہ تھی جہاں سے تمام اطراف واکناف کی طرف راستے جاتے تھے، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ لوگوں کے منتشر ہونے سے پہلے ہی یہاں پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے داغ سیرت و کردار کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کا قطعی

طور پر ازالہ کر دیا جائے تاکہ آج کے بعد کسی کلمہ گو کے دل میں علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والاصفات کے بارے میں کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

لہٰذا لوگوں کو جمع فرما کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عظیم الشان خطبہ دیا جس میں علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل وکمال، امانت ودیانت، عدل وانصاف کے بارے میں اپنی زبان حقیقت بیان سے شہادت دی۔

اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ مبارکہ کا رنگ شدت غضب سے متغیر ہو گیا تھا، آپ نے حضرت بریدہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "**الست اولی بالمؤمنین من انفسھم**،، کیا میں لوگوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک نہیں ہوں؟ حضرت بریدہ نے عرض کیا بے شک یارسول اللہ! اس پر آپ نے فرمایا "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**،، (السیرۃ النبویۃ ج ۴، ص: ۴۱۴۔۴۱۸)

اگر کسی غلط فہمی کے باعث کسی کے دل میں سیدنا علی مرتضی کے بارے میں کوئی وسوسہ تھا تو اس شہادت کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے محو ہو گیا، حضرت بریدہ بن حصیب کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن کے دلوں میں حضرت علی سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد پاک کو سن کر میرے دل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اتنی پیدا ہو گئی کہ آپ میرے سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص: ۳۹۲)

حجۃ الوداع میں حضرت علی کا احرام: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تھے، آنے کے کئی مقاصد تھے، حج بھی ادا ہوگا، شرف زیارت سے بھی بہرہ ور ہوں گے، خمس حضور کی بارگاہ میں پیش کریں گے، یقیناً یہ ساری چیزیں محبت رسول کے جذبات سے سرشار تھیں، محبت رسول کا اندازہ آپ آنے والی حدیث پاک سے بخوبی کر سکتے ہیں، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات رحمت عالمیاں سے ہوئی تو سرکار نے ان سے کیا پوچھا اور انہوں نے محبت

بھرا کیا جواب دیا اس کو بخاری شریف سے پڑھیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی سے دریافت کیا اے علی! کاہے کا احرام باندھا ہے تو آپ نے عرض کیا "بما اهل به النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم،، جس چیز کا احرام نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باندھا ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے جانوروں کو ساتھ رکھو اور حالت احرام پر ہی باقی رہو۔ (صحیح البخاری کتاب المناسک)

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوے بیان فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ ہوا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس طرح احرام باندھا ہے (بما اهل به النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم) اور اب اس طرح احرام باندھنا (بما اهل به فلاں) صحیح ہے یا نہیں .... جمہور علماے احناف کے نزدیک اب یہ صحیح نہیں ہے یہ اسی سال کے ساتھ خاص تھا۔ (نزہۃ القاری ج ۴، ص: ۲۸۸)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں آپ کی ازواج بھی تھیں اور آپ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ جو حضرت علی کی زوجہ ہیں وہ بھی ساتھ میں تھیں، سرکار کے حکم سے حضرت فاطمہ اور ان تمام لوگوں نے احرام کھول دیا تھا جو اپنے ساتھ ہدی نہیں لاے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ کو رنگین کپڑے پہنے دیکھا تو سرکار سے عرض کیا حضور! فاطمہ نے احرام کھول دیا ہے اور وہ کہہ رہی ہیں کہ یہ آپ کے حکم سے ہوا ہے اس پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صدقت، صدقت، صدقت،، فاطمہ نے سچ کہا، سچ کہا، سچ کہا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص: ۵۵۶)

علی کو قربانی کرنے کا حکم: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے لیے سو اونٹ اپنے ساتھ لاے تھے، ان جانوروں میں سے کچھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست پاک سے نحر (قربان) فرمایا، البتہ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست پاک سے کتنے جانور نحر فرماے، بعض

روایات میں ۶۳/کا عدد مذکور ہے۔علامہ ابن حبان وغیرہ نے فرمایا کہ یہ عدد حضور کی ظاہری عمر پاک کے مناسب ہے کیوں کہ اس سال حضور کی عمر ۶۳/سال تھی، باقی جانوروں سے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم ملا کہ آپ ان جانوروں کو نحر فرمائیں، اور ساتھ میں یہ بھی حکم تھا کہ ان جانوروں میں سے اجرت کے طور پر قصاب کو کچھ نہ دیا جائے اور جھول وغیرہ سب صدقہ کردی جائیں۔(البدایہ والنہایہ ج ۷،ص: ۶۱۴)

علی کے ہاتھ میں نبی کا بازو: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مرض لاحق ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلاموں کو دیکھنے مسجد تشریف لائے اس وقت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا بازو تھامے ہوئے تھے صحیحین میں اس سلسلے کی کئی طویل روایات درج ہیں، ہم صحیح مسلم کی ایک مختصر حدیث پیش کر رہے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مرض لاحق ہوا اور آپ کا درد شدید ہوگیا تو آپ نے تمام ازواج مطہرات سے میرے گھر ایام علالت میں رہنے کی اجازت طلب کی، تمام ازواج نے اجازت دے دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دو آدمیوں کے ساتھ اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے پیر زمین پر گھسٹ رہے تھے، ان میں ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے ایک اور شخص۔راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بیان کی تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ وہ دوسرا کون تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا میں نے عرض کیا: مجھے دوسرے شخص کا نام معلوم نہیں تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(صحیح المسلم کتاب الصلاۃ باب استخلاف الامام اذ عرض لہ عذر)

حضرت علی کا نام نہ لینے کی وجہ: حضرت عائشہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہ لیا بلکہ "رجل آخر، فرمایا: اس کی وجہ یہ تھی کہ سنن دار قطنی میں ہے کہ رسول اللہ

کے ایک جانب تو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسری جانب کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے تھے اور کبھی حضرت اسامہ بن زید اور کبھی فضل بن عباس رضی اللہ عنہم تو چوں کہ دوسری جانب کوئی شخص متعین نہ تھا اس لیے آپ نے رجل آخر (دوسرا شخص) فرمایا تا کہ اس لفظ کا عموم تینوں صحابہ کو شامل رہے۔ (شرح صحیح مسلم ج۱،ص:۱۲۰۹)

علی وصی نہیں: جس مرض کے دوران حضور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے دولت کدے سے باہر تشریف لائے تو اصحاب رسول نے پوچھا اے ابوالحسن! حضور کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: (الحمدللہ) حضور کی طبیعت ٹھیک ہے یہ سن کر حضرت عباس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے علی! خدا کی قسم تم تین دن کے بعد محکوم ہو جاؤ گے۔ علی سنو! میرے اندازے کے مطابق حضور اس مرض میں وصال فرمائیں گے، کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ بنو مطلب کے چہرے وقت وصال کیسے ہوتے ہیں چلو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس امر (خلافت) کے بارے میں پوچھ لیتے ہیں اگر یہ ہمارے لیے ہوگا تو ہمیں پتہ لگ جائے گا اور اگر ہمارے سوا کسی اور کے لیے ہوگا تب بھی ہمیں پتہ چل جائے گا اور آپ ہمارے لیے وصیت تو فرمائیں گے ہی، حضرت علی نے فرمایا: خدا کی قسم اگر ہم نے حضور سے پوچھ لیا اور حضور نے منع فرما دیا تو پھر لوگ کبھی بھی ہمیں عطا نہ کریں گے اس لیے میں اس بارے میں حضور سے نہیں پوچھوں گا۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

بخاری شریف کی اس حدیث سے رافضیوں کے اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے کہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی یا آپ کو خلیفہ نامزد کیا تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز ہرگز حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نہ فرماتے جو اس حدیث میں مذکور ہے بلکہ جواب کچھ اور ہوتا جو کسی بھی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔

نبی کے غسل میں علی کی شرکت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال

کے بعد جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو غسل دینے کی تیاری کی گئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت ہی گھر میں موجود تھے جو لوگ حضور کو غسل دینے میں شریک تھے ان کے اسما یہ ہیں: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی، فضل بن عباس، قثم بن عباس، اسامہ بن زید اور صالح رضی اللہ عنہم اجمعین۔ غسل دیتے وقت یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ کپڑوں ہی میں غسل دے دیا جائے یا کپڑے نکالے جائیں صحابہ کرام اس اختلاف میں پھنسے تھے کہ انہیں نیند آ گئی اور پھر انہوں نے ایک آواز سنی، آواز دینے والا کون تھا یہ کسی کو معلوم نہیں لیکن کہنے والے نے کہا کہ حضور کو ان کے کپڑوں میں غسل دو لہٰذا سرکار کے کپڑوں کے اوپر سے ہی پانی بہایا گیا اور کپڑوں کے اوپر سے ہی بدن مبارک پر ہاتھ پھیرا گیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو غسل دیتے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بدن مبارک کو اپنے سینے سے لگائے رکھا تھا اور حضرت عباس وغیرہ غسل دینے میں مدد کر رہے تھے اور حضرت علی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو غسل دے رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیتے وقت سرکار کے جسم میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو مردوں میں نظر آتی ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کو غسل دے رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے "بابی وامی ما اطیبك حیا ومیتا"، حضور میرے ماں، باپ آپ پر قربان آپ قبل وصال بھی سب سے عمدہ تھے اور بعد وصال بھی سب سے عمدہ ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج۸، ص:۱۲۰)

علی کو اشارہ مل چکا تھا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں اس طرف اشارہ کر دیا تھا کہ حضور کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو غسل دیں گے، ایک حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا اے علی! اپنی ران ظاہر مت کرو اور میری ران کو نہ میرے وصال سے پہلے دیکھنا اور نہ وصال کے بعد۔ علما فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں غیب داں نبی نے اپنے ذاتی معاملہ (غسل وغیرہ) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (ایضا)

علی خلفائے ثلاثہ کے دور میں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے جانشین کا مسئلہ پیدا ہو گیا یعنی آپ کے بعد مسلمانوں کی امارت کس کو سونپی جائے بہت سے مقتدر صحابہ اس معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ثقیفہ بنی ساعدہ پر اکٹھے ہوئے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فرمایا: آپ ہم سب میں بزرگ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقرب ہیں اس لیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کے ساتھ ہی مسلمان حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اس طرح حضرت ابوبکر مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہو گئے۔

حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی بے بہا خدمات انجام دیں اور ہر نازک موقع پر اسلام کی مدافعت کے لیے سینہ سپر رہے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے دور خلافت میں قریباً تمام اہم ملکی اور قومی معاملات میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے کیوں کہ آپ نہایت صائب الرائے اور دور اندیش شخص تھے۔ معاملات کی تہ تک فوراً پہنچ کر کوئی نہ کوئی حل بتا دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہوتے ہی بہت سے مقامات پر شورشیں اٹھیں۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض شورشوں کے دبانے پر مامور فرمایا چناں چہ آپ نے بڑی کامیابی سے اپنا فرض انجام دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملکی انتظامات کے سلسلے میں بہت مدد دی، آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس مشاورت کے اہم رکن تھے، داخلی اور خارجی امور کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے جس قدر خط و کتابت ہوتی تھی اس کی نگرانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی سپرد تھی، جنگ میں جو قیدی آتے ان کا

بندوبست بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آخری دم تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا بھی تعاون کیا اور ان کے مشیر خصوصی کی حیثیت سے کام کرتے رہے، حضرت عمر آپ کے مشورے کو دوسروں کے مشورے پر ہمیشہ ترجیح دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر انتظامی اور اصلاحی اقدامات کیے ان میں سے بیشتر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے مشوروں کے رہین منت تھے، حضرت عمر کا یہ ارشاد بھی کتابوں میں ملتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے: اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے نادر مشوروں کے طفیل عمر کئی موقعوں پر نقصان اٹھانے سے بچ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ذیل کے چند واقعات قابل ذکر ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا قول کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی مگر شرط یہ ٹھہرائی کہ مسلمانوں کا خلیفہ خود بیت المقدس آئے اور اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیسائیوں کی اس خواہش سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا حضرت عثمان نے رائے دی کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کا رعب چھا چکا ہے اور وہ جنگ کی سکت نہیں رکھتے مجبور ہو کر صلح کر رہے ہیں اگر ان کی صلح کی پیش کش رد کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ اس طرح سے ان کی ذلت کا پہلو اور مسلمانوں کی برتری کا پہلو نکلتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کو بیت المقدس ضرور جانا چاہیے کیوں کہ اس طرح عیسائیوں کی دلجوئی ہو جائے گی اور ہماری عالی ظرفی کا تقاضا بھی یہی ہے آپ کے وہاں جانے سے عیسائیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی قدر پیدا ہوگی اور تبلیغ اسلام کی راہ ہموار

ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور اسی پر عمل کیا۔ دارالسلطنت چھوڑنے سے قبل یہاں کسی کو قائم مقام کرنے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر نے اس منصب پر حضرت علی کو مامور فرمایا اور خود بیت المقدس تشریف لے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے سن ہجری کا اجرا کرایا۔ اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو طلب فرمایا اور پوچھا کہ ایرانیوں کی طرح ہمیں اپنا ایک اسلامی سن جاری کرنا چاہیے مگر اس کا اجرا کب اور کہاں سے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ اسلامی سن کی ابتدا ہجرت نبوی کے تاریخی واقعہ سے کی جائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر تمام صحابہ کرام نے یہ بہترین رائے قبول کی اور سن ہجری جاری کر دیا گیا۔

۲۱ھ میں جبکہ خوزستان فتح ہو چکا تھا ایران میں ہر طرف ہنگامے ہونے لگے شہنشاہ ایران نے تمام جنگی قوموں کو جمع کر کے ایک بار پھر مسلمانوں سے ٹکر لینے کا بندوبست کیا اور انہیں خوزستان سے نکالنے کی ٹھان لی۔ چناں چہ ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں کا ٹڈی دل لشکر خوزستان کی طرف بڑھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر لگی تو آپ نے مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا حضرت عثمان کے مشورے کو قبول کر لیا گیا اور وہ یہ تھا کہ بصرہ، یمن اور شام کے گورنروں کو ہدایت کی جائے کہ اپنا اپنا لشکر لے کر عراق کی طرف جائیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل مدینہ کو لے کر روانہ ہوں اور سب فوجیں کوفہ میں جمع ہوں پھر نہاوند کا رخ کریں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی تک کوئی رائے نہ دی تھی جب حضرت عمر نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اگر شام اور بصرہ سے لشکر ہٹا لیا گیا تو دشمن ان علاقوں پر قبضہ کر سکتا ہے اور اگر آپ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو سارے عرب کے لیے خطرہ پیدا

ہو جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ اندرونی انتشار پیدا ہو جائے اس لیے آپ مدینہ نہ چھوڑیں اور شام، بصرہ اور یمن کے گورنروں کو لکھیں کہ اپنے اپنے لشکر کا تیسرا حصہ لے کر جنگ کے لیے نکلیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل کیا۔ چناں چہ خدائے تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بھی حضرت علی نے اپنے آپ کو خدمت اسلام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ جب باغیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور انہیں قتل کرنے کے درپے ہوئے تو اس دوران حضرت علی نے حضرت عثمان کی حفاظت اور شورش کو دفع کرنے کی بڑی کوشش کی مگر حالات ہی کچھ ایسے پیش آ گئے کہ حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ رونما ہو گیا (حضرت علی بن ابی طالب ص: ۶۰، ۵۸)

بیعت وخلافت: خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کچھ دن مسند خلافت خالی رہی (مسند خلافت کتنے دن خالی رہی اس میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں: ایک دن، تین دن، پانچ دن) طبری کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت بروز جمعہ ۲۴ یا ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی۔ (طبری ج ۸، ص: ۶۲۳)

بیعت کی کیفیت میں علما کا اختلاف ہے، ہم اس قول کو پیش کر رہے ہیں جسے علامہ ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ میں سب سے پہلے بیان کیا ہے:

جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو مہاجرین وانصار حضرت علی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حاضرین میں حضرت طلحہ وزبیر بھی تھے ان حضرات نے آ کر عرض کیا: "انہ لا بد للناس من امام" لوگوں کو امیر المومنین کی ضرورت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات کی مرضی کو پاتے ہوئے فرمایا: مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں تم لوگ جس کو چاہو امیر منتخب کر لو میں اس پر راضی ہوں حضرت علی کی بات سن کر لوگوں نے کہا: ہم آپ کے سوا کسی کو اپنا امیر منتخب نہیں کریں گے یہ لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہوئے بولے اب ہم اس امر خلافت کے لیے نہ آپ سے بہتر کسی کو سمجھتے ہیں نہ

ہماری نظر میں آپ پر کوئی فوقیت رکھتا ہے اور نہ ہی قرابت کے معاملے میں آپ سے زیادہ کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی ہے۔

اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ لوگ مجھے مجبور نہ کریں مجھے امیر بننے سے وزیر بننا زیادہ پسند ہے لیکن لوگ آپ کی بیعت پر بضد تھے انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑیں گے جب تک آپ کی بیعت نہیں کرلیں گے۔ یہ تمام گفتگو یا تو آپ کے کاشانۂ اقدس پر ہو رہی تھی یا بنی عمرو کے باغ میں، جب آپ نے جان لیا کہ لوگ آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا: اگر ایسا ہی ہے تو میری بیعت پوشیدہ طور پر نہیں ہوگی بلکہ یہ علانیہ مسجد نبوی میں ہوگی، پھر سب لوگ آپ کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کرلی، سب سے پہلے آپ کی بیعت طلحہ بن عبید اللہ نے کی۔

اس وقت طلحہ اور زبیر دونوں نے بیعت کرلی تھی لیکن انہوں نے بعد میں فرمایا: ہم نے یہ بیعت مصلحتاً کرلی تھی اور پھر یہ لوگ مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ بلا کر لائے جب ان سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اے علی! میں آپ کی بیعت اس وقت کروں گا جب سب لوگ آپ کی بیعت کرلیں گے۔ خدا کی قسم میری طرف سے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سعد کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر نے وہی جواب دیا جو حضرت سعد نے فرمایا تھا اس پر ان سے کہا گیا کہ کوئی ضامن پیش کرو حضرت ابن عمر نے کہا کہ میرے پاس کوئی ضامن نہیں ہے اس پر اشتر نے کہا مجھے ان کی گردن مارنے کی اجازت دیجیے حضرت علی نے فرمایا: نہیں ہرگز نہیں میں خود ان کا ضمانتی ہوں اے اشتر! تم ابن عمر کی سیرت میں بچپن سے لے کر آج تک کوئی بھی اخلاقی خرابی نہ پاؤ گے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۸۲)

پر خار وادی اور کانٹوں کا تاج: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرلیا گیا

تھااور سلطنت اسلامیہ کے والی کا تاج ان کے سر پر سجادیا گیا تھا لیکن جن حالات میں یہ تاج حضرت علی کے سر پر رکھا گیا تھا ان حالات کے مدنظر اہل نظر اس تاج کو کانٹوں کا تاج ہی تصور کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے حالات بہتر نہیں کہے جاسکتے تھے، مدینہ ابھی بلوائیوں اور سبائیوں کی دسترس سے آزاد نہیں ہوا تھا، حضرت نعمان بن بشیر مظلوم شہید حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون آلود پیرہن اور آپ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ چکے تھے، حضرت امیر معاویہ نے خون آلود پیرہن اور کٹی ہوئی انگلیوں کو ملک شام کے مرکزی مقام دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر رکھوادیا تھا اور لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی پیہم کوشش کی جارہی تھی، لوگ دھاڑیں مار مار کر مظلوم شہید کی مظلومیت پر آہ و بکا کررہے تھے بلکہ بعض حضرات تو اس سال اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے تک کا عہد کرچکے تھے۔ اور خون کا بدلہ خون کا نعرہ بلند کیا جارہا تھا ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طرح طرح کے مطالبات شروع ہوچکے تھے۔

سب سے مقدم، اہم اور نازک مسئلہ اور مطالبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون ناحق کے قصاص ہی کا تھا۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور ان کے سوا دیگر جلیل القدر صحابہ کرام حضرت علی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور قصاص کا مطالبہ کیا حضرت علی نے باغیوں کے زور اور ان کے اعوان و انصار کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: یہ کام ابھی میری دسترس سے باہر ہے۔ اس پر حضرت زبیر نے کوفہ اور حضرت طلحہ نے بصرہ کی گورنری کا مطالبہ کیا تاکہ وہاں سے فوج لاکر فتنہ پروروں کے سروں کو کچلا جاسکے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید غور کرنے کا وقت ان حضرات سے طلب کیا۔

دوسری طرف اسلامی سلطنت کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے ان امرا اور حکام کا مسئلہ درپیش تھا جن کی کارکردگی یا کردار سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں تھے ان کو بحال رکھا جائے یا برخاست کردیا جائے، اگر برخاست کردیا گیا تو آگے ان کا

ردعمل کیا ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۴۲)

قارئین غور فرمائیں اکیلی حضرت علی کی جان ہے اور مصائب کا طوفان ہے نہ غور کرنے کا وقت ہے اور نہ حالات کچھ کرنے کا موقع دے رہے ہیں، بیگانے تو رہے بیگانے اپنوں کے مطالبات میں کوئی کمی نہیں ہے، اور مظلوم خلیفہ کی شہادت کا غم اپنی جگہ ہے۔

قاتلین عثمان سے بدلہ لیا جائے تو کیسے بلوائیوں کی طاقت حکومت سے کم نہیں ہے اور پھر اس سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ثبوت شرعی حاصل نہیں ہے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ حملہ کرنے والے لوگ متعدد تھے، عینی شاہدین میں صرف حضرت عثمان کی بیوی نائلہ ہیں وہ صرف حضرت محمد بن ابوبکر کو پہچان سکی تھیں لیکن پھر وہ بھی اس بات کا اعتراف کر رہی ہیں کہ محمد بن ابوبکر قتل سے پہلے وہاں سے چلے گئے تھے تو کس کو سزا دی جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔

یہ وہ مسائل تھے جن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی ہوا تھا وہ علی جس نے کبھی کسی دشمن کے سامنے ہار نہیں مانی لیکن آج اپنی قوم کے مسائل میں پھنسا ہوا تصویر حیرت نظر آ رہا تھا۔

امیر معاویہ کا دشوار مرحلہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن عمال کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں معزول کرنا چاہتے تھے ان میں والی شام حضرت امیر معاویہ بھی تھے، اب حضرت علی ان عمال کو معزول کرنا چاہتے تھے جب یہ بات آپ کے ان ساتھیوں کو معلوم ہوئی جو دور اندیش بھی تھے اور مخلص بھی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ ابھی یہ وقت اس فیصلے کے لیے موزوں نہیں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ میری رائے ہے کہ آپ ابھی اپنے عمال کو معزول نہ کریں بلکہ پہلے انہیں حسن تدبیر سے اپنا مطیع بنانے کی کوشش کریں جب یہ لوگ آپ کے مطیع ہو جائیں گے تو پھر آپ کی مرضی جسے چاہیں رکھیں اور جسے چاہیں معزول کر دیں لیکن جب حضرت علی نے آپ کی بات نہ مانی تو آپ نے اپنا مشورہ بدل دیا اور آپ مکہ چلے گئے وہاں جا کر اس جماعت میں مل گئے جس میں حضرت طلحہ اور زبیر بھی شامل تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہ مشورہ دیا اور ابن عباس نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مرکز بنائیں لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کا مشورہ قبول نہیں کیا اور حضرت ابن عباس کو شام کی ولایت پیش کی لیکن آپ نے معقول وجہ بیان کرتے ہوئے شام جانے سے انکار کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۴۲۷)

امیر معاویہ کی معزولی: ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان عمال کو معزول کر دیا جو آپ کو پسند نہ تھے اور نئے عمال کا انتخاب فرمایا چناں چہ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن شہاب کو کوفہ، عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد کو مصر، اور سہیل بن حنیف کو ملک شام روانہ فرمایا۔ امیر معاویہ کوئی معمولی مدبر نہ تھے، پھر بائیس سال کے لمبے تجربہ نے انہیں ملک رانی کا اور زیادہ ماہر بنا دیا تھا وہ راہ کے خطرات سے اچھی طرح واقف بھی تھے، اور ان سے نپٹنا بھی جانتے تھے۔ چناں چہ انہوں نے سہیل بن حنیف کو شام کی سرحد پر روک دیا، سہیل بن حنیف کو مقام تبوک پر ایک جماعت ملی اور انہوں نے کہا کہ تمہیں اگر حضرت عثمان کے سوا کسی نے بھیجا ہو تو فوراً واپس چلے جاؤ یہ سن کر حضرت سہیل حضرت علی کی طرف پلٹ آئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ سے بیعت لینے کے لیے سبرہ جہنی کو اپنا قاصد بنا کر ایک خط دے کر امیر معاویہ کی جانب روانہ فرمایا، امیر معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ قاصد کو اپنے پاس روکے رکھا، شہادت عثمان کے تقریباً تین ماہ بعد آپ نے قبیلہ بنی عبس کے ایک شخص کو بلایا اور اسے ایک لفافہ دیا جس کے اوپر پتے کے طور پر لکھا ہوا تھا "من معاویة الی علی،، اپنے قاصد کو چند نصیحتیں کیں اور حضرت علی کے قاصد کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا، دونوں قاصد حضرت علی کی بارگاہ میں پہنچے، قاصد نے حضرت امیر معاویہ کا لفافہ حضرت علی کو سونپ دیا، لفافہ کھول کر دیکھا گیا لفافہ میں کوئی خط نہ تھا بلکہ وہ خالی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ کے قاصد سے پوچھا تم اپنے پیچھے کیا چھوڑ آئے ہو؟ قاصد نے عرض کیا اگر گردن بخشی جائے تو عرض کروں حضرت علی نے جواب دیا قاصد قتل نہیں کیا جاتا ہے، تمہیں امان حاصل ہے۔ قاصد نے کہا میں اپنے پیچھے

ایسے لوگوں کو چھوڑ آیا ہوں جو قصاص کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں اور میں ایسے ساٹھ ہزار ۶۰۰۰۰ شیوخ کو دمشق کی جامع مسجد میں چھوڑ کر آیا ہوں جو حضرت عثمان کے خون آلود پیرہن کے نیچے بیٹھے رو رہے ہیں اور پیرہن منبر پر رکھا ہوا ہے، حضرت علی نے فرمایا: اے اللہ! میں حضرت عثمان کے خون سے بری ہوں اور پھر آپ نے قاصد کو جانے کی اجازت دے دی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۹۴)

امیر معاویہ سے مقابلے کی تیاری: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ تمام واقعات سے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ امیر معاویہ آپ کی بیعت برضا ورغبت کرنے والے نہیں، اب صرف ایک ہی طریقہ ہے جو امیر معاویہ کو آپ کا مطیع بنا سکتا ہے وہ ہے تلوار، لہٰذا آپ نے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں جو گورنر آپ کے تابع فرمان تھے انہیں بھی تیاری کا حکم جاری فرمایا، لوگوں کے سامنے آپ نے پرزور تقریر فرمائی اور لوگوں کو مقابلے کے لیے آمادہ کیا، جنگ کے لیے نکلنے کی تیاریاں پوری کر لی گئیں، مدینہ شریف پر قثم بن عباس کو اپنا نائب مقرر فرمایا اس درمیان آپ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوے اور عرض کیا امیر معاویہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے کیوں کہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی ہوگی اور اختلاف میں زیادتی لیکن آپ نے حضرت حسن کی بات نہیں مانی اور جنگ کا عزم اپنے حال پر باقی رہا پھر اپنے لشکر کو ترتیب دیا، میمنہ، میسرہ اور قلب وغیرہ تمام جہات پر افراد کو متعین فرمایا اور اپنا جنگی جھنڈا حضرت محمد بن حنفیہ کو عطا کیا، یہ لشکر مدینہ شریف سے روانہ ہونا شروع ہوا مگر رب کی مرضی کہ اس روانگی میں ایک عظیم مسئلہ حائل ہو گیا اور پھر سب مدینہ شریف میں قیام پزیر رہے وہ امر عظیم تھا ام المومنین حضرت عائشہ کا قاتلین عثمان سے قصاص کا جھنڈا بلند کرنا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۴۲۰)

صحابہ کے لیے دشوار فیصلہ: جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور صحابہ کرام کو اس جنگ میں شرکت کرنے پر ابھار رہے تھے تو صحابہ کرام کے لیے فیصلہ کر پانا بڑا مشکل تھا کہ وہ کیا کریں کیوں کہ زمانہ اسلام

میں یہ پہلا موقع تھا جب اپنی تلواریں خود اپنی گردنوں کو قلم کرنے کی تیاری کر رہی تھیں، اس لیے صحابہ کرام کی بڑی جماعت اس معاملہ میں متردد تھی کہ وہ کس کا ساتھ دے، بہت سارے صحابہ نے اس جنگ کی مخالفت کی اور بہت سارے اس میں غیر جانب دار رہے، غیر جانب دار صحابہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، اور محمد بن مسلمہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات سے اس کی وجہ پوچھنا چاہی تو حضرت سعد نے جواب دیا اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اس جنگ میں آپ کے ساتھ رہوں تو آپ مجھے وہ تلوار دیں جو کافر و مسلم میں امتیاز کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: آپ مجھے ایسی چیز میں شریک ہونے پر مجبور نہ کریں جس کی حقیقت حق و باطل کے اعتبار سے مجھ پر پوشیدہ ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے جواب دیا کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں اپنی اس تلوار سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک مشرکین کے ساتھ جنگیں جاری رہیں جس دن ایسا موقع آجائے کہ یہ تلوار مسلمانوں کی گردنیں اتارنے کے درپے ہو تو اے محمد بن مسلمہ تم اپنی تلوار کو احد پہاڑ پر جا کر توڑ ڈالنا لہٰذا کل میں نے اپنی تلوار کو توڑ ڈالا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید نے کہا کہ مجھے اس جنگ میں شرکت سے معاف رکھیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عہد کیا ہے کہ میں کبھی بھی کلمہ گو مسلمان کے خلاف جنگ نہیں کروں گا، اشتر نے بزوران حضرات کو جنگ میں شریک کرنے کا مشورہ دیا مگر حضرت علی نے قبول نہیں کیا۔ (الاخبار الطوال ج ۱، ص: ۱۴۳)

جنگ جمل کی تمہید: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاصرے کے وقت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کے لیے مکہ مکرمہ چلی گئی تھیں جب آپ حج کر کے مدینہ شریف کی طرف واپسی کر رہی تھیں تو آپ کی ملاقات حضرت عبید اللہ بن ابی سلمہ سے مقام سرف پر ہوئی، عبداللہ نے بتایا کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی گئی ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلوائیوں

کے آگے مجبور ہیں، بنوامیہ کی ایک جماعت مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچ چکی ہے، طلحہ اور زبیر بھی عمرہ کی اجازت لے کر مکہ آ گئے ہیں، حضرت ابن عمر بھی مکہ آ چکے ہیں، یہ سن کر حضرت عائشہ نے فرمایا: مجھے واپس مکہ مکرمہ لے چلو خدا کی قسم حضرت عثمان کو مظلوم شہید کیا گیا ہے اور میں ضرور حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کروں گی، آپ مکہ واپس آ گئیں اور پردہ کے ساتھ آپ نے زوردار تقریر فرمائی، آپ نے اپنی تقریر میں لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر ابھارا اور مدینہ منورہ میں جو بھی ظلم وستم اور بے اعتدالیاں ہوئی تھیں ان کا بھی آپ نے ذکر فرمایا، آپ کی تقریر سن کر لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور سب نے کہا اے ام المومنین! آپ جہاں لے چلیں گی ہم وہاں چلنے کو تیار ہیں، ام المومنین کا ہودج عسکر نامی اونٹ پر رکھا گیا اور حضرت عائشہ کی قیادت میں یہ لشکر روانہ ہو گیا، لشکر کو الوداع کہنے کے لیے بہت سے لوگ مکہ مکرمہ سے باہر تک آئے تھے، الوداع کہنے والوں میں امہات المومنین بھی شامل تھیں جو حج کرنے حضرت عائشہ کے ساتھ ہی آئی تھیں، وداع دیتے وقت امہات المومنین بہت روئیں اور ان کے رونے کی وجہ سے پورا ماحول اشک بار ہو گیا تھا اور اس دن کا نام یوم نحیب یعنی رونے کا دن رکھ دیا گیا۔
حضرت عائشہ کے لشکر کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی آپ کے لشکر کا حصہ تھے۔

یہ لشکر بصرہ روانہ ہوا، دورانِ سفر حضرت عبداللہ بن زبیر نماز پڑھانے اور مروان بن حکم اذان پڑھنے پر مامور تھے، رات میں اس لشکر کا گزر چشمہ حواب سے ہوا اور حضرت عائشہ نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی، فرمایا: اس چشمہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ چشمہ حواب ہے نام سن کر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا'' فرمایا: مجھے یہیں سے واپس جانا ہے لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا تھا ''تم میں سے کسی پر حواب کے کتے بھونکیں گے (تم ان میں سے نہ ہونا) اونٹ بٹھا دیے گئے

لوگ ایک دن ایک رات وہاں پڑاوٗ ڈالے رہے، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر نے آپ کو بتا یا یہ چشمہ حواب نہیں بلکہ دوسرا چشمہ ہے کہنے والے نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اچانک لوگوں میں ''النجاء، النجاء'' کی آواز بلند ہوئی اور آواز آئی ''یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر آ پہنچا،، اس کے بعد حضرت عائشہ کا لشکر بصرہ کی سمت روانہ ہو گیا۔

جب آپ کا لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا اس نے حضرت عائشہ کے لشکر کو بزور روکنا چاہا، جس کے نتیجے میں ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں عثمان بن حنیف کے بہت سارے سپاہی شہید ہوے اور فریقین کے فوجی خاصی تعداد میں زخمی ہوے پھر صلح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد آجانے کے بعد دوبارہ جنگ ہوئی جس میں عثمان بن حنیف کو ناکامی ہاتھ آئی، گرفتار ہوا اور سزا پا کر ام المومنین کے حکم سے آزاد کر دیا گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۹۹۔۱۰۸' البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۴۳۱، ۴۳۸)

جنگ جمل: حضرت ام المومنین کے جملہ واقعات کو سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ کا قصد فرمایا، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے پر ابھارا تو لوگ بڑی کش مکش میں مبتلا ہو گئے، ایک طرف ام المومنین کی ذات تھی تو دوسری طرف داماد پیغمبر حضرت حیدر کرار تھے، بہر حال کچھ لوگ ضرور آپ کے ساتھ چلے، شعبی کے قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں صرف چھ بدری صحابہ تھے، بلکہ بعض مؤرخین نے ان کی تعداد چار بیان فرمائی ہے، مقام ربدہ میں پہنچ کر آپ نے عمار بن یاسر اور اپنے صاحبزادے حضرت حسن کو کوفہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملالیں جیسا کہ صحیح البخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر کی حدیث پاک میں ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن زیاد اسدی فرماتے ہیں: جب حضرت طلحہ، زبیر، اور ام المومنین حضرت عائشہ بصرہ پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارے پاس کوفہ بھیجا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر کے

اوپری حصہ پر جب کہ حضرت عمار بن یاسر منبر کے نچلے حصے پر کھڑے ہوئے، عبداللہ بن زیاداسدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار کو کہتے ہوئے سنا بے شک ام المومنین بصرہ پہنچ چکی ہیں اور خدا کی قسم وہ دنیا وآخرت میں تمہارے نبی کی بیوی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیتے ہو یا حضرت عائشہ کا۔

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قعقاع بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیجا، قعقاع بن عمرو نے حاضر ہو کر دریافت کیا آپ کیا چاہتی ہیں؟ فرمایا: اصلاح، حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی جواب دیا۔ قاصد نے کہا کہ یہ اصلاح کا طریقہ نہیں ہے پہلے پوری سلطنت میں امان قائم کردیا جائے پھر قصاص کے معاملے کو نپٹایا جائے، اگر ایسا نہیں کیا گیا تو پوری امت اختلاف میں پھنس کر ہلاکت کے دہانے پر پہنچ جائے گی، حضرت عائشہ کو قاصد کی یہ باتیں بہت پسند آئیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے، دونوں جانب سے قاصدوں کی آمدورفت شروع ہوگئی، صلح کے شرائط طے کرلیے گئے، اور یہ بات طے پائی کہ صبح کو صلح کا عام اعلان کردیا جائے گا، لیکن عبداللہ ابن سبا کے دم چھلوں کو یہ کب برداشت ہوسکتا ہے، کہ امت متحد ہو کر زندہ رہے، مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جن جن کو یہ خبر موصول ہوئی انہیں بڑا اطمینان حاصل ہوا اور رات بڑے آرام سے بسر کی، لیکن قاتلین عثمان کے لیے آج کی رات بہت بڑی آفت ثابت ہوئی تھی، لہٰذا منصوبہ بندی کر کے صبح ہونے سے پہلے ہی دونوں طرف کے شرپسند عناصر نے ایک دوسرے پر حملہ کردیا اور ہنگامۂ قیامت برپا ہوگیا، دونوں فریق ایک دوسرے سے بدظن ہوگئے اور پھر جنگ شروع ہوگئی، بڑی خوں ریز جنگ ہوئی، دونوں طرف کے فوجی پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے، بلکہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے دونوں طرف لشکر بھی بڑی تعداد میں تھا، حضرت عائشہ کی قیادت میں اب تک تیس ہزار لوگ جمع ہوچکے تھے جو جنگ کر رہے تھے جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیس ہزار کا لشکر تھا۔ حضرت عائشہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی قیادت کر

رہی تھیں، اس لیے اس جنگ کا نام جمل ہے، جاں نثار اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان فدائین کی حالت کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ جب تک حضرت عائشہ اپنے اونٹ پر قائم رہیں گی، اس وقت تک مدمقابل کو پسپا نہیں کیا جا سکتا، تو آپ نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں کاٹ دیے جائیں، ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اونٹ کے پاؤں کاٹ دیے، اونٹ کا گرنا تھا کہ بصری لشکر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ہی ام المومنین کے بھائی محمد بن ابی بکر کو پرسش حال کے لیے بھیجا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنین زخمی تو نہیں ہوئی ہیں اور پھر خود بارگاہ میں حاضر ہو کر حالت دریافت کی، آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: میں خیریت سے ہوں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے حضرت عائشہ نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔

اس جنگ میں فریقین کے تقریباً دس ہزار آدمی شہید ہوئے، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پورے ادب واحترام کے ساتھ بصرہ روانہ کیا اور دونوں طرف کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، یہ واقعہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں پیش آیا، اس جنگ میں حضرت طلحہ اور زبیر شہید ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص ۴۴۰۔۴۵۶، تاریخ ابی الفدا ج ۱، ص: ۲۶۷)

امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں جنگ جمل کے شہدا کی تعداد تیرہ ہزار بیان فرمائی ہے۔

دارالخلافت کوفہ منتقل: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ جمل سے پہلے ہی کوفہ کو دارالخلافت بنانے کا ارادہ کر چکے تھے، کیوں کہ وہاں آپ کے اعوان وانصار کی تعداد زیادہ تھی، جب آپ نے دارالخلافت کوفہ منتقل کرنے کا عزم لوگوں کے سامنے ظاہر کیا تو اشراف انصار آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بدری صحابی حضرت عقبہ بن عامر نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! پھر تو آپ مسجد نبوی میں نماز کے لیے کیسے حاضر ہو سکیں گے اور جنت کی کیاری میں کیسے گزر فرمائیں گے، مسجد نبوی کی حاضری اور جنت کی کیاری سے گزرنا اس

سے بڑھ کر ہے جس کی آپ عراق والوں سے آس لگائے ہیں، اگر آپ کا ارادہ امیر معاویہ اور اہل شام کو مطیع کرنے کا ہے تو آپ سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۃ الرسول میں رہتے ہوئے اپنے نائبین کے ذریعہ اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگا چکے ہیں، آپ کے پاس ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا عراق میں فوجیوں کی کثرت ہے اور جنگ میں خرچ کرنے کے لیے مال بھی موجود ہے (علما نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل عثمان کے بعد مدینہ شریف کی حرمت کو کسی سیاست کی نظر نہیں ہونے دینا چاہتے تھے) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کے لیے نکل گئے تھے لیکن کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی جنگ جمل کا حادثہ فاجعہ پیش آ گیا اور آپ بصرہ چلے گئے، جنگ جمل سے فرصت مل جانے کے بعد آپ نے کوفہ کو مرکز خلافت قرار دیا اور وہیں سے عمال کو ان کی جگہوں پر روانہ فرمایا۔ (الاخبار الطوال ج۱، ص: ۱۴۳۔ ۱۵۳)

جنگ صفین: جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی، قاصد بھیج کر بیعت لینے کی کوشش کی لیکن ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔

آخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ سے اپنے لشکر کے ساتھ مقام صفین میں پہنچے اور حضرت معاویہ بھی شامی لشکر کو لے کر وہیں فروکش ہوئے (اس دوران بھی مصالحت کی بھرپور کوشش کی گئی مگر سب ناکام رہیں) اور ماہ صفر ۳۷ھ میں مقام صفین میں یہ خوں ریز جنگ عمل میں آئی یہ سلسلہ کافی دنوں تک جاری رہا (جب حضرت امیر معاویہ کی فوج پسپا ہونے لگی) تو حضرت عمرو بن عاص کی چالاکی سے شامی فوج نے نیزوں پر قرآن کو بلند کر دیا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم قرآن پاک کے فیصلے پر راضی ہیں، مسلمانوں نے یہ دیکھتے ہی جنگ سے ہاتھ کھینچ لیے اور جنگ بند ہو گئی، مسئلہ کو گفتگو کے ذریعہ حل کرنے کی بات طے ہو گئی، دونوں کی طرف سے حکم طے کر لیے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت

ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حکم مقرر فرمایا اور امیر معاویہ کی جانب سے حضرت عمر و بن عاص فیصل طے پائے، دونوں حضرات کے مابین ایک تحریری معاہدہ ہوا کہ آئندہ سال مقام اذرح میں جمع ہو کر امت کا یہ پیچیدہ مسئلہ حل کیا جائے گا، اس معاہدے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فوج کے ساتھ کوفہ واپس ہو گئے جب کہ حضرت امیر معاویہ شام روانہ ہوئے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۳۸)

جنگ صفین کے شرکا و شہدا: جنگ صفین کے شرکا اور شہدا کی تعداد میں اختلاف ہے اس جنگ میں شرکت کرنے والے بہادر دنیا کی کسی بھی جنگ میں شرکت کرنے والوں پر فائق تھے اس لیے بہت جاں بازی سے لڑے کوئی بھی فریق بھاگنے کا نام نہیں لیتا تھا چناں چہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، شہدا کی تعداد ستر ہزار تک بتائی گئی ہے، جس میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی تھے۔

امام بیہقی کی روایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جن میں بیس ہزار شہید ہوئے جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جس میں چالیس ہزار شہید ہوئے۔ قبر کے طور پر اتنے بڑے بڑے گڑھے کھودے گئے کہ ایک ایک قبر میں پچاس پچاس لوگوں کو دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۵۵۰)

خوارج کا ظہور: جنگ صفین کے اختتام پر جب آپ کوفہ تشریف لائے تو خوارج کی ایک جماعت آپ کے خلاف ہوگئی یہ لوگ کسی کو بھی حکم بنانے پر راضی نہیں تھے۔ لہٰذا انہوں نے "لا حکم الا للہ" (خدا کے سوا کسی اور کو حاکم نہیں بنایا جا سکتا) کا نعرہ بلند کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت ابن عباس کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا جنگ کے بعد کچھ لوگ تائب ہوئے اور حضرت علی کے ساتھ ہو گئے، کچھ اپنے عقیدے پر جمے رہے، کچھ جنگ سے فرار اختیار کر گئے۔ بھاگنے والوں نے نجران میں شر و فساد برپا کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں وہاں تہ تیغ کیا یہ جنگ

۳۸ھ میں ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۳۸)

خلیفہ کے بارے میں حکم کا فیصلہ: جنگ صفین کے موقع پر ہی طے شدہ منصوبہ کے تحت حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کرام دومۃ الجندل میں مقام اذرح پر جمع ہوے۔ حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت عمرو بن عاص کو فیصلہ کرنا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص اپنی چرب زبانی اور چالاکی کے ذریعہ حضرت ابوموسی اشعری پر چھا گئے اور یہ طے پایا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جاے پھر لوگ بعد مشورہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کرلیں دونوں حضرات اپنا متفقہ فیصلہ سنانے کے لیے مجمع عام میں آے حضرت عمرو بن عاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ان کے ادب واحترام کی دہائی دیتے ہوے مقدم کر دیا اور ان سے کہا کہ آپ اس فیصلہ کا اعلان کر دیں جس فیصلہ پر ہم متفق ہوے ہیں حضرت ابوموسی اشعری کھڑے ہوے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اپنا فیصلہ سناتے ہوے فرمایا: ہم حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں کو خلافت سے معزول کر رہے ہیں اور اب نیا خلیفہ مسلمانوں کے مشورہ سے مقرر کیا جاے گا آپ نے اپنی بات پوری کی اور بیٹھ گئے اب حضرت عمرو بن عاص کھڑے ہوے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوے فرمایا: آپ لوگوں نے حضرت ابوموسی اشعری کے فیصلے کو سن لیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منصب خلافت سے معزول کر دیا ہے میرا بھی یہی فیصلہ ہے اب حضرت علی خلافت سے معزول ہو چکے ہیں اور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے منصب پر ثابت وقائم رکھتا ہوں کہ وہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین بننے کے زیادہ لائق ہیں یہ سن کر حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت شرمندہ ہوے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت الفاظ کہے اور شرمسار ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے لوگ منتشر ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامی حضرت علی کو اور حضرت امیر معاویہ کے حامی حضرت امیر معاویہ کو ہی خلیفہ مانتے رہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۵۷۵)

قتل کی سازش: نہروان کی جنگ میں خارجیوں کو بڑا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا اس لیے گروہ کے تین افراد عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے جمع ہو کر مشورہ کیا جب تک حضرت علی، حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص کو ٹھکانے نہیں لگا دیا جاتا تب تک لوگوں کو سکون نہیں ملے گا لہٰذا ابن ملجم نے حضرت علی، برک نے حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن عاص کو قتل کرنے کی ذمہ داری قبول کی پھر ان تینوں نابکاروں نے ایک ہی رات میں تینوں اصحاب رسول پر حملہ کیا۔ حضرت عمرو بن عاص کا معاملہ یہ ہوا کہ وہ کسی عارض کی وجہ سے نماز پڑھانے نہ آسکے ان کے نائب کے طور پر خارجہ بن ابی حبیبہ تھے عمرو بن بکر نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ کا زخم ہلکا تھا اس لیے وہ بچ گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱، ص: ۲۰)

شہادت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کی ذمہ داری ابن ملجم نے قبول کی تھی لہٰذا وہ اس ارادے سے کوفہ میں داخل ہوا اور ایک حسین وجمیل عورت پر عاشق ہو گیا اسے نکاح کا پیغام دیا اس نے ابن ملجم سے نکاح کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی لگائی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرے گا ابن ملجم نے اس کے سارے شرائط قبول کر لیے اور اپنے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے وردان اور شبیب نامی دو لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا یہ تینوں لوگ اپنی تلواروں کے ساتھ گھات میں بیٹھ گئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کریمہ تھی کہ وہ مسجد جاتے وقت لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے الصلاۃ الصلاۃ کہتے جاتے تھے آپ راستے سے گزر رہے تھے کہ یک بارگی ان تینوں نے حملہ کر دیا اور آپ شدید زخمی ہو گئے، حضرت علی نے لوگوں کو آواز دی آواز سن کر لوگ وہاں پہنچے تب تک وردان بھاگ گیا لیکن بعد میں حضر موت کے ایک شخص نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا لیکن شبیب اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے پکڑ لیا، جعدہ بن ھبیرہ نے فجر کی نماز پڑھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی حالت میں گھر اٹھا کر لایا گیا آپ نے ابن ملجم سے متعلق وصیت فرمائی کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو اس کو میرے بدلہ میں قتل کر دینا

اور اگر میں بچ گیا تو میں خود اس کا فیصلہ کروں گا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱، ص: ۱۵) ؎

ترا آغاز کعبہ ہے ترا انجام مسجد ہے
ولادت میں کوئی ثانی نہ ہم سر ہے شہادت میں

تاریخ شہادت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ شہادت میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے کہ "قتل علی فی لیلۃ السابع عشر من شهر رمضان سنة اربعین من الهجرة، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۷؍رمضان المبارک ۴۰ھ میں شہید کیے گئے۔

مگر طبقات ابن سعد اور تاریخ الخلفا میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ پر حملہ ۱۷؍رمضان المبارک جمعہ کی رات میں ہوا۔ حملہ کے دو دن بعد تک آپ بقید حیات رہے اور ۱۹؍رمضان المبارک اتوار کی رات میں آپ نے وصال فرمایا۔ غالباً جن مؤرخین نے آپ کی شہادت کی تاریخ ۱۷؍رمضان المبارک لکھی ہے ان کی مراد حملہ کی تاریخ ہے۔ اس تشریح کے مدنظر اکثر مؤرخین کے نزدیک آپ کی تاریخ وصال ۱۹؍رمضان المبارک ۴۰ھ قرار پائے گی۔ (اسد الغابہ ج ۴، ص: ۱۱۳۔ الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۲۵۴۔ الاصابہ ج ۴، ص: ۱۷۲۔ طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۳۶۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۱، ص: ۲۳، ۲۲۔ طبری ج ۸، ص: ۸۷۷، تاریخ الخلفا ص: ۱۳۹) بعض حضرات نے ۲۱؍رمضان المبارک کو آپ کی تاریخ شہادت قرار دیا ہے۔

زبان پر آخری کلمہ: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی حیات وممات دونوں قابل رشک ہوتی ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی خوفِ خدا اور عشق مصطفیٰ جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آئینہ دار تھی اور آپ کا وصال بھی درس عبرت۔

جب آپ پر ابن ملجم نے تلوار سے وار کیا زخم لگتے ہی آپ کی زبان پر جو کلمات جاری ہوئے وہ یہ تھے "فزت برب الکعبة،، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اور دم

آخر اپنی اولاد کو وصیت کر کے فارغ ہوئے تو آپ کی زبان نے کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا تلفظ کیا اور جان جاں آفریں کی بارگاہ میں حاضر ہوگئی۔ (اسد الغابہ ج ۴،ص:۱۱۵)

تجہیز و تکفین: آپ کو امام حسن، امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا، کفن کے طور پر آپ کو تین کپڑے پہنائے گئے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳،ص:۳۶)

آپ کی قبر: آپ کا مزار پر انوار کہاں ہے اس سلسلے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں تحریر فرمایا کہ مشہور بات یہ ہے کہ آپ کو دار الامارت کوفہ میں دفن کیا گیا اور یہ عمل خوارج کے فتنے سے بچنے کے لیے کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو جامع مسجد کوفہ میں دفن کیا گیا اور بعد میں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے جسد مبارک کو منتقل کر کے مدینہ شریف جنت البقیع میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے پاس دفن کر دیا، ایک قول کی بنیاد پر آپ کی قبر سرزمین طی میں ہے اس طور پر کہ آپ کے جسد مبارک کو اونٹ پر رکھا گیا تھا اور وہ اونٹ آپ کو لے کر فرار ہو گیا اور تلاش بسیار کے بعد مقام طی میں مل سکا اور وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا اور بعض لوگوں نے نجف میں آپ کی قبر ہونے کا قول کیا ہے۔

لیکن علامہ ابن کثیر نے اونٹ کے غائب ہو جانے والے قول کو اور نجف میں آپ کی قبر ہونے والے قول کو شدت کے ساتھ رد کر دیا ہے بلکہ آپ نے لکھا ہے کہ نجف میں آپ کی قبر بتانے والے شیعہ ہیں وہاں آپ کی قبر نہیں بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی قبر ہے۔

جبکہ علامہ ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ میں لکھا ہے ''الا صح ان قبرہ ھو الموضع الذی یزار ویتبرك به'' صحیح یہ ہے کہ آپ کی قبر اس جگہ ہے جہاں زیارت کی جاتی ہے اور برکت حاصل کی جاتی ہے اس قول سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کی قبر نجف اشرف میں ہے۔ واللہ اعلم (الکامل فی التاریخ ج ۳،ص:۲۶۲۔ تاریخ الخلفاص:۱۳۹)

عمر اور مدت خلافت: بوقت شہادت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ امام واقدی نے

اس قول کو صحیح قرار دیا ہے یہی ابن جریر اور بہت سے مؤرخین کا قول مختار ہے، پینسٹھ سال اور اٹھاون سال بھی آپ کی عمر بیان کی گئی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، آپ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص: ۲۳)

وقتِ وصال آپ کی وصیتیں: جس وقت آپ زخمی حالت میں تھے آپ نے حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں سنو! ہرگز ہرگز دنیا کی چاہت مت کرنا اگرچہ دنیا تمہاری طرف قدم بڑھائے اور کسی چیز کے فوت ہونے پر آہ وفغاں مت کرنا، ہمیشہ حق بات ہی کہنا، یتیم پر رحم کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، ہمیشہ آخرت کو عمدہ بنانے کی فکر میں لگے رہنا، ظالم کے خلاف مدمقابل بن کر کھڑے رہنا، اور مظلوم کی دادرسی کرنا، قرآن پاک پر عمل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرنا پھر آپ نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے باپ شریکی بھائی حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے میرے بیٹے! میں تمہیں بھی ان ساری چیزوں کی وصیت کرتا ہوں جو تمہارے بھائیوں کو کی ہیں تم اپنے دونوں بھائیوں کا حکم مانتے رہنا، ان کی حکم عدولی نہ کرنا پھر امامین کریمین سے فرمایا: تم اپنے اس بھائی سے محبت کرتے رہنا کیوں کہ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مزید وصیتیں کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے بیٹے! نماز کو اس کے وقت پر ادا کرتے رہنا اور زکاۃ مستحق زکاۃ ہی کو دینا، وضو اچھے طریقہ سے کیا کرو کہ بغیر وضو کے نماز ادا نہیں ہوتی اور زکاۃ دیتے رہنا کہ زکاۃ ادا نہ ہو تو نماز بھی قبول نہیں ہوتی، لوگوں کی خطائیں بخشتے رہو، غصہ پی جاؤ، رشتہ داری نبھاؤ، جہلا کے ساتھ حلم سے کام لو، دین میں تفقہ حاصل کرو، ہر اچھے معاملے میں ثابت قدم رہو، قرآن کریم کی محافظت کرو، پڑوسی اچھا ڈھونڈو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، خود بھی بری باتوں سے دور رہو تا دم آخر اسلام پر جمے رہو اور مومن ہی مرو، لڑائی ختم کر کے آپس میں پیار ومحبت سے رہنا نفلی نماز وروزوں سے بہتر ہے، پڑوسی کے حقوق ادا کیا کرنا کہ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔

اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہو، زکاۃ کی شان بہت بلند ہے وہ رب کے غضب کو ختم کر دیتی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو زندہ رکھنا اور اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرتے رہنا، نیکی اور تقوی پر مدد کرنا گناہ وسرکشی پر کسی کی مدد نہ کرنا۔ (طبری ج۸،ص:۸۸۲)

نظام خلافت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاسی بصیرت سے کسے انکار ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پروردہ، صحبت یافتہ، زبان رسالت سے صادر ہونے والے اہم سیاسی فیصلوں کو آپ نے بڑے قریب سے دیکھا پھر سابقین خلفا کے زمانہ میں ان کے مشیر خاص رہے۔ ان ساری چیزوں نے آپ کی ذات میں غیر معمولی تدبر پیدا کر دیا تھا۔ پھر آپ میں موجود خوف وخشیت، تقوی وطہارت ہر لمحہ آپ کو اس بات پر ابھارتا تھا کہ آپ کی حکومت کلام خدا اور سنت مصطفیٰ کی آئینہ دار ہو اگر چہ آپ کے پورے دور خلافت میں آپ کو ایک لمحہ بھی ذہنی سکون حاصل نہ ہوا بلکہ روزانہ نت نئے مسائل آپ کا استقبال کرتے رہے اس کے باوجود بھی آپ کی یہی کوشش رہی کہ آپ کا دور خلافت سنت مصطفی سے ہر گز متجاوز نہ ہو، عاملین کا تقرر ہو یا ان کی طرف لکھے گئے خطوط یا آپ کی زبان سے صادر شدہ خطبات کا مجموعہ ہر ایک اسی رنگ میں نظر آتا ہے۔ دلیل کے طور پر کچھ نمونے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

آپ نے قیس بن سعد کو مصر کا والی بنا کر بھیجا اور انہیں ایک خط دیا جو عوام میں پڑھ کر سنانا تھا۔ اس خط کا ایک ایک حرف ہمارے دعوے کی سچی تصدیق ہے۔ خط طویل ہے ہم مختصراً بیان کریں گے۔

تمام حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، وہ لوگوں کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے امت نے ہدایت پائی اور متفق رہی، منتشر نہ ہوئی، پھر خلفاے راشدین

نے بھی اسی بات کا اہتمام کیا اب خلافت کا بارگراں میرے کاندھوں پر ہے میں اللہ ہی سے ہدایت طلب کرتا ہوں اور اسی سے مدد حاصل کرتا ہوں۔ مجھ پر آپ لوگوں کا یہ حق ہے کہ میں قرآن وسنت کے مطابق تمہاری دیکھ ریکھ کروں، تمہارے حقوق ادا کرتا رہوں، ہر لمحہ تمہاری خیر خواہی کروں اللہ ہی مددگار ہے اور وہی کارساز ہے، اے لوگو میرے بھیجے ہوئے امیر کی مدد کرنا میں نے تمہاری خیر خواہی کا ہی اسے حکم دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ص:۴۸۷)

انہیں قیس بن سعد کے لیے دوسرے خط میں تحریر فرمایا: خراج وصول کرنے میں حق کو پیش نظر رکھو، اپنی رعایا اور لشکر دونوں کے ساتھ انصاف کرو، اپنے اور رعایا کے درمیان ایسی دیوار نہ کھینچ دو کہ دونوں ایک دوسرے سے چھپ جائیں بلکہ رعایا کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو، ہمیشہ حق کے طالب رہو، خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، جو اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے وہ اللہ کے راستے سے ہٹ جاتا ہے اور جو راہ راست سے ہٹ جاتا ہے وہ عذاب الیم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (تاریخ یعقوبی ج ۱ص:۱۸۹)

عمال کی نگرانی: عمال کی کارکردگی پر آپ کی گہری نظر تھی حسن تدبیر سے آپ ان کے کاموں کو اپنی نگاہ میں رکھنا چاہتے تھے چناں چہ آپ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ احباب کی ایک جماعت کے ساتھ عمال کے حالات کا جائزہ لیں اور حالات سے امیر المومنین کو آگاہ کریں۔ (تاریخ یعقوبی ج ۱ص:۱۸۹)

اصطخر کے والی منذر کے بارے میں امیر المومنین کو اطلاع ملی کہ وہ شکار کے بہت زیادہ دلدادہ ہو گئے ہیں اور اپنا زیادہ تر وقت اسی میں گزارتے ہیں کتوں کے ساتھ جنگلوں میں اپنے شکار کو تلاش کرتے رہتے ہیں اس پر سخت تادیبی کاروائی کرتے ہوئے دارالخلافت بلا کر معزول کر دیا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۱ص:۱۸۹)

بیت المال کی حفاظت: بیت المال میں جمع اموال المسلمین کی آپ حد درجہ حفاظت فرماتے بغیر استحقاق اور ضرورت کے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اپنے قریبی لوگوں کو بھی دینا روا نہیں رکھتے تھے۔

ابوالاسود دئلی نے حضرت امیر المومنین کو خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار درہم بیت المال سے لے لیے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ فوراً بیت المال سے لی ہوئی رقم جمع کرا دیں حضرت عبداللہ بن عباس رقم واپس نہیں کرنا چاہتے تھے تو آپ نے انہیں دوسرا خط لکھا اور اس میں قسم کھا کر فرمایا: تمہیں وہ رقم واپس کرنی ہی پڑے گی چناں چہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصیحت کے بعد حضرت ابن عباس نے وہ رقم واپس کر دی۔ (تاریخ یعقوبی ج ۱، ص: ۱۹۰)

حضرت ابو رافع جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المال کے خازن تھے ایک دن حضرت علی نے بیت المال کا دورہ فرمایا تو آپ نے پایا کہ ابو رافع کی بیٹی بیت المال کا ایک موتی اپنے سنگار میں استعمال کر رہی ہے۔ فرمایا: یہ موتی اس لڑکی کو کیسے مل گیا؟ میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا حضرت امیر المومنین کا عزم مصمم دیکھ کر ابو رافع نے اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے عرض کیا امیر المومنین یہ موتی میں نے ہی اپنی بیٹی کو دیا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: تمہارا یہ حال ہے میرا حال سنو! میں نے جب حضرت فاطمہ سے نکاح کیا تو میرے پاس ایک مینڈھے کی کھال کے سوا کچھ نہ تھا ہم اسی پر سوتے تھے اور نہ ہی میرے پاس کوئی خادم تھا۔

ایک مرتبہ اصبہان کے حاکم عمرو بن سلمہ مال اور برتنوں میں شہد اور گھی لے کر امیر المومنین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہزادی حضرت ام کلثوم نے عمرو سے گھی اور شہد طلب کیا تو عمرو نے ایک برتن شہد اور ایک برتن گھی کا ام کلثوم کے پاس بھیج دیا دوسرے دن جب حضرت علی نے برتنوں کی گنتی کی تو دو برتن کم پائے۔ پوچھنے پر حضرت عمرو نے بات چھپاتے ہوئے عرض کیا: ہم ان کو تلاش کر لیں گے لیکن امیر المومنین نے بضد دریافت کیا تو عمرو نے پوری بات بتا دی حضرت علی نے دونوں برتن اپنی صاحبزادی کے گھر سے منگا لیے اور جتنا شہد اور گھی کم ہو گیا تھا اس کی قیمت بھی وصول کر لی۔

(الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۲۶۴)

نظام عدالت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ذات ہے جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ظاہری حیات ہی میں یمن کا قاضی منتخب فرمایا تھا اور انہیں قضا کی باریکیاں سکھانے کے لیے اپنے رب سے دعا بھی کی تھی لہٰذا آپ دور صحابہ میں ممتاز قاضی کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

خلفاے سابقین کے زمانے میں بھی آپ کے فیصلے کو امتیازی شان حاصل رہتی جب خود خلیفہ بنے تو سابقہ بنیادوں پر ہی آپ نے بھی وہی عدل ومساوات کا طرز عمل جاری رکھا، ان کے دور میں دور فاروقی کا جلوہ نظر آتا تھا جہاں امیر وغریب، حاکم ومحکوم سب برابر تھے بلکہ خود امیر المومنین بھی اپنے آپ کو عدالت کی گرفت سے باہر نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کی زرہ گم ہوگئی آپ نے ایک نصرانی کے پاس اپنی زرہ دیکھی اور اسے پہچان لیا تو آپ نے از خود اس سے زرہ نہ لی بلکہ قاضی شریح کے پاس خود عدالت میں حاضر ہوے اور مقدمہ پیش کرتے ہوے کہا یہ زرہ میری ہے، نصرانی نے کہا نہیں بلکہ یہ زرہ میری ہے۔ اس پر قاضی نے حضرت علی سے فرمایا: آپ کے پاس بینہ ہو تو پیش کیجیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسکراتے ہوے فرمایا: میرے پاس تو گواہ نہیں۔ حضرت علی گواہ پیش نہ کرسکے قاضی شریح نے فیصلہ سناتے ہوے اس زرہ کو نصرانی کے حوالے کردیا زرہ لے کر نصرانی تھوڑی دور گیا تھا کہ فوراً ہی واپس آگیا اور اس نے اعلان کیا یقیناً یہ عدل تو انبیاے کرام علیہم السلام والا عدل ہے کتنے تعجب کی بات ہے کہ امیر المومنین خود زرہ مجھ سے چھین نہیں لیتے بلکہ مجھے قاضی کے یہاں پیش کرتے ہیں پھر ان کا قاضی انہیں کے خلاف فیصلہ دے دیتا ہے اور وہ اس فیصلے کو تسلیم بھی کرلیتے ہیں یہ کہتے ہوے نصرانی نے اسلام قبول کرلیا اور پھر اس بات کا اعتراف بھی کرلیا کہ یہ زرہ حضرت علی کی ہی ہے۔ جنگ صفین میں جاتے وقت یہ زرہ حضرت علی کے ہاتھوں سے گم ہوگئی تھی۔ حضرت علی کو بہت خوشی ہوئی جب نصرانی ایمان لے آیا خوشی کا جشن مناتے ہوے آپ نے وہ زرہ اور ایک گھوڑا اسے ہبہ کردیا اس نومسلم نے بھی وفاداری کا پورا ثبوت دیا اور خوارج کے ساتھ جنگ کرنے میں

یہ حضرت علی کے ساتھ تھا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳،ص: ۲۶۵)

رعایا کے ساتھ سلوک: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں ایک مرد میدان اور اسلام کے بطل عظیم کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں بلکہ اہل اسلام انہیں شیر خدا کے مبارک لقب سے یاد کرتے ہیں وہیں دوسری طرف رعایا کے ساتھ حسن سلوک بھی ان کی زندگی کا قابل ذکر پہلو ہے وہ اپنی حکومت میں رہنے والے ہر انسان کو اسلامی آئین کے دائرے میں آزادی سے جینے کا حق دینا چاہتے تھے، بے جا سختی انہیں گوارہ نہ تھی، مسلمان تو رہے مسلمان وہ غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ بھی یہ سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔

عمرو بن مسلمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عامل تھے ان کے خلاف علاقہ والوں نے بد خلقی اور سخت مزاجی کی شکایت دربار خلافت میں پہنچائی حضرت علی نے ان کا محاسبہ کرتے ہوئے لکھا: مجھے تمہاری درشت مزاجی اور سخت روی کی شکایت ملی ہے تمہارے اس روے میں کوئی بھلائی نہیں ہے تمہیں اپنے کام میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے نہ اتنی سختی کہ عدل سے نکل کر ظلم میں داخل ہو جائے، نہ اتنی نرمی کہ نقصان دہ ہو جائے بلکہ معاملے میں بین بین ہونا چاہیے، اپنے حقوق ان سے وصول کرو لیکن ان کے خون سے دامن رنگین مت کرو۔ (تاریخ یعقوبی ج ۱،ص: ۱۸۹)

ایران کے کاشت کاروں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی پٹی ہوئی نہر صاف کرانے کی درخواست کی تو آپ نے وہاں کے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو ایک مکتوب بھیجا جس میں لکھا تھا:

تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے نہر کے پٹ جانے کی شکایت کی ہے۔ اس نہر کو درست کرانا ہم مسلمانوں کا کام ہے مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ یہ ہمارا ملک چھوڑ کر چلے جائیں یا پھر عاجز و کمزور ہو کر ملک کی خدمت سے معذور ہو جائیں۔ (ایضاً)

ایرانی ذمی آپ کے لطف و کرم سے اس درجہ متاثر تھے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اس عربی سلطنت نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی ہے۔

(مسلم کتاب الجہاد بحوالہ سیرت خلفاے راشدین ص: ۱۰۷)

فضل وکمال: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خالق کائنات نے اوصاف حمیدہ کا پیکر بنا دیا تھا، آپ کے خصائص رفیعہ کو دیکھ کر صحابہ کرام بھی رشک کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین ایسی چیزیں عطا فرمائیں اگر مجھے ان میں سے ایک چیز بھی مل جاتی تو اس کو سرخ اونٹوں سے بہتر سمجھتا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون سی چیزیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: (۱) ان کا نکاح سرکار کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ سے ہوا (۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد میں قیام اور جو کچھ مسجد میں انہیں حلال ہے مجھے نہیں (۳) جنگ خیبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں علم عطا فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسی اٹھارہ صفات ہیں جو کسی دوسرے صحابی میں نہیں پائی جاتیں۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۳۷)

آپ کا علم: جس ذات گرامی کے علم کی تعریف خود عالم ما کان و ما یکون نبی نے کی ہو اس کے علم کی عظمت کو صحیح معنیٰ میں کون سمجھا سکے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا"، میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے، علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان اس حدیث سے متعلق فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور جن لوگوں نے اسے موضوع کہا ہے انہوں نے خطا کی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں یہ مقام صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا کہ آپ فرماتے تھے جسے جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفور علم کو جانتے بھی تھے اور ان کے علم پر بھروسہ بھی کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بھروسے کو کبھی ختم نہیں ہونے دیا۔ چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے

جب بھی حضرت علی سے کوئی مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے صحیح اور درست جواب عطا فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: ہم لوگ آپس میں یہ بات کہا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ میں سب سے بڑے قاضی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

علم تفسیر: قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور علوم ومعارف کا خزینہ ہے، لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے معانی مراد پر اطلاع اور واقفیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے بغیر نہیں ہوسکتی اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے معانی اور مراد کو صحابہ کرام کے سامنے بیان فرماتے تھے، صحابہ کرام اس کو محفوظ رکھتے اور دوسروں سے بیان کرتے یہاں تک کہ یہ روایات منتقل ہوکر پوری امت کے درمیان پہنچی اور علوم قرآن تفسیر کے ذخیرے کی شکل میں کتابوں میں محفوظ ہوگئے۔ لیکن جب ہم روایات تفسیر کے راویوں پر نظر ڈالتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بہت بلند نظر آتی ہے حتیٰ کہ خلفاے راشدین میں کسی سے بھی اتنی روایات منقول نہیں جتنی اس سلسلے میں حضرت علی کی مرویات ہیں۔

آپ خود ارشاد فرماتے ہیں: میں قرآن پاک کی ہر آیت سے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی، کس طرح نازل ہوئی اور کس بارے میں نازل ہوئی۔ میرے رب نے مجھے سمجھنے والا دل، اور سچ بولنے والی زبان بخشی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: تم کتاب اللہ کے بارے میں جو چاہو مجھ سے پوچھ سکتے ہو کیوں کہ میں ہر آیت سے متعلق جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں، ہموار زمین میں اتری یا پہاڑ پر۔

(تاریخ الخلفا ص:۱۴۶)

حدیث وفقہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے وفور علم کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: اس وقت اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر سنت کا کوئی دوسرا عالم نہیں۔ ام المومنین کے اس فرمان سے علم حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہارت بخوبی

واضح ہو جاتی ہے۔ ابن سعد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کثرت سے حدیث بیان کرتے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب بھی میں حضور سے پوچھتا تو آپ جواب عنایت فرماتے اور اگر میں خاموش رہتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود ہی مجھے تعلیم دیتے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۳۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ واجتہاد میں تمام صحابہ کے درمیان امتیازی شان کے مالک تھے۔ فقہ واجتہاد کے لیے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ زود فہمی اور باریک بینی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کمالات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخوبی حاصل تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل تک آپ کے ذہن کی رسائی بہت جلد ہو جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ کو فقہ واجتہاد میں بلند مقام حاصل تھا مگر کبھی کبھی ان دونوں کو بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی۔ عام صحابہ کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فقہی مسائل میں آپ سے رجوع کیا ہے۔ (سیرت خلفاے راشدین ص: ۱۰۸)

حضرت سعد بن منصور فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس خدا کے لیے جس نے میرے مخالف کو دین کے معاملے میں مجھ سے پوچھنے والا بنایا، امیر معاویہ نے مجھ سے خنثیٰ مشکل کے بارے میں سوال کیا تھا، میں نے انہیں جواب لکھ دیا کہ اس کی میراث کا فیصلہ اس کے پیشاب کے مقاب کے اعتبار سے ہوگا۔ (تاریخ الخلفاء ص: ۱۴۰)

علم قضا: یوں تو آپ باب علم وحکمت ہیں، علوم کثیرہ پر آپ کو دسترس حاصل ہے لیکن علم قضا میں آپ خصوصی کمال رکھتے ہیں، اور اس کمال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا جلوہ گر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی منتخب فرمایا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم ! میں علم قضا سے ناواقف جوان شخص ہوں نہ مجھے فیصلہ کرنا آتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی تجربہ، یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا اور دعا کی "اللّٰھم ثبت لسانہ واھد قلبہ" اے اللہ عزوجل علی کی زبان کو حق پر ثابت فرما اور قلب کو ہدایت پر مستحکم فرما۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس دعا کے بعد مجھے کبھی کسی فیصلے میں تردد نہیں ہوا۔

(مستدرک علی الصحیحین حدیث نمبر: ۴۶۴۲ کتاب معرفۃ الصحابہ۔ تاریخ الخلفاص: ۱۳۵)

آپ وصف قضا میں اتنے زِیرک، ہوشیار اور صاحبِ کمال تھے کہ صحابۂ کرام آپ کے فیصلوں پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا حکمرانی کا ماہر، اصول جہاں بانی کا موجد خلیفہ جس کا علمی مقام محتاج بیان نہیں۔ جو ذات اپنے دور میں اعلم الصحابہ ہے۔ وہ بھی معاملہ کا تصفیہ کرتے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی کو غنیمت جانتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں اس مقدمہ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جس کے فیصلے کے وقت ابوالحسن (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) موجود نہ ہوں۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۳۵)

اہم فیصلے: مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رب قدیر نے بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تھیں۔ انہیں میں قوت فیصلہ بھی ہے۔ آپ کے فیصلے ایسے اچھوتے اور نرالے ہیں کہ جنہیں سن کر بڑے بڑے عقلا اور دانش ورانگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور ماہرین فن حیران وششدر، یہ سب اللہ پاک کی عطا اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا کا صدقہ ہے۔ اب ہم اپنے دعوے کی مزید تصدیق کے لیے آپ کے چند فیصلے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں تا کہ علم قضا میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ومہارت اور ان کی باریک بینی واقعاتی شکل میں قارئین کے سامنے واضح ہو سکے۔

آقا کون اور غلام کون: حضرت براء بن عازب روایت کرتے ہیں: یمن کے ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنے بیٹے کے ساتھ کوفہ بھیجا، اتفاق سے راہ میں وہ دونوں جھگڑا

کرنے لگے غلام گالیاں دے رہا تھا لڑکا اسے مار رہا تھا۔ کوفہ پہنچ کر غلام نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرا غلام ہے اور اسے بیچنے کی کوشش کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ اس دیوار میں دو بڑے بڑے سوراخ بناؤ اور ان دونوں سے کہو کہ اپنے اپنے سر ان سوراخوں سے باہر نکالیں۔ جب انہوں نے اپنے سر سوراخوں میں ڈال دیے تو آپ نے خادم کو حکم دیا کہ تلوار اٹھالاؤ اور غلام کا سر کاٹ لو۔ اتنا سنتے ہی غلام نے فوراً سر اندر کھینچ لیا اور دوسرا نوجوان اپنی حالت پر قائم رہا۔ اس طرح آپ کی عدالت میں بغیر کسی گواہی وشہادت کے فیصلہ ہو گیا کہ آقا کون ہے اور غلام کون، آپ نے غلام کو سزا دی اور اسے یمن بھیج دیا۔ (عشرۂ مبشرہ بحوالہ خطبات محرم ص:۲۰۶)

حقیقی ماں کی شناخت: حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: دو عورتیں ایک بچے کے متعلق جھگڑتی ہوئی آئیں دونوں دعوے دار تھیں کہ یہ لڑکا میرا ہے پہلے تو آپ نے دونوں کو سمجھایا وہ نہ مانیں جب ان کا جھگڑا اور تیز ہو گیا تو آپ نے حکم دیا کہ آرا لاؤ وہ بولیں آرا کس لیے منگا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا بانٹ دوں گا۔ تب حقیقی ماں بے قرار ہو گئی اور تڑپ کر بولی امیر المومنین آپ یہ بچہ اسی کو دے دیں میں نہیں لینا چاہتی یہ بچہ اسی عورت کا ہے مگر خدارا اس کو قتل نہ کریں۔ آپ نے وہ بچہ اسی بے قرار عورت کو دے دیا اور دوسری مدعیہ سے فرمایا: تجھ کو شرم نہیں آتی بھرے دربار میں جھوٹا بیان دیتے ہوئے وہ عورت گھبرا گئی اور اقبال جرم کر لیا۔

(عشرۂ مبشرہ بحوالہ خطبات محرم ص:۲۰۶)

جو تم چاہو دے دینا: حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے مرتے وقت اپنے ایک دوست کو بلا کر دس ہزار درہم دیے اور وصیت کی کہ جب تمہاری میرے بیٹے سے ملاقات ہو تو اس میں سے جو تم چاہو اس کو دے دینا۔ اتفاق سے چند روز بعد ملاقات ہو گئی اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا کہ مرحوم کے لڑکے کو کتنا دو گے؟ اس نے عرض کی کہ ایک ہزار درہم اس کو دوں گا نو ہزار میں لوں گا۔ آپ

نے فرمایا: نہیں نو ہزار اس کو دینا ایک ہزار تم لینا اس لیے کہ جو تم نے چاہا وہ نو ہزار ہیں اور مرحوم نے یہ وصیت کی ہے کہ جو تم چاہو وہ اس کو دے دینا۔ (عشرۂ مبشرہ بحوالہ خطبات محرم ص:۲۰۷)

کامل انصاف: دو آدمی ایک ساتھ سفر کر رہے تھے، بھوک لگی کھانا کھانے بیٹھے ان میں سے ایک کی پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کی تین۔ اسی درمیان ایک شخص ان کے قریب سے سلام کرتا ہوا گزرا انہوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا اور تینوں نے مل کر سب روٹیاں کھائیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر سلام کرنے والے تیسرے شخص نے ان کو آٹھ درہم دیے اور کہا آپس میں بانٹ لینا جب وہ شخص چلا گیا تو پانچ روٹیوں والے نے کہا کہ میں پانچ درہم لوں گا کیوں کہ میری پانچ روٹیاں تھیں اور تم تین درہم لو کہ تمہاری تین روٹیاں تھیں تین روٹی والا بولا نہیں بلکہ آدھے درہم ہمارے اور آدھے تمہارے اس لیے کہ ہم دونوں نے مل کر روٹیاں کھائی ہیں لہٰذا دونوں کا حصہ برابر ہو گیا جب معاملہ طے نہ ہوا اور نوبت جھگڑے کی آ گئی تو دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محفل میں پہنچے۔ مقدمہ سننے کے بعد آپ نے تین روٹی والے سے فرمایا: تمہارا ساتھی جو تین درہم تم کو دے رہا ہے لے لو اس لیے کہ تمہاری روٹیاں کم تھیں۔ اس نے کہا کہ یہ فیصلہ مبنی بر انصاف نہیں لگتا میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا اسی میں فائدہ ہے اگر حساب سے دیکھا جائے تو تمہارا ایک درہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپ حساب ہمیں سمجھا دیجیے تو ہم ایک درہم ہی لے لیں گے۔ آپ نے فرمایا: تو لو غور سے سنو! تمہاری تین روٹیاں تھیں اور اس کی پانچ، کل آٹھ روٹیاں ہوئیں اور کھانے والے کل تین تھے، اب آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کر و تو کل چوبیس ٹکڑے ہوئے تمہارے نو اور تمہارے ساتھی کے پندرہ ٹکڑے ہوئے تقسیم کرو تو ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے اور اب کان کھول کر سنو! تمہاری تین روٹیوں کے کل نو ٹکڑے ہوئے اور تمہارے ساتھی کے پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکرے ہوئے تو تم نے اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور تمہارا صرف ایک ٹکڑا بچا جو اس تیسرے شخص نے کھایا لہٰذا تمہارا صرف ایک درہم ہوا اور تمہارے ساتھی نے پندرہ ٹکڑوں

میں سے آٹھ خود کھاے اور سات اس اجنبی کو کھلا ے لہٰذا سات درہم اس کے ہوے۔ یہ فیصلہ سن کر تین روٹی والا حیران ہو گیا۔ مجبوراً اسے ایک ہی درہم لینا پڑا اور دل میں سوچنے لگا اے کاش! میں نے تین درہم لے لئے ہوتے تو اچھا ہوتا۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۴۲)

کرامات: اولیا اللہ کی کرامتیں حق وثابت ہیں ان کی کرامات کا ذکر قرآن کریم اور احادیث کریمہ دونوں میں موجود ہے۔ اولیا اللہ میں اصحاب رسول کا مرتبہ بہت بلند اور ممتاز ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تو ایسے صحابی ہیں کہ تصوف ومعرفت کے تمام سلاسل آپ ہی کی ذات سے منسوب ہیں جب صاحبان سلاسل یا وابستگان سلاسل کی کرامات سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوے ہیں۔ خاص طریقے سے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق تو غیروں نے بھی لکھا ہے ”شیخ عبد القادر کی کرامتیں تواتر سے ثابت ہیں“ جب کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آل آپ کے سچے نائب اور غلام ہیں تو پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا منارۂ کرامت کتنا بلند ہوگا۔ اب آئیں اور چشم بینا سے چند کرامات ملاحظہ کریں۔

تلاوت قرآن: صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جب مولاے کائنات سواری کرتے وقت گھوڑے کی رکاب میں پاؤں ڈالتے تو قرآن کریم کی تلاوت شروع فرماتے اور دوسری رکاب میں قدم ڈالنے تک قرآن مجید ختم کر لیتے۔ بظاہر یہ بات سمجھ سے بالا ہے کیوں کہ قرآن مجید کوئی چھوٹا سا صحیفہ نہیں جس کی تلاوت مختصر وقت میں ہو جاے بلکہ یہ تو مکمل کتاب ہے جس کی تلاوت کے لیے گھنٹے درکار ہیں۔

کسی نے پوچھا حضور یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی جلدی قرآن کی تلاوت مکمل ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: میری تلاوت اور دوسرے لوگوں کی تلاوت میں فرق ہے اور لوگ قرآن پڑھتے ہیں تو صرف زبان کا استعمال کرتے ہیں اور میرا معاملہ یہ ہے کہ میرے جسم کا انگ انگ، رونگٹا رونگٹا مصروف تلاوت ہوتا ہے۔ (شواہد النبوۃ مترجم ص: ۲۸۰)

زمین سے گفتگو: اسماء بنت عمیس نے خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ

تعالیٰ عنہا سے روایت کی وہ فرماتی ہیں: شادی کی پہلی رات جب میں حضرت علی کے گھر گئی تو مجھے بہت خوف لاحق ہوا کیوں کہ میں نے زمین کو آپ سے ہم کلام ہوتے ہوئے دیکھا صبح ہوتے ہی بابا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور پورا قصہ کہہ سنایا، یہ سن کر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طویل سجدہ کیا اور سر اٹھا کر فرمایا: اے فاطمہ! تجھے پاکیزہ اولاد کی بشارت ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا کہ وہ آپ کو ایسے تمام واقعات سے آگاہ کرے جو اس پر ہونے والے ہیں لہٰذا زمین ہر واقعہ کی انہیں خبر دیتی ہے۔(ایضاص:۲۸۱)

تعجب خیز واقعہ: ایک روز مولائے کائنات نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ایک شخص کو حکم دیا کہ فلاں قصبہ میں جاؤ وہاں مسجد سے متصل ایک مکان میں میاں بیوی لڑ رہے ہیں انہیں بلا کر لاؤ وہ شخص گئے اور ان دونوں جھگڑا کرنے والوں کو بلا لائے۔ مولائے کائنات نے ان سے فرمایا: تم مسجد کے پڑوسی ہو اور اتنا لڑتے ہو؟ شوہر بولا! حضور میں نے اس عورت سے نکاح کیا اور جب میں اس کے قریب آیا تو مجھے سخت نفرت ہوگئی اگر میرا بس چلتا تو میں اسی لمحے اسے اپنے سے جدا کر دیتا اس نے مجھ سے لڑنا شروع کر دیا اور کچھ دیر بعد آپ کا قاصد پہنچ گیا۔

مولائے کائنات نے حاضرین مجلس سے فرمایا: یہ شخص بہت سی باتیں کہنا چاہتا ہے لیکن اس کی خواہش ہے کہ اس کی روداد میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ سنے، یہ سن کر تمام حاضرین مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ اب مولائے کائنات نے اس عورت سے مخاطب ہو کر پوچھا اس نوجوان کو پہچانتی ہو؟ اس عورت نے جواب دیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تجھے بتاؤں کہ تو اسے پہچان لے لیکن بلاوجہ انکار مت کرنا وہ عورت بولی: اتنی مجال کہاں کہ آپ کی بات کا بلاوجہ انکار کر دوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم فلاں بنت فلاں نہیں ہو؟۔ وہ بولی: ہاں حضور میں وہی ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سچ بتانا کیا تمہارا ایک چچا زاد بھائی نہ تھا کہ تم ایک دوسرے پر جان فدا کرتے تھے۔ وہ بولی: آپ کی بات بالکل صحیح

ہے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو ایک روز رات کے وقت کسی ضرورت سے باہر نکلی تو اس نے تجھے پکڑ کر تجھ سے بدکاری کر لی جس کے نتیجے میں تو حاملہ ہوگئی، یہ واقعہ تو نے اپنی ماں کو بتایا تھا لیکن باپ کو نہ بتایا جب ولادت کا وقت قریب آیا تو تیری ماں تجھے گھر سے باہر لے گئی، تیرے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا تو نے اسے کپڑے میں لپیٹ کر دیوار کے پیچھے پھینک دیا جہاں سے لوگوں کی آمد و رفت تھی اتفاق سے وہاں ایک کتا آیا اور اس نے بچے کو سونگھا، تو نے اس کتے پر ایک پتھر مارا جو کتے کے بجائے بچے کے سر پر لگا جس سے بچہ زخمی ہوگیا، تیری ماں نے کپڑے سے اس کے سر کو باندھ دیا پھر تم دونوں ماں بیٹی واپس چلی آئیں اور پھر تمہیں اس کا کوئی پتہ نہ چلا اس عورت نے جواب دیا: حضور آپ نے بالکل سچ فرمایا لیکن اس بات کو میرے اور میری ماں کے سوا کوئی تیسرا نہیں جانتا۔آپ نے فرمایا: جب صبح ہوئی تو ایک قبیلہ والے اس لڑکے کو اٹھا کر لے گئے انہوں نے اس کی عمدہ تربیت کی، پالا پوسا یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا اور ان کے ساتھ ہی کوفہ چلا آیا اور تجھ سے شادی کر لی، اس کے بعد آپ نے نوجوان سے فرمایا: اپنے سر سے کپڑا ہٹاؤ؟ اس نے سر ننگا کیا تو زخم کا نشان صاف نظر آرہا تھا۔آپ نے فرمایا: یہ لڑکا تمہارا ہے۔رب العزت نے اسے حرام چیز سے محفوظ رکھا جا اس کو لے جا یہ شوہر نہیں تیرا بیٹا ہے، تو اس کی بیوی نہیں ماں ہے۔(ایضا)

اور فرات نیچے اتر گیا: کوفہ والوں پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فرات کے پانی کی کثرت سے ان کی کھیتیاں برباد ہونے لگیں۔کوفہ والے مولائے کائنات کے پاس آکر عرض گزار ہوئے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ دریا میں پانی کی سطح کم ہو جائے اور ہماری کھیتیاں برباد نہ ہوں۔آپ اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے اور اس شان سے باہر تشریف لائے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ پہنے، سر پر عمامہ باندھے، اور ہاتھ میں عصائے مبارک تھامے ہوئے تھے۔گھوڑا منگا کر سوار ہوئے اور فرات کی طرف چل دیے۔سب لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔فرات کے کنارے گھوڑے سے اترے، دو رکعت نماز ادا کی، پھر عصائے مبارک ہاتھ میں لیا اور فرات کے پل پر آ گئے اس

وقت حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ساتھ تھے آپ نے عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا تو پانی کی سطح ایک ہاتھ کم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: کیا اتنا کافی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابھی بھی زیادہ ہے۔ آپ نے پھر عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا پانی پھر ایک ہاتھ کم ہوگیا یہاں تک کہ جب پانی کی سطح تقریبا تین فٹ نیچے ہوگئی تو لوگوں نے کہا اے مولائے کائنات بس اتنا کافی ہے۔ (ایضاً ص: ۲۸۳)

دست علی کی قوت: مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین میں مشغول ہیں کہ آپ کے ساتھیوں کو سخت پیاس نے ستایا تلاش بسیار کے بعد جب پانی ملنے کی کوئی امید نہ رہی تو لوگوں نے آپ سے پانی کا سوال کیا آپ نے فرمایا: اور آگے چلو کچھ دور چلے تو ایک گرجا نظر آیا آپ نے گرجا کے راہب سے پانی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہاں تو پانی کا فقدان ہے البتہ یہاں سے چھ میل کی دوری پر پانی مل سکتا ہے۔ ساتھیوں نے کہا امیر المومنین! آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم قوائے جسمانی کے جواب دینے سے پہلے پہلے پانی تک پہنچ جائیں آپ نے فرمایا: فکر نہ کرو یہیں انتظام ہوجائے گا پھر آپ نے اپنے گھوڑے کو پچھم کی طرف موڑا اور ایک جانب اشار کرتے ہوئے فرمایا: یہاں سے زمین کھودو ابھی کچھ ہی زمین کھودی گئی تھی کہ اس کے نیچے ایک بڑا پتھر نظر آیا جس کو ہٹانا نہایت مشکل تھا لوگوں نے دم بھر کوشش کی لیکن پتھر ہٹانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جب ساری تدبیریں فیل اور کوششیں ناکام ہوگئیں تب شیر خدا نے اپنی آستین چڑھا کر زور لگایا تو پتھر ہٹ گیا اور اس کے نیچے ٹھنڈا، میٹھا اور صاف وشفاف پانی ظاہر ہوا جو اتنا خوش ذائقہ تھا کہ پورے سفر میں انہوں نے ایسا پانی نہ پیا تھا سب نے سیر ہوکر پیا اور جس نے جتنا چاہا بھر لیا۔ پھر آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر اس چشمہ پر رکھ دیا اور فرمایا: اس پر مٹی ڈال دو۔ راہب سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ قریب آیا اور ادب سے پوچھا کیا آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا آپ کوئی مقرب فرشتہ ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا پھر آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا داماد اور ان کا

خلیفہ ہوں، راہب بولا ہاتھ بڑھایئے تا کہ آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں آپ نے ہاتھ بڑھایا تو راہب نے کہا ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ''، آپ نے راہب سے کہا بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک زمانے سے تم اپنے دین پر قائم تھے اور آج اچانک اسلام قبول کرلیا؟ اس نے کہا حضور! بات دراصل یہ ہے کہ مجھے آج ہی کے دن کا انتظار تھا ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ گرجا اسی کے ہاتھ پر فتح ہوگا جو اس چٹان کو ہٹائے گا اور اس چٹان کو ہٹانے والا یا تو پیغمبر ہوگا یا پیغمبر کا داماد۔

جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس پتھر کو ہٹا دیا تو میری مراد پوری ہوگئی جب آپ نے اس کی بات سنی تو اتنا روے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی اور فرمایا: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں کوئی بھولا بسرا نہیں ہوں بلکہ میرا ذکر اس کی کتابوں میں موجود ہے۔

(شواہد النبوۃ مترجم ص: ۲۸۸)

اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ اللہ عزوجل کے سب بندے برابر نہیں ہیں بلکہ بعض وہ ہیں جنہیں معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں کہاں کیا چیز پوشیدہ ہے اور یہ سارا علم اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کے صدقے میں انہیں عطا فرمایا ہے۔

ازواج واولاد: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات میں دوسری شادی نہیں کی لیکن آپ کے رحلت فرما جانے کے بعد حضرت علی نے کئی شادیاں کیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر ازواج سے اولاد بھی عطا فرمائیں، بیویوں کے سوا کنیزوں سے بھی آپ کے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چودہ بیٹے اور انیس بیٹیاں تھیں۔(۱) حضرت حسن (۲) حضرت حسین (۳) حضرت زینب کبریٰ (۴) حضرت ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوے۔(۵) محمد بن حنفیہ، ان کی والدہ خولہ بنت جعفر ہیں (۶) عبداللہ (ان کو مختار نے شہید کیا) (۷) ابوبکر (کربلا میں شہید ہوے) ان کی ماں لیلی بنت مسعود ہیں۔(۸) عباس اکبر (۹) عثمان (۱۰) جعفر۔(۱۱) عبداللہ (یہ سب کربلا میں

شہید ہوے) ان کی ماں کا نام ام بنین ہے۔(۱۲) محمد اصغر (کربلا میں شہید ہوئے) یہ ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوے۔(۱۳) یحیٰ (۱۴) عون ان کی ماں کا نام اسماء بنت عمیس ہے۔(۱۵) عمر اکبر (۱۶) رقیہ۔ ان کی ماں صہباء ہیں جو جنگی قیدی بن کر آئی تھیں (۱۷) محمد اوسط ان کی ماں امامہ بنت ابی العاص ہیں۔(۱۸) ام الحسن (۱۹) رملہ کبری یہ ام سعید بنت عروہ کے بطن سے ہیں۔(۲۰) ام ہانی (۲۱) میمونہ (۲۲) زینب صغری (۲۳) رملہ صغریٰ (۲۴) ام کلثوم صغریٰ (۲۵) فاطمہ (۲۶) امامہ (۲۷) خدیجہ (۲۸) ام الکرام (۲۹) ام جعفر (۳۰) حمانہ (۳۱) نفیسہ (۳۲) ام سلمہ (۳۳) ایک بچی جس کا بچپن میں انتقال ہوا اور اس کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سب اولاد مختلف ازواج سے پیدا ہوئیں۔
(صفۃ الصفوۃ ج ۱، ص:۳۰۹)

تنبیہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی تعداد کے سلسلے میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے ہم نے علامہ ابن جوزی کے قول کو بیان کیا ہے۔

علامہ احمد بن عبداللہ طبری (محب الدین طبری) صاحب الریاض النضرۃ نے آپ کی اولاد میں چودہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیوں کو شمار کرایا ہے۔(الریاض النضرۃ ج ۴، ص:۲۰۶)

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین
ساقئ شیر وشربت پہ لاکھوں سلام
اصل نسل صفا وجہ وصل خدا
باب فصل ولایت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن
پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کو ان گنت نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ وہ ایمان وایقان کے پیکرِ مجسم، بحرِ علم وعرفان کے ماہر غواص، الفت ومحبت کی زندہ تصویر، میدان عمل کے شہسوار، ہمت وحوصلہ، جرأت وسطوت میں دنیا کے بہادروں سے بلندتر، جاں فروشی وجاں نثاری میں دنیا کے استاذ، خلوص ووفا سے معمور، خود غرضی اورتن پروری سے کوسوں دور تھے۔ اصحاب رسول چمن کے پھولوں کی طرح جدا جدا رنگ وبو لیے گلشن اسلام کی زینت وبہار ہیں۔ یہی وہ گلشن ہے جسے بادسموم کبھی خزاں رسیدہ نہ کرسکی۔ ہر صحابی کسی نہ کسی خاص وصف سے پہچانا جاتا ہے اور بعض صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے اوصاف کثیرہ عطا فرمائے۔ ہم جن کا ذکر جمیل کرنے جارہے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اوصاف کثیرہ مرحمت فرمائے۔

وہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حواری، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان پاک سے جنت کا مژدہ پانے والے، حضور کے قریبی رشتہ دار، اسلام کے لیے سب سے پہلے تلوار کھینچنے والے مرد مجاہد، درجۂ شہادت پر فائز، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریبی معتمد ساتھی، مجلس شوریٰ کے رکن، بارگاہ رسالت کے حاضر باش، بدر اور بیعت رضوان دونوں کی شرکت سے سرفراز، تمام غزوات میں حضور کے شریک سفر، جنت میں حضور کے ہم سایہ، ان کا مقدس نام زبیر بن عوام ہے۔

نام ونسب: زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا نسب قصی بن کلاب پر جا کر مل جاتا ہے۔ اسد بن عبد العزی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے آپ کو قریشی اسدی کہا جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ا ص:۱ ۴، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۲۹)

ماں کا نام صفیہ بنت عبد المطلب ہے۔ آپ کی ماں نے آپ کی کنیت ابو طاہر رکھی اپنے بھائی کی کنیت پر۔ لیکن آپ نے خود اپنی کنیت ابو عبد اللہ تجویز فرمائی اور یہی غالب ومشہور رہی۔ حضرت زبیر کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب حضور کی پھوپھی ہیں۔ یہ اسلام لائیں اور انہوں نے ہجرت بھی فرمائی۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ نے فرمایا: حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم ایک ہی سال پیدا ہوئے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۳، ص: ۵، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴، ص: ۲۲۹، سیر اعلام النبلاء)

حضور سے رشتہ داری: حضرت عبد اللہ بن زبیر اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اے میرے بیٹے تمہاری والدہ اسماء بنت ابوبکر اور حضور کی حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں بہنیں ہیں۔ میرے باپ کی پھوپھی ام حبیبہ بنت اسد حضور کی جدۂ کریمہ ہیں۔ میری ماں حضور کی پھوپھی ہیں۔ حضور کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف اور میری جدۂ کریمہ ہالہ بنت وہب بن عبد مناف دونوں بہنیں ہیں اور حضور کی دوسری حرم محترم خدیجہ بنت خویلد میری پھوپھی ہیں۔ اس کو امام بغوی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴، ص: ۲۲۹)

حلیۂ مبارکہ: رنگ گندمی، جسم پر بالوں کی کثرت، حضرت عروہ کی روایت کے مطابق قد کافی لمبا۔ جب آپ سوار ہوتے تو آپ کے پیر زمین سے لگ جاتے، کاندھوں پر لمبے بال تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ا ص: ۴۲)

دخول اسلام کے وقت عمر: آپ کس عمر میں اسلام لائے اس بارے میں روایات کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں ایک روایت کے

مطابق دخول اسلام کے وقت آپ کی عمر بارہ سال اور دوسری روایت کے مطابق آٹھ سال ذکر کی ہے۔ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ایک روایت سولہ سال کی ذکر کی ہے اور آٹھ سال والی روایت بھی ذکر فرمائی۔ البتہ الریاض النضرۃ کے مصنف نے آپ کی عمر کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

محمد بن عبدالرحمن روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ جس وقت حضرت علی اور حضرت زبیر اسلام لائے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ جس وقت زبیر اسلام لائے اس وقت آپ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ اس کو ابوعمر اور بغوی نے روایت کیا ہے۔ ابوعمر نے فرمایا: کہ عروہ کا قول زیادہ صحیح ہے۔ عروہ ہی سے ایک دوسری روایت ہے جس میں ہے کہ دخول اسلام کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ اس کو بھی ابوعمر نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوالاسود نے فرمایا: زبیر حضرت ابوبکر کے بعد اسلام لائے، زبیر کا نمبر اسلام لانے میں چوتھا یا پانچواں ہے۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴، ص: ۲۳۰)

مذکورہ بالا تفصیلات پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی قاری یہ سمجھنے میں دیر نہیں کرے گا چاہے کسی بھی قول کی تصحیح کی جائے اور کسی کی تردید۔ لیکن اتنا طے ہے کہ حضرت زبیر اس وقت اسلام لائے جب اسلام کا پودا پیغمبر اسلام سینچ رہے تھے، یہ اسلام کا عہد طفولیت اور ابتدائی دور تھا۔ قابل مبارک باد ہیں حضرت زبیر کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی اور ہدایت ان کے لیے ارزاں کر دی کہ بہت جلد کفر کی نجاستوں اور ہلاکتوں سے بچ کر اسلام کی آغوش رحمت میں آ گئے۔

آزمائش: تاریخ سے شغف رکھنے والے پر مخفی نہیں کہ ابتدائی دور میں اسلام لانا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ ان دنوں اسلام لانا ایک امتحان مسلسل سے گزرنا اور اپنے آپ کو ظاہری ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ اپنوں کی پناہ سے دور ہو جانا اور غیروں کے ظلم کا شکار ہو جانا ایک عام بات تھی بلکہ بسا اوقات اپنے عزیز و اقارب غیروں سے بڑھ کر ظالم و جابر ثابت

ہوتے تھے۔

حضرت زبیر کا چچا نوفل بن خویلد زبیر سے خاص محبت کیا کرتا۔ ایک مرتبہ زبیر کی والدہ صفیہ زبیر کے بچپن کے زمانہ میں ان کو پیٹ رہی تھیں کہ نوفل نے دیکھ لیا اور صفیہ پر بھتیجے کی محبت میں برانگیختہ ہوا۔ یہی مشفق و مہربان چچا جو زبیر کو والدہ کے ہاتھوں پٹتا نہ دیکھ سکا ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی۔ زبیر کے اسلام لانے کے بعد کتنا سخت دل اور ظالم بن جاتا ہے کہ انہیں اسلام سے منحرف کرنے کے لیے اس سزا کا انتخاب کرتا ہے جس کو سن کر روح انسانیت تڑپ جاتی ہے۔ یہ ظالم حضرت زبیر کو ایک چٹائی میں لپیٹ دیتا اور وہاں دھواں سلگا دیتا تا کہ ہوا کے ذریعہ سانسوں کے سہارے دھواں زبیر کی ناک اور حلق سے گزرتا ہوا پیٹ میں چلا جائے۔

قارئین غور کر سکتے ہیں اس سزا کی شدت وسختی پر، اگر ہمارا گزر کسی ایسی راہ سے ہو جائے جہاں دھواں پھیلا ہوا ہو یا کبھی گھر میں کسی سبب سے دھواں پھیل جائے تو چند سانسیں لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہم فوراً جگہ تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہاں چند سانسوں کا معاملہ نہیں یہ تو ایک عذاب مسلسل ہے وہ بھی چٹائی میں لپٹے ہوئے دھوئیں سے بھری فضا میں۔ یقینا یہ وہ سخت ترین مرحلہ ہے جہاں بہادر وتوانا انسان کا پتہّ بھی پانی ہو جاتا ہے۔ پھر زبیر تو ابھی نوخیز ہیں، یہ سزا جاری رکھی جاتی ہے اور کفر کی طرف پلٹنے کا دباؤ زبیر پر ڈالا جاتا۔ اہل مکہ اسی انتظار میں تھے کہ زبیر آبائی دین کی طرف پلٹ آئیں گے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ تاریخ کے کان صرف ایک ہی آواز زبیر کے منہ سے سن سکے ”لا اکفر“ میں کبھی ہرگز ہرگز کفر نہیں کر سکتا۔ (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج ۳، ص: ۵)

اللہ تعالیٰ نے زبیر کو صبر و رضا سے وافر حصہ عطا فرمایا اور مشکل کی ان گھڑیوں میں تائید ربانی زبیر کی اعانت کرتی رہی۔ زبیر سختی کے ساتھ دین اسلام پر قائم رہے۔ اگر چہ دخول اسلام کے وقت آپ کی عمر پختہ نہ تھی نہ ہی آپ کے پاس زیست کا کوئی لمبا تجربہ تھا۔ لیکن آپ اسلام اور پیغمبر اسلام پر جان فدا کرنے میں کسی تجربہ کار سے کم بھی نہ تھے۔ بلکہ

آپ کے سینے میں اسلامی جذبات کا ایک سمندر موجزن تھا جو ہر لحہ انہیں پیغمبر اسلام سے جان سے زیادہ محبت کرنے پر ابھارتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زبیر کی محبت کو لوگوں نے ایک دن جب مشاہداتی پیرائے میں دیکھا تو تعجب سے دانتوں تلے انگلی دبانے پر مجبور ہو گئے۔

اسلام کی حمایت میں پہلی تلوار: یہ اس زمانہ کی بات ہے جب بہت کم لوگ اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور مسلمانوں کو انگلیوں کے نشانات پر بآسانی گنا جاسکتا تھا۔ دارارقم میں چپکے چپکے چھپ چھپ کر زندگی گزار رہے ہیں۔ اچانک مکہ میں ایک خبر عام ہوگئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے یا گرفتار کرلیا گیا ہے۔ (اختلاف روایت) معاذ اللہ۔ جب یہ آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہی حال ہوا جو ایک عاشق صادق کا ہونا چاہیے۔ فوراً فیصلہ کرلیا حضور کے بغیر جینے کا کیا مطلب؟ تلوار کو میان سے باہر کیا اور گھر سے نکل پڑے۔ تلوار لہراتے ہوئے مکہ کی راہوں میں تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جارہے ہیں، عمر کم ہے مگر ارادہ بہت مضبوط اور حوصلہ فولادی ہے۔ پہلے خبر کی تصدیق چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے سنا ہے اگر صحیح ہے تو ان کی تلوار قریش کی گردنوں کے ساتھ اپنا کام شروع کرے، یہاں تک کہ زندگی ختم ہوجائے۔

اسی انداز میں زبیر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مکہ کے بالائی حصہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور نے زبیر کی اس حالت کو دیکھ کر فرمایا: زبیر تمہیں کیا ہوا۔ زبیر نے پورا واقعہ بیان کیا۔ سرکار نے اس جذبۂ جاں نثاری کو دیکھ حضرت زبیر اور ان کی تلوار کے لیے دعا فرمائی۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱، ص:۴۲، اسد الغابۃ ج۲، ص:۳۰۸، رجال حول الرسول ص:۲۶۹، الریاض النضرۃ ج۴، ص:۲۳۱)

زبیر کو رب کا سلام: ایک روایت میں ہے جب زبیر نے یہ خبر سنی تو اس وقت آپ پورے کپڑے پہنے ہوئے نہ تھے، خبر سنتے ہی آپ تلوار کھینچتے ہوئے بھاگ پڑے (کپڑے پہننے کا خیال ہی نہ آیا) حضور نے یہ حال دیکھ کر پوچھا زبیر کیا ہوا؟ زبیر نے کہا:

حضور مجھے یہ خبر ملی کہ آپ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ سرکار نے پوچھا تو تم کیا کرتے، عرض کیا حضور میں مکہ والوں کو بے دریغ قتل کرتا اور ان کے خون کی ندی بہا دیتا کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑتا۔ حضور یہ سن کر مسکرا اٹھے اور اپنی چادر اتار کر زبیر کو عطا فرما دی۔ اتنے میں حضرت جبریل امین نازل ہو گئے اور عرض کیا حضور! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور رب کا حکم ہے کہ زبیر کو رب تبارک وتعالیٰ کا سلام پیش فرما دیں اور انہیں یہ بشارت دے دیں، اب قیامت تک جو انسان بھی اللہ کی راہ میں تلوار کھینچے گا اس کا ثواب زبیر کو ملے گا اور ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا جائے گا کیونکہ زبیر نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تلوار نکالی ہے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۳۱)

معتمد خاص: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "إن لکل نبی حواریاً وحواری الزبیر" ہر نبی کا حواری (معتمد خاص) ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری ومسلم وترمذی نے روایت کیا ہے۔

جنگ خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو آواز دی کہ کون ہے جو اس وقت کفار کے حالات کا پتہ لگا کر مجھے بتائے (یہ رات کا وقت تھا اور سردی بہت شدید تھی) حضرت زبیر نے سرکار کی آواز پر لبیک کہا اور کامیابی کے ساتھ کفار کے حالات کا جائزہ لے کر سرکار کے سامنے بیان کیا۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ صحابۂ کرام کو یہی ندا فرمائی۔ دوسری مرتبہ بھی حضرت زبیر حاضر خدمت ہو گئے اس پر خوش ہو کر سرکار نے فرمایا: ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق)

فرشتوں کے عماموں کا رنگ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو پسند فرما لیتا ہے تو اس پر ان گنت انعامات واکرامات کی بارش نازل ہوتی ہے اور الگ الگ انداز میں اسے اعزاز عطا فرما کر لوگوں کے درمیان اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ غزوۂ بدر میں حضرت زبیر کی

جاں نثاری اوران کا انداز جہاد اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے میدان بدر میں نازل فرمائے انہیں حکم ہوا کہ وہ اپنے عماموں کا رنگ پیلا رکھیں۔ حضرت ابن زبیر روایت کرتے ہیں۔ جنگ بدر میں حضرت زبیر پیلا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ جب جنگ بدر میں فرشتے نازل ہوئے تو ان کے عماموں کا رنگ بھی پیلا تھا۔ ایک روایت کے مطابق جب ملائکہ کے سردار حضرت جبریل امین نازل ہوئے تو ان کے عمامے کا رنگ پیلا تھا۔ (الاستیعاب ص: ۲۶۲، سیر اعلام النبلاء ج ا ص: ۴۶)

میدان بدر اور زبیر: جنگ بدر میں حضرت زبیر نے کفار کے دانت کھٹے کر دیے۔ جنگ بدر میں سرکار کے ساتھ دو سوار تھے، داہنی طرف حضرت زبیر اور بائیں طرف حضرت مقداد تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ا ص: ۴۶)

کفار کی طرف سے ان کا ایک سورما عبیدہ بن سعید بن عاص مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے آیا۔ حضرت زبیر نے اس پر حملہ کیا اور اسے ٹھکانے لگا دیا۔ ہم اس کا حلیہ، حال اور جس نیزے سے آپ نے اس کا کام تمام کر کے واصل جہنم کیا اس نیزے کی شان امام بخاری کی ایک روایت سے بیان کر رہے ہیں۔

حضرت زبیر کا نیزہ: حضرت عروہ بیان کرتے ہیں، میرے والد ماجد حضرت زبیر نے بدر کے روز دیکھا کہ عبیدہ بن سعید بن عاص بالکل لوہے سے چھپا ہوا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی کنیت ابوذات الکرش تھی۔ وہ کہنے لگا میں ''ابوذات الکرش'' ہوں۔ پس حضرت زبیر نے اس پر حملہ کیا اور اس کی آنکھ پر نیزہ مارا تو وہ مر گیا۔ ہشام کہتے ہیں کہ مجھے حضرت زبیر کی زبانی بتایا گیا کہ میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھ کر زور لگایا اور بڑی مشکل سے وہ نیزہ باہر نکالا۔ جس کے باعث اس کے دونوں کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ عروہ کا بیان ہے کہ اس نیزے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے طلب کیا تو حضرت زبیر نے پیش کر دیا۔ جب حضور کا وصال ہو گیا تو وہ نیزہ پھر حضرت زبیر نے حاصل کر لیا۔ پھر حضرت ابوبکر نے اس کو طلب کیا تو زبیر نے انہیں پیش کر دیا۔ جب

حضرت ابوبکر کا وصال ہوا تو اسے حضرت عمر نے طلب کر لیا، زبیر نے انہیں پیش کر دیا۔ حضرت عمر کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی نے طلب کیا تو انہیں پیش کر دیا اور جب حضرت عثمان غنی شہید کر دیے گئے تو یہ نیزہ آل علی کے پاس آ گیا۔ آخر کار حضرت عبداللہ بن زبیر نے ان سے یہ نیزہ مانگ لیا اور شہید ہونے تک ان کے پاس ہی رہا۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی، باب شہود الملائکۃ بدراً)

نسبت کا احترام: بخاری شریف کی اس حدیث پاک میں یہ بات صاف اور صریح طور پر بیان کی گئی ہے کہ جس نیزے سے حضرت زبیر نے ''ابوذات الکرش'' بدکار کافر کو جہنم رسید کیا اس نیزے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نشانی کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا اور سرکار کے بعد خلفائے راشدین نے بھی سرکار کی اس سنت کو عملی جامہ پہنایا۔ لیکن آج کچھ لوگ نشانیوں کو مٹانے اور انہیں پامال کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ یہ لوگ بے دینی اور بے باکی میں اتنے آگے بڑھے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تبرکات کے رکھنے اور ان سے برکت حاصل کرنے پر ناجائز و بدعت ہونے کا فتویٰ جاری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مقام زبیر: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جان ایمان ہیں۔ اس لیے ہر مومن حضور پر اپنی جان و مال، ماں باپ اور اولاد کو فدا کرنا اپنے لیے سعادت مندی اور دنیا و آخرت کی معراج تصور کرتا ہے، خاص کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔ لہٰذا "فداك أمي وأبي" جیسے الفاظ ان کی گفتگو کی شان ہوا کرتے تھے۔ یہ کلام ایک دو صحابہ سے نہیں بلکہ ان گنت صحابہ سے مروی ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر انہوں نے اپنے دعوے کی تصدیق بھی کی ہے۔ جسے تاریخ اچھی طرح جانتی ہے۔ ہر صحابی حضور پر اپنے ماں باپ فدا کرتا لیکن ایسے صحابہ جن کے بارے میں حضور نے یہ الفاظ ''فداک أبي وأمي'' استعمال کیے ہوں بہت کم ہیں بلکہ ہمارے علم کے مطابق صرف دو ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں اور دوسرے صحابی یہی حضرت زبیر بن عوام ہیں۔ حضرت سعد کے بارے میں جنگ احد میں جبکہ

حضرت زبیر کے لیے جنگ خندق میں سرکار نے یہ الفاظ استعمال فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کے دنوں میں حضرت عمر ابن ابی سلمہ اور میں عورتوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ میں نے اپنے والد محترم حضرت زبیر کو دو تین مرتبہ بنی قریظہ کی جانب آتے جاتے دیکھا۔ اس حال میں کہ آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ جب میں واپس لوٹا تو عرض گزار ہوا، ابا جان میں نے آپ کو (قریظہ کی طرف) آتے جاتے دیکھا ہے۔ فرمایا میرے بیٹے کیا تم نے مجھے دیکھ لیا تھا؟ میں نے جواب دیا جی ہاں! فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو مجھے بنی قریظہ کی خبر لا کر دے۔ حضور کی بات سن کر میں گیا اور جب بنی قریظہ سے (کامیاب) واپس لوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا "فداك أبي وأمي"۔ (صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب مناقب الزبیر بن عوام)

حضرت زبیر کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کون کرسکتا ہے جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں فرمائیں "فداك أبي وأمي"...

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(گلستاں)

خطرناک رات: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت فرماتے اور انہیں اپنے ساتھ رہنے کے بہت مواقع فراہم کرتے اور کبھی کبھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطرناک مہم پر بھی حضرت زبیر کو ساتھ لے جاتے۔ اس تعلق سے ابن ضحاک نے احاد ومثانی میں ایک طویل حدیث ذکر کی، ہم اس کا کچھ حصہ یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت زبیر روایت فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف میں ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آج رات گروہِ جن سے ملاقات کرنے میرے ساتھ کون چلے گا؟ سرکار نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا: لیکن سارے لوگ خاموش رہے اور کسی نے جواب نہ دیا تو سرکار میرے پاس سے گزرے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے یہاں تک کہ ہم نخلات مدینہ سے گزر گئے تو میں نے کچھ مہیب لوگوں کو دیکھا، ان کو دیکھتے ہی میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر سرکار نے میرے لیے ایک دائرہ کھینچ کر فرمایا اس کے بیچ میں بیٹھے رہو۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ میرا خوف جاتا رہا۔ پھر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اور فجر کے وقت لوٹے تو مجھے ساتھ لے کر واپس آئے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۳۵)

مذکورہ بالا حدیث پاک سے نبی رحمت کی نظر میں حضرت زبیر کی شخصیت کا غیر معمولی وقار بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی حضور کے دل میں ان سے متعلق پائی جانے والی محبت اور حضرت زبیر کا غلامانہ انداز صاف طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

نزول قرآن: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ ایک انصاری اور حضرت زبیر کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حرہ چشمے کے پانی کے سلسلے میں جھگڑا ہو گیا۔ یہ وہ چشمہ ہے جس سے لوگ کھجور کے درختوں کو پانی دیتے تھے۔ انصاری نے کہا: پانی کو چھوڑ دو تا کہ وہ بہتا رہے، حضرت زبیر نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے زبیر! تم زمین کو پانی دو پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو یہ سن کر انصاری غضب ناک ہوا اور کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں (اس لیے آپ ان کی طرفداری کر رہے ہیں) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم پانی دو پھر پانی روک لو حتی کہ وہ منڈیر سے ٹکرا کر واپس ہو جائے۔ حضرت زبیر نے فرمایا: بخدا میرا گمان ہے کہ یہ آیت کریمہ اسی واقعہ کے مطابق نازل ہوگئی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا

فِيٓ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿النساء ۶۵﴾
ترجمہ: آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔
(صحیح المسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

دوسری آیت کریمہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِيۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ" ﴿البقرۃ ۲۰۷﴾ ترجمہ: لوگوں میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اللہ کی رضا کے لیے بیچ ڈالا۔ یہ آیت کریمہ بھی حضرت زبیر اور حضرت مقداد کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آیت کریمہ کا پس منظر ہم بڑے اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب مشرکین مکہ حضرت خبیب کو قتل کے ارادے سے باہر لے گئے تو حضرت خبیب نے ان لوگوں کے سامنے دو رکعت نماز ادا کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے بہت جلد دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد فرمایا: اگر تم لوگ مجھے ڈرنے کا طعنہ نہ دیتے تو میں دیر تک نماز پڑھتا رہتا۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ۔

لست ابالی حین اقتل مسلماً
علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

ترجمہ: جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جاؤں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اللہ کی راہ میں کس پہلو گرایا جاؤں گا۔

جب کفار نے آپ کو تختۂ دار پر چڑھایا تو آپ نے بارگاہ مولیٰ میں عرض کیا: میرے مولیٰ یہاں کوئی ایسا نہیں جس کے ذریعہ میں اپنی مصیبتوں کی خبر تیرے رسول تک پہونچا سکوں۔ میرے مولیٰ میرا اسلام تو اپنے حبیب تک پہونچا دینا۔ اس کے بعد کفار کو جو کرنا تھا کر گزرے۔ اور حضرت خبیب کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ جس کا بیان

انشاءاللہ حضرت خبیب کے تذکرے میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے خبردار کر دیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ سے مدینہ شریف میں فرمایا "ایکم یحتمل خبیباً من خشبته وله الجنة" تم میں سے کون ہے جو میرے غلام خبیب کو تختۂ دار سے اتار لائے اور جنت حاصل کر لے...... یہ سن کر حضرت زبیر نے عرض کیا حضور! میں اور میرے دوست حضرت مقداد کو اجازت دی جائے۔ سرکار کے حکم پر عمل کرتے ہوئے دونوں حضرات نے سفر شروع کر دیا، یہاں تک کہ جائے قتل پر پہونچ گئے، وہاں پہونچ کر دیکھا کہ تختۂ دار کے اردگرد چالیس لوگ سوے ہوے ہیں۔ لیکن حضرت خبیب کا جسد اقدس شہادت کے چالیس دن کے بعد بھی تر وتازہ ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ حضرت زبیر نے کمال بہادری کے ساتھ حضرت خبیب کے جسد اقدس کو تختۂ دار سے اتار کر اپنے گھوڑے پر رکھا اور تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن ستر لوگ آپ کے تعاقب میں نکلے اور ایک مقام پر آپ کو گھیر لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت زبیر نے حضرت خبیب کے جسد اقدس کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھا۔ اللہ کی قدرت زمین نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کو اپنے اندر سمو لیا۔ اس طرح آپ کی نعش مبارک کفار کی خرد برد اور ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو گئی۔

اب حضرت زبیر نے قریش کو للکارتے ہوے فرمایا: اے گروہ قریش! تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی؟ آپ نے اپنے عمامہ کو سر سے اتارتے ہوے فرمایا: میں عوام کا بیٹا زبیر ہوں، میری ماں صفیہ ہیں جو عبدالمطلب کی بیٹی ہیں اور میرے ساتھی کا نام مقداد ہے اور ہم دونوں ایسے شیر ہیں جو شکار کے منتظر ہیں۔ اب تم چاہو تو گھوڑوں پر سواری کی حالت میں ہمارے ساتھ تیراندازی کر سکتے ہو اور چاہو تو زمین پر اتر کر ہم سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہو اور اگر تمہیں سلامتی پسند ہو تو واپس جا سکتے ہو۔ حضرت زبیر کے اس فیصلہ کن خطاب کو سن کر کفار نے واپس پلٹنے ہی کو غنیمت سمجھا اور الٹے قدم لوٹ گئے، دونوں جاں نثار حضور کی بارگاہ

میں پہنچ کر واقعہ کی تفصیل بیان کررہے تھے۔ادھر حضرت جبریل سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار تھے۔حضور آپ کے ان غلاموں پر فرشتے بھی فخر کررہے ہیں اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ" ﴿البقرۃ ۲۰۷﴾ اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں پانچ اقوال ہیں۔جن میں ایک قول یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔یہ قول رئیس المفسرین حضرت ابن عباس اور حضرت ضحاک کا ہے۔(الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۳۷)

تیسری آیت کریمہ "اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ" ﴿آل عمران ۱۷۲﴾ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہوے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہونچ چکے تھے ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کے متعلق ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عروہ سے ارشاد فرمایا:اے میرے بھانجے!تمہارے والدمحترم زبیر اور تمہارے نانا حضرت ابوبکر بھی ان لوگوں میں سے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ احد میں مشرکین کی جانب سے صدمہ پہونچا تو خدشہ ہوا کہ کہیں وہ پھر نہ پلٹ پڑیں (حالات کا جائزہ لینے کے بعد) آپ نے فرمایا:ان لوگوں (کفار) کے حالات کون معلوم کرسکتا ہے۔پس مسلمانوں میں سے ستر حضرات اس مہم پر گئے جن میں حضرت ابوبکر اور زبیر بھی تھے۔

(صحیح البخاری،کتاب المغازی،باب الذین استجابوا)

جنت کی بشارت: حضرت زبیر کو کئی مرتبہ جنت کی بشارت رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے حاصل ہوئی۔آپ کا نام ان دس جنتیوں میں بھی ہے جنہیں ایک ہی حدیث پاک میں جنت کی بشارت دی گئی،تاریخ جنہیں عشرۂ مبشرہ کے نام سے جانتی ہے۔اس کے سوا بھی کئی مواقع پر حضور نے انہیں جنت کی بشارت عطا فرمائی۔نہ

صرف جنت کی بشارت بلکہ حضور نے جنت میں انہیں اپنا پڑوس عطا فرمایا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے اپنے کانوں سے حضور کو فرماتے سنا: ''طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہیں'' امام ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے۔

(الریاض النضرۃ ج۴،ص:۲۳۷)

فضائل: حضرت ابوعمر اور آپ کے سوا دوسروں نے ارشاد فرمایا: حضرت زبیر بدر وحدیبیہ اور تمام غزوات میں شریک رہے اور کسی بھی غزوے میں پیچھے نہیں رہے جس میں سرکار تشریف فرما رہے ہوں۔ آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ آپ ان چھ صحابہ سے راضی تھے۔ آپ نے حبشہ اور مدینہ دونوں کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ کی تعریف میں حضرت حسان نے کئی اشعار کہے۔

اقام علی عهد النبی وهدیه
حواریه والقول بالفعل یعدل
اقام علی منهاجه وطریقه
یوالی ولی الحق والحق اعدل

(سیر اعلام النبلاء ج۱ص:۵۶،الریاض النضرۃ ج۴،ص:۲۳۷)

(۱) آپ سرکار سے کیے گئے عہد پر قائم رہے۔ آپ سرکار کے معتمد خاص ہیں۔ آپ کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہے۔

(۲) آپ حضور کے طور طریقے پر قائم رہے۔ ہمیشہ حق سے محبت کرنے والے کی مدد کرتے رہے اور حقیقت میں آپ بہت انصاف فرمانے والے تھے۔

حضرت حسان کے آٹھ اشعار ہمارے سامنے ہیں مگر ہم طوالت کے خوف سے دو پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔

شہادت کی بشارت: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کو شہادت کی بشارت عظمی بھی نصیب ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حرا پہاڑ پر تھے، پہاڑ ہلنے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے حرا ٹھہر جا۔ تجھ پر صرف نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے۔ اس پہاڑ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

(صحیح المسلم، کتاب: فضائل الصحابۃ، باب من فضائل طلحۃ والزبیر، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۳۸)

اس حدیث پاک میں مشترکہ طور پر حضرت زبیر کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہادت کی بشارت عطا فرمائی۔

زبیر حضرت عمر کی نظر میں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اسلام کے ارکان میں سے زبیر ایک رکن ہیں۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۳۸)

زبیر حضرت عثمان کی نظر میں: مروان بن حکم سے روایت ہے۔ نکسیر کے سال حضرت عثمان کی ایسی نکسیر پھوٹی کہ وہ حج بھی ادا نہ کر سکے اور آپ نے وصیت بھی کر دی، اسی دوران قریش کا ایک فرد آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا: کیا لوگ اس بات کو کہہ رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا: کس کو خلیفہ مقرر کروں، تو آنے والا خاموش ہو گیا۔ پھر آپ کے پاس دوسرا آدمی آیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ حارث تھے۔ انہوں نے عرض کیا: کہ آپ خلیفہ مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا: کیا لوگ یہ بات کہہ رہے ہیں؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا: کس کو خلیفہ بناؤں؟ تو وہ بھی خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: شاید لوگ حضرت زبیر کا نام لے رہے ہیں۔ آنے والے نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میرے علم کے مطابق زبیر مسلمانوں میں بہترین انسان ہیں اور حضرت زبیر حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں بڑے محبوب تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا: بے شک تم جانتے ہو کہ زبیر تم میں سب سے بہتر ہیں۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب، باب مناقب الزبیر بن عوام)

یرموک میں شجاعت: ہشام اپنے والد حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں۔ جنگ یرموک کے دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ نے حضرت زبیر سے کہا، آپ حملہ کیوں نہیں کرتے (آپ حملہ کریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے) آپ نے فرمایا: اگر میں نے حملہ کیا تو تم میرا ساتھ نہیں دے سکو گے۔ لوگ کہنے لگے نہیں جناب! ہم ضرور آپ کا ساتھ دیں گے۔ یہ سن کر حضرت زبیر نے حملہ کر دیا اور کفار کی صفوں کو چیرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے اور عالم یہ تھا کہ آپ کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا۔ جب حضرت زبیر واپس ہوئے تو دشمنوں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور ان کے کاندھے پر دو ضربیں لگائیں، ان دو ضربوں کے درمیان ہی جنگ بدر والا نشان بھی تھا۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں: کہ میں زخموں کی گہرائی میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا جب میں چھوٹا تھا۔ عروہ کا بیان ہے کہ اس روز آپ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو ساتھ لے گئے تھے جبکہ ان کی عمر دس سال تھی، حضرت زبیر نے عبداللہ کو گھوڑے پر بٹھا کر ایک آدمی کے سپرد کر دیا تھا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جہل)

یہ ہے حضرت زبیر کی اسلام کے لیے مکمل سپردگی۔ آپ نے کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی، بلکہ ہمیشہ اس کو خطرے میں ڈال کر اسلام کی حفاظت کرنا اور اس کو فروغ بخشنا ہی اپنی زندگی کا نصب العین مقرر فرمایا۔ ان جیسے واقعات کی بنیاد پر ہی آپ کا شمار سب سے بہادر صحابہ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سفیان ثوری سے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایت ہے "**ھٰؤلاء الثلاثۃ نجدۃ الصحابۃ**" یہ تینوں حضرات بہادر ترین صحابہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۵۲)

ہر عضو حضور پر قربان: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر مشکل گھڑی میں مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنے رہے۔ حضور کی محبت میں آپ کا ہر عضو زخمی ہوا جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی سنن میں روایت فرمایا۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں: حضرت زبیر نے جنگ جمل کی صبح کو عبداللہ بن زبیر سے فرمایا: اے بیٹے میرے جسم کا ہر عضو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زخمی ہوا ہے یہاں تک کہ میری شرمگاہ بھی زخمی ہوگئی۔ (سنن الترمذی، کتاب المناقب باب قول الزبیر ما من عضوالا وقد جرح، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۴۰)

خوفِ خدا: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف کافی وقت تک حاصل رہا۔ سفر و حضر، جدال و امان ہر جگہ پر حضور کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنا حواری (مخلص دوست ومعتمد خاص) قرار دیا لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود حضرت زبیر کا ایک وصف ایسا نمایاں ہے جو قاری کو حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور وہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قلت روایت۔ اتنی لمبی صحبت اور محبت بھری سنگت پانے کے بعد بھی آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث بہت کم روایت فرمائی ہیں۔ ان کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا جب اس پہلو پر آتا ہے تو دل و دماغ میں یہ سوال گردش کرنے لگتا ہے آخر ایسا کیوں ہے۔ بالکل یہی سوال ان کے صاحبزادے عبداللہ کے ذہن میں آیا تھا۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ حضرت زبیر اس وقت حیات ظاہری میں تھے اور عبداللہ نے اپنے باپ سے اسی سوال کا جواب طلب کر لیا اور ہماری خوش قسمتی یہ رہی کہ محدثین کرام نے اس سوال و جواب کو کتابوں میں جمع فرما کر ہماری مشکلوں کو آسان فرمایا۔ اب ہم حضرت عبداللہ کا سوال اور ان کے والد کا جواب حدیث کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ایک دن حضرت عبداللہ نے اپنے والد حضرت زبیر سے عرض کیا اے والد گرامی! اس کی کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی حدیثیں روایت

کرتے نہیں دیکھا جتنی حضور کے دیگر صحابہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت زبیر نے جواب دیا، خدا کی قسم تم جانتے ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جو مجھ پر کرم فرمائی ہے لیکن میں نے حضور کی زبان سے سن رکھا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر میری جانب جھوٹی بات منسوب کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ حضرت زبیر کی کمال احتیاط تھی کہ آپ بہت کم روایت فرماتے۔ اس ڈر سے کہ کہیں اَن جانے میں بھی حضور کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ یقیناً یہ خشیت ربانی کا اعلیٰ درجہ تھا جو زبیر کے قلب وجگر میں موجود تھا۔

جود وسخا: اللہ تعالیٰ نے حضرت زبیر کو فارغ البال بنایا تھا۔ لہٰذا کبھی آپ مال میں کنجوسی سے کام نہیں لیتے تھے۔ آپ مال کو عموماً مسلمانوں پر اور خاص طور سے اپنے رشتہ داروں پر خرچ فرماتے۔ حضرت ام درہ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضرت زبیر نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس دو تھیلے درہم سے بھرے ہوئے بھیجے، جس میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ حضرت زبیر کے پاس ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج ادا کرتے تھے۔ زبیر اس خراج کا ایک درہم بھی گھر نہیں لے جاتے سب صدقہ فرما دیتے تھے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۴۲)

ریشم پہننے کی اجازت: مردوں کے لیے ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔ حدیث میں یہاں تک فرمایا گیا کہ جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے 'کتاب اللباس' میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کو ایک سفر میں ریشم پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام کو ایک سفر میں ریشم پہننے کی اجازت دی، کیوں کہ ان کو خارش یا کوئی اور تکلیف لاحق ہوگئی تھی۔ (صحیح المسلم، کتاب

اللباس والزينة، باب إباحة لبس الحرير للرجل)

وصیت: حضرت زبیر نے جنگ جمل میں اپنے بیٹے عبداللہ کو جو وصیت فرمائی ہم اسے بخاری شریف کی روایت سے ذکر کر رہے ہیں۔ حدیث اگرچہ طویل ہے لیکن فوائد سے خالی نہیں۔ نیز اس روایت سے حضرت زبیر کی سیرت کے کئی گوشے قارئین کی نگاہوں میں جلوہ گر ہوں گے جو ہمارا مقصود و مطلوب ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں: کہ حضرت زبیر جمل کے دن صف میں کھڑے ہوئے تو مجھے بلایا، میں حاضر ہو کر ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے فرمایا: اے پیارے بیٹے! آج جو بھی قتل ہوگا وہ ظالم ہوگا یا مظلوم۔ اور میں یہ جان رہا ہوں کہ آج میں مظلوم قتل کیا جاؤں گا اور اس وقت مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے قرض کی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا قرض میرے مال کو کچھ بھی باقی چھوڑے گا؟ فرمایا: اے پیارے بیٹے! میرے مال کو بیچ کر میرے قرض کو ادا کر دینا۔ اور انہوں نے ایک تہائی کی وصیت فرمائی اور اس ثلث کے ثلث کی وصیت ان کے بیٹوں کے لیے کی۔ یعنی عبداللہ بن زبیر کے بیٹوں کے لیے۔ فرماتے تھے کہ کل مال کی تہائی کے تین حصے کرنا اور قرض ادا کرنے کے بعد میرے مال سے کچھ بچے تو اس کی تہائی تیری اولاد کے لیے ہے۔

ہشام نے کہا کہ عبداللہ کے بعض بیٹے حضرت زبیر کے بیٹوں کے برابر تھے۔ خبیب اور عباد اور ان کے اس وقت نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ عبداللہ نے کہا، وہ مجھے اپنے قرض کے بارے میں وصیت فرماتے رہے۔ اور فرماتے رہے اے پیارے بیٹے! اگر قرض کی کچھ ادائیگی سے تم عاجز آ جاؤ تو میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا۔ عبداللہ نے کہا: بخدا میں نہیں سمجھ سکا کہ ''میرے مولیٰ'' سے انہوں نے کسے مراد لیا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے پوچھا، اے ابا! آپ کا مولیٰ کون ہے؟ فرمایا: اللہ۔ عبداللہ نے کہا بخدا میں جب بھی ان کے قرض کی ادائیگی میں کسی دشواری میں پھنسا تو میں نے کہا: ''زبیر کے مولیٰ ان کے قرض کو ادا فرما دے'' تو اللہ ان کا قرض ادا کرا دیتا۔ اس کے بعد زبیر شہید کر دیے گئے۔

اور ترکے میں دینار و درہم نہیں چھوڑا تھا۔ سوائے زمینوں کے جن میں غابہ اور مدینے کے گیارہ گھر اور بصرہ کے دو گھر اور کوفے کا ایک اور مصر کا ایک گھر تھا۔ اور ان پر قرض صرف اس وجہ سے تھا کہ لوگ ان کے پاس امانت رکھنے کے لیے مال لاتے تو زبیر فرماتے۔ امانت نہیں یہ قرض ہے، میں ان کے ضائع ہوجانے سے ڈرتا ہوں۔ کبھی انہوں نے امارت یا خراج کی وصولیابی یا کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا۔ ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا ابوبکر یا عمر یا عثمان کے ہمراہ غزوہ میں شرکت فرماتے تھے۔

عبداللہ نے کہا: ان پر جو قرض تھا اس کا حساب لگایا تو بائیس (۲۲) لاکھ نکلا۔ عبداللہ نے کہا مجھ سے حکیم بن حزام ملے اور کہا اے بھتیجے! میرے بھائی پر کتنا قرض ہے۔ عبداللہ نے اسے چھپایا اور کہا ایک لاکھ ہے۔ حکیم نے کہا بخدا میں نہیں جانتا کہ تمہارے کل مال اس کی ادائیگی کر سکیں۔ عبداللہ نے کہا بتایئے اگر بائیس لاکھ ہو تو، حکیم نے کہا: میں نہیں جانتا کہ تم لوگ اس کی طاقت رکھتے ہو۔ پس اگر کچھ قرض ادا کرنے سے تم لوگ عاجز آجاؤ تو مجھ سے مدد طلب کرنا اور زبیر نے غابہ ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدا تھا۔ عبداللہ نے اسے سولہ لاکھ میں بیچا، پھر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔ جس کا زبیر کے ذمے کچھ حق ہو وہ غابہ آئے۔ یہ سن کر عبداللہ بن جعفر ان کے پاس آئے اور ان کا زبیر پر چار لاکھ قرض تھا۔ انہوں نے عبداللہ سے کہا اگر تم چاہو تو معاف کر دوں۔ عبداللہ نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو تمہیں مہلت دے دوں، اگر تم لوگ ابھی نہ ادا کرنا چاہو۔ اس پر عبداللہ نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا تو میرے لیے ایک قطعہ متعین کر دو۔ عبداللہ نے ان سے کہا تمہارے لیے یہاں سے یہاں تک ہے۔ اس کے بعد اس میں سے بیچا اور ان کا قرض ادا کر دیا اور پورا دیا۔ اور اس میں سے ساڑھے چار حصے باقی بچے۔ عبداللہ معاویہ کے پاس آئے اور وہاں عمرو بن عثمان اور منذر بن زبیر اور ابن زمعہ تھے۔ معاویہ نے عبداللہ سے پوچھا کہ غابہ کی کتنی قیمت طے ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہر حصہ ایک لاکھ کا۔ پوچھا کتنا بچا ہے۔ بتایا ساڑھے چار حصے۔ اس پر منذر بن زبیر نے کہا: میں نے ایک حصہ ایک لاکھ میں لیا اور

عمر بن عثمان نے کہا میں نے ایک حصہ ایک لاکھ میں لیا اور ابن زمعہ نے بھی کہا میں نے بھی ایک حصہ ایک لاکھ میں لیا۔ اب معاویہ نے پوچھا کتنا باقی ہے؟ عبداللہ نے بتایا ڈیڑھ حصہ۔ معاویہ نے کہا میں نے اس کو ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن جعفر نے اپنا حصہ معاویہ کے ہاتھ چھ لاکھ میں بیچا۔

جب ابن زبیر، زبیر کے قرض کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو زبیر کے بیٹوں نے کہا ہماری میراث ہم میں تقسیم کرو۔ عبداللہ نے ان سے کہا: بخدا میں میراث تم میں اس وقت تک تقسیم نہیں کروں گا جب تک حج کے ایام میں چار سال تک یہ اعلان نہ کرالوں۔ جس کا زبیر پر قرض ہو وہ ہمارے پاس آئے ہم ادا کریں گے۔ وہ ہر سال ایام حج میں یہ اعلان کرتے رہے جب چار سال پورے ہو گئے تو ان میں میراث تقسیم کی۔ زبیر کی چار بیویاں تھیں۔ قرض ادا کرنے کے بعد جو بچا اس میں سے ثلث نکالا گیا تو ہر عورت کو بارہ بارہ لاکھ ملا۔ ان کا کل مال باون لاکھ ہوا۔ (صحیح البخاری کتاب الجہاد)

ہم نے حدیث پاک کو مکمل ذکر کر دیا ہے۔ اگر کسی قاری کے ذہن میں کوئی خلجان پیدا ہو تو وہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی کتاب نزہۃ القاری، جلد: ۶، صفحہ: ۳۴۲ کا مطالعہ کرے۔ یہ مقام شرح کا مقام نہیں۔

سأقتل مظلوماً: ماقبل کی روایت میں حضرت زبیر نے فرمایا: آج جو بھی قتل ہوگا وہ یا تو ظالم ہوگا یا مظلوم۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس جنگ میں دونوں طرف کچھ مخلص تھے۔ نیز صحابۂ کرام بھی جو اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق فریقین کے ساتھ تھے اور کچھ شر پسند عناصر اپنی غرض فاسد کے لیے شریک تھے وہ ضرور ظالم تھے۔ پھر خاص اپنے لیے فرمایا میں مظلوم قتل کیا جاؤں گا۔ یہ اس بنا پر تھا کہ انہیں یقین کامل تھا کہ میں حق پر ہوں اور یہ ظاہر ہے ورنہ لڑنے پر آمادہ نہ ہوتے یا انہیں کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ میدان جنگ میں نہیں مارا جاؤں گا۔ اور اپنی شہادت کی پوری تفصیل جان لی ہو۔ (نزہۃ القاری شرح بخاری، جلد: ۶، صفحہ: ۳۴۳)

شہادت: جنگ جمل میں عین معرکۂ کارزار میں حضرت زبیر کا سامنا حضرت علی

سے ہو گیا۔ حضرت علی حضرت زبیر کو لے کر ایک طرف گئے اور آپ نے فرمایا: یاد کرو ایک مرتبہ حضور نے تمہیں میرے ساتھ ہنستے ہوے دیکھا تو سرکار نے فرمایا تھا: اے زبیر تم ایک دن علی سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے۔ حضرت علی کے یاد دلانے سے حضرت زبیر کو پوری بات یاد آ گئی۔ فوراً تلوار نیام میں کرلی۔ اور میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ دوران سفر وادیٔ سباع میں ٹھہر کر نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ابن جرموز نے پیچھے سے آ کر حملہ کر دیا اور آپ کو عین حالت نماز میں شہید کر دیا۔ حضرت زبیر کی تلوار لے کر ابن جرموز حضرت علی کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ تلوار ہے جو مدت دراز تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مصائب وآلام دفع کرتی رہی۔ ابن صفیہ (زبیر) کے قاتل کو جہنم کی بشارت ہو۔ (اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۳۱۰۔ اصابۃ ج ۳، ص: ۷)

تاریخ شہادت: آپ کی شہادت بروز جمعرات ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ میں ہوئی۔ (اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۳۱۰)

شہادت کے وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ (۶۶) سال تھی یا سڑسٹھ سال۔ (اصابۃ ج ۳، ص: ۷)

آپ کو وادی سباع میں دفن کیا گیا۔ پھر آپ کی نعش مبارک بصرہ لائی گئی۔ بصرہ میں آپ کا مزار پاک زیارت گاہِ عوام وخواص ہے۔ (نزہۃ القاری شرح بخاری ج ۶، ص: ۴۴۴)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروروں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: آیت کریمہ "فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ" کی تفسیر جلیل، حضور کی زبانی ''زمین پر چلتا پھرتا شہید'' کا لقب پانے والا، اسلام کا بطل عظیم، جنت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہم سایہ، جنگ احد کے مہلک اور روح فرسا حالات میں حضور کا ساتھی، اسی معرکۂ عظیم میں حضور کے لیے ڈھال، عشرۂ مبشرہ میں سے ایک جسے دنیا طلحہ بن عبید اللہ کے نام سے جانتی ہے۔

نام ونسب: علامہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں آپ کا نسب یہ بیان فرمایا ہے:
طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ، ابو محمد قرشی تیمی۔ آپ کی والدہ کا نام صعبہ بنت عبد اللہ بن مالک حضرمیہ ہے۔ (اسد الغابۃ ج۳، ص: ۸۴)

زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں آپ کا نام طلحہ اور کنیت ابو محمد مشہور رہی۔ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو مختلف مواقع کی مناسبت سے کئی پیارے لقب عطا فرمائے۔ جنگ احد کے موقع پر آپ کو طلحۃ الخیر کے لقب سے یاد فرمایا، غزوۂ ذات العشیرہ میں آپ کو طلحۃ الفیاض فرمایا، اور حنین کے موقع پر طلحۃ الجود سے ملقب فرمایا۔ (صفۃ الصفوۃ ج۱، ص: ۳۳۷)

امام طائی نے اربعین میں بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں

صبیح، ملیح اور فصیح جیسے الفاظ کے ساتھ بھی پکارا۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۱۲)

حلیۂ مبارکہ: آپ کا چہرہ حسین، ناک پتلی، رنگ گندمی، جسم پر بالوں کی کثرت، بال نہ بالکل سیدھے، نہ گھنگھرالے، کشادہ سینہ، دراز کاندھے، قدم گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ (ایضاً)

قبول اسلام: حضرت طلحہ نے عہد شباب ہی میں تجارت کو مشغلہ بنالیا تھا اور عرب کے بڑے بڑے تاجروں کے ساتھ تجارتی مہم پر جایا کرتے اگرچہ دوسرے تجار عمر و تجربے میں ان سے کہیں آگے تھے لیکن خالق ارض و سما نے طلحہ کو جو ذکاوت و فطانت بخشی تھی اس نے انہیں تجربہ کار اور بڑے تاجروں کے مقابل لا کھڑا کیا تھا اور وہ قلت تجربہ کے بعد بھی ایک کامیاب تاجر کہے جاتے تھے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۴۸۶)

یوں تو تاجر کو بازار میں نہ جانے کتنے معاملات روزانہ پیش آتے ہیں وہ معاملات کا تصفیہ کرتا ہے اور بھول جاتا ہے، نہ وہ انہیں یاد کرنے کی ضرورت سمجھتا ہے اور نہ ہی کسی مرحلۂ زندگی میں دہرائے جانے کے قابل، لیکن کبھی کوئی ایسا واقعہ یا حادثہ پیش آتا ہے جسے وہ تاعمر فراموش نہیں کرسکتا، اس کی سانسوں کا تھمنا ہی اس واقعہ کے بھلانے کا سبب بنتا ہے۔ یہ معاملہ صرف تاجر کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی انسان سے اس کا تعلق ہوسکتا ہے، خواہ وہ کسی بھی پیشے کو اپنا کر زندگی کی راہیں طے کررہا ہو، پھر اس پیش آنے والے واقعہ کے دو رخ ہوسکتے ہیں یا تو پیش آئند واقعہ انسان کے لیے تعمیر و ترقی کی راہیں کھول کر اسے کامیابی کے بام عروج پر پہنچا سکتا ہے یا پھر ہلاکت کا سبب بن کر اسے ناکامی و نامرادی کی وادیوں سے گزارتا ہوا بربادی اور حرماں نصیبی کی لحد میں دفن کردیتا ہے۔

ایسا ہی واقعہ طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ خوش نصیب تھے طلحہ کہ واقعہ کا تعلق کامیابی سے تھا، ہلاکت سے نہ تھا۔ ورنہ آج طلحہ بھی دنیا کے لاکھوں کروڑوں تاجروں کے ساتھ شہر خموشاں میں پڑے ہوتے اور دنیا طلحہ کے 'طا' سے بھی واقف نہ ہوتی۔ طلحہ کو وہ واقعہ پیش آیا جس نے طلحہ کی حیات ہی نہیں تاریخ کا رخ بھی بدل دیا۔ کیا ہے وہ واقعہ اس کو

جاننے کے لیے ہم طلحہ ہی کو آواز دیتے ہیں کہ خود آپ بیتی بیان کریں۔

ابراہیم بن طلحہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ نے فرمایا: میں شہر بصرہ میں تجارتی غرض سے گیا تھا۔ اچانک میرے کانوں میں ایک آواز گونجتی ہے اس آواز کو سمجھنے کے لیے پلٹ کر دیکھتا ہوں تو یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ آواز ایک مذہبی پیشوا راہب کی ہے۔ راہب اپنے کٹی میں بیٹھا آواز دے رہا ہے اے لوگو! ان تاجروں کے بھرے مجمع سے پوچھو! کیا کوئی حرم سے تعلق رکھنے والا تاجر بھی یہاں موجود ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! میرا وطن حرم ہے اور حرم ہی میں سکونت رکھتا ہوں فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ راہب بولا میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اے نوجوان! کیا تم پسند کرو گے کہ مجھے اس کا جواب دو؟ طلحہ کیوں نہیں! میں اپنے آپ کو خوش بخت سمجھوں گا کہ میں کسی کے کام آسکا۔

راہب: کیا تم لوگوں میں احمد نامی کوئی انسان ظاہر ہوا ہے؟

طلحہ: کون احمد؟

راہب: عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا ہے۔ میرے علم کے مطابق یہی آپ کے ظاہر ہونے کا مہینہ ہے اور نوجوان یہ بھی سنو! وہ کوئی عام انسان نہیں وہ اللہ کا آخری نبی ہے، میں تمہیں ان کی کچھ علامتیں بتائے دیتا ہوں، وہ تمہاری زمین حرم سے ظاہر ہوں گے اور کالے پتھروں سے بھری سنگلاخ کھجوروں والی سخت زمین جس میں چشمے پائے جاتے ہوں گے، اس سرزمین کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ نوجوان تم ان تک پہنچنے میں جلدی کرو۔

راہب کی باتیں میرے دل میں راسخ ہو گئیں اور دل میں ملاقات کرنے کا اشتیاق انگڑائیاں لینے لگا۔ میں نے جلد ہی اپنی سواری کو تیار کیا سامان سفر کے ساتھ میں اس پر سوار ہوا اور مکہ کی جانب اس کی مہار ڈھیلی چھوڑ دی۔ میں جلد ہی مکہ پہنچ گیا۔ پہنچنے کے بعد گھر والوں سے پوچھا! کیا میرے مکہ سے روانہ ہونے کے بعد یہاں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے؟ گھر والوں نے جواب دیا ہاں طلحہ! تمہارے جانے کے بعد یہاں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور ابن ابی قحافہ نے ان کو سچا جانتے

ہوئے ان کی تصدیق کردی اور وہ ان کے تابع فرمان ہو گیا ہے۔

میں ابوبکر کو پہچانتا تھا وہ میری نظر میں ایک اچھے، خوش اخلاق، پسندیدہ اور نرم مزاج انسان تھے، ساتھ ہی ساتھ وہ ایک وسیع الظرف تاجر بھی تھے اور خاندانِ قریش کے گزشتہ واقعات اور ان کے آپسی انساب پر بھی ان کی خاص گرفت تھی۔ انہیں ساری خوبیوں کی وجہ سے ہم ابوبکر اور ان کی ذاتی محفلوں سے محبت کرتے تھے۔

جب گھر والوں کی زبان سے ابوبکر کا نام سنا تو میں ابوبکر کے پاس جا پہنچا اور بغیر کسی تمہید کے میں نے ان سے یہی پوچھا کیا یہ صحیح ہے کہ محمد بن عبداللہ نے دعوۂ نبوت کیا ہے؟ اور آپ نے تصدیق کر کے ان کی اتباع قبول کر لی ہے؟ ابوبکر نے جواب دیا تم نے جو سنا ہے وہ سو فیصد درست ہی ہے اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ پھر وہ اس خبر کی تفصیلات میرے سامنے بیان کرتے رہے اور مجھے اپنا ساتھی بنانے اور اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دلاتے رہے۔ اسی درمیان میں نے بصرہ کے راہب کی بات انہیں کہہ سنائی مجھ سے یہ بات سننے کے بعد ابوبکر کو پیغمبر اسلام سے متعلق کچھ خطرہ سا محسوس ہوا اور مجھ سے فرمایا: میرے ساتھ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلیے آپ کی بات ان کے سامنے بیان کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ حضور کیا جواب دیتے ہیں شاید جواب سن کر تم اسلام کی آغوش میں آجاؤ۔ یہ کہتے ہوئے ابوبکر مجھے لے کر حضور سے ملاقات کرانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب ہم بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو سرکار نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا، قرآن کریم کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں اور دنیا وآخرت کی بہترین بشارتیں مجھے سنائیں جس کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ اسی بیچ میں نے جب راہب اور اپنے درمیان کی گفتگو حضور کے سامنے نقل کی تو سرکار خوش ہو گئے اور یہ خوشی آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی میں نے بھی اپنے سینے کو اسلام قبول کرنے کے لیے تیار پایا۔ لہٰذا حضور ہی کی نگاہ ناز کے سامنے میں نے بھی اعلان کر دیا "اشهد أن لا إله إلّا الله وأشهد أنّ محمداً رّسول الله" میں چوتھا مسلمان تھا جو ابوبکر کے ہاتھوں ایمان

لایا تھا۔(الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۱۳،صورمن حیاۃ الصحابۃ ص: ۴۸۸)

اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لانا گویا قریش کو دعوت انتقام دینا اور اپنے آپ کو آزمائش میں مبتلا کرنا تھا۔ طلحہ ایمان لائے اور قریش کا انتقامی رخ طلحہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ رہے گھر والے تو ان کے لیے طلحہ کا اسلام قبول کر لینا برق آسمانی سے کم نہ تھا اور اس کا سب سے زیادہ اثر طلحہ کی ماں صعبہ پر ہوا تھا۔ وہ حزن وملال کا مجسمہ بنی ہوئی تھیں کیوں کہ اس نے اپنے لائق وفائق بیٹے سے ڈھیر ساری امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، وہ طلحہ کے لیے قوم کی سرداری کا خواب دیکھ چکی تھیں۔ کیوں کہ طلحہ میں پائی جانے والی خوبیاں ہی کسی انسان کے سر پر سرداری کا تاج سجاتی ہیں، اب اسے اپنا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہوئے دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس کی امیدوں کی اونچی عمارت کسی زلزلے کی زد میں آ کر ہمیشہ کے لیے بکھر گئی تھی جسے جوڑ پانا کسی طرح ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے حالات میں زندگی غموں کی نذر ہو جانا ایک فطری امر ہے۔

قوم نے بھی اپنا ایک ہونہار فرزند کھو دیا تھا لیکن قوم ابھی مایوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ آخری کوشش کر کے طلحہ کو پھر سے اپنے مذہب میں داخل کر لینا چاہتی تھی۔ بہت جلد قوم نے کوشش شروع کر دی۔ پہلے پہل سمجھانے پر اکتفا کیا گیا اور عمدہ پیرائے میں طلحہ کو دین قدیم میں واپسی کی دعوت دی گئی لیکن طلحہ اپنے موقف پر جبل عظیم کی طرح قائم تھے جسے اس کی جگہ سے ہٹانا تو بعید، تمام تر کوششوں کے باوجود اسے حرکت بھی نہیں دی جاسکتی۔ جب نرمی بھری پلاننگ ناکام اور ناکافی ثابت ہوتی ہے تو سختی اور تعذیب انسان کا آخری ہتھیار ہوتا ہے اسی ہتھیار کا استعمال قریش نے طلحہ کے خلاف شروع کیا۔

مسعود بن خراش بیان کرتے ہیں: ''میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان کے پیچھے بہت سارے لوگ لگے ہوئے ہیں اور نوجوان کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ مضبوط باندھ دیا گیا ہے، اس کو پیٹھ کے بل ڈھکیلتے ہوئے لوگ اس کی پٹائی کر رہے ہیں، نوجوان کے پیچھے ہی ایک بوڑھی عورت چیخ چیخ کر اس پر ملامت کر رہی

ہے۔ میں نے پوچھا معاملہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ جوان طلحہ بن عبید اللہ ہے یہ اپنے دین کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر چکا ہے۔ میں نے پوچھا کہ بوڑھی عورت کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہ اس جوان کی ماں صعبہ ہے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص:۴۸۹)

ظلم کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ دراز ہوتا جاتا ہے اگر چہ طلحہ کی شخصیت اپنے قبیلے میں باوقار تھی، اور ساتھ ہی ابوبکر بھی کوئی عام انسان نہ تھے بلکہ وہ بھی مکہ میں ایک اونچی شان کے مالک تھے۔ اس کے باوجود لوگوں نے طلحہ کو نوفل بن خویلد کے سپرد کر دیا۔ نوفل بن خویلد کو اسد القریش (قریش کا شیر) کہا جاتا تھا نوفل بن خویلد نے طلحہ کو ایک مضبوط رسی سے باندھ دیا اور طلحہ کے ساتھ ہی اسی رسی میں ابوبکر کو بھی باندھ دیا، اور نوفل نے دونوں کو قریش کے لفنگوں کے حوالے کر دیا تاکہ دونوں کو سخت عذاب چکھایا جائے۔ نوفل نے حضرت ابوبکر اور طلحہ کو ایک ساتھ باندھا تھا لہٰذا تاریخ اسلام میں دونوں کو ''قرینین'' کا لقب دیا گیا۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۸۵، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۱۳، رجال حول الرسول ص: ۲۶۱، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۴۸۹)

بعض حضرات نے فرمایا: حضرت ابوبکر و طلحہ کو طلحہ کے بھائی عثمان بن عبید اللہ نے باندھا تھا تاکہ انہیں اللہ کی عبادت اور دین اسلام سے باز رکھے لیکن جب بھی دونوں کو آزاد کیا جاتا تو آپ نماز پڑھتے دکھائی دیتے۔ (اسد الغابۃ)

مواخات: یوں تو اسلام میں ہر مومن کو دوسرے مومن سے رشتۂ اخوت حاصل ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپس میں محبت کو بڑھاتے اور اتحاد کی ڈور کو مضبوط کرنے کے لیے دو دو مسلمانوں میں رشتۂ اخوت خاص طور پر قائم فرما دیتے تھے۔ لہٰذا ہجرت سے پہلے مکہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان مواخات قائم فرمائی اور بعد ہجرت مدینہ شریف میں حضرت طلحہ کو حضرت ابوایوب انصاری کا بھائی قرار دیا۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۸۵)

جاں نثاری اور خدمت کا جذبہ: امام ترمذی اور امام احمد نے حدیث نقل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احد میں دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (افراتفری کے ماحول میں) ایک چٹان پر چڑھنا چاہا لیکن آپ اس پر چڑھ نہ سکے تو حضرت طلحہ حضور کے لیے بیٹھ گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کی پیٹھ پر سوار ہوئے اور چٹان پر چڑھ گئے۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ''اوجب طلحۃ'' طلحہ نے اپنے اوپر جنت واجب کرلی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا ہے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۱۴، الاستیعاب ج ۱،ص:۳۵۹)

حضرت طلحہ فرماتے ہیں: اس موقع پر میرے سرکار نے فرمایا: اے طلحہ! یہ جبریل ہیں جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ قیامت کے دن وہ تمہیں کسی خوف میں مبتلا نہیں دیکھ سکیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے: غزوۂ احد میں عقبہ بن ابی وقاص نے سرکار پر حملہ کیا اور کئی زخم جسم ناز پر آئے اور سرکار اس گڈھے میں جا پہنچے جو مسلمانوں کو گرانے کے ہی لیے بنایا گیا تھا، تو حضرت علی نے سرکار کا ہاتھ پکڑا اور طلحہ نے سرکار کو سہارا دے کر اٹھایا یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے اور مالک بن سعید نے چہرۂ انور سے خون چوسا۔ سرکار نے فرمایا: جس کا خون میرے خون سے مل گیا اسے دوزخ کی آگ چھو نہیں سکتی۔ اس حدیث کو ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۱۴)

تنبیہ: صحابی نے حضور کے خون کو چوس لیا تو سرکار نے صحابی کو ڈانٹا نہیں کہ تم نے یہ کیا کیا؟ خون تو ناپاک ہوتا ہے اسے فوراً تھوک دو۔ بلکہ فرمایا میرا خون جس خون سے مل جائے گا اسے آتش جہنم چھو نہیں سکتی۔ معلوم ہوا کہ ہمارے خون میں اور سرکار کے خون میں بہت فرق ہے جو بیان سے باہر ہے۔ جب ہمارا خون حضور کے خون کی طرح نہیں ہوسکتا تو ہم نبی کی طرح کیسے ہوسکتے ہیں؟ لہٰذا یہ عقیدہ باطل ہے کہ نبی ہم جیسے بشر ہیں لیکن مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں اس کو لکھا ہے اور وہابی فرقہ نبی کو اپنے جیسا بشر مانتا ہے اور یہی اعتقاد رکھتا ہے۔ (معاذ اللہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ابوبکر غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے: احد کا دن پورا کا پورا طلحہ کے نام ہے۔ جب میں اور ابو عبیدہ بن جراح حضور کے پاس حاضر ہوئے تو سرکار نے حکم فرمایا تم طلحہ کی خبر گیری کرو اس کا بہت خون نکل چکا ہے۔ پہلے تو ہم سرکار کی حالت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بعد ہم نے طلحہ کی طرف رخ کیا انہیں ڈھونڈ ھا تو ایک گڈھے میں پایا، ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے تقریباً ستر زخم لگے تھے اور ایک انگلی کٹ گئی تھی۔ (الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۱۵)

حضرت قیس بن ابی حازب بیان کرتے ہیں، میں نے طلحہ کے ایک ہاتھ کو شل (بیکار) دیکھا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جو غزوۂ احد میں سرکار کی حفاظت میں کام آ گیا تھا۔ حضرت ابوعثمان نے روایت کیا ہے: غزوۂ احد میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضور کے ساتھ طلحہ اور سعد کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ دونوں حدیثوں کو امام بخاری اور ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۱۶)

ہاتھ لگ جائے تو شرمندہ مسیحائی ہے: متعدد احادیث سے حضرت طلحہ کی جاں نثاری اور محبت نبی کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ دنیا کو دعوت محبت بھی دے رہی ہے اور دعوت فکر بھی کہ ایک امتی کو اپنے نبی سے کس درجہ محبت ہونا چاہیے اور یہ کہ جان کی بازی لگا کر نبی کی ذات اور ان کی حرمت کی حفاظت ایک عاشق صادق کی معراج سمجھی جائے۔

حضرت طلحہ جب حضور پر سب کچھ لٹا بیٹھے اور زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے تو مسیحائے دو عالم اپنے وفادار غلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں: احد کے دن جب طلحہ زخمی ہو کر گر پڑے تو حضور نے اپنا مبارک ہاتھ ان کے زخمی جسم پر پھیرا اور رب تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ! طلحہ کو شفا اور قوت عطا فرما۔ حضرت طلحہ فوراً صحیح وسالم ہو کر کھڑے ہو گئے اور دشمن سے معرکہ آرائی شروع کر دی۔ (ایضاً)

یہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور زبان کا کمال کہ زخمی اور بیمار لوگ دم بھر میں شفا پا کر اتنے طاقتور ہو جاتے ہیں کہ دشمن سے تلوار زنی کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

حضور کے حکم کی طرف سبقت: امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب بیان فرماتے ہیں: ''ایک رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اونٹ سے کجاوہ گر پڑا، میں نے حضور کو فرماتے سنا کون ہے جو میرے اونٹ پر کجاوہ کس دے اور جنت حاصل کرے''۔ یہ سعادت حضرت طلحہ کے حصہ میں آئی سب سے پہلے حضور کی بارگاہ میں طلحہ پہنچے اور کجاوہ درست کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سواری پر سوار ہو گئے، ارشاد فرمایا: ''اے طلحہ! یہ جبریل امین موجود ہیں جو آپ کو سلام پیش کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ قیامت کے وحشت ناک ماحول میں میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہیں اس سے نجات عطا کروں گا۔ (ایضاً)

جنت کی بشارت: حضرت طلحہ کو کئی مرتبہ جنت کی بشارت رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے حاصل ہوئی۔ آپ کا نام ان جنتیوں میں بھی ہے جن کو ایک ہی حدیث میں جنت کی بشارت دی گئی ہے جنہیں عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے سوا آپ کو انفرادی طور پر بھی کئی مرتبہ جنت کی بشارت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنے کانوں سے حضور کو فرماتے سنا: ''طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہیں'' امام ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے۔ حضرت زبیر سے روایت ہے: میں نے احد کے دن اللہ کے رسول کو فرماتے سنا: ''طلحہ نے جنت واجب کر لی''۔ امام بغوی نے اپنی معجم میں اس کو روایت کیا ہے۔

حضرت طلحہ فرماتے ہیں: میرے اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان مال کی وجہ سے کچھ معاملہ تھا جسے لے کر حضرت عبدالرحمن نے میری شکایت اللہ کے رسول کی بارگاہ میں کر دی، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم ایسے شخص کی شکایت کر رہے ہو جو اپنے اوپر جنت واجب کر چکا ہے۔ یہ سن کر عبدالرحمن میرے پاس آئے اور مجھے بشارت دی تو میں نے ان سے کہا۔ بھائی! وہ مال تم لے لو جس کے لیے تم نے میری شکایت کی ہے۔ تو حضرت عبدالرحمن نے فرمایا: جو ہوا وہ ہوا۔ اب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں وہ مال تمہارے لیے ہے۔ اس کو فضائلی نے تخریج

کیا ہے۔(الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۱۷)

بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود بدری صحابی: حضرت طلحہ اسلام وکفر کے درمیان ہونے والے سب سے پہلے عظیم معرکہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے۔شریک نہ ہونے کی وجہ کیا تھی اس کو لے کر مؤرخین کی دو رائے ہیں۔ایک یہ کہ آپ اپنے تجارتی سفر کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے اور جب واپس آئے تو غزوۂ بدر ہو چکا تھا۔امام واقدی کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت طلحہ اور سعید بن زید کو شام کی طرف دشمن کی جاسوسی کے لیے بھیجا تھا، جب واپس ہوئے تو غزوۂ بدر سے حضور کامیاب ہوکر واپس تشریف لا چکے تھے۔دونوں میں سے کچھ بھی ہو اب ان کے ساتھ حضور کے الطاف کریمانہ دیکھیں۔طلحہ موجود نہیں تھے لیکن حضور نے بدر کے مال غنیمت سے ان کے لیے حصہ متعین فرمایا اور جب وہ سفر سے واپس ہوئے تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے،عرض کیا یارسول اللہ! مالِ غنیمت میں حصہ تو آپ نے مجھے عطا فرما دیا میرے اجر وثواب کا کیا ہوگا۔مجھے وہ اجر نہ ملے گا جو شرکاے بدر کو حاصل ہوا۔تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:''واجرک'' طلحہ تمہارا اجر بھی ثابت ہے۔سبحان اللہ کیسی عطا ہے میرے سرکار کی حصہ بھی عنایت فرمایا اور جب اجر کا سوال کیا تو اجر بھی عطا فرما دیا۔

جہاں بانی عطا کر دیں، بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختار کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں

اسی وجہ سے حضرت طلحہ کا شمار بدری صحابہ میں کیا جاتا ہے،اگر چہ آپ خود بدر میں موجود نہ تھے۔(الاستیعاب ج ۱،ص:۵۶۳،الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۱۷)

حضور کی گواہی: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا:''جسے یہ خوشی ہو کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے''اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۱۸،اسد الغابۃ ج ۳،ص:۸۶)

آیت کریمہ کی تفسیر: حضرت طلحہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نے ایک دیہات سے آئے ہوئے اعرابی کو تیار کیا کہ وہ نبی کریم سے آیت کریمہ "فمنھم من قضیٰ نحبہ" کے بارے میں پوچھے کہ جس نے اپنی نذر پوری کرلی وہ کون شخص ہے؟ صحابہ نے خود سرکار سے تعظیم واجلال کی وجہ سے سوال نہ کیا۔ اعرابی سے سوال کرانا مناسب سمجھا۔ اعرابی نے تین مرتبہ حضور سے پوچھا کہ "من قضیٰ نحبہ" سے مراد کون شخص ہے؟ حضور نے ایک مرتبہ بھی جواب نہ دیا۔ حضرت طلحہ فرماتے ہیں: اسی درمیان میں ہرے کپڑے پہنے ہوئے مسجد کے دروازے پر آ گیا۔ حضور نے جیسے ہی مجھے دیکھا تو فرمایا، سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ سرکار نے فرمایا: "فمنھم من قضیٰ نحبہ" یہ (طلحہ) ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کرلیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۱۸، سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص: ۲۸)

صفائے باطنی: حضرت طلحہ کو اللہ تعالیٰ نے صفائے باطن اعلیٰ درجے کا عطا فرمایا تھا۔ آپ کسی سے بغض وحسد نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی اس خوبی سے صحابۂ کرام بخوبی واقف تھے یہاں تک کہ حضرت علی نے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ میں، طلحہ، عثمان اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ" ﴿الحجر ۴۷﴾ ترجمہ: اور ہم نے ان سینوں میں جو کینے تھے سب کھینچ لیے، آپس میں بھائی بھائی ہیں، تختوں پر روبرو بیٹھے۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۸۷)

حسن اتفاق: حضرت طلحہ کو ایک ایسا خاص وصف حاصل ہے جو انہیں دیگر صحابہ سے ممتاز کرتا ہے۔ ابن سکن کے بیان کے مطابق حضرت طلحہ نے چار شادیاں کیں اور عجب حسن اتفاق ہے کہ یہ چاروں عورتیں ایسی تھیں جن کی بہنیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں آکر امہات المومنین کہلائیں۔ آپ کی چاروں بیویاں یہ تھیں۔

۱۔ حضرت ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق۔ ام کلثوم کی بہن حضرت عائشہ ام المومنین ہیں۔

۲- حمنہ بنت جحش- ان کی بہن حضرت زینت بنت جحش سرکار کے نکاح میں تھیں۔

۳- قارعہ بنت ابوسفیان- ان کی بہن حضرت ام حبیبہ، سرکار کی مقدس زوجہ ہیں۔

۴- رقیہ بنت بنی امیہ- ان کی بہن حضرت ام سلمہ سرکار کے حوالہ عقد میں ہیں۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۳، ص: ۲۹۲)

اس حسین ازدواجی زندگی سے حضرت طلحہ کی قربت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور پختہ و مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس کو حسن اتفاق کے بجائے کرم نوازی کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ اللہ رب العزت نے طلحہ جیسے جاں نثار صحابی کو یہ موقع فراہم کر کے اپنے محبوب کے بہت زیادہ قریب کر دیا۔

جود وسخا: کتب تاریخ میں کثیر واقعات حضرت طلحہ سے متعلق ایسے موجود ہیں جو انہیں اپنے وقت کا عظیم سخی ماننے پر لوگوں کو مجبور کر دیتے ہیں۔ قصبہ بن جابر سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں حضرت طلحہ کی صحبت میں رہا، میں نے ان سے بڑا سخی کوئی نہیں دیکھا جو بغیر مانگے کسی کو عطا فرماتا ہو۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص: ۳۰)

مذکورہ بالا روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کی سخاوت صرف مانگنے والوں کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ آپ کا انداز سخاوت جدا تھا کہ آپ بغیر سوال لوگوں کو عطا فرماتے تھے۔ موسیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت طلحہ کے پاس سات لاکھ کا مال آیا۔ مال گھر میں رکھا، رہنے کی وجہ سے طلحہ مضطرب ہو گئے۔ مال کی وجہ سے آپ کی بے قراری اتنی بڑھی کہ بیوی نے پہچان لیا طلحہ کسی وجہ سے پریشان ہیں۔ نیک بیوی نے پریشانی کی وجہ دریافت کی تو حضرت طلحہ نے جواب دیا اس شخص کا اپنے رب کے ساتھ کیا گمان ہے جو اتنے مال کے ساتھ رات گزارتا ہے۔ بیوی نے عرض کیا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ صبح ہوتے ہی اپنے احباب کو بلا کر عزیز و اقارب میں تقسیم فرما دیں۔ آپ کی اس شریک حیات کا نام ام کلثوم تھا۔ جو حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ آپ اپنی بیوی کی گفتگو سن کر خوش ہو گئے اور آپ نے فرمایا: ''ام کلثوم تم توفیق یافتہ باپ (ابوبکر) کی توفیق یافتہ بیٹی

ہو۔صبح ہوتے ہی آپ نے وہ مال مہاجرین وانصار کے درمیان تقسیم کر دیا۔اس میں سے کچھ حصہ حضرت علی کے یہاں بھی بھجوا دیا۔(سیر اعلام النبلاء ج ا،ص:۳۱)

حضرت علی بن زید سے مروی ہے: ایک اعرابی نے حضرت طلحہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کچھ سوال کیا اور ساتھ ہی کسی رشتہ داری کے ذریعہ قرابت ظاہر کی۔آپ نے فرمایا: یہ ایسا رشتہ ہے جس واسطے سے تم سے پہلے مجھ سے کسی نے سوال نہیں کیا۔سنو! میری ایک زمین ہے، تین لاکھ روپے کی مالیت کی۔تم چاہوتو صبح جا کر اس پر قبضہ کرلو اور چاہوتو میں تمہیں وہ زمین بیچ کر اس کی قیمت عطا کر دوں۔اعرابی نے کہا میں قیمت لینا پسند کروں گا۔ حضرت طلحہ نے اس زمین کو حضرت عثمان کے ہاتھوں تین لاکھ روپے میں فروخت کر دیا اور قیمت اعرابی کو عطا کر دی۔(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴،ص:۲۲۲)

شہادت: آپ کی شہادت جنگ جمل میں ہوئی۔جب آپ حضرت علی کے خلاف میدان میں آئے تھے۔جنگ جمل ۳۶ھ میں واقع ہوئی۔انتقال کے وقت آپ کی عمر ساٹھ (۶۰) سال تھی۔بعض کے مطابق ۶۲ اور بعض نے ۶۴ سال بتائی ہے۔اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔(الاستیعاب ج ا،ص:۳۶۱)

آپ حضرت علی کے خلاف میدان جنگ میں آئے لیکن حضرت علی نے انہیں بلا کر پچھلی باتیں یاد دلائیں۔(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم علی سے جنگ کروگے اور علی حق پر ہوں گے) جیسا کہ حضرت زبیر سے آپ نے یہی گفتگو فرمائی تھی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر دونوں جنگ کی صفوں سے الگ ہو گئے۔پھر آپ کو ایک تیر آکر لگا جس سے آپ کا وصال ہو گیا۔اس تیر کو چلانے والا مروان بن حکم تھا۔(اسد الغابۃ ج ۳،ص:۸۶)

جو تیر مروان بن حکم نے مارا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ اگر زخم کا منہ بند کرتے تو پاؤں پھول جاتا اور اگر زخم کا منہ کھول دیا جاتا تو خون بہنا شروع ہو جاتا یہ دیکھ کر حضرت طلحہ نے فرمایا: مجھے اسی حال پر چھوڑ دو، یہ ایسا تیر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے۔

امام شعبی نے فرمایا: جب حضرت طلحہ کو حضرت علی نے زمین پر شہید پڑا ہوا پایا تو

آپ ان کے چہرے سے گردوغبار صاف کرتے جاتے اور فرماتے: ''اے طلحہ! میرے لیے بڑا دشوار ہے کہ میں آپ کو اس طرح زمین پر پڑا دیکھوں'' پھر فرمایا: میں اپنی مصیبت کی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں۔ آپ نے حضرت طلحہ کے لیے دعاے رحم کی اور کہا اے کاش! میں اس حادثہ سے بیس سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔ پھر وفورغم سے آپ اور آپ کے ساتھی رونے لگے۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۸۷)

محمد کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا: علی بن زید نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضرت طلحہ اس سے فرمارہے ہیں مجھے میری قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کردو میں پانی سے تکلیف محسوس کررہا ہوں۔ اس انسان نے اس خواب کو تین مرتبہ دیکھا۔ حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے وہ شخص جانے مانے صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس حاضر ہوا اور پورا خواب بیان کیا۔ بعد مشورہ آپ کی قبر انور کھولی گئی تو دیکھا آپ کی وہ کروٹ جو پانی سے متصل تھی، کائی جمنے سے سبز ہوچکی تھی۔ راوی کہتے ہیں: قبر کھولنے کے بعد میری نظر ان پر پڑی وہ منظر اب بھی میری نگاہوں میں ہے گویا کہ میں ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافور دیکھ رہا ہوں۔ ان کے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ صرف بال جھڑے ہوئے نظر آئے۔ (الاستیعاب ج ۱، ص: ۳۶۱)

درس عبرت: فرقۂ وہابیہ کا عقیدہ ہے ''اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مرکر مٹی میں مل گئے''۔ (تقویۃ الایمان) (معاذ اللہ) اگر نظروں میں شرم وحیا اور فکر میں انصاف کی ہلکی سی رمق ہوتی تو ایسے واقعات دیکھ کر ضرور وہ اپنے باطل عقیدے سے تائب ہوجاتے۔

تاریخ کی مشہور ومعروف کتاب سیر اعلام النبلاء کے مطابق یہ واقعہ تیس سال کے بعد رونما ہوا لیکن یہ تیس سالہ طویل مدت بھی نبی کے وفادار غلام کے جسد اقدس کو نہ گلا سکی، نہ سڑا سکی، نہ مٹی میں ملا سکی، تو پھر جان آدمیاں، رحمت عالمیاں کے جسد نوری کا کیا حال ہوگا جب کہ حدیث میں صاف فرمایا گیا ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیا کے جسموں کو کھائے۔ اللہ کے نبی زندہ ہیں وہ اپنی قبروں میں رزق پاتے ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۶۳۷)

جب تمام انبیاے کرام کو یہ عظمت حاصل ہے تو نبی الانبیا اور سید المرسلین کی شان وعظمت کو کون بیان کر سکتا ہے۔ ؎

ہیں حیی ابدی ان کو رضا
صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

اولاد: آپ کے دس لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴، ص:۲۲۶)

یوں تو آپ کی سب اولادیں نجیب وشریف تھیں لیکن آپ کے بیٹوں میں حضرت محمد تقویٰ وطہارت کے امام تھے۔ یہ سرکار کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور یوم جمل میں وفات پائی۔ حضرت علی حضرت محمد کی وفات پر مطلع ہوئے تو غمزدہ ہوئے اور فرمایا: محمد بن طلحہ کو باپ کی فرمانبرداری یہاں تک لے آئی۔

کتنی مبارک، قابل فخر وتقلید ہے حضرت طلحہ کی زندگی، پوری حیات مستعار اسلام اور بانیٔ اسلام کی خدمت میں گزار کر اپنے خالق سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر رحمت ونور کی بارش فرمائے۔ آمین

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: زبانِ رسالت سے جنت کی بشارت پانے والے دس صحابہ میں جن کا شمار، اسلام کے اغنیا میں ایک چمکتا چہرہ جس نے اللہ کی راہ میں اپنی دولت کو پانی کی طرح بہادیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک، احد کی جنگ میں اکیس زخم کھا کر بھی منہ نہ موڑنے والا شیر دل انسان، کامیاب تاجر، سخی دل مردِ مجاہد، صحابہ کے درمیان عظیم منصب کا مالک، اہل اسلام انہیں عبدالرحمن بن عوف کے نام سے جانتے ہیں۔

نام ونسب: عبدالرحمن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ (سیر أعلام النبلاء ج ۱ ص: ۶۸)

کنیت: ابو محمد آپ کی کنیت قرار پائی، حضور کی زبان مبارک سے جنت کی بشارت پائی، آپ مجلس شوریٰ کے رکن اور سابقین اولین میں سے بدری صحابی ہیں۔ (ایضاً)

ماں کا نام شفا بنت عوف ہے۔ واقعہ فیل کے دس سال بعد آپ پیدا ہوئے۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام یا تو عبدعمرو تھا یا عبدکعبہ۔ جب آپ دامن اسلام میں پناہ گزیں ہو گئے اور بارگاہِ رسالت میں شرف باریابی میسر آیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ نام جس سے جہالت آشکار اتھی بدل دیا اور آپ کو عبدعمرو یا عبدکعبہ سے ہٹا کر ہمیشہ کے لیے عبدالرحمن بنا دیا۔ آپ صاحبِ ہجرتین ہیں پہلے حبشہ، پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کی مواخات سعد بن ربیع

کے ساتھ قائم فرمائی۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔(الاستیعاب ج ا ص: ۴۴۳)

حلیۂ مبارکہ: قد لمبا، خوبصورت چہرہ، رنگ گورا مائل بسرخی، ناک لمبی، انگلیاں بھاری، ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئیں، اگلے دو دانت ٹوٹے ہوئے، پیر میں لنگڑا پن، اخیر والی دونوں چیزیں واقعۂ احد کے بعد پیدا ہوئیں۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۵۶، اسد الغابہ ج ۳، ص: ۴۸۰)

خصوصیات: اللہ پاک نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بے شمار خوبیوں کا مالک بنایا۔وہ زمین وآسمان میں امانتوں کے پاس دار ہیں، امہات المومنین پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے امین ہیں، زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وکیل ہیں، آیت کریمہ "اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" کے مصداق ہیں۔اور آپ ایسے امام المسلمین ہیں کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرما کر ہمیشہ کے لیے آپ کے تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، پارسائی اور پاک بازی پر مہر ثبت فرمادی۔(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۵۷)

اب ہم امام مسلم رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم سے اس نماز کا تذکرہ نذرِ قارئین کر رہے ہیں جس میں رحمت عالمیاں، فخر آدمیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا فرمائی۔

حضرت عروہ اپنے والد حضرت مغیرہ بن شعبہ کا واقعہ نقل فرماتے ہیں: انہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔میں (مغیرہ) پانی لے کر آپ کے پیچھے چل دیا، یہ نماز فجر سے کچھ پہلے کی بات ہے، جب آپ تشریف لائے تو میں نے پانی ڈالنا شروع کیا۔نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے، پھر چہرہ دھویا، پھر اپنے جبے کی آستین سے بازو باہر نکالنے کی

کوشش کی مگر اس کی آستین تنگ تھی اس لیے بازو باہر نہ آسکا۔ آپ نے نیچے کی جانب سے اپنے ہاتھوں کو نکالا اور انہیں کہنیوں تک دھویا پھر آپ نے موزے کے اوپر والے حصے پر مسح کیا اور واپس چل پڑے۔ میں بھی آپ کے ہمراہ چل دیا ہم واپس آئے تو دیکھا لوگ عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فجر کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت ملی تو ایک رکعت لوگوں کے ساتھ ادا فرمائی اور جب حضرت عبدالرحمن نے سلام پھیر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنی نماز مکمل کی۔ لوگ اس بات سے پریشان ہوئے اور انہوں نے بکثرت سبحان اللہ کہنا شروع کیا۔ جب حضور نے اپنی نماز مکمل کر لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے ٹھیک کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نے ان کی تعریف اس لیے کی کہ انہوں نے نماز کو وقت پر ادا کر لیا۔

(صحیح المسلم، کتاب الصلاۃ، باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم اذا تأخر الإمام)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ فرمایا لیکن سرکار نے انہیں اشارہ فرما کر روک دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے جب عبدالرحمن بن عوف کو پیچھے کرنے کا ارادہ کیا تو حضور نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کو امام شافعی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمن کے پیچھے نماز ادا کی اور جو باقی رہ گئی تھی اس کو پورا کرنے کے بعد فرمایا: کوئی بھی نبی اس کے بعد ہی وصال کرتا ہے جب کہ وہ اپنی امت کے صالح انسان کے پیچھے نماز ادا کر لے۔ اس حدیث کو صاحب صفوہ نے روایت کیا ہے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۵۷)

ان احادیث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عبدالرحمن صحابہ کے درمیان پاک بازی میں اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ظاہر ہے اس وقت آج

جیسی صورت حال نہ تھی کہ مسجد میں متعین امام کے سوالائق امامت دوسرا شخص نادرالوجود ہو ان میں تو ہر شخص اپنی جگہ امام کامل تھا۔لیکن اصحاب رسول نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنا امام منتخب فرما کرعبدالرحمن کا دینی مقام اورلوگوں کے دلوں میں آپ کی قدرومنزلت کو ثابت فرمادیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیچھے نہ صرف نماز ادا فرمائی بلکہ نمازیوں کے اس عمل پران کی مدح بھی فرمائی۔عبدالرحمن کے بلند مقام ومرتبہ کی اس سے بڑی سند وشہادت اورکیا ہوسکتی ہے۔اب آپ کی وہ چند خصوصیات جن کو ہم پہلے اجمالاً بیان کرآئے ہیں تاریخی شواہد کی روشنی میں قدرے تفصیل سے ذکر کررہے ہیں۔

روایت حدیث: آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث روایت فرمائی ہیں اورآپ سے ابن عباس، ابن عمر، انس بن مالک، ابراہیم، حمید، ابوسلمہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔دوحدیثیں بخاری ومسلم دونوں نے روایت کی ہیں اور پانچ تنہا امام بخاری نے روایت کی ہیں۔(سیر اعلام النبلاء ج ۱،ص:۶۸)

حضور کی نظر میں: ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت خالد بن ولید نے شکایت کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ’’اے خالد! بدر میں شریک ہونے والے شخص کو تکلیف نہ دو اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کروگے تب بھی اس کے عمل کو نہیں پہنچ سکتے‘‘۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جبل حرا پر حضرت ابوبکر، عمر، عثمان وطلحہ، زبیر اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شہادت کی بشارت بھی عطا فرمائی۔(سیر اعلام النبلاء ج ۱،ص:۸۲)

امانت: حضرت زبیر بن بکار فرماتے ہیں: عبدالرحمن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ازواج پر حضور کے امین تھے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبدالرحمن بن عوف نے ان لوگوں سے فرمایا جنہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ کے تعین کا اختیار دیا تھا۔تاریخ اسلام میں انہیں اصحاب شوریٰ کے نام سے جانا جاتا

ہے۔کیا آپ لوگ مجھے اختیار دیتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:، میں سب سے پہلے راضی ہوں کیوں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی سنا ہے کہ آپ زمین والوں میں امین ہیں۔ایک حدیث میں ہے ''عبدالرحمن بن عوف اٗمین فی الاٗرض واٗمین فی السماء'' عبدالرحمن زمین وآسمان میں امین ہیں۔حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عبدالرحمن بن عوف زمین میں اللہ کے وکیل ہیں۔(الاستیعاب ج ا،ص: ۴۴۳، الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۵۸)

آیت قرآن کا نزول: ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بارگاہِ رسالت میں چار ہزار درہم لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں، میں نے چار ہزار اپنے اہل وعیال کے لیے رکھ چھوڑے ہیں اور چار ہزار اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے آپ کی بارگاہ میں لے کر آ گیا ہوں۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے غلام کی اس سخاوت پر دعا کے لیے لب ہائے مبارک کو جنبش دی اور بارگاہ مولیٰ میں عرض کیا: ''بارک اللہ لک فیما امسکت وفیما اعطیت'' اللہ تعالیٰ ان میں بھی برکت نازل فرمائے جو تم نے گھر پر رکھ چھوڑے ہیں اور ان میں بھی جو تم راہ خدا میں خرچ کر رہے ہو۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ان کے لیے دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور کو ان کے اس عمل سے مسرت وخوشی حاصل ہوئی تھی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی سے خوش ہو جائیں تو اللہ پاک بھی اپنے بندے پر کرم فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کی تعریف آیت قرآن میں فرمائی اور آیت کریمہ ''اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۲۶۲﴾'' ﴿البقرۃ ۲۶۲﴾ نازل فرمائی۔اس کو واحدی اور ابوالفرج نے تخریج کیا ہے۔(الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۵۸)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ: حضرت عبدالرحمن کوئی معمولی دولت مند نہ تھے بلکہ قدرت نے انہیں اپنے کم نہ ہونے والے خزانے سے اتنا دیا تھا کہ لوگ ان کی

دولت کی فراوانی اور تجارت کی کامیابی کو بچشم حیرت دیکھتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلوں میں اونٹوں، پیادوں اور ساز وسامان کی جو کثرت ہوتی وہ کئی تاجر مل کر بھی اکٹھا نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے ہی ایک قافلے کا تذکرہ ہم قارئین کی نذر کررہے ہیں:

مدینہ منورہ پر سکوت کی چادر تنی ہوئی ہے۔ نہ شور وغوغا کا کوئی سلسلہ، نہ چہل پہل کی کوئی آہٹ۔ اچانک مدینہ کے رہنے والوں کو فضا میں غبار کے اثرات نظر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے افق گرد آلود ہو گیا، دیکھنے والے قیاس آرائی تو کر سکتے تھے لیکن کوئی حتمی فیصلہ کر پانا ان کے لیے دشوار تھا۔ لوگ اپنی معلومات پر زور دے کر کوئی فیصلہ کرتے لیکن فوراً ہی فکر کا دوسرا رخ اس فیصلہ کے برعکس دوسرا فیصلہ کرنے پر انہیں مجبور کر دیتا۔ حیرت واستعجاب کا یہ طوفان کم نہ ہونے پایا تھا کہ لوگوں کے کان اب ایک عجیب قسم کی آواز سے آشنا ہو رہے تھے، اس آواز کو بغور سننے کے بعد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ کسی قافلے کے چلنے کی آواز ہے، لیکن یہ طے ہو جانے کے بعد بھی کہ یہ کسی قافلے کے آمد کی دستک ہے۔ مذکورہ طوفان کا تلاطم بڑھتا ہی چلا گیا اور ذہن ایسے کئی سوالات خود سے کرتا رہا کہ جس کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔ ''یہ کس کا قافلہ ہے؟ کہاں سے آ رہا ہے؟ مدینہ شریف میں کس غرض سے آ رہا ہے؟ وغیرہ۔

لیکن ذہن میں پیدا اس طوفان کا تموج زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا اور جلد ہی اس کا چڑھاؤ سمٹ کر رہ گیا۔ جب لوگوں نے اپنی نگاہوں سے سات سو اونٹ اور پیادوں کا اژدہام مدینہ شریف کی سڑکوں پر وارد ہوتے دیکھا، اس کی آواز سے مدینہ شریف کے در ودیوار گونج اٹھے۔ یہ آواز ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی، ام المومنین نے آواز سن کر فرمایا: یہ مدینہ شریف میں کیا ہو رہا ہے؟ عرض کیا گیا: ملک شام سے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا تجارتی قافلہ واپس آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اتنا شور اس قافلہ نے برپا کر رکھا ہے؟ عرض کیا: ہاں، یہ قافلہ سات سو اونٹوں پر مشتمل ہے۔ یہ سن کر ام المومنین نے اپنے سر کو حرکت دی اور یوں محسوس ہوا کہ آپ اپنی تیز نگاہوں سے

ماضی کو دیکھ رہی ہوں یا کسی سنی ہوئی بات پر غور کر رہی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: ہاں میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں نے عبدالرحمن کو بیٹھ کر جنت میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔

یہ بات جو حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہی تھی کسی خبر دینے والے نے حضرت عبدالرحمن کے سامنے نقل کر دی۔ حضرت عبدالرحمن خود بھی اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے سماعت کر چکے تھے۔

اب اس بات کا انتظار تھا کہ اونٹوں کے بوجھ اتارے جائیں کجاوے کھول کر زمین پر رکھ دیے جائیں، مال تجارت کو چیک کر لیا جائے اور آرام کی سانس لی جائے۔ لیکن حضرت عبدالرحمن یہ سب کچھ کرنے میں مصروف نہیں ہوئے بلکہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا رخ ام المومنین کے دولت کدے کی طرف ہے۔ تیز قدموں سے ام المومنین کی بارگاہ میں حاضری کے لیے چلے جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر عرض کیا: آپ نے جو حدیث مجھے یاد دلائی ہے میں اسے بھولا نہیں ہوں۔ اب آپ گواہ ہو جائیں کہ پورا قافلہ اپنے ساز وسامان کے ساتھ اللہ کی راہ میں حاضر ہے، مجھے اس میں سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ بغیر کسی تاخیر کے سات سو اونٹوں پر لدے مالِ تجارت اور اسباب زندگی کو مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ واقعہ عبدالرحمن بن عوف کی سیرت کے ایک باب انفاق فی سبیل اللہ خصوصاً اور عموماً ان کی پوری زندگی کی تصویر کشی کو کافی ہے۔ (رجال حول الرسول ص: ۳۴۳)

فروغِ تجارت کی علت: سطور بالا کو غور سے پڑھ لینے کے بعد آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھر رہا ہو گا کہ حضرت عبدالرحمن اتنے بڑے تاجر کیسے بن گئے۔ آیا وہ مکہ سے اتنا کثیر مال لے کر آئے تھے یا یہ مال انہوں نے مدینہ میں رہتے ہوئے ہی کمایا تھا۔ اس سوال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عنایتیں تھیں کہ رب قدیر نے ان کے لیے دولت وثروت اور تجارت میں برکت کو ارزاں فرما دیا

تھا۔اب ہم تاریخ کی روشنی میں اس اجمال کی قدرے تفصیل کرتے ہیں:

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقۂ کار مدینہ منورہ میں یہ تھا کہ آپ ایک مہاجر جو مکہ کا رہنے والا ہوتا اور دوسرا انصاری جو مدینہ کا رہنے والا ہوتا ان کو بلاتے اور رشتۂ مواخات قائم فرما دیتے۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس جوڑے ہوئے رشتہ کی مہاجرین وانصار دونوں ہی بہت قدر کرتے اور ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے۔انصار چوں کہ مدینہ شریف کے رہنے والے تھے۔مہاجرین کے مقابلے میں ان کے پاؤں کافی حد تک جمے ہوئے تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو فارغ البال بنانے کے لیے بڑی دریا دلی اور فیاضی سے کام لیا۔بعض حضرات نے تو اپنا آدھا مال اپنے مہاجر بھائی کو پیش کر دیا اور کچھ تو سخاوت میں اس حد تک بڑھے کہ انہوں نے ایک نئی تاریخ رقم کر دی۔اس تاریخ کو اسلام کے جاں نثاروں اور سرفروشوں کے سوا شاید ہی کوئی دہرا سکے۔ان کے عقد نکاح میں اگر دو بیویاں تھیں تو انہوں نے اپنے بھائی کے سامنے اپنا عندیہ ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ''بھائی میں ایک بیوی کو طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح فرما کر اس کو اپنی زوجیت میں لے لیں''، یہی طرز عمل تھا اس ذات کا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبدالرحمن کا بھائی مقرر فرمایا تھا۔حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں: حضرت سعد نے عبدالرحمن سے فرمایا: میرے بھائی میں مدینہ شریف کے رہنے والوں میں مال ودولت میں سب سے بڑھ کر ہوں، لہذا تم میرے مال سے آدھا مال لے لو اور میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں جو آپ کو پسند ہو مجھے بتا دو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں تم اس سے نکاح کر لینا۔حضرت عبدالرحمن کے جذبۂ دروں پر قربان جائیے آپ نے جواب دیا: ''بارك الله لك فى أهلك ومالك دلونى على السوق'' اللہ آپ کے اہل وعیال اور مال میں خوب برکت دے، مجھ پر اتنا احسان کیجیے کہ یہاں کے بازار سے متعلق میری رہنمائی فرما دیجیے۔حضرت سعد نے ان کی مکمل رہنمائی فرمائی اور ان کی حیات کا دھارا بہہ نکلا۔

حضور کی ظاہری حیات میں بھی ان کا کاروانِ تجارت شاہِ راہ ترقی پر گامزن رہا اور بعد میں دنیا کے نقشے پر آپ ایک ایسے انسان بن کر ابھرے جس کی زندگی دینی حقوق کی ادائیگی میں کامل واکمل رہی اور محنت وجاں فشانی ورزق حلال کی تلاش میں کاہلی وسستی سے بہت دور نتیجۃً آپ ایسے کامیاب تاجر بنے کہ اگر مٹی پر ہاتھ لگاتے تو اس کے نیچے سونا پاتے۔

(رجال حول الرسول ص: ۳۴۴)

ترقی کا راز: ایک طرف آپ اپنی تجارت کو آگے بڑھانے کی کوشش میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے، دوسری طرف آپ نے اپنے اوپر رزق حلال کی تلاش اور حرام سے اجتناب کو لازم کر رکھا تھا، نہ صرف حرام بلکہ آپ مشتبہ چیزوں کے قریب بھی نہیں بھٹکتے تھے۔ دوسری خاص وجہ یہ تھی کہ یہ تجارت صرف عبدالرحمن کو نفع پہنچانے کے لیے نہ تھی بلکہ اللہ کے دین کا اس میں وافر حصہ تھا۔ اس کے ذریعہ رشتے جوڑے جاتے غربا و مساکین کے غم کو دور کیا جاتا اور خاص طور پر لشکر اسلام کو آراستہ کیا جاتا۔ لوگوں کی دولت وثروت کا تعارف ان کے منافع سے ہوتا لیکن عبدالرحمن بن عوف کے مال کا تعارف اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے سے ہوتا تھا۔ (ایضاً)

ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''عبدالرحمن تم اغنیا میں سے ہو اور تم جنت میں بیٹھ کر داخل ہو گے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرو تاکہ تمہارے قدم آزاد ہو جائیں''۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سننے کے بعد ایک زمین چالیس ہزار دینار میں بیچی اور اس کو اپنے اہل، امہات المومنین اور فقراے مدینہ پر صرف کر دیا۔

(رجال حول الرسول ص: ۳۴۵)

ان کا مال اور حضرت عثمان غنی: ایک دن آپ نے لشکر اسلام کے لیے پانچ سو گھوڑے عطا کیے اور دوسرے دن پندرہ سو اونٹ دیے۔ آپ نے اپنے وصال کے وقت پچاس ہزار دینار خیرات کرنے کی وصیت کی اور شرکاے بدر میں سے جو بقید حیات تھے ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دینے کی بھی وصیت کی۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس وصیت سے اپنا حصہ لیا۔ حالاں کہ آپ خود اسلام کے عظیم مال دار انسان اور سخاوت کے تاجدار ہیں۔ مال قبول فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا: ''عبدالرحمن کا مال حلال و پاک ہے اور اس کو کھانا عافیت و برکت کا سبب ہے''۔ (ایضاً)

مال و دولت کی فراوانی نے حضرت عبدالرحمن کی شخصیت پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالا تھا۔ نہ وہ صرف ایک تجارتی بن کر رہ گئے تھے کہ ان کو اسلام کے عروج و زوال سے کوئی ناطہ نہ ہو۔ وہ مال دار ضرور تھے لیکن ان کے مال نے انہیں بزدل نہیں بنایا تھا۔ وہ مصروف تھے لیکن مصروفیت نے انہیں اسلام کی ضروریات سے چشم پوشی کا درس نہیں دیا تھا۔ اس دعوے کی تصدیق کے لیے اتنا کافی ہوگا کہ اسلام کے ہر عظیم مؤرخ نے اپنی تاریخ میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہیں ایک مال دار یا مجاہد محض نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ کی قائدانہ صلاحیتیں بھی نگاہ نبوت سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ اور ان کی یہ صفت لوگوں کے مشاہدے میں اس وقت آئی جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک سریہ کا امیر بنا کر دومۃ الجندل روانہ کیا۔ آپ کی روانگی کا تذکرہ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب وغیرہ میں اجمالاً ہے لیکن ہم تفصیل کی غرض سے علامہ پیر کرم شاہ ازہری کا ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں جسے انہوں نے اپنی کتاب سیرت الرسول میں احمد بن زینی دحلان کی کتاب السیرۃ النبویۃ سے نقل فرمایا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

قائدانہ صلاحیت: ''۶ھ ماہ شعبان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو یاد فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ دومۃ الجندل جا کر بنی کلب قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیں۔ سات سو مجاہد آپ کے ساتھ روانہ کیے۔ انہیں رخصت کرنے سے پہلے اپنے سامنے بٹھایا جو عمامہ آپ نے باندھا ہوا تھا اسے کھول کر اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر باندھا، نیچے والا شملہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹکا دیا۔ پھر فرمایا: اے عوف کے فرزند! عمامہ اس طرح باندھا کرو۔ پھر فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر اس کے راستہ میں

رخصت ہو جاؤ جو اللہ کا انکار کرے اس کے ساتھ جنگ کرو اور کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا'' پھر مرشد انسانیت نے اپنا دستِ مبارک پھیلا دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! پانچ چیزوں سے بچو اس سے پیشتر کہ اللہ کا عذاب نازل ہو جب کسی قوم کا پیمانہ کم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط اور پیداوار کی کمی سے دوچار کر دیتا ہے تاکہ وہ راہ راست کی طرف لوٹ آئیں اور جب کوئی قوم اپنا وعدہ توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے اور جو قوم زکوٰۃ دینے سے ہاتھ روک لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بارش کا نزول روک لیتا ہے اور اگر بے زبان جانور نہ ہوں تو انہیں پینے کے لیے ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ وبائی بیماری طاعون کو مسلط کر دیتا ہے اور جو قوم احکام قرآنی کے بغیر فیصلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کی ملی وحدت پارہ پارہ کر دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر ظلم وتشدد کرنے لگ جاتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں، نوازشات اور توجہات کے سائے میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر حسبِ ہدایت انہوں نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ پہلے دن وعظ وتذکیر کا کوئی اثر نہ ہوا، دوسرے روز بھی آپ نے بڑی دل سوزی سے انہیں دعوت حق دی لیکن بے سود، وہ جنگ کرنے کے لیے تلواریں تیز کرتے رہے۔ تیسرے روز جب محمدی درویش نے اپنے رب قدیر کا نام لے کر نعرۂ حق بلند کیا تو کفر کے قلعہ میں شگاف پڑنے لگے ان کے رئیس نے سب سے پہلے دعوت اسلام کو قبول کیا یہ خود اور اس کا سارا قبیلہ نصرانی تھا سب سے پہلے اس نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی پھر تو اسلام لانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ چند آدمیوں کے علاوہ سارا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا اور جو لوگ عیسائیت پر اڑے رہے انہوں نے جزیہ دے کر اسلامی مملکت کا پرامن شہری بن کر رہنا منظور کر لیا۔

ان کے رئیس کا نام اصبغ بن عمرو الکلبی تھا۔ اس کی ایک دختر نیک اختر تھی اس کا نام تماضر تھا۔ اصبغ نے اس کا رشتہ برضا ورغبت حضرت عبدالرحمن کو دیا۔ آپ نے نبی رحمت کی

نصیحت کے مطابق اس سے نکاح کر لیا پھر یہ خوش نصیب بچی مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئی محبوب رب العرش العظیم کی زیارت کر کے شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئی۔ اس کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمن کو ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام ابوسلمہ رکھا گیا۔ اس کے بارے میں علماے جرح وتعدیل کی رائے ہے۔ ’’یہ حافظ تھے، ثقہ تھے، بکثرت حدیثیں روایت کرتے تھے، علما کے پیشوا تھے، تابعین کے سربرآوردہ تھے، ان کا نام عبداللہ تھا، ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی‘‘۔ (سیرت الرسول، جلد: ۴، صفحہ: ۱۱۴)

اللہ کا سلام عبدالرحمن کے نام: ہزارہا سلام ہوں حضرت عبدالرحمن کے مقام عظمت پر کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں رہتے ہوئے کائناتِ ہستی کے ان گنت فضائل اپنے دامن میں جمع کر لیے اور سب سے بڑی بات ہے کہ ان کا خالق ومالک حضور کے صدقے ان سے راضی ہو گیا، آپ تسلیم ورضا کے اس منصب جلیل پر فائز ہوئے کہ آپ کو رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے سلام کا تحفہ آیا۔ حضرت عبدالرحمن کے ایک تجارتی قافلے کا ذکر آپ سماعت کر آئے ہیں۔ ایسا ہی ایک اور قافلہ ملک شام سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات ظاہری میں مدینہ شریف پہنچا۔ وہ پورا قافلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا گیا، حضور کا بحر کرم جوش میں آیا اور غلام کے لیے دعا میں مصروف ہو گئے۔ دعا بھی آخرت کی سرمدی کامیابیوں کے متعلق، قاسم جنت کی دعا ختم ہوئی، حضرت جبرئیل نے نازل ہو کر عرض کیا: حضور! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ عبدالرحمن کو خدا کا سلام کہہ دیں اور انہیں جنت کی بشارت دے دیں۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۵۹)

رسول ان کے ضامن: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت فاطمہ کے گھر دیکھا، یہ ایک عجیب منظر تھا۔ حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھوک سے پیچ وتاب کھا رہے تھے، بھوک کی شدت سے رو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ’’من

یصلنا بشیئ" ہمارے ساتھ کون بھلائی کرے گا۔ اتنے میں دیکھا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ایک بڑے پیالے میں حسیس (ایک خاص قسم کا کھانا جسے کھجور اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے) اور روٹیاں وغیرہ لے کر چلے آرہے ہیں۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے دنیوی معاملات میں کفایت فرمادی۔ رہی آخرت تو اس کے لیے میں تمہارا ضامن ہوں۔ اس کو حافظ ابوالقاسم نے تخریج کیا ہے۔

(الریاض النضرۃ جلد ۴، صفحہ: ۲۵۹)

اس کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کون کرسکتا ہے جس کے حسن انجام کی ضمانت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خود لے لیں۔ اس حدیث پاک سے جہاں عبدالرحمن بن عوف کے مرتبہ کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رب قدیر نے یہ اختیار دیا ہے کہ حضور جس کی چاہیں آخرت کی ضمانت لے لیں۔

حضور کی دعا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبدالرحمن کے لیے دعا کی "بارک اللہ فی مالک وخفف علیک حسابک یوم القیمۃ" اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے اور قیامت کے دن تمہارا حساب آسان فرمائے۔ (الریاض النضرۃ جلد ۴، صفحہ: ۲۶۰)

حضور کی دعا کا اثر ان کے مال میں جس قدر ظاہر ہوا قارئین اچھی طرح واقف ہوچکے ہیں۔ رہی بات قیامت میں حساب کی تو یہ بھی سب پر عیاں ہے کہ آپ رجسٹرڈ جنتی ہیں ان کی میدان محشر میں جو شان ہوگی انشاء اللہ وہ تمام اہل محشر دیکھیں گے اور ان کے مقام پر رشک کریں گے۔

دارقطنی نے کتاب الاخوۃ میں حضور کی یہ دعا بھی روایت فرمائی ہے "**سقی اللہ ابن عوف من سلسبیل الجنۃ**" اللہ تعالیٰ جنت میں عبدالرحمن کو سلسبیل سے سیراب فرمائے۔ (الریاض النضرۃ جلد ۴، صفحہ: ۲۶۰)

ایمان کی مضبوطی: حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک جماعت پر عطاو بخشش کا دروازہ کھولا اور اس گروہ کے تمام افراد کو سرکار نے کچھ نہ کچھ مال عطا فرمایا۔ حسن اتفاق یہ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف خود بھی اس گروہ میں شامل تھے لیکن تعجب یہ تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں کچھ بھی عطا نہیں فرمایا۔ جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عمل کو عبدالرحمن نے ملاحظہ کیا تو گھبرا گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، بارگاہِ رسالت سے حاضری کے بعد جب واپس ہوئے تو آنسو ضبط سے باہر تھے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئ، فاروق اعظم نے فرمایا ''مایبکیک'' اے عبدالرحمن! رونے کا سبب کیا ہے؟ عرض کیا: آج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک گروہ کو جس میں میں خود بھی شامل تھا عطیات بخشے لیکن مجھے حضور نے کچھ عطا نہ فرمایا مجھے اس بات کا خوف ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں اور ناراضگی کی وجہ سے مجھ سے حضور کی عطا رک گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عبدالرحمن کا قصۂ غم حضور سے عرض کیا۔ حضور نے جواباً ارشاد فرمایا: میں عبدالرحمن سے ناراض نہیں ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ جن کو مال دیا ہے ان کے دلوں کو اسلام پر جمانا مقصود ہے اور عبدالرحمن کو ان کے ایمان کے سپرد کر دیا ہے۔ یعنی ان کا ایمان کافی مضبوط ہے تالیف قلب کی ضرورت نہیں۔ اس کو امام عبدالرزاق نے تخریج کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۸۵، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۶۰)

ماں کے پیٹ میں نیک بخت: حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عبدالرحمن پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور کچھ دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے فرمایا: میرے پاس ڈراؤنی شکل والے دو فرشتے آئے اور مجھ سے فرمایا: چلو عزیز امین کی بارگاہ میں تمہارا فیصلہ ہوگا۔ حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں پھر ان دونوں فرشتوں کی ملاقات ایک تیسرے فرشتے سے ہوئی تو اس نے ان دونوں سے کہا انہیں لے کر کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہم عزیز امین کی بارگاہ میں ان کا فیصلہ

کرائیں گے۔ تو اس فرشتے نے کہا تم دونوں ان کو چھوڑ دو۔ عبدالرحمن ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی سعید اور نیک بخت تھے۔

(الاِصابۃ جلد ۴، صفحہ: ۱۷۷، الریاض النضرۃ جلد ۴، صفحہ: ۲۶۱)

وفورِ علم: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام کے دورے پر نکلے جب مقام سرغ پر پہنچے تو پتہ چلا کہ ملک شام میں طاعون پھیل گیا ہے۔ اب سفر جاری رکھا جائے یا واپسی کیجائے اس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا، صحابۂ کرام مشورے میں باہم مختلف ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کی تائید فرمائی جنہوں نے واپسی کا مشورہ پیش کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس پلٹنے لگے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمن ضرورت کے تحت باہر گئے ہوئے تھے اور مجلس شوریٰ میں موجود نہ تھے۔ جب واپس آئے تو عرض کیا: میرے پاس اس تعلق سے حدیث پاک موجود ہے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے جب کسی جگہ یہ وبا پھیل جائے تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم وہاں پہلے سے ہی موجود ہو تو اس جگہ سے مت بھاگو۔ (صحیح البخاری کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، صحیح المسلم کتاب السلام باب الطاعون)

امیر المومنین حضرت عمر کا فیصلہ: ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شراب (خمر) نوشی سے متعلق کوئی معین حد مقرر نہیں فرمائی تھی اور شراب پینے والوں کو لاٹھیوں، جوتوں، درخت کی شاخوں اور کپڑوں سے مارتے تھے، مارنے کا کوئی عدد مقرر نہیں تھا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسّی (۸۰) کوڑے مقرر فرما دیے۔ بسا اوقات دو جوتے چالیس بار مارے جاتے تو اس سے یہ عدد اسّی حاصل ہو جاتا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر و اور حضرت ابو سعید خدری کی احادیث اور حضرت حسن بصری کی مراسیل سے ظاہر ہے لیکن اکثر صحابہ سے یہ امر مخفی رہا۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق دو جوتوں کو چالیس بار مار کر اسّی کا عدد پورا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر شراب

نوشی کی حد میں کوڑوں کا عدد مشتبہ تھا آیا وہ چالیس کوڑے ہیں یا اسّی کوڑے۔

(شرح صحیح مسلم، جلد: ۴، صفحہ: ۸۴۵)

جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو حضرت عمر نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے شراب نوشی کی حد اسّی کوڑے متعین کردی گئی۔ جیسا کہ امام مسلم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شراب (خمر) نوشی پر درخت کی شاخ اور جوتوں سے سزادی۔ پھر حضرت ابوبکر نے چالیس کوڑے مارے، پھر جب حضرت عمر کا دورِ خلافت آیا اور لوگ سبزہ زاروں اور دیہاتوں کے قریب رہنے لگے تو حضرت عمر نے کہا شراب نوشی کی حد (سزا) کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا میری رائے ہے کہ آپ اس کی کم سے کم حد مقرر کردیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد حضرت عمر نے شراب نوشی کی سزا میں اسّی (۸۰) کوڑے مارے۔ (صحیح المسلم، کتاب الحدود، باب حد الخمر)

خوفِ خدا: حضرت عبدالرحمن اگرچہ اپنے وقت کے رئیس اعظم تھے۔ لیکن دولت نے نہ تو ان کے دل کو پتھر کی طرح سخت بنایا تھا اور نہ ہی خشیتِ الٰہی میں کچھ کمی آئی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیمیا اثر صحبت سے جو گراں قدر محاسن ان کی ذات میں پیدا ہوئے تھے۔ دولت وثروت کی کثرت اس میں قدغن لگانے میں مکمل ناکام رہی تھی۔ ان کے دل کے نرم ہونے اور خوف خدا سے پگھلنے کی گواہی تو خود مخبر صادق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی ہے۔ موقع ہے تلاوت قرآن کا ایک قاری خوش الحان نے اپنی نرم ونازک آواز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کی اور صاحب قرآن بہ نفس نفیس محفل میں تشریف فرما ہیں۔ اس قاری کی آواز اور حسن قرأت میں اتنا سوز وگداز تھا کہ حاضرین میں ایک بھی ایسا نہ بچا جس کی آنکھیں بھر کر چھلک نہ گئی ہوں۔ مگر تعجب خیز معاملہ

یہ رہا کہ عبدالرحمن وہاں موجود ہیں لیکن ان کی آنکھیں آنسو بہانے میں بخیل ثابت ہوئیں اور ایک آنسو بھی ان کی آنکھ سے نہ نکلا یہ ماحول دیکھ کر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عبدالرحمن پر پتھر دل ہونے کا الزام عائد کر دیا جائے اور اگر صرف ظاہر بین لوگ ہی اس مجلس کے شرکار ہے ہوتے تو عبدالرحمن کو مذکورہ الزام سے دامن بچانا مشکل ہوتا۔ لیکن یہاں تو صدر محفل وہ ذات ہے جس کا گزر سرعرش اور نظر دل فرش پر ہے اور حاضرین اس کے دیدہ ور غلام ہیں۔ ایسی مجلس میں اس الزام کی گنجائش کہاں؟ غیب داں نبی نے فرمایا: ''إن لم یکن عبدالرحمن فاضت عینہ فقد فاض قلبہ'' اگرچہ عبدالرحمن کی آنکھ سے آنسو نہیں گرا ہے مگر ان کا دل پگھل چکا ہے۔ (أخرجہ الفضائلی، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۶۲)

ہزاروں سلام ہوں اس نبی امی فداہ ابی وامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جس کی نظر صرف آنکھ کے آنسو کو ہی نہیں دیکھتی، بلکہ دلوں میں پیدا ہونے والی کیفیات کو بھی ملاحظہ فرماتی ہے۔

رقت قلب: اب ہم بخاری شریف کے حوالے سے ایک حدیث نقل کر رہے ہیں جس سے حضرت عبدالرحمن کے اندر پائے جانے والے تقویٰ کا پتہ چلے گا اور ساتھ ہی ان کی شخصیت میں موجود تدبر و عبرت کے مادّے پر خاصی آگہی حاصل ہوگی، قاری کے دل و دماغ اور فکر و نظر کے دریچے کھلیں گے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عبدالرحمن بن عوف روزے سے تھے، جب ان کے سامنے (شام) کو کھانا رکھا گیا تو کہنے لگے حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا گیا وہ مجھ سے بہتر تھے۔ انہیں ایسی چادر میں کفن دیا گیا تھا کہ اگر ان کا سر چھپاتے تو پیر کھل جاتے اور اگر پیروں کو چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ (راوی کا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا) حضرت حمزہ بھی مجھ سے بہتر تھے جنہیں شہید کیا گیا۔ پھر ہمارے لیے دنیا خوب کشادہ کر دی گئی مجھے خوف ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں دیا جا رہا ہے یہ فرما کر آپ رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد)

حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت نے انہیں بہت نرم دل بنادیا تھا۔
دولت وثروت کے ڈھیر کے باوجود انہیں حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سادہ زندگی ہی پسند تھی اور کھانے میں تکلف سے حد درجہ مجتنب تھے۔ایک مرتبہ گوشت اور روٹی دیکھ کر رونے لگے لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا: حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی آل نے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔آپ کی سادگی کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن اپنے غلاموں کے درمیان پہچانے نہیں جاتے تھے۔(الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۶۲)

وصالِ پُرملال: حضرت عبدالرحمن بن عوف پر بھی وہ دن آیا جس سے کسی ذی روح کو فرار نہیں۔جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ زاروقطار رونے لگے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت حمزہ کو شہید کردیا گیا اور وہ مجھ سے بہتر تھے اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں شہید ہو گئے لیکن ان کے لیے پورا کفن بھی میسر نہ آسکا کہیں مجھے میری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں دیا جارہا ہے، مجھے کثرت مال کی بنیاد پر میرے ساتھیوں کی ملاقات سے روک تو نہیں دیا جائے گا۔(الاستیعاب ج ۱،ص: ۴۴۴)

(یہی واقعہ قارئین رقت قلب کے بیان میں پڑھ چکے ہیں لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ واقعہ تکرار کے ساتھ پیش آیا جیسا کہ صاحب ریاض النضرۃ کا بیان ہے)

سنِ وفات: آپ کی وفات ۳۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ایک قول ۳۲ھ کا بھی بیان کیا گیا ہے۔وقتِ وصال عمر شریف پچھتّر (۷۵) سال تھی۔بعض حضرات کے مطابق بہتر (۷۲) سال۔جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔آپ کی نماز جنازہ ان کی وصیت کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔(سیر اعلام النبلاء ج ۱،ص: ۹۲،الاستیعاب ج ۱،ص: ۴۴۵،الاصابہ ج ۴،ص: ۱۷۸،الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۲۶۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص عبدالرحمن بن عوف کے جنازے میں چلتے ہوئے

فرماتے "**واجبلاہ**" آہ علم وتقویٰ کا پہاڑ چل بسا۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱، ص:۹۰)

حضرت عبدالرحمن بن حمید سے مروی ہے کہ آپ کے وصال کے وقت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے پاس قاصد بھیجا جس کے ذریعہ آپ کو اجازت دی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے پاس بعد وصال آرام فرمائیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے ام المومنین! میں آپ پر آپ کا گھر تنگ کرنا نہیں چاہتا۔ میں اپنے دوست عثمان بن مظعون کے ساتھ رہوں گا۔ جیسا کہ ان سے میرا معاہدہ ہے۔ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر شریف پاس پاس ابن الرسول حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبۂ مبارکہ میں ہے۔ چاہیے کہ وہیں ان کی زیارت کی جائے۔ (الریاض النضرۃ ج۴، ص:۲۶۷)

مگر ہائے رے نجدی حکومت، اب وہ قبہ کہاں جسے دیکھ کر لوگ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے۔

اولاد: آپ کے اٹھائیس بیٹے اور آٹھ بیٹیاں ہیں۔ (الریاض النضرۃ ج۴، ص:۲۶۸)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

حضرت ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: ابوعبیدہ بن جراح اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایسے جلیل القدر صحابی ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت عطا فرمائی اور امین الامت کے پروقار لقب سے سرفراز فرمایا۔ یہی وہ عالی دماغ اور بلند ہمت صحابی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ ذات سلاسل میں فوجی امدادی ٹکڑی کا امیر منتخب فرمایا۔ جس میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کو آپ کے تابع فرمان بنایا۔ یہی وہ ہیں جن کے ایمان کو وہ درجۂ کمال حاصل ہوا کہ میدان بدر میں اپنے کافر باپ کو تہِ تیغ کرڈالا، باپ کی محبت بھی ایمان کی تلوار کو اپنا کام کرنے سے روک نہ سکی۔ انہیں کی بیعت پر یوم سقیفہ میں ابوبکر وعمر راضی تھے رضی اللہ عنہما، انہیں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اسلام کا سپہ سالار اعظم بنایا۔

نام ونسب: نام عامر، باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے۔ لیکن اپنی کنیت ابوعبیدہ سے زمانے بھر میں مشہور ہوئے اور آپ کو دادا کی طرف منسوب کرکے ابوعبیدہ بن جراح کہا جاتا ہے۔ والدہ کا نام امیمہ بنت غنم ہے۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۱۲۵، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف العین ج ۴، ص: ۱۱)

اسلام میں داخلہ: آپ اس وقت دامنِ اسلام میں پناہ گزیں ہوئے جب نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دار ارقم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ ہی حضرت عثمان بن مظعون، عبیدہ بن حارث، عبدالرحمن بن عوف، ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہم جلیل القدر صحابہ اسلام لائے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۴، ص:۱۱)

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ حضرت ابوبکر، ابوعبیدہ، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن مظعون اور ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہم کو لے کر نبی کریم کی بارگاہ میں پہنچے۔ ان حضرات نے حضور کے سامنے کلمۂ حق کا اعلان کیا۔ لہٰذا یہ تمام حضرات اسلام کے بلند پایہ محل کے وہ ستون ہیں جن پر اسلام کے قصر عالی کی تعمیر وجود میں آئی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص:۹۲)

قدوقامت: آپ کا قد لمبا، جسم پتلا، رخسار اندر کو دبے ہوئے، اور داڑھی ہلکی تھی۔

(رجال حول الرسول ص:۱۷۶)

آزمائش: جس انسان نے بھی تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ بات بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ اہل اسلام کی مکی زندگی مصائب وآلام سے بھری پڑی ہے۔ خاص کر وہ افراد جو دورِ اول میں داخل اسلام ہوئے وہ مصیبتیں جھیلنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ یہ خصوصیت ہے غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جو اتنی مصیبتیں جھیلنے کے بعد بھی اپنے مذہب پر ثابت قدم رہے، کفر وشرک کی سختیاں انہیں دین حق سے بال کے برابر بھی منحرف نہ کرسکیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ وحشیانہ مظالم برداشت کرتے رہے اور ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے۔

لیکن یہ آزمائش ومصیبت معرکۂ بدر میں اپنی ساری حدود کو عبور کرتے ہوئے انتہا کو پہنچ گئی اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں ان حالات سے دوچار ہوئے جہاں انسان کے لیے ثابت قدم رہنا تائید ایزدی اور توفیقِ ربانی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ انہوں نے ایسے حالات میں وہ کر دکھایا جن کے تصور سے وجود انسانی میں زلزلہ برپا ہوجاتا ہے اور سوچنے

والے کا دماغ باوجود اپنی فکری توانائی کے پس وپیش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ معرکۂ بدر کوئی معمولی سی جنگ یا چھوٹا سا جھگڑا نہیں، بلکہ وہ تو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن غزوے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں کفر اپنی قوت کے بل بوتے اسلام کو دنیا کے نقشے سے ہمیشہ کے لیے مٹانے کا عزم محکم کیے ہوئے ہے، تو دوسری طرف اسلام کے شیدائی اپنے خون کے آخری قطروں کے ساتھ اپنے مذہب کی سربلندی کے لیے میدانِ عمل میں اتر آئے ہیں۔ کوئی بھی فریق اپنی کوشش کل کے لیے بچا کر رکھنا نہیں چاہتا ایک ہزار سے زیادہ کفار کے مقابلے تین سو تیرہ مسلمانوں نے جس جرأت و ہمت، بے باکی و جواں مردی اور جنگی مہارت کا جو مظاہرہ کیا وہ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے اور اس کا انعام اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عظیم کی صورت میں عطا فرمایا۔

جنگ بدر میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کے عظیم سپاہی کی حیثیت سے برسر پیکار ہیں۔ جدھر جاتے ہیں قریش کے گھوڑ سواروں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں اور کوئی بھی سورما ان کا سامنا کرتا نظر نہیں آتا لیکن ایک شخص کفار کے لشکر میں ایسا ضرور ہے جو ابوعبیدہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس سے نظر بچاتے ہوئے اپنا رخ بدل لیتے ہیں ایسا ایک مرتبہ نہیں بار بار یہی منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے، ادھر جنگ کے شعلوں میں تیزی اور مزید تیزی پیدا ہوتی جا رہی ہے، اور ایسے وقت میں وہ شخص ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا راستہ بند کر دیتا ہے، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دشمنانِ خدا کے درمیان آڑ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لیے اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا ان نازک لمحات میں وہ اپنی تلوار کو خاموش نہیں دیکھ سکتے تھے انہوں نے اپنی تلوار کو حرکت دی، پوری قوت کے ساتھ وار کیا اور اس شخص کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ کیا آپ جانتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس کا سر اور تن الگ الگ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑے ہوئے ہیں؟ وہ کوئی دور کا رشتہ دار نہیں ابوعبیدہ کا باپ تھا۔ شاید آپ سوچتے ہوں گے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا، نہیں! حقیقت یہ ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

نے اپنے باپ کے روپ میں کفر وشرک کے ایک دیوتا کوز میں بوس کر دیا۔

کیا تاریخ عالم حق کی حمایت کا یہ جذبہ مذہب اسلام کے دامن کے سوا اور کہیں دکھا سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وہ محبت جو انہیں اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور دین حق کے ساتھ ہے جس کے نتیجے میں کافر باپ ان کی تلوار سے واصل جہنم ہوا۔ کتنی قابل مبارک باد، لائق صد تحسین اور قابل تقلید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت کو قرآن پاک میں بیان فرمایا اور آیت کریمہ نازل ہوئی:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾" ﴿المجادلۃ ۲۲﴾

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں، اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخالفت کی، اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے۔ (الاصابۃ ج ۴، ص: ۱۱، حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص: ۱۰۱، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۹۳)

شان امانت: جب انسان ایمان وایقان کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو جاتا ہے تو اس سے ایسے کارناموں کا صدور (جو زمانے کو حیرت میں مبتلا کر دیں) کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول میں تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت میں مثالی اور نمایاں مقام پر فائز تھے۔ انہیں جو امتیازی شان حاصل تھی اس کو پانے کے لیے بڑے بڑے صحابہ بھی تمنا کیا کرتے تھے۔ ہم اپنے اس دعوے کو حدیث

پاک کے ذریعہ ثابت کررہے ہیں:

محمد بن جعفر بیان کرتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نصاریٰ کا ایک وفد حاضر ہوا، انہوں نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ اپنے ایک پسندیدہ صحابی کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان معاملات کا تصفیہ کرے، اور فیصل وحکم کی حیثیت سے ہمارے درمیان موجود رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "إيتوني العشية ابعث معكم القوي الأمين" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نام تو نہ لیا کہ آپ کس صحابی کو ان کے ساتھ بھیجیں گے لیکن جانے والے کے عمدہ اوصاف بیان فرمائے کہ جانے والا دیانت وامانت کا خوگر، ارادہ وعمل کی توانائیوں کا سرچشمہ ہوگا۔ سامعین میں وہ حضرات تھے جو ہر قسم کی نیکی کو اپنے دامن میں جمع کرلینا چاہتے تھے۔ یہ تو عظیم تمغۂ ایمانی اور امانتی اقدار کا سرٹیفکیٹ تھا جو وفد نصاریٰ کے ساتھ جانے والے کو دیا جارہا تھا۔ کیوں نہ ہر نفس اس کی طرف مائل ہوتا اور ہر جان اس کی خواہش کرتی۔ اسے لے کر صحابہ کا اشتیاق حد کمال پر تھا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنہوں نے امارت کی تمنا وجاہت کے لیے کبھی نہیں کی، لیکن ایسے مواقع جہاں اللہ ورسول سے الفت ومحبت اور معاملات میں امانت ودیانت کی سند حضور کی زبان سے مل رہی ہو ضرور انہیں اس کے حصول کی متمنی بنادیتے تھے۔ چناں چہ ان کے دل میں یہ حسرت اپنے شباب پر پہنچ گئی کہ حضور مجھے ان کے ساتھ بھیج دیں تاکہ میں ان اوصاف کا حامل بن جاؤں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور اپنے دائیں بائیں صحابہ پر نظر ڈالنے لگے حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں اُچک اُچک کر حضور کی نظر میں آنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میں نہیں بلکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضور کی نظر کا انتخاب ٹھہرے۔ انہیں حکم ملا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چلے جاؤ اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرتے رہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا: ابوعبیدہ نے اس عظیم خیر کو اپنے دامن میں جمع کرلیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱ ص:۱۱، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۹۴)

مشقت جہاد: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو صرف ایک امانت دار شخص ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک جری، بہادر اور فولادی ارادہ رکھنے والے انسان کی حیثیت سے بھی ابوعبیدہ کو بارگاہِ رسالت میں پذیرائی حاصل تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کئی موقعوں پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جماعت مسلمین کا امیر منتخب فرمایا۔ ابوعبیدہ نے نبی کی دی ہوئی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا اور اپنے عزم وحوصلہ اور مضبوط ارادوں سے مسلمانوں کا دل جیت لیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ان ارادوں کو دیکھ کر رحمت خداوندی نے انہیں اپنے سایوں میں لے لیا۔

آپ سراپا حیرت بن جائیں گے جب آپ آنے والی سطور کے آئینے میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو دیکھیں گے جہاں ان کا عزم، حوصلہ، خلوص، استقامت، توکل اور ان پر اللہ کا انعام ساری چیزیں ایک ساتھ دکھائی دیں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا اور ہمیں ایک جراب (تھیلا) کھجوریں عطا فرمائیں یہی ہمارا توشہ تھا، اس کے سوا ہمیں کچھ نہ دیا گیا''۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لشکر کے ہر فرد کو اپنی حکمت عملی کے تحت ایک ایک کھجور روزانہ کھانے کو دیا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سامعین میں سے ایک نے سوال کیا آپ لوگ ایک کھجور پر زندگی کیسے بسر کر لیتے تھے؟ اس پر حضرت جابر نے فرمایا: ہم لوگ اسے ایسے چوستے تھے جیسے کہ بچہ ماں کے پستان کو چوستا ہے۔ کھجور چوس کر پانی پی لیتے تھے یہ ایک کھجور ہمیں صبح سے لے کر رات تک کافی ہو جاتی تھی۔ مزید فرمایا: اس ایک کھجور کی اہمیت ہمیں اس وقت معلوم ہوئی جب کھجوریں ختم ہو گئیں اور کھانے کو کچھ نہ بچا تو ہم لوگ درخت کے پتے توڑتے اور پانی کے ساتھ ان کو کھاتے۔

عظیم مچھلی: قارئین غور کر سکتے ہیں! جہاد وہ بھی ایک کھجور پر، بعد میں وہ بھی میسر نہیں! درخت کے پتے جو جانوروں کی غذا بنتے ہیں انہیں مجاہدین نے اپنی غذا بنا لیا اور

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اللہ کی راہ میں ڈٹے رہے۔ حقیقت میں یہ ان جاں بازوں کے صبر کا امتحان تھا جس میں غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مکمل کامیاب ہوئے، پھر اللہ نے ان کی مدد فرماتے ہوئے ان کے رزق کا بہترین انتظام فرمایا۔ راوی حدیث فرماتے ہیں: ''ہم ساحل سمندر کی طرف نکلے، ہماری نگاہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا، سمندر نے ہمارے لیے ایک بہت بڑی مچھلی کنارے پر نکال کر ڈال دی ہے اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب اس مچھلی کو دیکھا تو پہلے فرمایا: یہ مردہ ہے لیکن غور کرنے کے بعد فرمایا: ہم اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرستادہ ہیں اور اللہ کی راہ میں نکلے ہیں ہمارے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔ لہٰذا لشکر کو کھانے کا حکم دے دیا گیا ہم تین سو لوگ تھے ایک ماہ تک اس کو کھاتے رہے پھر بھی یہ مچھلی ختم نہ ہوئی۔ مدینہ شریف کو واپس ہوتے ہوئے مجاہدین نے اس کے پارچے بنا کر سکھا لیے اور انہیں توشہ کے طور پر اپنے ساتھ رکھا۔ یہ مچھلی حیرت انگیز جسامت رکھتی تھی اس کی جسامت کی کیفیت دوسرے لوگوں سے بیان کرنے کے لیے ابوعبیدہ نے مچھلی کی آنکھ کے حلقہ میں جب اپنے ساتھیوں کو بٹھانا شروع کیا تو اس حلقہ میں تیرہ لوگ جا بیٹھے۔ لوگ آنکھ کے حلقہ سے مٹکے بھر بھر کے چربی نکالتے اور اس کا استعمال کرتے، اسی پر بس نہیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے کانٹے کو کھڑا کرنے کا حکم دیا، کانٹا کھڑا کیا گیا تو اس کے نیچے سے لشکر کا سب سے لمبا اونٹ اپنے کجاوے کے ساتھ گزر گیا۔

جب صحابہ مدینہ واپس آئے اور سرکار سے اس کا ذکر کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہورزق اللہ اخرجہ لکم'' وہ اللہ کی طرف سے تمہارے رزق کا انتظام تھا اگر تمہارے پاس اس کا کچھ حصہ باقی ہو تو مجھے بھی کھلاؤ۔ غلاموں نے جو تھا اسے حاضر کر دیا آقا نے اس میں سے تناول فرمایا۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۹۵) (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے قدرے فرق سے روایت کیا ہے) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی جرأت و بہادری کا ایک اور واقعہ ہم قارئین کی نذر کر رہے ہیں:

دانت اکھڑے خوبصورتی بڑھی: احد کے معرکہ کو کون نہیں جانتا جہاں بعض صحابہ کی ایک لغزش سے جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور فتح و کامیابی ظاہری شکست و ہزیمت میں تبدیل ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مجاہدین کے قدم میدان سے اکھڑ گئے لیکن جو چند صحابہ سرکار کے ساتھ ثابت قدم تھے اور حضور پر اپنی جان نثار کر رہے تھے ان میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری، جلد: ۹، صفحہ: ۱۳۲ پر علامہ واقدی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے: سات مہاجرین حضور کے ساتھ باقی رہے جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

ابوعبیدہ کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور جاں نثاری کا جذبہ بیان سے باہر ہے۔ آپ عشق رسول کے پیکر مجسم تھے۔ حضور پر جاں فدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ میدانِ احد کو ایک بار پھر ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کئی زخم لگے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشانی زخمی ہوئی، مقدس دانت ٹوٹ گیا، اور آپ کی زرہ (جنگ میں حفاظتی لباس) کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں پیوست ہوگئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا نکالنے کے ارادے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ابوعبیدہ ابوبکر کے ارادے کو سمجھ گئے اور بول اٹھے ابوبکر تمہیں قسم ہے کہ تم اس پر اپنا ہاتھ لگاؤ اسے میرے لیے چھوڑ دو، یہ خدمت میں انجام دینا چاہتا ہوں، ابوبکر رضی اللہ عنہ ہٹ گئے اور یہ خدمت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ ابوعبیدہ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ زرہ کی کڑیاں اپنے ہاتھ سے نکالیں کیوں کہ اس میں زیادہ تکلیف کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا ایک کڑی کو اپنی ثنایا یعنی اپنے سامنے کے دانتوں سے مضبوط پکڑ کر کھینچ لیا زرہ کی ایک کڑی سرکار کے رخسار سے باہر آ گئی۔ لیکن ساتھ ہی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دونوں دانت بھی منہ سے باہر آ گئے۔ پھر دوسری کڑی کو سامنے کے دوسرے دو دانتوں سے پکڑ کر باہر نکال دیا اور ابوعبید رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں دانت بھی منہ سے باہر آ گئے۔

جذبۂ جاں نثاری سے سرشار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چار دانت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان کر دیے۔ اب اللہ کے نبی کا معجزہ دیکھیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ابوعبیدہ کے حسن پر منفی اثر پڑتا اور سامنے کے دانت نکلنے سے خوبصورتی کم ہو جاتی لیکن یہاں معاملہ الٹ گیا دانت نکل گئے اور خوبصورتی بڑھ گئی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا تھا "ما رای ہتم قط احسن من ہتم ابی عبیدۃ" ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سب سے خوبصورت تھے جن کے اگلے دانت ٹوٹ گئے ہوں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۸، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۹۵)

ابوعبیدہ کا خلافت سے انکار: حضرت ابوعبیدہ بن جراح سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں حضور کے ساتھ رہے اور تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، حضور اس حال میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے کہ آپ ابوعبیدہ سے راضی تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد خلافت کو لے کر مہاجرین وانصار کے درمیان جو اختلاف چل رہا تھا اس وقت حضرت ابوبکر نے اختلاف کو مٹانے کے لیے فرمایا: میں دو لوگوں میں سے ایک پر راضی ہوں، تم چاہو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لو، اور چاہو تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو خلیفہ بنا لو، اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ابوعبیدہ کی بیعت پر راضی تھے اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا لیکن ابوعبیدہ نے حضرت ابوبکر کی اولیت اور بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت اور قرب منزلت کو دیکھتے ہوئے خود خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب ابی بکر وابی عبیدۃ ج ۴ ص: ۲۹۶ مع حاشیۃ، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۹۵)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں ابوعبیدہ: بخاری کتاب المناقب میں حضرت انس سے مروی ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ سے مروی حدیث میں اللہ کے رسول نے

فرمایا: ''کیا ہی عمدہ انسان ہیں ابوبکر، کیا ہی عمدہ انسان ہیں عمر اور کیا ہی عمدہ انسان ہیں ابوعبیدہ بن جراح''۔ (باب مناقب معاذ بن جبل)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عبداللہ بن شقیق نے سوال کیا، سرکار کو سب سے زیادہ محبوب صحابی کون تھے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابوبکر۔ پوچھا گیا ان کے بعد؟ فرمایا: حضرت عمر پھر سوال کیا گیا ان کے بعد؟ فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح۔
(سنن ابن ماجہ باب فضل عمر)

قارئین کرام ان احادیث کو ملاحظہ کرنے کے بعد ضرور اس نتیجے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ ابوعبیدہ کو بارگاہِ رسالت میں جو مقام حاصل ہے وہ صحابہ کی مقدس جماعت میں بھی بہت کم افراد کو حاصل ہے۔ اب ہم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں آپ کے بلند مقام کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر کی نظر میں ابوعبیدہ کا مقام: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت تمام صحابہ نے کرلی، اور آپ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے، تو ابوعبیدہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مطیع وفرماں بردار بن کر رہے۔ بلکہ ان کے خاص معتمدین میں سے ایک تھے۔ مسلمانوں کے قافلے اور وفد دور دراز مقام سے بارگاہِ خلافت میں مسلمانوں کی مدد کے لیے حاضر ہوتے تو حضرت ابوبکر انہیں میں سے ایک کو ان کا والی مقرر فرما کر کہتے: جس امیر کو تم پسند کرو اس سے جا کر مل جاؤ۔ لوگ عرض کرتے حضور آپ ہی ہمارے لیے راہ متعین فرمادیں۔ تو آپ فرماتے تم ایسے انسان کو اختیار کرو جس کا دل بڑا نرم ہے، حلم وبردباری اس کی زیست کا عنوان ہے، اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ بدلے میں ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی اس کے ساتھ بدخوئی سے پیش آئے تو وہ معاف فرمادیتا ہے، کوئی اس سے رشتہ توڑتا ہے تو وہ اس سے رشتہ جوڑ لیتا ہے، مسلمانوں پر مہربانی کے بادل برساتا ہے اور کفار پر سختی کے خنجر چلاتا ہے، اس کا نام ابوعبیدہ بن جراح ہے، جاؤ تم لوگ اسی سے جاملو۔
(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴، ص: ۲۹۶)

ابوعبیدہ حضرت عمر کی نگاہ میں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن اپنے ہم نشینوں سے ارشاد فرمایا: آپ لوگ اس چیز کی تمنا کریں جو آپ کو پسند ہو۔ اسلام کے لیے دھڑکتا ہوا دل رکھنے والے ایک ذی ہوش انسان نے اپنی تمنا ان الفاظ میں امیر المومنین کے سامنے ظاہر کی ''لوان ہذہ الدار مملوءۃ ذہباً انفقتہ فی سبیل اللہ'' اے امیر المومنین! خدمت دین کے تعلق سے میری یہ تمنا ہے کہ یہ گھر سونے سے بھر جاتا اور میں اس کا مالک ہوتا اور پھر میں اس مال کو راہ خدا میں خرچ کر دیتا۔ امیر المومنین نے فرمایا: پھر تمنا کرو۔ دوسرے غیرت اسلامی کے امین اپنی تمنا ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کاش! یہ گھر موتی، زبرجد اور ہیرے جواہرات سے بھر جاتا تو میں ان سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتا۔ امیر المومنین نے مزید فرمایا: اور تمنا کرو تو شرکاے اجلاس عرض کرتے ہیں نہیں معلوم کہ ہم آپ کے سامنے کیا تمنا کریں۔ (آپ خود ہی ارشاد فرمائیں) اس وقت حضرت امیر المومنین نے اپنی تمنا اور دلی خواہش لوگوں کے سامنے ظاہر فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "لو ان هذه الدار مملوءة رجالاً مثل ابی عبيدة بن جراح" کاش یہ گھر ابوعبیدہ بن جراح جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہوتا جو دین متین کی خدمت انجام دیتے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۹۸)

شام جاتے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام سرغ پر پہنچے تو خبر ملی کہ ملک شام میں وباے شدید پھیلی ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا: اگر اس وقت میرا انتقال ہو گیا اور ابوعبیدہ زندہ رہے تو میں ابوعبیدہ کو خلیفۃ المسلمین مقرر کروں گا اور میدان محشر میں میرا رب مجھ سے پوچھے گا اے عمر! ابوعبیدہ کو خلیفہ کیوں بنایا؟ تو عرض کر دوں گا اے میرے مولیٰ! میں نے تیرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ہیں۔ لہٰذا میں نے امین امت کو امت پر والی مقرر کر دیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱،ص:۱۰)

بارگاہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آپ کی مقبولیت اور علو مرتبت کی اس سے بڑی دلیل

اور کیا ہوگی کہ جب آپ نے اپنی حکمت عملی کے تحت حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالار اعظم کے عہدے سے سبک دوش فرمایا تو آپ کی نظر انتخاب میں اس عہدے کے لیے امین امت سے موزوں اور کوئی صحابی نہ تھے۔

کمانڈر ان چیف: خلیفہ بن خیاط نے فرمایا: ابوعبیدہ کو حضرت ابوبکر نے بیت المال کا والی بنایا تھا۔ پھر اس کے بعد ۱۳ھ میں آپ کو امیر بنا کر شام روانہ فرمایا۔ اسی دوران حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے حضرت خالد کو معزول کر کے ابوعبیدہ کو اسلامی فورس کا چیف جرنل مقرر فرمادیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۵)

اختلاف رائے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوعبیدہ بن جراح سے اختلاف رائے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ امیر المومنین کی نگاہ میں ابوعبیدہ صاحب رائے اور بڑے علم وفضل کے مالک تھے۔ ہم اپنے اس دعوے کو ایک طویل حدیث سے ثابت کر رہے ہیں۔ جسے امام بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ قارئین حدیث کو پڑھ کر دوسرے فوائد پر بھی مطلع ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے، جب وہ مقام سرغ پر پہونچے تو اسلامی لشکر میں سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھی ملے انہوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھیل گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے فرمایا، مہاجرین اولین کو میرے پاس بلا کر لاؤ! میں انہیں بلا کر لایا حضرت عمر نے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ ملک شام میں وبا پھیل گئی ہے تو ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔ بعض حضرات کا کہنا یہ تھا کہ آپ جس کام کے لیے نکلے ہیں اسے پورا کیے بغیر واپس ہو جانا مناسب نہیں ہے۔ جب کہ بعض نے یہ رائے پیش کی کہ آپ کے ہمراہ وہ لوگ ہیں جن کا وجود غنیمت ہے اور وہ ہیں نبیٔ کریم کے اصحاب۔ ہمارے خیال میں یہ مناسب نہیں کہ آپ انہیں وبائی علاقہ میں لے

جائیں۔حضرت عمر نے (بعد مشورہ) فرمایا: آپ لوگ تشریف لے جائیں۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا: انصار کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔حضرت ابن عباس انہیں بلا کر لے آئے حضرت عمر نے ان سے مشورہ فرمایا تو مہاجرین کی طرح ان کی رائے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگئی، حضرت عمر نے انہیں بھی تشریف لے جانے کا حکم فرمایا۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا: میرے پاس قریش کے ان عمر رسیدہ حضرات کو لاؤ جنہوں نے فتح مکہ کے قریب ہجرت کی تھی۔حضرت ابن عباس انہیں بلا کر لے آئے۔ان کی رائے ایک تھی اور اختلاف سے خالی انہوں نے کہا ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں اور لوگوں کو وبائی علاقہ میں نہ لے جائیں۔اس کے بعد حضرت عمر نے اعلان کروادیا کہ میں واپس چلا جاؤں گا۔لوگوں نے بھی واپسی کی تیاری کرلی اس پر ابوعبیدہ بن جراح بولے کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بچنا چاہتے ہیں؟

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ بن جراح سے اختلاف رائے پسند نہیں تھا۔تاہم انہوں نے کہا: اے ابوعبیدہ! کاش یہ بات آپ کے سوا کسی اور نے کہی ہوتی۔سنو! ہم اللہ کی مقرر کردہ ایک تقدیر کو چھوڑ کر دوسری تقدیر کی طرف جارہے ہیں۔آپ کا کیا خیال ہے، اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں اور آپ کسی ایسی وادی میں پہنچ جائیں جس کے دو کنارے ہوں جن میں سے ایک سرسبز وشاداب ہو اور دوسرا بنجر، کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر آپ اپنے اونٹ کو سبز حصے میں چراتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق ہے اور اگر اسے بنجر حصے میں چراتے ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق ہوگا۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمن بن عوف جو اپنے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہاں موجود نہ تھے وہ تشریف لے آئے۔وہ (یہ سب سن کر) بولے، اس بارے میں مجھے ایک حدیث یاد ہے۔میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے اگر تمہیں کسی علاقے میں ایسی وبا کی موجودگی کا پتہ چلے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر یہ تمہارے علاقہ میں پھیل جائے تو تم وہ جگہ چھوڑ کر

نہ جاؤ۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر واپسی اختیار کی۔ (صحیح البخاری، باب مایذکر فی الطاعون، صحیح المسلم باب الطاعون)

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں اس حدیث کے تحت بیان فرمایا کہ حضرت عمر کے قول: اے ابوعبیدہ! کاش یہ بات تمہارے سوا کسی اور نے کہی ہوتی اس کے دو معنی ہیں۔

(۱) یہ بات اگر تمہارے سوا اے ابوعبیدہ کوئی اور کہتا تو میں اس کی تادیب کرتا کیوں کہ یہ ایک مسئلہ اجتہادیہ پر اعتراض ہے۔

(۲) اے ابوعبیدہ! تم جیسے صاحبِ علم وفضل کا یہ بات کہنا قابل تعجب ہے۔

اخلاق: آپ نہایت ہی نرم خو تھے، عفو ودرگزر، حلم و بردباری آپ کی زندگی کا لازمہ تھی۔ کسی سے بدلہ لینے کا جذبہ آپ کے اندر موجود نہ تھا، امور مسلمین میں خیر سگالی کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے۔ اپنی ذات کو بھول کر مسلمانوں کے مفاد کی فکر کرنا، اپنا جھنڈا اونچا کرنے کے بجائے اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ابوعبیدہ کی خصلت تھی۔ آنے والا واقعہ اس کی بہترین دلیل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ کو امیر لشکر بنا کر غزوۂ ذات سلاسل میں عمرو بن عاص کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ ابوعبیدہ اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہونچے جہاں عمرو بن عاص اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ جب حضرت عمرو سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا تم لوگ میری مدد کے لیے آئے ہو لہٰذا میں تمہارا امیر ہوں۔ مہاجرین اس بات پر راضی نہ تھے وہ بولے کہ آپ اپنے لشکر کے امیر ہیں، ہمارے امیر تو ابوعبیدہ ہیں اگر اس وقت ابوعبیدہ کی نگاہوں کے سامنے اسلام اور اہل اسلام کی فلاح وخیر کی بالادستی نہ ہوتی تو تنازع کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا اور قوم شدید نقصان سے دوچار ہو جاتی۔ لیکن ابوعبیدہ نے اپنی خو اور خصلت کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ عمرو بن عاص کی امامت کو آپ نے قبول کرلیا اور مسلمانوں کو انتشار سے بچالیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱، ص۹)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قریش کے تین انسان چہروں کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ اخلاق میں سب سے عمدہ، اور خیار میں سب سے بڑھ کر

ہیں۔ اگر وہ تم سے بات کریں گے تو جھوٹ نہیں بولیں گے اور اگر کوئی ان سے بات کرے تو اس کی تکذیب نہیں کریں گے۔ وہ ہیں ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان اور ابوعبیدہ بن جراح۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۹۸)

زہد وتقویٰ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام کا دورہ فرمایا تو ابوعبیدہ بن جراح سے ملاقات کی اور فرمایا: ابوعبیدہ چلو مجھے اپنی قیام گاہ دکھاؤ۔ حضرت ابوعبیدہ نے عرض کی آپ قیام گاہ دیکھ کر کیا کریں گے؟ سوائے اس کے کہ آپ کی آنکھیں آنسو بہائیں آپ کو اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن حضرت عمر کی ضد، آخر ابوعبیدہ انہیں لے کر اپنی قیام گاہ میں داخل ہوئے تو حضرت عمر کو وہاں آلات حرب کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدہ سے ساز وسامان اور اشیائے خوردنی سے متعلق جب سوال کیا تو ابوعبیدہ نے ایک مٹکے میں رکھے روٹی کے سوکھے ٹکڑے نکال کر امیر المومنین کو دکھا دیے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عمر ضبط نہ کر سکے اور بلا اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ابوعبیدہ نے کہا میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ مزید کہا امیر المومنین! ہم آرام پرست بننا نہیں چاہتے۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا ''غرتنا الدنیا کلنا غیرک یا ابا عبیدۃ'' اے ابوعبیدہ! ہم میں سے ہر ایک کو دنیا نے دھوکا دیا مگر تمہیں دنیا بدل نہ سکی۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۹۹)

پوشیدہ امارت: جب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا اور حضرت عمر خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت عمر نے حضرت خالد کو معزول کر دیا۔ ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ کو مقرر فرما دیا اور حکم نامہ ابوعبیدہ کی طرف روانہ کر دیا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ نے وہ خط چھپا لیا جو ان کے حق میں ولایت نامہ تھا اور خالد کے حق میں معزولی کا پروانہ، نہ خالد کو اس کے بارے میں کچھ بتایا اور نہ ہی کسی اور کو یہاں تک کہ جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی اور حضرت خالد نے اہل دمشق کو امان عطا فرما دی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خالد معزول ہو چکے ہیں اور ابوعبیدہ لوگوں کے امیر ہیں اور لوگ حقیقت حال سے ناواقف

ہیں۔تقریباً بیس دن کے بعد حضرت خالد کو اس بات کا علم ہوا۔خالد بن ولید ابوعبیدہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے ابوعبیدہ! اللہ آپ پر رحمت نازل کرے، جب آپ کے پاس امیر المومنین کا خط پہنچ گیا اور انہوں نے آپ کو والی متعین فرمادیا تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ آپ میرے پیچھے نماز بھی پڑھتے رہے جب کہ حقِ امامت آپ کو حاصل تھا۔تو حضرت ابوعبیدہ نے جواب دیا: اے خالد! اللہ آپ پر بھی رحمت نازل فرمائے میں آپ کو خود بتانا نہیں چاہتا تھا جب تک کہ آپ کو کسی اور طرح پتہ نہ چل جاتا اور مجھے یہ بھی پسند نہ تھا کہ میدانِ جنگ میں کوئی رکاوٹ پیش آئے۔نہ مجھے دنیا کی حکومت کی خواہش ہے نہ دنیا کے لیے میں عمل کرتا ہوں اور جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب فنا ہو جائے گا۔ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لیے زندہ ہیں، جس پر کسی دوسرے کو والی بنایا جائے اسے نہ دین میں کوئی نقصان ہے نہ دنیا میں البتہ جس کو والی بنایا گیا وہ آزمائش کے زیادہ قریب ہے مگر یہ کہ اللہ اس کی حفاظت فرمائے یہ کہتے ہوئے امیر المومنین کا خط حضرت خالد کی طرف بڑھا دیا۔(الریاض النضرۃ ج ۴، ص:۲۹۹)

دنیا والے حکومت حاصل کرنے اور عہدے پانے کے لیے مرنے اور مارنے کو تیار ہیں لیکن یہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہیں منصب حاصل ہونے کے بعد بھی اسے پانے کی کوئی جلدی نہیں بلکہ جان بوجھ کر اس سے دوری بنائے رکھتے ہیں۔سیرت کے یہ نقوش اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے سوا اور کہاں ملیں گے۔ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

خوفِ خدا: حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے: ایک شخص حضرت ابوعبیدہ کے پاس پہنچے انہوں نے دیکھا کہ ابوعبیدہ رو رہے ہیں۔عرض کیا: آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ ابوعبیدہ نے جواب دیا: میرے رونے کی وجہ ایک حدیث رسول ہے اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مسلمانوں کو حاصل

ہونے والی فتوحات کا ذکر فرمایا۔اسی درمیان ملک شام کا تذکرہ کرتے ہوے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! اگر تم اس وقت موجود رہو تو تمہارے لیے تین خادم کافی ہوں گے۔ایک خادم تمہاری خدمت کے لیے دوسرا تمہارے ساتھ سفر کرنے کے لیے اور تیسرا خادم تمہارے گھر والوں کے لیے،اور تین جانور تمہارے لیے کافی ہوں گے۔ ایک جانور تمہاری سواری کے لیے، دوسرا تمہارے ساز وسامان کے لیے اور تیسرا تمہارے خادم کے لیے،لیکن جب میں آج اپنے گھر کا جائزہ لیتا ہوں تو اسے غلاموں سے بھرا ہوا پاتا ہوں اور میرا باڑا گھوڑوں اور دوسرے جانوروں سے بھرا پڑا ہے۔ مجھے یہ فکر ہے کہ میں حضور سے کیسے ملاقات کروں گا۔مزید یہ کہ سرکار نے فرمایا ہے میرا سب سے پیارا اور قریبی وہ ہوگا جو مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے جس حال پر میں اس سے رخصت ہوا تھا۔ (الریاض النضرۃ ج ۴،ص: ۳۰۰)

سادگی: حضرت ابوعبیدہ باوجودیکہ اسلامی فورس کے سپہ سالار اعظم تھے لیکن ایک عام آدمی کی سی زندگی گزارتے تھے، جو تکلف اور تصنع سے کلی طور پر خالی تھی۔جس وقت آپ رومیوں سے برسر پیکار تھے رومیوں نے عاجز ہو کر صلاح کی پیش کش کی اور اپنے قاصد کو بھیجنے کی اجازت چاہی مسلمانوں نے ان کے قاصد کو آنے کی اجازت عطا فرمادی۔ رومیوں نے ایک لمبے قد والے گھوڑے پر خوبصورت آدمی کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا، جب یہ قاصد اسلامی فوج میں داخل ہوا، فوج پر نظر ڈال کر ابوعبیدہ اسلامی چیف جرنل کو پہچاننے کی کوشش کی، مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔آخر اسے پوچھنا پڑا تمہارے امیر کہاں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا وہ جو سامنے بیٹھے ہیں وہی ہمارے امیر ہیں قاصد نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی نگاہ ایک ایسے انسان پر جا کر ٹک گئی جو زرہ پہنے ہوئے ہے، پاس ہی میں اس کا گھوڑا کھڑا ہے، ہاتھ میں تیر وکمان ہے، اور بڑی متانت کے ساتھ زمین پر بیٹھا ہے۔ قاصد نے پوچھا آپ ہی مسلمانوں کے امیر ہیں؟ ابوعبیدہ نے جواب دیا: ہاں! مجھے ہی مسلمانوں کی خدمت سونپی گئی ہے۔قاصد نے عرض کیا: آپ کے زمین پر بیٹھنے کی وجہ کیا

ہے؟ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کسی قالین وغیرہ پر بیٹھیں گے تو آپ کا رتبہ آپ کے خدا کی بارگاہ میں گھٹ جائے گا یا آپ حسنِ سلوک سے دور ہو جائیں گے؟

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے حیا نہیں فرماتا۔ بندے کو بھی چاہیے کہ حق بیان کرنے میں حیا محسوس نہ کرے۔ میں اس وقت اپنی تلوار گھوڑے اور آلات جنگ کے سوا کسی دوسری چیز کا مالک نہیں، کل مجھے کسی چیز کی ضرورت پیش آئی تھی تو میں نے اپنے دینی بھائی معاذ بن جبل سے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کی اور سنو! اگر میرے پاس قالین یا عمدہ قسم کی دوسری بچھات ہوتی تب بھی میں اس پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے مسلم بھائی کو اس پر بیٹھاؤں، کیوں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا مقام مجھ سے بلند ہو اور مجھے اس کا علم نہ ہو۔

ہم اللہ کے بندے ہیں، زمین پر بیٹھتے لیٹتے ہیں، اس پر چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور ہمارا یہ اندازِ زندگی اللہ کی بارگاہ میں رتبہ گھٹاتا نہیں بلکہ ہمارے اجر کو بڑھاتا ہے اور ہمارے درجات بلند کرتا ہے۔ آپ نے قاصد سے فرمایا، اب آپ اپنا وہ مقصد بیان کریں جس کے لیے آپ آئے ہیں۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۳۰۰)

عمر سے معذرت: ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابوعبیدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں صدیق اکبر کے مکمل مطیع و فرماں بردار رہے اور دورِ خلافت عمر میں آپ کی طرف سے امیر المومنین کے لیے کامل سپردگی رہی۔ لیکن ایک موقع ضرور ایسا آیا کہ آپ نے امیر المومنین کا حکم ماننے سے معذرت کر لی۔ شاید آپ سوچ رہے ہوں گے وہ کون سا امرِ عظیم ہے جس سے ابوعبیدہ نے معذرت کر لی تھی، یقیناً جب آپ اس امر کے بارے میں جانیں گے تو ایک مرتبہ پھر عقیدت و محبت کی بادِ بہاری سے ایمان کے گلشن میں نئے نئے حسین و جمیل گلاب کھل اٹھیں گے۔

ہم اس دور کی بات کر رہے ہیں جب ابوعبیدہ کی جنگی مہارت اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کے سامنے زمانہ سرنگوں ہو گیا تھا۔ مشرق و مغرب ان کی جواں مردی پر خراج

عقیدت پیش کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتوحات مسلسل ارزاں کررکھی تھیں، وہ ملک شام میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں سارے دیار شامیہ ان کی دسترس میں آچکے ہیں۔ وہ اسلام کی فتح مندی کا جھنڈا مشرق میں فرات تک اور شمال میں ایشیائے کوچک تک لہرا چکے ہیں۔عین اسی وقت ملک شام وبائے مہلک کے پنجوں میں گرفتار ہوجاتا ہے۔طاعون اس کثرت سے پھیلتا ہے کہ لوگوں نے کبھی ایسا طاعون دیکھا ہی نہ تھا۔اس وبا نے لوگوں کو ایسے ہلاک کرنا شروع کیا جیسے کہ کھیت کاٹنے کے بعد سپاٹ ہوجاتا ہے۔

جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وبا کی خبر ملی تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو خط لکھا، خط میں تاکیدی انداز میں ابوعبیدہ کو امیر المومنین کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔امیر المومنین نے لکھا تھا مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے اور تمہارے بغیر چارہ نہیں ہے۔اگر یہ خط تمہیں رات میں ملے تو صبح ہونے سے پہلے روانہ ہوجانا اور اگر دن کو ملے تو شام ہونے سے پہلے پابرِکاب ہوجانا، یہ میرا تمہارے لیے تاکیدی حکم ہے۔

خط ابوعبیدہ کو ملا، پڑھ کر فرمایا: میں نے امیر المومنین کی ضرورت وحاجت کو جان لیا ہے۔امیر المومنین مجھے اس بات سے بچانا چاہتے ہیں جس سے کوئی نہ بچ سکا۔ابوعبیدہ نے خط کا جواب تحریر فرمایا: اے امیر المومنین! آپ کو جس چیز کے لیے میری ضرورت پیش آئی ہے وہ میں نے جان لی ہے اور میں اس وقت اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد میں مصروف ہوں مجاہدین اسلام کو اس وبا میں چھوڑ کر میں اپنی جان بچانے میں رغبت نہیں رکھتا ہوں، برائے کرم آپ مجھے اپنے عزم سے معذور رکھیں۔ابوعبیدہ کا خط امیر المومنین کو موصول ہوا۔خط پڑھ کر حضرت عمر رو پڑے لوگوں نے پوچھا کیا ابوعبیدہ کا وصال ہوگیا! فرمایا نہیں! لیکن امیر المومنین کے آنسو اس بات کو بیان کررہے تھے کہ موت ابوعبیدہ کے بالکل قریب پہنچ چکی ہے۔(سیر اعلام النبلاء ج۱،ص:۱۹،صور من حیاۃ الصحابہ ص:۹۷)

وصال: حضرت عمر کو ابوعبیدہ سے متعلق جو خطرہ تھا وہ بالکل صحیح ثابت ہوا، کچھ ہی وقت میں ابوعبیدہ طاعون کے شکار ہوگئے۔جب وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے

لشکر کو وصیت فرمائی اے میرے لشکریو! میں تمہیں ایک وصیت کر رہا ہوں اگر تم اس پر عمل کرو گے تو تمہیں ہمیشہ بھلائی نصیب ہوگی۔ نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، صدقہ کرنا اپنی عادت بنانا، حج وعمرہ ادا کرتے رہنا، اپنے حکام کے بارے میں خیر خواہ رہنا اور ان کے ساتھ دھوکہ دہی کا معاملہ نہ کرنا، دنیا کے دھوکے میں مت آنا، انسان اگر ایک ہزار سال کی عمر پائے پھر بھی آخر اس کو مرنا ہے موت سے چھٹکارا نہیں۔ سب سے بڑا عقل مند وہ ہے جو اپنے رب کا زیادہ فرماں بردار ہے اور آخرت کی تیاری میں مشغول ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

پھر آپ حضرت معاذ بن جبل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے معاذ! لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ یہ کہا اور حضرت ابوعبیدہ کی مقدس روح جسم سے پرواز کرگئی۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص:۹۸)

پھر حضرت معاذ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرو جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرکے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے معاف فرما دیتا ہے۔ اور جس انسان کے اوپر قرض ہے چاہیے کہ وہ اپنے قرض کو ادا کرے کیوں کہ قرض سے متعلق سوال کیا جائے گا اور اگر ایک مسلم بھائی دوسرے مسلم سے کوئی آزردگی رکھتا ہے تو چاہیے کہ وہ ملاقات کرکے صلح وصفائی کرے اور مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھے۔ اے مسلمانو! آج ہم بے حد غم گین ہیں اس شخص کے وصال پر کہ جس سے بڑھ کر کشادہ سینے والا، کینے سے دور رہنے والا، آخرت کو پسند کرنے والا اور لوگوں کی خیر خواہی کرنے والا انسان میرے علم میں دوسرا نہیں ہے۔ چلو ابوعبیدہ کی نماز جنازہ کی تیاری کرو۔ حضرت ابوعبیدہ کا وصال شام کے شہر عمواس یا اردن میں ۱۸ھ میں زمانۂ خلافت عمر میں ہوا اور وہیں آپ کی قبر ہے۔

اقوال زریں:

- خبردار! بہت سے لوگ اپنے کپڑوں کو صاف رکھتے ہیں اور دین کو گندہ۔
- خبردار! بہت سے لوگ بظاہر اپنے نفس کو مکرم بنا رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اس کی توہین کر رہے ہیں۔
- پرانے گناہوں کو نئی نیکیوں کے ذریعہ مٹاؤ۔
- کاش! میں ایک دنبہ ہوتا تو میرے گھر والے مجھے ذبح کر دیتے، میرا گوشت کھا جاتے اور شوربا پی جاتے۔
- کاش میں راکھ ہوتا تو ہوائیں مجھے اڑائے پھرتیں۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۴، ص: ۱۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص: ۱۸)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، بشیر ونذیر اور سراج منیر بنایا، امت کے وفادار افراد کے دلوں میں آپ کی ایسی محبت قائم فرمائی کہ آپ کے رخِ زیبا کی زیارت اہل محبت کی معراج اور قدم ناز پر مرمٹنا حاصل زندگی قرار پایا، صحابۂ کرام کی زندگی کا ہر ہر ورق اس دعوے کے ثبوت کے لیے دلیل کافی ہے۔

کیا آپ کے کان اس پرکیف اور دل رُبا آواز سے آشنا نہیں! جنہیں آج بھی اہل محبت مدینہ طیبہ کی خاموش فضا میں عشق کی توانائیوں سے سماعت کرر ہے ہیں ''فداک اَبی واُمی یارسول اللہ'' تاریخ ان کے اس نعرے کی مکمل تصدیق کرتی ہے، اگر کوئی دل کا مریض ان کے اس نعرے میں شک کرے گا تو بدر واحد اور حنین وغیرہ غزوات کے طمانچے کہنے والے کے منہ کو بلکہ منہ سے نکلنے والی سانسوں کو ہمیشہ کے لیے بند کردیں گے۔

ہر صحابی کے لیے یہ الفاظ راحتِ جاں تھے اور جب زندگی انہیں اس پر عمل کرنے کا موقع فراہم کرتی تو وہ عیش جاوداں سمجھ کر اس پر خوشی خوشی عمل پیرا ہوجاتے۔ عقل سلیم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جس ذات کے توسل سے دین، ایمان، عرفان، قرآن، اور خود ذات رحمٰن کا پتہ ملا ہو اس پر ساری متاعِ زندگی قربان کرنی ہی چاہیے لیکن اس وقت حیرت واستعجاب خود دست بگریباں ہوجاتے ہیں جب وہ ذات خود کسی سے فرمائے "فداك أبي وأمي"، چشمِ فلک نے وہ منظر بھی اپنی نگاہوں میں بسا رکھا ہے جب کونین کا تاج ور اپنے

ایک وفادار غلام کے لیے ان الفاظ کا استعمال فرماتا ہے اور بخت آوری کی اَن گنت بلندیاں ایک ناتواں غلام کے قدموں تلے مچلنے لگتی ہیں۔ کیا اس خوش نصیب انسان کو آپ جانتے ہیں؟ جس کے لیے حضور نے اپنے ماں باپ فدا کرنے کے الفاظ استعمال فرمائے، یہ وہی ہیں جنہیں حضور کی زبانِ پاک سے جنت کی بشارت بھی مل چکی ہے اسلام کے دشمن کا سب سے پہلے خون بہانے کا کارنامہ بھی انہوں نے کر دکھایا ہے، اسلام کی طرف سے پہلا تیر بھی اسی ذات نے چلایا ہے جس نے ایران جیسی سُپر پاور طاقت کو اپنے قدموں سے روند کر فاتحِ ایران ہونے کا تاج بھی اپنے سر پر سجایا ہے، جس نے عراق میں اسلام کی آواز کو بلند کیا، جس کے لیے قرآن کی کئی آیتوں کا نزول ہوا، انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ منتخب کردہ مجلس شوریٰ کی رکنیت بھی حاصل ہے، یہی کوفہ شہر کے بانی ہیں جو رشتے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندانی ماموں بھی ہیں انہیں سعد بن ابی وقاص کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نام ونسب: سعد بن مالک (ابی وقاص) بن وہب (یا اہیب) بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن لوٴی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ القرشی۔ آپ کی کنیت ابواسحاق اور ماں کا نام حمنہ بنت سفیان ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آپ خاندانی ماموں بھی ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا نسب شجرۂ نبوی سے کلاب بن مرہ پر جاکر مل جاتا ہے، یہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (سرکار کی والدہ محترمہ) کے خاندان بنی زہرہ کے چشم و چراغ تھے۔

(اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۵۳، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۰)

حضرت جابر فرماتے ہیں: ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان جلوہ فرما تھے، اتنے میں حضرت سعد بن ابی وقاص حاضر بارگاہ ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ ہمارے ماموں ہیں کسی کا ایسا ماموں ہو تو دکھائے''۔ (المستدرک علی الصحیحین، ذکر مناقب أبی إسحاق سعد بن أبی وقاص، معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم

معرفۃ سعد بن أبی وقاص)

حلیۂ مبارکہ: آپ کا قد پست اور بھاری تھا، سر بڑا، انگلیاں موٹی، رنگ گندمی، بال گھنگھرالے اور زیادہ تھے۔ آخر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی ایک قول یہ ہے کہ آپ کا قد لمبا تھا۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۱۷۲)

اسلام میں داخلہ: اس بات پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص سابقین اولین میں سے ہیں۔ البتہ اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ اسلام قبول کرنے والوں میں کس نمبر پر فائز ہیں بعض حضرات کے نزدیک یہ تیسرے مسلمان ہیں جیسا کہ بخاری شریف کتاب المناقب کی حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں: ''جو بھی مسلمان ہوا اسی دن ہوا جس دن میں مسلمان ہوا اس سے پہلے کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ سات دن تک میں مسلمانوں کا تہائی تھا''۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ آپ تیسرے مسلمان ہیں اسی کو رجال حول الرسول کے مصنف نے اختیار کیا ہے۔ اسی قول کو الاصابۃ میں علامہ ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا: آپ سترہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور آپ پانچویں یا ساتویں مسلمان ہیں۔

فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نزہۃ القاری میں مختلف اقوال کے درمیان عمدہ تطبیق فرمائی ہے۔ آپ رقمطراز ہیں: ''صحیح یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب پر ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اب وہ جو یہ فرما رہے ہیں (میں تیسرا مسلمان ہوں) یہ اپنے علم واطلاع کی بنا پر فرما رہے ہیں۔ ان کے علم میں یہی بات تھی کہ آج سے پہلے کوئی مسلمان نہیں ہوا اسی طرح ان کا یہ فرمانا کہ میں اسلام کا تہائی تھا یعنی میرے علاوہ صرف دو صاحبان مسلمان ہوئے تھے، تیسرا میں تھا، سات دن تک یہی حال رہا، یہ بھی اپنے علم کی بنا پر فرما رہے ہیں، کیوں کہ ابتدائی دور تھا اور خفیہ خفیہ اسلام کی تبلیغ ہو رہی تھی، جو لوگ اسلام قبول کرتے اپنے آپ کو برملا ظاہر نہیں ہونے دیتے اس لیے انہیں صحیح حالات

معلوم نہیں ہوئے بر بنائے تحقیق اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چھٹا یا ساتواں نمبر ہے۔ تہائی اسلام ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ اب تک صرف حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے ہیں،،۔ (نزہۃ القاری، جلد: ۷، صفحہ: ۱۳۵)

مبارک خواب: اسلام لانے سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا تھا وہ خود اس کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

میں نے اسلام لانے سے تین دن پہلے خواب میں دیکھا، میں گھٹا ٹوپ تاریکی میں گھرا ہوا ہوں، جہاں کوئی شئی دکھائی نہیں دے رہی ہے اچانک ایک چاند نمودار ہوا، تاریکی چھٹ گئی اور روشنی پھیل گئی، میں نے اس چاند کی اتباع کی، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے اس چاند کی روشنی میں جمع ہو چکے ہیں، جو لوگ مجھ پر سبقت کر چکے ہیں وہ ہیں زید بن حارثہ، علی بن ابی طالب، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہاں کب حاضر ہوئے؟ پھر مجھے یہ خبر ملی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ طور پر اسلام کی تبلیغ فرما رہے ہیں۔ میں حضور کی بارگاہ میں شعب اجیاد میں حاضر ہوا۔ حضور عصر کی نماز ادا فرما چکے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں میں کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ بس یہی لوگ (جن کا تذکرہ ہو چکا) مجھ سے پہلے ایمان لائے۔ (سبل الہدی والرشاد، جماع ابواب آیات فی المنامات الباب التاسع، مختصر تاریخ دمشق سعد بن ابی وقاص، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۱)

مذکورہ روایت پڑھ کر ذہن میں روایت سابقہ (مجھ سے پہلے کوئی ایمان نہیں لایا) سے کچھ خلجان پیدا ہوا ہو تو اسے دور کر لیں مطلب یہ ہے کہ جس دن میں ایمان لایا اس دن مجھ سے پہلے کوئی ایمان نہیں لایا۔

سعد کی ماں کا حال: قارئین پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس دور میں اسلام قبول کر لینا آسان کام نہ تھا۔ حضرت سعد کو بھی سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور شدید تکلیف

دہ حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل خاص تھا کہ وہ ہر موڑ پر کامیابی کے ساتھ گزرتے چلے گئے اور ان کے سلسلے میں قرآن پاک کی آیات کا نزول بھی ہوا۔

جیسے ہی حضرت سعد پر اسلام کی ابدی نعمتوں کے سائے دراز ہوئے اور وہ رحمت عالمیاں کی آغوش تربیت میں آئے مکہ والوں سے یہ خبر پوشیدہ نہ رہ سکی لوگ جان گئے کہ سعد نے اپنی دنیا الگ بسالی ہے، جس دنیا میں بت پرستی کے خلاف کھلی دشمنی ہے، بت شکنی اس دنیا کے مکینوں کا مقصد حیات ہے، وہاں بت پرستی کی جگہ خدا پرستی نے لے رکھی ہے، یہ لوگ روئے زمین کو شرک و کفر کی غلاظتوں سے پاک کر کے توحید کا غلغلہ بلند کرنا چاہتے ہیں اور محمد بن عبداللہ فرزندانِ توحید کے سالارِ قافلہ ہیں جن کا ہر سپاہی ان کے اشارۂ ابرو پر جان کا نذرانہ پیش کرنے کو ہمہ وقت تیار ہے۔

اس خبر سے ان کی والدہ بھی بے خبر نہ رہ سکی اسے بھی معلوم ہو گیا کہ ان کا نورِ نظر کسی اور کا ہو گیا ہے۔ غیروں اور ماں میں بہت فرق ہوتا ہے اگرچہ خبر کی سنگینی غیروں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے لیکن ماں کے مقابلے میں اس کو کوئی خاص مقام نہیں دیا جا سکتا۔ ماں نے جب سنا تو اس کا چمن حیات خزاں رسیدہ ہو گیا، اب اس چمن میں نہ شادابی تھی اور نہ ہی زندگی کی کچھ رعنائی، یوں تو ہر ماں کا اس مقام پر ان حالات سے دوچار ہونا ایک فطری امر ہے لیکن جب بیٹا سعد جیسا سعادت مند ہو اور پھر وہ اپنی ماں سے قلب کی غیر محدود وسعتوں کے ساتھ محبت بھی کرتا ہو تو ماں پر فراق کی ہلاکت خیزیاں قیامت سے کم نہیں ہوتیں۔

سعد سے ماں کی گفتگو: ماں نے سعد کو بلا کر کہا اے سعد! میں تمہارے بارے میں کیا سن رہی ہوں۔ سعد کا جواب تھا ماں تم نے جو میرے اور میرے دین کے بارے میں سنا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ ماں نے کہا اگر یہ صحیح ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے دین سے ہٹ کر دوسرے دین کے پیروکار ہو چکے ہو تو اب میرا بھی فیصلہ سن لو۔ میں قسم کھاتی ہوں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک تم اپنے نئے دین کو چھوڑ کر قدیم دین میں واپس نہیں آجاتے ہو، جب میں بھوک و پیاس کی شدت سے تڑپوں گی تو تیرا دل

شدت الم سے پھٹ جائے گا اور تو احساس ندامت کے ساتھ اپنے دین سے پھر جائے گا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو رہتی دنیا تک لوگ تجھے ملامت کرتے رہیں گے۔ حضرت سعد نے کہا اے ماں! ایسا مت کرو اب دنیا کی کوئی شئی مجھے میرے دین سے منحرف نہیں کر سکتی لیکن وہ عورت بھی پختہ ارادوں کی مالکہ تھی اس نے سعد کو جو دھمکی بھرے الفاظ کہے تھے وہ خیالی دنیا کو چھوڑ کر حقیقت کا لباس پہن رہے تھے۔ جب کھانا پانی چھوڑنے کا زمانہ کچھ دراز ہوا تو ماں کی حالت دگرگوں ہونے لگی، جسم لاغر ہو گیا، ہڈیاں کمزور پڑنے لگیں اور جسم کی ساری توانائیاں جواب دے گئیں۔ حضرت سعد فرماتے ہیں ''کہ میں اس کے پاس کچھ وقفے سے آتا اور کہتا کہ کچھ کھانا پانی لے لو تا کہ تمہاری جان بچ سکے، وہ ہر بار سخت انکار کرتی اور اپنی قسم کو دہراتی، میں نے اس کی یہ شدت دیکھ کر فیصلہ کن انداز میں کہا اے میری ماں! جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں اس سے کہیں زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کرتا ہوں۔ سنو! تمہارے جسم میں ایک جان نہیں ایک ہزار جانیں ہوں اور میری نظر کے سامنے ایک کے بعد ایک تمہارے جسم سے نکلتی چلی جائیں تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ماں نے جب اپنے بیٹے کا یہ تصلب اور عزم کی پختگی دیکھی تو عقل ٹھکانے آ گئی اور بے جا ضد کو چھوڑ کر کھانا پینا شروع کر دیا۔ اسی موقع پر قرآن کریم کی آیت کریمہ ''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴿العنکبوت ۸﴾. (الریاض النضرۃ ج ۴، ۲۷۷)

پہلا بہنے والا خون: حضرت ابن اسحاق روایت فرماتے ہیں: اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے تو وہ چپکے سے پہاڑ کی گھاٹیوں میں چلے جاتے، لوگوں کی نظر سے چھپ کر نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ حضرت سعد اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کسی گھاٹی میں چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کا ایک گروہ وہاں پہنچ گیا۔ (کفر کے متوالوں کو یہ کب برداشت ہو سکتا تھا کہ کسی کی گردن ایک معبود برحق کے سامنے جھکی ہو، انہیں تو تین سو ساٹھ بلکہ اس سے بھی زائد خداؤں کے سامنے سربسجود ہونا

پسند تھا) ان لوگوں نے صحابۂ کرام پر طعن و تشنیع اور گالی گلوج میں زبان لمبی کر دی اور بات یہاں تک بڑھی کہ دونوں گروہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اللہ کے شیر سعد بن ابی وقاص نے ایک مشرک کو اس زور سے اونٹ کی ہڈی سے ضرب لگائی کہ خون بہہ نکلا اور وہ کافر لہولہان ہو گیا۔ تاریخ اسلام کا یہ پہلا خون تھا جو ایک مسلمان کے ہاتھوں دشمن اسلام کا بہایا گیا تھا۔

(اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۵۴)

پہلا تیر: اسلام کے دشمن کا سب سے پہلے خون حضرت سعد نے بہایا یقیناً یہ ان کی جرأت مردانہ بھی ہے اور بہت بڑی سعادت مندی بھی، اب جتنے لوگ خون بہاتے رہیں گے ان کا ثواب بھی حضرت سعد کو ملتا رہے گا، ان کی زندگی کی اور بھی ایک چیز قابل رشک ہے وہ یہ کہ اسلام کی راہ میں سب سے پہلا تیر بھی حضرت سعد بن ابی وقاص نے چلایا۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں ''إني لأول العرب رمیٰ بسهم في سبيل الله'' میں ہی پہلا عرب ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب، اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۵۳)

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں جو لکھا اس کو کچھ اضافے کے ساتھ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ القاری میں بیان کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

ہجرت کے پہلے سال یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان قریش کے تجارتی قافلے کے ساتھ گزر رہے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ساٹھ یا ستر مہاجرین کو رابغ کی طرف بھیجا جس کو سریۂ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ وہاں ابوسفیان سے مڈبھیڑ ہوئی اس لشکر میں حضرت سعد بھی تھے، اسی موقع پر انہوں نے سب سے پہلا تیر راہِ خدا میں چلایا تھا اور یہ پہلی جنگ ہے جو مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوئی۔ (نزہۃ القاری، جلد: ۷، صفحہ: ۱۳۶)

یہ بھی اسلام کے لیے حضرت سعد کا عظیم کارنامہ ہے جسے تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد نہ جانے کتنے تیر مجاہدین اسلام کی کمانوں سے نکلے لیکن اس میں کسی کو

شک نہیں ہوسکتا کہ ان تمام تیراندازوں کے میر کارواں تو حضرت سعد ہی کہلائیں گے۔

بدر میں شرکت: حضرت سعد بدر واحد وخندق اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہے۔ بدر میں آپ کا چھوٹا بھائی عمیر بھی شریک سفر تھا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجاہدین اسلام کا جائزہ لینے لگے تو عمیر رضی اللہ عنہ حضور سے چھپنے لگے اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں حضور انہیں بچہ سمجھ کر واپس نہ کر دیں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں دیکھ لیا اور کم سنی کی بنیاد پر سرکار نے واپس جانے کا حکم صادر فرمایا، لیکن اس ننھے مجاہد کا دل جذبۂ شوق جہاد سے لبریز تھا، جب امیدوں کا خواب پورا نہ ہوتے دیکھا تو شدت الم سے آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ عمیر کی ڈبڈباتی آنکھوں نے رحمت عالم کو متاثر کیا اور چارہ ساز دردمنداں نے اپنا فیصلہ بدل کر عمیر کو جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔

یہ سارا منظر حضرت سعد بن ابی وقاص اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے تھے، جیسے ہی حضور کی طرف سے عمیر کو اجازت نصیب ہوئی مانو سعد کے پرسکون جسم میں نئی روح دوڑ گئی ہو۔ خوشی سے مچلتے ہوئے اپنے بھائی کے قریب پہنچے اور تلوار کی پٹی مضبوطی کے ساتھ ان کے جسم سے باندھ دی اور دونوں بھائی اللہ ورسول کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے میدان کارزار میں اپنی جواں مردی کے جوہر دکھانے لگے جب جنگ اپنے انتہا کو پہنچ گئی اور شہدائے اسلام کا جائزہ لیا گیا تو ان میں حضرت عمیر ننھے شہید کی صورت میں موجود تھے۔ سعد بن ابی وقاص غازیان اسلام کے ساتھ مدینۃ منورہ واپس لوٹ آئے اور اپنے بھائی کو خدا کی راہ میں اس کی رضا کے لیے طالب ثواب ہو کر میدان بدر میں شہید چھوڑ آئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۹۷، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۹۵)

احد میں جاں نثاری: غزوۂ احد جہاں مسلمانوں کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ افراتفری کے شکار ہو گئے صحابۂ کرام ادھر اُدھر ہو گئے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس صرف چند صحابہ ہی باقی رہے جو آخری دم تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان قربان کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں خوش نصیبوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے جو حضور کے لیے ڈھال بھی بنے ہوئے تھے اور بڑی کامیابی کے ساتھ تیراندازی بھی کر رہے تھے۔ آپ کی کمان سے نکلا ہوا تیر نشانے پر صحیح بیٹھتا اور کفار کے لیے پیغام اجل ثابت ہوتا۔

فداک أبي وأمّي: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب سعد بن ابی وقاص کی جواں مردی، جاں نثاری اور اعلیٰ قسم کی تیراندازی دیکھی تو اپنا ترکش حضرت سعد کو پیش کر دیا اور آقائے کائنات نے اپنے باوفا غلام کی ہمت افزائی کے لیے فرمایا: ''ارم فداک أبي وأمي'' اے سعد تم تیر چلاؤ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی، باب اذ ہمت الطائفتان، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۹۸)

حضرت امام زہری سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالی شان نے سعد کے جسم کو جذبہ وحوصلہ سے بھر دیا اور آپ نے اُحد کے میدان میں اپنی کمان سے ایک ہزار تیر چلائے اور اپنے آقا کی زبان پاک سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو سعد بن ابی وقاص کامیابی کی سند سمجھتے تھے اور پوری زندگی نبی کے عطا کردہ اس تمغے پر شاداں وفرحاں نظر آئے۔ (اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۵۵، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۹۵)

حضور کی دعا: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے صحابی حضرت سعد کو دو انمول تحفے عطا فرمائے وہ تحفے سعد کے حق میں کی گئی دو دعائیں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کے حق میں دعا فرمائی ''اللّٰھمّ سدد سہمہ واجب دعوتہ'' اے اللہ! سعد کے تیر کو باہدف بنا دے اور ان کی دعا کو قبول فرما۔ اس کو ابو عمرو اور ابو الفرج نے تخریج کیا ہے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۴)

دعا کے سلسلے میں امام ترمذی نے بھی حدیث روایت فرمائی ہے "اللّٰھم استجب لسعد إذا دعاك" اے اللہ! جب سعد تجھ سے دعا کریں تو ان کی دعا کو قبول فرما۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب باب مناقب سعد بن ابی وقاص)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں دعائیں سعد کے حق میں قبول ہوئیں اور لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت سعد مستجاب الدعوات ہیں لہٰذا ان کی بددعا سے اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ (اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۵۴)

حضرت ابوعمر نے فرمایا: حضرت سعد کا مستجاب الدعوات ہونا لوگوں میں مشہور تھا۔ اسی بنیاد پر لوگ ان کی بددعا سے بچتے اور دعائے خیر کے امیدوار رہتے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۴)

تیر باہدف: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کے تیر کو نشانے پر صحیح بیٹھنے کی دعا کی اس دعا کی قبولیت کو لوگوں نے میدان احد میں اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث روایت فرمائی ہے ''احد کے دن ایک مشرک نے چند مسلمانوں کو جلا ڈالا تھا (یہ دیکھ کر) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد سے فرمایا: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں (اس کو) تیر مارو۔ حضرت سعد کہتے ہیں میں نے بغیر پر کا تیر لے کر اس کے پہلو کو نشانہ بنایا، تیر لگنے سے وہ گر پڑا اور اس کی شرم گاہ کھل گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (اس کے گرنے سے) ہنسے یہاں تک کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھ لیں۔

(صحیح المسلم، کتاب فضائل الصحابۃ باب فی فضل سعد، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۵)

کوفے کے گورنر: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ کوفہ کے گورنر رہے۔ اہل کوفہ نے اپنی فطرت کے موافق ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ کیا اور سعد سے متعلق بہت ساری شکایتیں امیر المومنین کی بارگاہ تک پہنچا دیں۔ امیر المومنین نے مصلحتاً حضرت سعد کو کوفہ سے واپس بلا لیا جس کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ بخاری شریف کی حدیث پاک میں موجود ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ روایت فرماتے ہیں: اہل کوفہ نے حضرت عمر سے حضرت سعد کے متعلق شکایت کی، حضرت عمر نے سعد کو معزول کر دیا اور حضرت عمار کو کوفے کا گورنر مقرر

کر دیا۔ حضرت سعد کی ان لوگوں نے بہت زیادہ شکایتیں کیں بلکہ ان لوگوں نے یہاں تک کہا کہ سعد اچھی طرح سے نماز بھی ادا نہیں کرتے۔ تفتیشِ حال کے لیے حضرت عمر نے حضرت سعد کو طلب فرمایا اور فرمایا: اے ابو اسحاق! (حضرت سعد کی کنیت) ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تم نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ حضرت سعد نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے ان لوگوں کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ہوتی تھی۔ چناں چہ میں پہلی دو رکعتوں میں دیر لگاتا اور دوسری دو رکعتوں کو ہلکی ادا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے ابو اسحاق! مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ پھر حضرت عمر نے ایک یا کئی آدمیوں کو حضرت سعد کے ساتھ تفتیشِ حال کے لیے کوفہ روانہ فرمایا۔ ان جانے والوں نے کوئی مسجد نہ چھوڑی جس میں حضرت سعد کی نماز کے حالات معلوم نہ کیے ہوں۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے سبھی حضرات سعد کی تعریف کرتے یہاں تک کہ بنی عبد کی مسجد گئے تو ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابو سعدہ تھی۔ جب تم لوگوں نے مجھے قسم دے کر مجبور کر دیا ہے تو سنو! سعد کبھی لشکر کے ساتھ جنگ میں نہیں جاتے اور مالِ غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضرت سعد نے فرمایا: میں تجھے تین بددعائیں دیتا ہوں۔

سعد کی دعا کا اثر: حضرت سعد نے بارگاہِ مولیٰ میں عرض کیا اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور محض دکھاوے کے لیے کھڑا ہے تو اسے لمبی عمر دے اور اسے تنگ دستی میں مبتلا کر دے، اسے فتنوں کی نذر فرما دے۔ (حضرت سعد کی دعا قبول ہوئی اور ایسا ہی ہوا) جب مذکورہ انسان سے پوچھا جاتا تو کہتا، میں فتنوں میں مبتلا ایک بوڑھا شخص ہوں مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے! اسی حدیث کے راوی حضرت عبدالملک فرماتے ہیں: میں نے اس کو دیکھا ہے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بھنویں لٹک کر اس کی آنکھوں پر آپڑی ہیں اور راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑتا اور ان کی چٹکیاں لیتا۔

(صحیح البخاری کتاب صفة الصلاة، باب وجوب القرأة للإمام والمأموم)

دوبارہ گورنری: حضرت عمر نے آپ کو پھر سے کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ جب دوبارہ حضرت عمر نے آپ کو گورنر بنانا چاہا تو آپ نے معذرت کر لی۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۹)

سعد کا افسوس: کوفہ والوں نے جو کچھ حضرت سعد کے ساتھ کیا تھا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ کوفہ والوں کی فتنہ پروری ہے کہ انہوں نے ایسے عظیم المرتبت صحابی کو بھی اپنی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں رہنے دیا اگر چہ حضرت سعد کی امیر المومنین اور مسلمانوں کی نظر میں ان سارے الزامات سے برأت ظاہر ہو چکی تھی جو کوفہ والوں نے ان پر لگائے تھے، لیکن پھر بھی اس حادثے کا حضرت سعد کے قلب پر گہرا اثر ہوا، اور آپ نے اس درد کو بیان بھی فرمایا۔ آپ نے اپنا درد جس انداز میں بیان فرمایا ہے یقیناً اسے سن کر اہل ایمان کے قلوب مضمحل ہو جاتے ہیں۔

حضرت امام بخاری روایت فرماتے ہیں: ''حضرت قیس نے کہا میں نے حضرت سعد سے سنا، میں ہی پہلا عرب ہوں جس نے راہِ خدا میں پہلا تیر چلایا، ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہ کر جہاد کرتے اور ہماری غذا درخت کے پتوں کے سوا کچھ نہ ہوتی یہاں تک کہ ہم اونٹ یا بکری کی طرح پاخانہ کرتے جس میں کوئی آمیزش نہیں ہوتی۔ پھر بھی بنو اسد میرے اسلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں اگر ایسا ہے تو میں نامراد رہا اور میرا عمل ضائع ہو گیا''۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب، باب مناقب سعد بن أبی وقاص)

حضرت سعد کے مذکورہ بیان میں اگر ایک طرف تأسف کا سیلِ رواں ہے تو دوسری جانب اولوالعزم، اسلامی قائدین اور قوم کے بے لوث خادمین کے لیے نیا جوش و جذبہ، اور ان کے لیے یہ پہلو خاص توجہ کا طالب ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص جیسے صحابی رسول قوم کے بعض افراد کی طعن و تشنیع اور نکتہ چینی سے محفوظ نہ رہ سکے تو ماوشما کی کیا حیثیت ہے؟ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

لہٰذا مخلصین کو کبھی بھی کسی حال میں اس قسم کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ ہونے

کی ضرورت نہیں۔

حضور کی تمنا اور سعد کی آمد: ایک دن اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم محوِ خواب تھے اچانک بیدار ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک صالح پہرے دار کی خواہش ظاہر فرمائی، ادھر حضور نے اپنی تمنا ظاہر فرمائی، ادھر حضرت سعد حاضر بارگاہ ہو گئے۔ ہم اس پورے قصے کو حضرت عائشہ کی زبانی نذر قارئین کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مدینہ منورہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نیند سے بیدار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: کاش میرے صحابہ سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ ہم نے ہتھیاروں کی آہٹ سنی۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا سعد بن ابی وقاص! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق اندیشہ ہوا تو میں آپ کی حفاظت کے لیے آ گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سن کر سعد کو دعا دی اور سو گئے۔ (دوسری روایت میں ہے) یہاں تک کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔

(صحیح المسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضل سعد)

اس واقعہ سے حضرت سعد کا عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم صاف جھلک رہا ہے کہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کتنی محبت تھی دل میں رات کے وقت حضور سے متعلق خطرہ محسوس کیا تو نیند ترک کر کے اپنی زندگی داؤ پر لگانے اکیلی جان کے ساتھ ہی حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

جبرئیل ومیکائیل کا دیدار: حضرت سعد کے فضائل میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کا دیدار اس انداز میں کیا کہ ان میں سے ایک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے داہنی جانب اور دوسرے حضور کے بائیں جانب کھڑے تھے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں: میں نے احد کے

دن دو شخصوں کو سرکار کے داہنے اور بائیں دیکھا جو سرکار کی جانب سے سخت قتال فرمارہے تھے۔ میں نے ان دونوں کو نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا۔ ان دو شخصوں سے آپ کی مراد حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کا دیکھنا ہے۔

(الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۷۶)

نزولِ آیات: آپ سے متعلق قرآن کریم کی کئی آیات کریمہ نازل ہوئیں اس بارے میں بغیر کسی تمہید کے ہم مسلم شریف کی ایک طویل حدیث کا ترجمہ نقل کررہے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے متعلق قرآن مجید کی کئی آیتیں نازل ہوئیں۔ ان کی والدہ نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک ان سے بات نہیں کریں گی اور کھانا پینا بھی ترک کردیں گی جب تک کہ وہ دین اسلام کو ترک نہ کردیں۔ ان کی والدہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں اور میں تمہیں حکم دیتی ہوں۔ وہ تین دن تک اسی حال میں رہیں، کھایا نہ پیا اور بے ہوش ہوگئیں، ان کے ایک بیٹے نے جس کا نام عُمارہ تھا ان کو پانی پلایا وہ حضرت سعد کو بددعا دینے لگیں تب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

"وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا" ﴿العنکبوت ۸﴾

ترجمہ: "ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اگر وہ اس بات کی کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ شریک کرو، جس کا تم کو علم نہیں ہے تو تم ان کی اطاعت مت کرو۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہت سا مال غنیمت آیا اس میں ایک تلوار بھی تھی میں وہ تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تلوار مجھے عطا فرمائیں کیوں کہ میں وہ ہوں جس کا حال آپ کو معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا: اس تلوار کو

جہاں سے اٹھایا تھا وہیں رکھ دو، میں اس کو گودام میں ڈالنے کے لیے گیا میرے نفس نے ملامت کی اور میں پھر آپ کے پاس واپس آ گیا میں نے کہا مجھے یہ تلوار عطا فرمائیے آپ نے زیادہ سختی کے ساتھ فرمایا: اس کو جہاں سے لیا ہے وہیں واپس رکھ دو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ" ﴿الانفال ۱﴾ لوگ آپ سے غنیمتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

حضرت سعد نے کہا میں بیمار ہو گیا، میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پیغام بھیجا آپ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے کہا: مجھے اپنی مرضی کے مطابق مال تقسیم کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپ نے انکار کیا، میں نے کہا: اچھا نصف مال تقسیم کرنے دیں، آپ نے انکار کیا۔ میں نے کہا اچھا تہائی مال تقسیم کرنے دیں آپ خاموش رہے۔ پھر بعد میں تہائی مال کی تقسیم جائز ہو گئی۔ میں انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا آؤ ہم تمہیں کھانا کھلائیں اور شراب پلائیں (یہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے) میں ان کے ساتھ ایک باغ میں گیا، وہاں ان کے پاس اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا، اور شراب کا ایک مٹکا تھا، میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور شراب پی۔ پھر وہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا میں نے کہا مہاجرین انصار سے بہتر ہیں۔ ایک شخص نے سر کی ایک ہڈی لے کر مجھے ماری، میری ناک زخمی ہو گئی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جا کر اس کی شکایت کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

"اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ۔" ﴿المائدۃ ۹۰﴾

ترجمہ: شراب، جوا، بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطان کے کام ہیں۔

(صحیح المسلم، کتاب المناقب باب فضل سعد بن ابی وقاص، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۷)

جنت کی بشارت: جس حدیث کی بنیاد پر آپ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے وہ

حدیث زبان زدعوام وخواص ہے اس کے سوا بھی آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت کی بشارت عطا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أول من يدخل من هٰذا الباب رجل من اهل الجنة فدخل سعد بن ابي وقاص" اس دروازے سے جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ جنتی ہے تو حضرت سعد اس دروازے سے داخل ہوے۔ (مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص، الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۷۸)

رزق حلال کا التزام: ایک مرتبہ حضرت سعد نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا تھا حضور میرے لیے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے سعد! اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی دعا قبول فرماتا ہے جو حلال کھاتا ہے۔ آپ نے عرض کیا! حضور دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق حلال ہی عطا فرمائے۔ مجھے کامیابی آپ کی دعا ہی سے میسر آے گی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی "اللّٰهُمَّ اطب طعمة سعد" اے اللہ سعد کے کھانے کو طیب وحلال فرمادے۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۴، ص: ۲۷۳)

لہٰذا حضرت سعد کا یہ معمول تھا کہ آپ کسی بھی آنے والی چیز کو جانچ پڑتال کے بعد ہی اپنے پاس رکھتے تھے، کسی بھی درہم کے بارے میں اگر آپ کو ہلکا سا بھی شبہ ہوجاتا تو آپ سختی کے ساتھ اس کو رد فرمادیتے تھے۔ اس طرزِ زندگی پر آپ کی جانب اللہ کا خصوصی فضل متوجہ ہوا، آپ کا شمار مسلمانوں کے مالدار افراد میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے وصال کے وقت غیر معمولی دولت چھوڑی بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کثرت مال صفت حلال کے ساتھ کسی انسان کے پاس جمع ہوجائے مگر اللہ نے یہ دونوں خوبیاں حضرت سعد کو عطا فرمائیں، آپ کے پاس وافر مقدار میں مال تھا اور سب طیب وحلال تھا۔ (رجال حول الرسول ص: ۸۶)

جذبۂ سخاوت: ان دونوں خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ کو تیسری خوبی انفاق فی سبیل اللہ کی شکل میں عطا فرمائی گئی۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ سخت بیمار ہو گئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے تو آپ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میں مال دار شخص ہوں اور میرے وارث کے طور پر صرف ایک بیٹی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں۔ سرکار نے منع فرما دیا۔ پھر عرض گزار ہوئے کیا آدھا مال صدقہ کر دوں سرکار نے انہیں آدھا مال بھی صدقہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر عرض کیا حضور! کیا تہائی مال صدقہ کر دوں؟ تب سرکار نے فرمایا "نعم والثلث کثیر" ہاں تہائی مال صدقہ کر دو اور تہائی مال صدقہ کے لیے کافی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا "وارثین کو مال دار چھوڑنا اس بات سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ کر مرو، وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم خدا کی رضا کے طالب ہو کر جو مال بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر عطا فرمائے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کو کھلاتے ہو اس پر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب عطا فرمائے گا۔

(رجال حول الرسول:۸۶)

ذکر کردہ واقعہ کے وقت حضرت سعد کی ایک ہی بیٹی تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید اولاد عطا فرمائی۔ (ایضاً)

حضرت سعد کے لیے دعاے شفا: حضرت سعد فرماتے ہیں: مکہ مکرمہ میں سخت بیمار پڑ گیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! میں مال چھوڑ رہا ہوں اور پیچھے میری صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ (دوسروں کے لیے) آپ نے انکار فرمایا۔ میں نے عرض کیا تو نصف کی وصیت کر دوں؟ آپ نے پھر انکار فرمایا۔ میں نے عرض کیا تہائی کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی کی وصیت کر دو اور تہائی بہت ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری پیشانی پر اپنا دست اقدس رکھا پھر اپنا دست مبارک میرے

چہرے اور پیٹ پر پھیرا پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! سعد کو شفاعطا فرما اور اس کی ہجرت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ حضرت سعد فرماتے ہیں اس وقت سے لے کر آج تک جب بھی مجھے خیال آتا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست شفقت کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ باب وضع الید علی المریض، الریاض النضرۃ ج ۴، ص:۲۸۰)

عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ ہونی چاہیے حتی کہ ماں باپ، بھائی بہن، کنبہ اور قبیلہ کی محبت سے بھی اللہ و رسول کی محبت زائد اکمل اور اتم ہونا ضروری ہے۔ یوں تو ہر مومن یہی کہتا ہے کہ اس کی محبت کا معیار یہی ہے اور کسی کے ساتھ بدگمانی کرنا بھی اسلامی نقطۂ نظر سے روا نہیں لیکن جب حالات کبھی انسان کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتے ہیں اور دونوں محبتیں آمنے سامنے ہوتی ہیں اس وقت ثابت قدم رہ جانا اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور عزیزوں کی محبتوں کو ٹھکراتے ہوئے اللہ و رسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت پر قائم رہنا ایک امر عظیم ہے جو بغیر توفیق خداوندی کے ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حضرت سعد پر خصوصی کرم تھا کہ آپ اس سنگین اور پر خطر وادی میں بھی کمال اطمینان کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ نہ صرف ثابت قدم بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے آپ اپنے کردار میں مقتدیٰ اور امام قرار پائے۔

جنگ احد میں حضرت سعد اسلام کے جھنڈے تلے اسلام کو بلند کرنے اور پیغمبر اسلام کے قدم ناز پر مر مٹنے کا جذبہ لے کر حاضر ہوئے۔ یہ سعد کی قسمت کی معراج تھی لیکن ان کا بھائی عتبہ بن ابی وقاص کفر کی حمایت اور سر بلندی کے لیے کفار قریش کے ساتھ آیا تھا یہ اس کی بدبختی کی بڑی مثال تھی۔ مگر عتبہ بن ابی وقاص نے اس وقت بدبختی اور شقاوت کی ساری حدیں پار کر دیں جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کیا آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا اور رباعیہ نامی دندانِ مبارک شہید کر دیا۔ اس وقت سعد کے حال زار کو نہ پوچھو ایک طرف خود زخمی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت میں

اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادینے کے درپے ہیں۔ دوسری طرف اپنے بھائی عتبہ کے خلاف جذبۂ انتقام کی آگ ان کے سینے میں پورے شباب پر ہے۔ اگر آپ بھی اس انتقامی جذبہ کی شدت محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے خود انہیں کا بیان ملاحظہ کریں۔ جس کو علامہ ابن حجر نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے۔

"فما حرصتُ علی قتل رجل قط حرصی علیٰ قتل اخی عتبة بن ابی وقاص لما صنع برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد" میں کبھی بھی کسی انسان کے قتل کرنے پر اتنا حریص نہیں رہا جتنی خواہش مجھے میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کو قتل کرنے کی تھی جس دن اس نے حضور کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

(فتح الباری، کتاب المغازی لیس لک من الامر شئ)

عتبہ بعد میں ایمان لایا تھا یا نہیں اس بارے میں علما کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: ''عتبہ بن ابی وقاص کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ امام عسکری اور ابن مندہ نے اس کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔ لیکن امام ابونعیم نے ان باتوں سے انکار کیا ہے، انہوں نے فرمایا: یہ وہی ہے جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ پاک کو احد میں زخمی کیا تھا اس کا مسلمان ہونا میرے علم میں نہیں بلکہ امام عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ ''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے خلاف دعا فرمائی ہے اے اللہ! اسے ایک سال کے اندر کافر مار''۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور وہ سال تمام ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔

یہ حدیث مرسل ہے۔ امام حاکم مستدرک میں بطریق صفوان بن سلیم روایت فرماتے ہیں: حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے حاطب بن ابی بلتعہ کو کہتے سنا ''عتبہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جب وہ کیا جو کیا تو میں اس کے پیچھے لگا اور میں نے اسے قتل کر دیا''۔ ابن قین اور دمیاطی نے جزم کے ساتھ فرمایا کہ عتبہ کفر پر مرا ہے۔ (فتح الباری، کتاب الفرائض باب الولد للفراش حرۃ کانت أو أمۃ)

شجاعت: حضرت ابن عباس روایت فرماتے ہیں: میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''سعد بن ابی وقاص کو ایک ہزار سواروں کے برابر شمار کیا جانا چاہیے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۸۰)

فاتحِ ایران: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایران کی طرف سے مسلسل تشویش ناک اور بے چین کرنے والی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ ادھر عراق والے اپنا معاہدہ توڑ کر غدر کا اعلان کر چکے تھے۔ لہٰذا امیر المومنین نے فیصلہ فرمایا کہ وہ خود موقع پر پہنچ کر ایران کے خلاف اسلامی فوج کی قیادت کریں گے اور آپ نے اپنے اس فیصلے پر عمل درآمد شروع فرمایا۔ مدینہ منورہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر منتخب فرما کر سفر شروع فرما دیا کچھ ہی دور چلے تھے کہ آپ کے ساتھیوں کی رائے ہوئی کہ امیر المومنین کو وہاں نہیں جانا چاہیے یہیں سے واپس مدینہ شریف چلیں اور اپنے کسی ساتھی کو اس کام کا ذمہ سونپ دیں۔ مذکورہ رائے کے بانی حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے، انہوں نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا تھا۔ امیر المومنین کے خود وہاں تشریف لے جانے میں خطرات بہت زیادہ ہیں اور امیر المومنین کی ذات سے اسلام کا فائدہ وابستہ ہے خدا نہ کرے کہ کوئی اَن ہونی بات نہ ہو جائے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں امیر المومنین کا وہاں تشریف لے جانا بالکل درست نہیں ہے۔

امیر المومنین نے فوراً مشورہ کے لیے مسلمانوں کو جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا سب کو جمع کر لیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے جہاں امیر المومنین موجود تھے اور مجلس شوریٰ قائم کی جارہی تھی۔ بعدِ مشورہ وہی بات طے پائی جو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے پہلے سُجھائی تھی۔ سب اہل رائے اس بات پر متفق ہوئے تھے کہ امیر المومنین واپس مدینہ شریف لوٹ جائیں اور ایرانیوں سے مقابلے کے لیے کسی دوسرے قائد کو منتخب فرما دیں۔

سب لوگوں کا امیر المومنین کی واپسی پر اتفاق تو ہو گیا لیکن اب فکر اس بات کی تھی کہ

ایرانیوں سے مقابلے کے لیے کس کو قائد چنا جائے۔ امیر المومنین نے اپنے اصحاب سے یہی سوال کیا تو کچھ دیر تک سب لوگ خاموش رہ کر سوچتے رہے۔ چند ثانیہ کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف گویا ہوئے میں نے قائد کی تلاش کرلی ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کون ہے وہ جس پر آپ کی نظر انتخاب جا کر ٹھہر گئی ہے؟ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے جواب دیا ''الأسد في براثنه'' شیر جس کے چنگل میں رہتا ہے یعنی سعد بن ابی وقاص۔ تمام مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حسن انتخاب کی زوردار تائید فرمائی۔ حضرت عمر نے فوراً ہی حضرت سعد کو عراق کا والی اور اسلامی فورس کا کمانڈر ان چیف متعین فرمادیا۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۹ ص: ۶۱۴)

سعد کا لشکر: حضرت سعد بن ابی وقاص کا لشکر تیار ہوگیا یہ مبارک لشکر بڑے مقدس نفوس پر مشتمل تھا۔ اس میں تین سو سے زائد وہ صحابہ تھے جو بیعت رضوان سے شرف یاب تھے، تقریباً تین سو بیس وہ تھے جو فتح مکہ کے مبارک موقع پر موجود تھے اور سات سو افراد صحابۂ کرام کے جگر کے ٹکڑے ان کے بیٹوں کی شکل میں موجود تھے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۹۶)

امیر المؤمنین کی نصیحت: رجال حول الرسول کے مصنف کے مطابق حضرت سعد کے لشکر کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی۔ لیکن ایرانیوں کے لشکر کے مقابلے میں یہ تعداد ایک تہائی بھی نہ تھی۔ لشکر کی روانگی کا وقت پورا ہوا مدینہ شریف سے لشکر نے کوچ شروع کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کو الوداع کہنے کے لیے مدینہ شریف سے باہر تشریف لائے لشکر کو الوداع کہتے ہوئے حضرت عمر نے سپہ سالار حضرت سعد کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

''اے سعد! تم اس بات سے دھوکہ مت کھانا کہ تم اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماموں اور ان کے صحابی ہو، اللہ تعالیٰ گناہ کو گناہ کے ذریعہ معاف نہیں فرماتا بلکہ وہ گناہ کو نیکی کے ذریعہ معاف فرماتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں نسب بغیر اطاعت کے کچھ کام نہیں آتا۔ لوگ دنیا میں اپنے خاندان کے اعتبار سے خواہ اعلیٰ ہوں یا ارفع وہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کی نظر رحمت میں سب برابر ہیں۔ اس کی بارگاہ میں رتبہ صرف

تقویٰ کی بنیاد پر بلند ہوتا ہے اور انسان تقویٰ کے ذریعہ ہی خدا کی اخروی نعمتیں حاصل کرتا ہے۔ تم ہر معاملے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طرزِ عمل کو دیکھنا، اس کو لازم پکڑ لینا، کیوں کہ یہ ایسا امر ہے کہ جس کا نافذ کرنا سب کے لیے ضروری ہے۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ ص:۲۹۶، رجال حول الرسول ص:۸۸)

یہ لشکر قادسیہ پہنچ چکا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھتے رہنے کی حضرت سعد کو تاکید فرمائی تھی جس پر حضرت سعد مکمل عمل کر رہے تھے۔ خود امیر المومنین بھی اپنے احکام اور نصیحتیں مسلسل خط کے ذریعہ حضرت سعد تک پہنچا رہے تھے۔ ایرانیوں کا نامی جنرل رستم ایرانی فورس کا کمانڈر تھا اور اس کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز تھی۔

(رجال حول الرسول ص:۸۸)

سعد کا نمائندہ: امیر المومنین کے حکم کے مطابق حضرت سعد نے اپنے ایک نمائندے کو رستم کے پاس اسلامی پیغام لے کر بھیجا کافی لمبی اور بے نتیجہ گفتگو کے بعد آپ کا فرستادہ واپس آیا اور حاصل کلام بتاتے ہوئے اس نے حضرت سعد سے عرض کیا: اے سپہ سالارِ اعظم! جنگ یقینی ہے اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ سن کر حضرت سعد کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے حضرت سعد کی خواہش تھی کہ جنگ یا تو پہلے ہو گئی ہوتی یا پھر کچھ متاخر ہو جاتی کیوں کہ وہ اس وقت سخت بیمار تھے، پورا جسم پھوڑے اور پھنسیوں سے بھرا ہوا تھا، آپ گھوڑے پر بیٹھنے کے بھی لائق نہیں تھے لیکن آج سعد کی ذات میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول کا جلوہ نظر آ رہا تھا۔ آقا کریم کا ارشاد ہے: ''طاقت ور مومن کو کوئی حیلہ اس کے مقصد سے باز نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اس کو عاجز کر سکتا ہے''۔

گویا کہ قولِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان کے جسم میں تازہ روح دوڑ گئی ہے، کھڑے ہوئے اور اپنی سپاہ کو خطبہ دینا شروع کیا۔ خطبہ سے فراغت کے بعد آپ نے چار بار اللہ اکبر کہا اور نقارۂ جنگ بجا دیا گیا۔ اس بیماری کے عالم میں آپ کی آواز صدائے شیر کی مثل گونج رہی تھی، میمنہ ہو یا میسرہ، امام ہو یا خلف یا پھر قلب، ہر طرف آپ

کی گہری نظر تھی۔ مسلمان بھی اپنے قائد کا حال دیکھ کر جاں فروشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی ایرانیوں کے سپہ سالارِ اعظم کا سر مسلمانوں کے نیزے پر بلند ہو چکا تھا اور ایرانی میدان ہار چکے تھے۔ اس کے بعد اب شہر مدائن کی باری تھی۔ (رجال حول الرسول ص: ۹۰)

توکل علی اللہ اور جرأت: اب مسلمانوں کے لیے دریائے دجلہ کے پار کرنے کا مسئلہ تھا اور وقت بھی ایسا کہ دجلہ اپنے شباب پر لبالب تھا لیکن جب مومن اپنے کمال پر آتا ہے تو پھر سارے شباب ماند پڑ جاتے ہیں۔ حضرت سعد نے آج اپنے کمال نور کا ظہور فرمایا تھا۔ انہیں اپنے رب کی قدرتوں پر پورا بھروسہ تھا اور انہیں اس بات پر یقین کامل تھا کہ بحر و بر اور خشک و تر زمین و آسمان اور اس میں پائی جانے والی ساری چیزیں اللہ ہی کی مملوک اور محکوم ہیں۔ جس رب نے اپنے حبیب کے غلاموں کے لیے خشکی کو ہموار کر دیا ہے وہ سمندروں کی گہرائی و گیرائی اور ان میں پائی جانے والی موجوں کی طغیانی کو بھی غلامانِ مصطفیٰ کے لیے مسخر فرما دے گا۔

گھوڑے دریا میں ڈال دیے: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سب لوگ اللہ سے مدد چاہیں اور زبان قال وحال سے کہیں ’’حسبنا اللہ ونعم الوکیل‘‘ پھر قائد اعظم نے اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا اپنے قائد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پورے لشکر نے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈال دیا اور ایک آدمی بھی باقی نہ رہا۔ یہ لوگ اسی طرح دریا پر چل رہے تھے جیسے کہ آدمی زمین کے اوپر چلتا ہے سارے لوگ صحیح وسالم دریا پار کرنے میں کامیاب ہو گئے یہ ان پر اللہ کا فضل تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰، ص: ۱۱، رجال حول الرسول ص: ۹۱)

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

آپ پر لوگوں کا اعتماد: حضرت سعد بن ابی وقاص پر لوگ مکمل بھروسہ کرتے تھے۔ آپ کی شناخت لوگوں کی نگاہ میں ایک سچے دیانت دار، متقی اور پاکباز مومنِ کامل

کے طور پر تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں ''حضرت سعد نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا ہے۔ (حضرت ابن عمر کو اس وقت تک اس مسئلہ کا علم نہ تھا) تو اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ حضرت سعد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح فرمایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا ہاں بالکل صحیح بات ہے۔ سنو! سعد جب کسی بات کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے بیان کریں تو پھر تم کسی دوسرے سے مت پوچھو۔

(صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین)

فتنہ سے الگ: جب حضرت عثمان شہید کر دیے گئے اور مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو گئے اور دونوں گروہوں میں جنگ ہوئی تو یہ فتنے سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ ان کے بیٹے اور بھتیجے نے یہ چاہا کہ سعد خود اپنی خلافت کی دعوت لوگوں کو دیں لیکن آپ نے یہ بات نہیں مانی اور سلامتی کو طلب کیا۔ حضرت امیر معاویہ نے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ (اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۵۵، شرح صحیح مسلم، جلد: ۶، صفحہ: ۱۷۹)

عامر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد اپنے اونٹوں کے پاس تھے کہ ان کے بیٹے عمر آئے۔ جب حضرت سعد نے عمر کو آتے دیکھا تو کہا میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ جب وہ اترے تو انہوں نے حضرت سعد سے کہا کہ آپ اپنے اونٹوں اور بکریوں کے پاس رہتے ہیں اور آپ نے لوگوں کو سلطنت میں جھگڑے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت سعد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا خاموش رہو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے محبت رکھتا ہے جو متقی ہو، مستغنی ہو اور گوشہ نشین ہو۔ (صحیح المسلم: کتاب الزہد والرقاق)

اولاد: آپ کی اولاد کی کل تعداد چونتیس تھی جس میں سترہ لڑکے اور اتنی ہی لڑکیاں تھیں۔ (الریاض النضرہ ج ۴، ص: ۲۸۳)

وصیت: آپ کے بیٹے حضرت عامر نے فرمایا: وفات کے وقت والد گرامی نے ایک جبہ نکال کر دیا اور اس کے متعلق فرمایا: یہ وہ جبہ ہے جو میں نے جنگ بدر میں پہنا تھا اور پھر مشرکوں سے قتال کیا تھا، میں نے اس جبہ کو اِس دن کے لیے چھپا رکھا تھا اس جبے کو میرا کفن بنا کر مجھے دفن کر دینا۔ آپ مہاجرین صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

(اسد الغابۃ ج ۲،ص: ۴۵۶، الاستیعاب ج ا،ص: ۲۷۷)

وصال: حضرت سعد مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں اپنے گھر پر رہتے تھے وہیں پر آپ کا انتقال ہوا۔ عقیق سے آپ کے جسم مبارک کو لوگ اپنے کاندھوں پر رکھ کر مدینہ منورہ لائے۔ مروان بن حکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ امام واقدی کے مطابق آپ کا سن وصال ۵۵ ہجری ہے، ۵۴، ۵۸ھ کے اقوال بھی کتب تواریخ وسیر میں مذکور ہیں۔ (اسد الغابۃ ج ۲،ص: ۴۵۶)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اللہ جل مجدہ کی یہ شان ہے کہ وہ مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا فرماتا۔ یہ بھی اس کی شان ہے اگر وہ چاہے تو کفر کے ظلمت کدوں سے ایمان کے سورج طلوع فرمادے۔ عرب جو کبھی ظلمت کدۂ کفر تھا، اس میں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے ایسا انقلاب آیا کہ اس کے ہر گھر میں نور ایمان کے ایسے درخشندہ آفتاب چمکے کہ پوری دنیا ان کی چمک سے بقعۂ نور بن گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تبلیغ کے ذریعہ ایمان لانے والے بیشتر افراد وہ ہیں جن کا گھریلو ماحول کفر وشرک کی آماج گاہ تھا۔ اس گھر میں پیدا ہونے والے نونہالوں کی بد قسمتی تھی کہ جب انہوں نے آنکھ کھولی تو اپنے آباو اجداد کو کفر اور کفریاتی رسوم کا پابند پایا۔ کوئی بت کے آگے سجدہ ریز ہے، کوئی ان کے حضور مرادیں مانگ رہا ہے، کوئی بتوں کے نام کی نذریں مان رہا ہے، تو کوئی ان کے لیے جانور ذبح کر رہا ہے۔ اس ماحول کے پروردہ اور تربیت یافتہ نوخیزوں سے کوئی اچھی امید وابستہ کر لینا یقیناً دانش مندی کے خلاف ہوگا یہ تو مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر کیمیا اثر تھی کہ جس طرف اٹھ جاتی کفر وشرک کے بڑے سے بڑے بت کو بھی پاش پاش کر دیتی۔

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان، حدِّ اعجاز کو پہنچا ہوا الفاظ ومعانی کا حسن امتزاج، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسحور کن شیریں زبان کا اثر تھا کہ کفر کی مضبوط سے

مضبوط چٹان شگاف زدہ ہوئی اور پھر ریزہ ریزہ ہوکر ریت کے ذرات کی طرح ہوا میں بکھر گئی۔ لیکن عرب کے اس مایوس کن اور وحشت زدہ ماحول میں ایک جوان ایسا بھی ہے جس کے باپ نے اپنے بیٹے کے لیے ہدایت یافتہ ہونے کی راہ ہموار کی ہے۔ یہ غریب خود نبی آخرالزماں کے دیدار کی حسرت اور ان کے دامن رحمت میں پناہ لینے کی تمنا لے کر دنیا سے چلا گیا، مگر جاتے جاتے بھی اپنے خالق و مالک سے یہ دعا کر گیا ''اللھمَّ اِن کنت حرمتنی من ھذا الخیر فلاتحرم منہ ابنی'' ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے مجھے اس خیر (دیدار نبی) سے محروم کر دیا ہے تو میرے بیٹے کو اس خیر سے محروم نہ کرنا۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ بیٹا جس کے باپ کی یہ حسرت و تمنا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں اس خوش قسمت بیٹے کا نام؟ تاریخ عرب اسے سعید بن زید کے نام سے جانتی ہے۔

نام و نسب: سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ کی کنیت ابواعور ہے۔ (اسدالغابہ ج ۲، ص: ۴۷۶، الاستیعاب ج ۱، ص: ۲۶۹)

تنبیہ: اسدالغابہ وغیرہ میں آپ کو حضرت عمر کا چچا زاد بتایا گیا ہے۔ لیکن الریاض النضرۃ، صور من حیاۃ الصحابہ میں آپ کو حضرت عمر کے باپ کا چچا زاد بھائی بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ کے نکاح میں تھیں اور حضرت سعید کی بہن عاتکہ بنت زید حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔ اس لحاظ سے یہ دونوں ایک دوسرے کے بہنوئی تھے۔ (الاستیعاب ج ۱، ص: ۲۶۹)

حلیہ: آپ کا قد لمبا، رنگ گندمی، اور جسم مبارک پر بال کثرت سے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص: ۱۴۰، الریاض النضرہ ج ۴، ص: ۲۶۹)

سعید کے باپ کا حال: آپ کے باپ زید بن عمرو بن نفیل دین ابراہیم کی تلاش میں تھے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے زید نہ بتوں کے لیے

جانور ذبح کرتے نہ خون اور مردار کھاتے۔ (الاستیعاب ج ا ص: ۲۷۰)

ایک دن مکہ میں عجیب منظر دکھائی دے رہا ہے، کفار قریش اپنی عید منانے کی تیاری کرر ہے ہیں، مرد سروں پر عمامہ باندھے ہوے ہیں، عمدہ قسم کی مہنگی چادریں اپنے جسموں پر ڈالے اکڑ اکڑ کر چل رہے ہیں، عورتیں اور بچے زرق برق لباس میں ملبوس اپنے انوکھے انداز میں رواں دواں ہیں، اہل ثروت کے چرواہے جانوروں کو ہانک کر لے جا رہے ہیں، ان جانوروں کو بھی خاص طور پر مزین کیا گیا ہے کیوں کہ جانوروں کو آج بتوں کے سامنے ذبح کیا جانا ہے، حضرت سعید کے والد زید خاموش نگاہوں سے دور ہی سے سب کچھ ملاحظہ کرر ہے ہیں، انہیں اس بھیڑ اور بھیڑ کی مشغولیات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

دیکھنے کے بعد کچھ غور وفکر کیا اور کعبہ مقدسہ کی دیوار سے آپ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، پھر کفار قریش کو بڑے ہی ناصحانہ لب و لہجے میں ملامت شروع کرتے ہیں ''اے کفار قریش! میری بات کو سنو اور غور کرو بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس نے آسمان سے بارش نازل فرمائی تو زمین کی پیاس بجھی، سبزہ نکلا، گھاس اور پودے اُگے، بکری نے اسے کھایا تو اس کے جسم کی نشو ونما ہوئی، تم اسے بتوں کے نام پر ذبح کر دیتے ہو، میری نظر میں تم بڑے جاہل ہو''۔

یہ سن کر کفار قریش پر سناٹا چھا گیا، اچانک زید کے چچا خطاب جو حضرت عمر کے والد ہیں کھڑے ہو گئے، ایک زوردار طمانچہ زید کے منہ پر لگایا اور پھر بڑبڑانا شروع کیا، برا ہو تیرا! ہم ایک زمانے سے تیری یہی بکواس سنتے چلے آ رہے ہیں، برداشت کرتے رہے لیکن اب پیمانۂ صبر چھلک پڑا، اور پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ اب تک تو معاملہ چچا اور بھتیجے کا تھا اور جب چچا ہی اپنے بھتیجے پر ظلم ڈھائے تو پھر دوسرے صرف تماشائی کیوں کر بنے رہیں۔ لہٰذا دوسرے لوگ بھی اس ظلم میں برابر کے شریک رہے، اوباش اور لفنگوں نے انہیں گھیر لیا، مسلسل ایذا دیتے رہے، یہاں تک کہ انہیں مکہ سے نکال کر باہر کر دیا، تب یہ حرا پہاڑی میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ اتنے ہی پر خطاب نے بس نہیں کیا بلکہ مکہ کے چند نوخیز چھوکروں کو

اس بات پر لگا دیا کہ زید مکہ میں داخل نہ ہونے پائے۔ یہ ظلم کا مارا انسان مکہ میں داخل نہیں ہونے پاتا۔ جب کبھی موقع ملتا تو ان سے چھپ کر مکہ آتا، ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حارث، امیمہ بنت عبدالمطلب سے ملاقات کرتا، یہ لوگ عرب والوں کی ضلالت وگمراہی کا تذکرہ کرتے اور یہی گفتگو کرتے کہ اپنی قوم باطل دین ورسوم کی پابند ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ دین ابراہیم کے پیروکار ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا دین ابراہیم سے دور کا تعلق بھی سلامت نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں ایسے دین کو اپنانا چاہیے کہ جس کی پابندی ہماری نجات کی ضامن ہو۔

عزم وارادے کے پختہ ان چاروں افراد نے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے دین حق کی تلاش شروع کردی۔ ع

اب کس کو کیا ملا یہ مقدر کی بات ہے

ورقہ بن نوفل نے عیسائیت قبول کی اور وہ نصرانی ہوگئے۔ عبداللہ بن جحش اور عثمان بن حارث اس سلسلے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے اور زید بن عمرو کا قصہ ہم انہیں کی زبانی آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء ج ۱ ص: ۲۲۷، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۳۴)

حضرت زید بیان فرماتے ہیں: میں نے یہودیت ونصرانیت پر غور وفکر کیا اور بڑے قریب سے ان کو اپنے دائرۂ احساس میں داخل کیا، مجھے نہ یہودیت میں کوئی خیر نظر آئی اور نہ ہی میرا ضمیر نصرانیت قبول کرنے کو تیار ہوا۔ میں نے ان دونوں مذاہب سے صرف نظر کیا اور صرف نظر کرنے کی وجہ یہ رہی کہ مجھے ان دونوں مذاہب میں وہ اقدار نظر نہیں آئیں جو میرے سوز دروں کو تسکین دے پاتیں لیکن میں تھک کر بیٹھ نہیں گیا بلکہ اکناف عالم میں اپنے مطلوب کا جویاں رہا اسی تلاش وجستجو میں میں ملک شام جا پہنچا۔

شام میں مجھے ایک ایسے راہب کا پتہ چلا جو آسمانی کتاب کا عالم تھا۔ میں نے اس سے ملاقات کی اور اپنا درد دل کہہ سنایا۔ راہب نے مجھ سے کہا اے مکی بھائی! مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ دین ابراہیم کے متلاشی ہیں۔ میں نے کہا آپ نے بالکل سچ فرمایا، میں اسی

دین کی تلاش میں ہوں۔ راہب نے میرا جواب سننے کے بعد کہا آپ جس دین کو تلاش کرنے نکلے ہیں وہ آج روئے زمین پر اپنی اصلی صورت وشناخت کے ساتھ موجود نہیں لیکن اگر تم واقعی اس دین کو پانا چاہتے ہو تو اتنا یاد رکھو کہ تمہارا مطلوب تمہیں شہر مکہ ہی میں حاصل ہوگا لہٰذا تم اپنے شہر کی طرف پلٹ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری ہی قوم سے ایک ایسے انسان کو مبعوث کرے گا جو دین ابراہیم کی تجدید فرمائے گا۔ اگر قسمت سے تمہاری ان سے ملاقات ہوجائے تو ان کے دامن کو مضبوطی سے تھام لینا۔

حضرت زید نبی موعود سے ملاقات کا جذبہ لے کر شام سے مکہ کی طرف پلٹ گئے ابھی زید راستے کے پیچ وخم طے ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حق وہدایت کے ساتھ اپنے نبی کو مکہ شریف میں مبعوث فرمایا لیکن وائے رے محرومی زید۔ ع

قسمت کی بات دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند

راہِ حق کا مسافر اپنی منزل مقصود کو پہنچ پاتا اس سے پہلے ہی ناموافق حالات کی دیوار نے راہ کو مسدود کر دیا۔ قبل اس کے کہ زید اپنی آنکھوں میں دیدار رسول کا سرمہ لگاتے انہیں اَعراب کی ایک جماعت نے مکہ کے راستے میں ہی قتل کر دیا۔ جب زید اپنی زندگی کی آخری بچی ہوئی سانسیں گن رہے تھے تو اپنے رب کی بارگاہ میں یہ عرض کر رہے تھے ''اے میرے مولیٰ! اگر چہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے کو اس سے محروم مت کرنا''۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص ۲۳۵، سیر اعلام النبلاء ج ا، ص: ۱۳۲)

ماقبل کے اقتباس سے ورقہ بن نوفل کا نصرانی ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اس سلسلے میں فقیہ الہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی کی تحقیق کچھ جدا ہے۔ معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں:

کیا ورقہ بن نوفل نصرانی تھے؟: علمائے سیر اور محدثین کے مابین اس میں بڑے زور کی معرکہ آرائی ہے کہ یہ دولت ایمان سے بہرہ ور ہو کر صحابیت کے زمرے میں داخل ہوئے یا بحیرہ راہب کی طرح اخیر وقت تک نصرانی کے نصرانی ہی رہے۔

ورقہ عرب کے ان چند نفوس میں سے تھے جو اپنی عقل سے بت پرستی کو ناپسند کرتے تھے اور دین حق کے جویاں تھے۔ یہ اور زید بن نفیل وغیرہ نے دین حق کی تلاش میں شام وغیرہ کا سفر کیا۔ بعض ایسے راہبوں سے جو غیر متبدل دین عیسوی پر تھے ورقہ کی ملاقات ہوئی ان کے اثر سے اصل دین عیسوی کو قبول کر کے عیسائی ہو گئے۔ ان نصاری کی طرح نہیں تھے جو محرف دین عیسوی کے پابند تھے۔ یہ عربی، عبرانی اور سریانی تینوں زبانوں کے ماہر تھے، انجیل کو عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کا بعد بعثت ۴ نبوی میں انتقال ہوا۔

ایمان لانے کے جرم میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایذائیں دی جانے لگیں، ان کو چلچلاتی دھوپ سے تپتی ہوئی سنگ لاخ زمین پر لٹا کر مجبور کیا جاتا کہ ایمان سے پھر جائیں، شدت تکلیف سے بے ہوش ہو جاتے، مگر جب ہوش آتا تو فرماتے اَحَدٌ، اَحَدٌ۔ ایک بار اسی حالت میں ورقہ کا گذر حضرت بلال پر ہوا ان سے کہا اَحَدٌ، اَحَدٌ ایک ہی کہنا۔ ایک ہی کہنا۔ یہ روایت اس کے منافی نہیں جو اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ ام المومنین نے فرمایا: ورقہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد انتقال کر گئے۔ حضرت ام المومنین کی مراد یہ ہے کہ اسلام کی شہرت عام اور جہاد کے فرض ہونے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

حضرت ورقہ کی صحابیت: مغازی محمد بن عائذ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ورقہ نصرانیت پر مرے۔ اس کا ایک راوی عثمان بن عطا خراسانی ہے اصابہ میں فرمایا یہ ضعیف ہے اس لیے یہ قول ساقط ہو گیا۔ رہ گیا یہ قول کہ یہ صحابی تھے یا بحیرہ راہب کے مثل تھے، اس کا تصفیہ صحابی کی تعریف پر موقوف ہے۔

علامہ ابن حجر نے نخبہ میں صحابی کی یہ تعریف کی ہے ''جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور اسی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسلام پر مرا ہو، اگرچہ درمیان میں مرتد ہو گیا ہو، یہی اصح ہے''

اس میں ملاقات سے مراد معنیٰ عام ہے، جو ملاقات اور دیکھنے دونوں کو شامل ہے۔ یعنی واقعی ملاقات ہوئی اگرچہ دیکھا نہ ہو جیسے نابینا صحابی، یا صرف دیکھا ہو اگرچہ ملاقات نہ

ہوئی ہو جیسے دور سے دیکھا ہو، یا عہد طفلی میں شعور آنے سے پہلے دیکھا ہو۔

صحابی کی تعریف کے معیار سے حضرت ورقہ کو جانچیے تو بلا شبہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بھی اور آپ کی تصدیق بھی کی اور آپ پر ایمان بھی لائے اور زمانۂ دعوت بھی پایا اور اپنے ایمان پر اخیر دم تک قائم رہے۔ ابھی گزرا کہ ۴ نبوی میں انتقال ہوا۔ ۴ نبوی میں عام دعوت کا حکم آچکا تھا۔

مدارج النبوہ، صفحہ: ۵۲، جلد: ۲ پر ہے: تین سال تک اسی طرح حال رہا، آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے چھپانے اور اسی پر اکتفا کرنے کے مامور تھے۔ اس لیے خفیہ دعوت اسلام دیتے یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ''تم کو جو حکم ہے اسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو'' یہ چوتھے سال ہوا۔

جب ورقہ کا وصال ۴ نبوی میں ہوا تو ثابت ہے کہ انہوں نے خفیہ دعوت کا زمانہ ضرور پایا بلکہ اوپر حضرت بلال والے واقعے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دعوت عام کا بھی زمانہ پایا۔ اس لیے کہ یہ طے ہے کہ مسلمانوں کی ایذا رسانی اعلان عام کے بعد شروع ہوئی ہے۔

زیادات المغازی اور دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے کہ ابتدائے وحی کے کوائف سننے کے بعد ورقہ نے یہ کہا'' آپ کو بشارت ہو بشارت ہو، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی ابن مریم نے بشارت دی تھی اور آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کے مثل ہیں اور بلا شبہ آپ نبی مرسل ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو جہاد کا حکم ہوگا اگر میں اس وقت تک رہا تو آپ کے ساتھ رہ کر ضرور ضرور جہاد کروں گا۔ ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے قسّ (ورقہ) کو جنت میں ریشمی لباس میں دیکھا اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی تھی۔ (اصابہ، جلد: ۳، صفحہ: ۶۳۴)

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمادی کہ ورقہ مومن تھے، مومن مرے، تو اب تفصیل بالا کی روشنی میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ ورقہ صحابی تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس روایت کے بارے میں بیہقی نے کہا کہ یہ منقطع ہے مگر سب کو معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ اور جمہور کے نزدیک منقطع حدیث کے راوی اگر ثقہ ہیں تو وہ لائق حجت ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں "ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے یعنی اس کی ایک قسم یعنی منقطع ہے اور مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے"۔

علاوہ ازیں اس کی مؤید کثیر روایتیں ہیں جو اصابہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ کسی میں فرمایا، میں نے ان کو جنت میں کریپ پہنے دیکھا، کسی میں ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں ہیں۔ کسی میں ہے کہ ایک ہی نہیں دو جنت میں ہیں، انہیں برامت کہو۔ کہیں یہ آیا کہ میں نے ان کو سفید کپڑے میں دیکھا، اگر جنتی نہ ہوتے تو ان پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔

ان سب روایات سے قدر مشترک کے طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ضرور مومن تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ زمانۂ دعوت پا چکے تھے تو اب ان کے صحابی ہونے میں کیا شبہ۔ یہی کثیر محدثین، علمائے سیر کا مذہب ہے۔ مثلاً برہان بقاعی، علامہ برمادی عراقی اور ابن مندہ، طبری، بغوی، ابن نافع، ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

(نزہۃ القاری، شرح بخاری، جلد:۱ ص:۱۹۷)

سعید کے والد لڑکیوں کی حفاظت کرتے تھے: دور جہالت میں جب لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے حضرت زید لڑکیوں کی حفاظت کرتے، اور انہیں زندہ دفن ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے۔ جب زید کسی انسان کو دیکھتے کہ وہ اپنی لڑکی کو قتل کرنے کے درپے ہے، تو آپ فرماتے: ٹھہر جا! اس کو قتل مت کر میں اس کی خوراک اور اخراجات کا ضامن ہوں۔ یہ کہہ کر آپ لڑکی کو اس کے باپ سے لے لیتے، جب بچی بڑی ہو جاتی، تو آپ اس کے باپ سے کہتے، اگر تو چاہے تو میں تجھے بچی واپس کر دوں ورنہ میں خود ہی اس کی پرورش کرتا رہوں گا۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب حدیث زید بن عمرو، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص:۱۲۸)

زید نجات یافتہ ہیں: حضرت زید کہتے تھے اے اللہ! میں دین ابراہیم پر ہوں،

لیکن انہیں کوئی ایسا انسان نہ مل سکا جو یہ دین صحیح معنی میں انہیں سکھا پاتا مگر زید نجات پانے والے لوگوں میں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں گواہی دی ہے "إنه يبعث يوم القيامة امة واحدة" زید کو ایک امت کے ساتھ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ زید نے اعلان نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دن حضرت سعید نے اپنے والد کے بارے میں عرض کیا حضور! آپ میرے والد کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ کہ وہ کیسے تھے؟ آپ ان کے لیے استغفار کیجیے؟ تو حضور نے ان کے لیے دعاے مغفرت کی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ا ص: ۱۳۰)

سعید کا اسلام لانا: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت زید نے اپنے بیٹے کے لیے دم اخیر دعا کی تھی "اے اللہ! سعید کو اس خیر سے محروم مت کرنا" اللہ نے زید کی یہ دعا قبول فرمالی۔ ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دین حق کی طرف بلانا شروع کیا ادھر اللہ نے سعید کے سینے کو قبول ہدایت کے لیے کھول دیا۔ آپ اس جماعت میں شامل ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے میں سابق رہے اور جسے سابقین اولین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سعید کا اتنی جلدی اسلام قبول کر لینا کوئی تعجب کی بات نہ تھی کیوں کہ آپ نے ایسے گھر میں پرورش پائی تھی جو گھر قریش کے کفر کو پسند نہیں کرتا تھا اور آپ ایسے باپ کے پروردہ تھے جو حق کی جستجو میں جاں بلب ہوا تھا۔

آپ تنہا اسلام نہیں لائے بلکہ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی فاطمہ بنت خطاب بھی اسلام لائیں۔ (اسد الغابۃ ج ۲ ص: ۴۷۶، الریاض النضرۃ ج ۴ ص: ۲۸۷)

دیگر مسلمانوں ہی کی طرح حضرت سعید کو بھی قریش کے ظلم وجبر کا نشانہ بننا پڑا، اور جتنا اللہ نے چاہا اتنی آزمائشوں سے آپ کو گزرنا پڑا مگر قریش آپ کو دین حق سے پھیر نہ سکے، بجائے اس کے کہ قریش سعید اور ان کی اہلیہ کو اسلام سے برگشتہ کر پاتے، سعید اور ان کی زوجہ نے قریش کے سب سے بھاری بھرکم، معظم اور محترم انسان حضرت عمر کو اپنی ثابت

قدمی سے مسلمان بناڈالا۔(ایضاً)

عمر کے اسلام کا سبب: حضرت انس بن مالک بیان فرماتے ہیں: حضرت عمر تلوار گلے میں ڈالے ہوئے باہر نکلے اسی حال میں حضرت عمر کی ملاقات بنی زہرہ کے ایک فرد (ابو نعیم) سے ہوئی، اس نے کہا عمر! کیا ارادہ رکھتے ہو؟ عمر نے جواب دیا میں محمد عربی کو قتل کرنے جارہا ہوں (معاذ اللہ) اس نے کہا اگر تم نے ایسا کیا تو تم بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کیسے بچو گے؟ عمر نے کہا ایسا لگتا ہے کہ تم نے اپنا قدیم دین ترک کردیا ہے اور نیا دین اپنالیا ہے۔ اس نے کہا میں تمہیں ایک تعجب خیز بات بتارہا ہوں۔ بے شک تمہاری بہن اور بہنوئی تمہارا دین چھوڑ کر اسلام قبول کرچکے ہیں۔ عمر وہاں سے چلے اور اپنے بہنوئی کے یہاں پہنچ گئے اس وقت وہاں حضرت خباب موجود تھے جب حضرت خباب کو عمر کے آنے کا احساس ہوا تو گھر میں چھپ گئے۔ عمر گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا یہ آواز کیسی آرہی تھی۔ بتایا گیا کہ گفتگو ہورہی ہے عمر نے کہا میں نے سنا ہے تم نے نئے دین کو اختیار کرلیا ہے۔ تو حضرت سعید نے جواب دیا اے عمر! یہ بتاؤ اگر حق تمہارے دین کے سوا ہو تو تم کیا کرو گے۔ عمر سعید پر جھپٹے، ان پر ٹوٹ پڑے اور سخت ضرب وکوفت کی۔

بہن فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے آئیں تو وہ بھی لہولہان ہوگئیں، پھر بہن نے غصے کی حالت میں کہا عمر غور کرو اگر حق تمہارے دین کے سوا ہو تو تم کیا کرو گے؟ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ عمر کا غصہ جب ٹھنڈا ہوا تو کہا اچھا وہ کتاب لاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ لاؤ میں اس کو پڑھوں گا، آپ کی بہن نے کہا تم ناپاک ہو اور اس کتاب کو پاک ہی پڑھ سکتا ہے۔ جاؤ وضو وغسل کر کے آؤ۔ حضرت عمر نے طہارت حاصل کی اور سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کرنے لگے "اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" ﴿طٰہٰ ۱۴﴾ پر پہنچے تو پکار اٹھے مجھے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پتہ بتاؤ۔ عمر کی یہ بات سن کر خباب باہر نکل آئے اور بولے عمر خوش ہو جاؤ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم صفا کے پاس ہی ایک گھر میں تشریف فرما تھے۔ عمر چلے اور گھر کے دروازے پر پہنچ گئے، دروازے پر حضرت حمزہ اور حضرت طلحہ اور کچھ دوسرے مسلمان موجود تھے۔ حضرت عمر پر حضرت حمزہ کی نظر پڑی اور دیگر لوگوں نے بھی حضرت عمر کو دیکھا تو ڈر گئے لیکن حضرت حمزہ نے فرمایا: اچھا یہ عمر ہیں اگر اللہ نے عمر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تب تو یہ مسلمان ہونے کے لیے آرہے ہیں ورنہ ان کا قتل ہمارے لیے آسان ہے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم گھر کے اندر تھے اور آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی کے نزول سے فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے اور عمر سے ملاقات ہوئی۔ سرکار نے حضرت عمر کی تلوار کا پٹہ پکڑ کر ارشاد فرمایا: ''اے عمر! کیا اس وقت باز آ ؤ گے جب اللہ تمہیں بھی ولید بن مغیرہ کی طرح رسوا فرمائے گا''۔ پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! عمر کو ہدایت نصیب فرما، اے اللہ! دین اسلام کو عمر کے ذریعہ عزت عطا فرما یہ سننا تھا کہ حضرت عمر نے عرض کیا ''أشھد انک رسول اللہ'' اور عمر مسلمان ہو گئے۔

(الریاض النضرۃ ج ۲، ص: ۲۳۸)

مواخات: کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت سعید اور آپ کی بیوی حضرت فاطمہ نے ہجرت فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ میں آپ کی مواخات حضرت ابی بن کعب کے ساتھ قائم فرمائی۔

(اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۴۷۶)

بدر سے حصہ ملا: بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ معرکۂ بدر میں شریک تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ بدر میں شریک نہیں تھے البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو بدر کے مال غنیمت سے حصہ مرحمت فرمایا۔ آپ بدر میں شریک کیوں نہیں ہو سکے، اس سلسلے میں مؤرخین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ تجارتی غرض سے ملک شام گئے ہوئے تھے، جب

واپس آئے تو بدر کا معرکہ گزر چکا تھا۔ یہ قول ابوموسیٰ وغیرہ کا ہے۔

امام واقدی کے مطابق آپ کو اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جاسوسی کی مہم پر روانہ فرمایا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ دونوں حضرات بدر میں شریک نہیں ہو سکے لیکن اس کے باوجود بھی دونوں کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے بدر کے سوا آپ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے۔ (اسد الغابہ ج ۲، ص: ۴۷۶)

جنت کی بشارت: حضرت عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔

یہ روایت خود حضرت سعید بن زید سے بھی مروی ہے۔ اس روایت میں سعید نے اپنے نام کو چھپا لیا، جب لوگوں نے قسم دے کر پوچھا اے سعید! دسواں جنتی کون ہے اس کا نام بھی بتاؤ تو آپ نے فرمایا: دسواں نام سرکار نے میرا ہی ذکر فرمایا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ، اسد الغابہ ج ۲، ص ۴۷۷)

سعید بن زید شہید ہیں: ایک دن اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حرا پہاڑ پر تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ آپ کے کچھ جاں نثار بھی تھے، اچانک حرا پہاڑ ہلنے لگا اس پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو ارشاد فرمایا اسے ہم حضرت سعید ہی کی زبانی ملاحظہ کرتے ہیں۔

حضرت سعید بن زید ارشاد فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حرا! ٹھہر جا تجھ پر تشریف فرما نبی ہے یا صدیق یا شہید ہے۔ آپ کے ساتھ کون تھے تو خود حضور نے انہیں شمار فرمایا یہ حضرت ابوبکر وعمر، عثمان وحیدر، طلحہ وزبیر، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف اور سعید بن زید تھے۔

(سنن ابن ماجہ، باب فضائل العشرۃ)

اس روایت سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعید کو شہادت کی بشارت عطا فرمائی۔

آپ مستجاب الدعوات تھے: حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں: اروی بنت اویس نے حاکم مدینہ مروان کے پاس آ کر شکایت کی کہ سعید نے میری زمین کو ظلماً غصب کرلیا ہے۔ مروان نے حضرت سعید کو بلایا تو آپ نے فرمایا کیا آپ کی یہ رائے ہے کہ میں نے زمین کو غصب کرلیا ہے؟ میں ایسا کیسے کرسکتا ہوں جب کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے ''جس نے ناحق کسی کی ایک بالشت زمین کو غصب کیا قیامت میں اللہ اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا''۔ (اسدالغابۃ ج ۲، ص: ۴۷۷)

اب ہم اس واقعہ کو حضرت امام مسلم کی روایت کردہ حدیث کے مطابق پیش کررہے ہیں۔

''اروی نے گھر کے معاملے میں حضرت سعید سے نزاع کیا تو حضرت سعید نے لوگوں سے کہا آپ لوگ ہم دونوں کے معاملہ میں کچھ نہ کہیں کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے جو کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو تو اسے اندھا کردے اور اس کی قبر اس کے گھر میں بنادے۔ راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو اندھا دیکھا، دیوار ٹٹول ٹٹول کر گھر میں چلتی تھی اور کہتی تھی مجھے سعید کی بددعا لگ گئی ہے۔ ایک دن وہ اپنے گھر میں چل رہی تھی چلتے چلتے وہ اس کنویں کے پاس آ گئی جو گھر میں تھا وہ اسی کنویں میں گر کر مرگئی اور وہ کنواں ہی اس کی قبر بن گیا۔ (صحیح المسلم، کتاب المساقات، باب تحریم الظلم)

حق واضح ہوگیا: کسی باغیرت، اللہ سے ڈرنے والے پر غصب کی تہمت لگا دینا اس بے گناہ انسان کی شخصیت کو لوگوں کے دلوں میں مشتبہ بنادینا ہے اس لیے وہ پاک طینت انسان یہ خواہش کرتا ہے اے کاش! اس سلسلے میں حق واضح ہوجاتا اور میں لوگوں کے ناحق طعن سے محفوظ ہوجاتا۔ یہی خیال حضرت سعید کے دل میں بھی آیا اور آپ نے

اللہ سے دعا کی اے میرے رب! تو اس سلسلے میں حق واضح فرما تا کہ لوگ جان لیں کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی ہے اور یہ عورت جھوٹی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمالی۔ وادیٔ عقیق میں ایسا سیلاب آیا کہ اس سے پہلے ایسا سیلاب لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس سیلاب نے جب کٹان کیا تو زمین کی حد لوگوں کے سامنے کھل گئی اور یہ بات عیاں ہوگئی کہ حضرت سعید غاصب نہیں خود عورت ہی کاذبہ ہے۔ (الاصابۃ ج ۳، ص: ۹۷)

سعید ایک عظیم مجاہد: حضرت سعید نے اپنی پوری زندگی خدمت دین میں لگادی۔ دین کی سربلندی کے لیے کفار سے معرکہ آرائی ان کا بہترین مشغلہ تھا۔ تقریباً بیس سال کی عمر میں اسلام لائے اور ستر سال سے زائد بقید حیات رہے، زندگی کے اتنے لمبے سفر میں کبھی بھی سعید نے سستی، کاہلی اور پہلوتہی کو اپنے قریب نہیں آنے دیا، اپنی پوری طاقت اور سرفروشی کے ساتھ مجاہدین اسلام کے شانہ بشانہ چلتے رہے۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور کے شریک رہے، اور حضور کے بعد رونما ہونے والے غزوات میں بھی آپ نے شرکت فرمائی، کسریٰ کے تخت کو پامال اور اسے شکست فاش دے کر ذلیل ورسوا کرنے میں بھی آپ کا بڑا حصہ ہے، قیصر سے اس کا تاج شاہی چھیننے میں بھی آپ شریک وسہیم ہیں۔

جنگ یرموک جو تاریخ اسلام کی ایک عظیم اور منفرد جنگ ہے اس موقع پر آپ کی ہوشیاری اور تاریخ ساز جاں نثاری کو تاریخ آج بھی سلام عقیدت پیش کررہی ہے۔ جنگ یرموک میں اسلامی لشکر کی تعداد چوبیس ہزار کے قریب تھی۔ کمک مل جانے کے بعد بعض حضرات نے یہ تعداد چھتیس ہزار سے چالیس ہزار کے بیچ بتائی ہے۔ اس کے مقابل رومی لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور کمک مل جانے کے بعد یہ لشکر دولاکھ لوگوں پر مشتمل تھا۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۳۶، البدایۃ والنہایۃ ج ۹، ص: ۵۴۸)

رومی اس بات پر بڑے خوش تھے کہ ان کے مقابل پر بڑی چھوٹی سی تعداد ہے۔ چوں کہ رومی لشکر جملہ آلاتِ حرب سے لیس تھا اور مسلمان ان کے مقابلے میں بظاہر کمزور تھے اور نہ ہی ان کے پاس اتنے عمدہ قسم کے جنگی آلات تھے، اس چیز نے رومیوں کو غرور

میں مبتلا کر دیا تھا۔

رومی اپنی فوج کی مختلف ٹکڑیوں کے ساتھ آلات اور فن حرب وضرب کا مظاہرہ کرتے ہوئے متکبرانہ چال سے آگے بڑھے، وہ اپنے اس حربہ سے مسلمانوں پر اپنا رعب قائم کرنا چاہتے تھے اور وہ اپنے اس حربے میں کسی قدر کامیاب بھی ہوئے تھے۔ ان کی یہ کثرت، جدید قسم کے آلاتِ حرب، پھران کا یہ کروفر کہیں نہ کہیں ضرور مسلمانوں کو خوف زدہ کررہا تھا۔ اس چیز کو بہت ہی جلد حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے اپنی ایمانی دوراندیشی سے تاڑلیا۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کے سامنے ایک زوردار تقریر فرمائی جس میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلائی۔ آپ نے فرمایا ''اللہ کے بندو! اللہ کے دین کی مدد کرو، خدا تمہاری مدد کرے گا، پریشانی پر صبر کرو کیوں کہ صبر ہی کفر سے بچنے کا ذریعہ ہے اسی میں رب کی رضا ہے اور یہی ذلت سے چھٹکارے کا سبب ہے۔ تیروں سے دشمن کی راہ روک دو اور ڈھالوں سے اپنا بچاؤ کرو اور اللہ کے ذکر کے سوا زبان کو خاموش رکھو اور پھر میرے حکم کا انتظار کرو''۔

جیسے ہی حضرت ابوعبیدہ نے اپنی بات ختم کی، ایک مجاہد مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر آیا اور حضرت ابوعبیدہ سے عرض کیا اب میری زندگی کا وقت پورا ہو چکا ہے اگر تمہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی پیغام بھیجنا ہو تو بتاؤ؟ حضرت ابوعبیدہ نے کہا ہاں مجھے پیغام پہنچانا ہے۔ حضور کی بارگاہ میں میرا اور تمام مسلمانوں کا سلام عرض کرنا اور پھر کہنا یا رسول اللہ! جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا اسے ہم نے حق اور سچ پایا ہے۔

حضرت سعید کہتے ہیں جب میں نے اس انسان کی یہ باتیں سنیں اور اس کا جوش جہاد سے تلوار کا نیام سے باہر نکال کر لہرانا اور پھر دشمنوں پر ٹوٹ پڑنا دیکھا تو میرے اندر بھی ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا اب نہ میرے دل میں کوئی خوف بچا تھا اور نہ ہی دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں۔ میں نے اپنا نیزہ سنبھالا، تیر تیار کیا اور رومیوں کا سب سے پہلا جنگجو جو ہماری طرف بڑھ رہا تھا میرے ہی تیر کا نشانہ تھا پھر کیا تھا مسلمان نئے جوش اور نئی امنگ کے ساتھ رومیوں پر ٹوٹ پڑے، ٹڈی دل رومیوں پر مسلمانوں کے سخت حملے

قیامت سے کم نہیں تھے، رومی پسپا ہو رہے تھے، مسلمان آگے بڑھ رہے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے سرفراز فرما دیا۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص: ۵۶۱، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۳۷)

دمشق کے والی: معرکۂ یرموک کے بعد حضرت سعید دمشق کے حصار میں بھی شریک رہے۔ جب اہل دمشق نے مسلمانوں کے حق میں سپردگی کا اعلان کر دیا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت سعید کو دمشق کا گورنر متعین فرمایا۔ حضرت سعید پہلے والی ہیں جو مسلمانوں کی طرف سے دمشق پر متعین کیے گئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۱۲۵، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۳۸)

شوق جہاد: آپ دمشق کے والی بن گئے تھے لیکن آپ کا دل وہاں کی امارت پر مطمئن نہیں تھا کیوں کہ آپ کو جو لطف میدان کارزار میں دشمنان خدا کو تہِ تیغ کرنے میں ملتا تھا وہ کسی شہر کی امارت میں حاصل نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابوعبیدہ اردن میں نزیل ہوئے تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو خط لکھا ''السلام علیکم، حمد ہے اس خدا کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد: مجھے سب چیزوں سے زیادہ محبوب جہاد کرنا ہے حتیٰ کہ میں اپنی جان پر بھی اس کو ترجیح دیتا ہوں۔ میری گزارش ہے کہ جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو کسی ایسے انسان کو یہاں کا والی بنا کر بھیج دیں جسے آپ پسند کرتے ہوں، میں بہت جلد آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں''۔ جب یہ خط حضرت ابوعبیدہ کو ملا تو آپ نے فرمایا: سعید ضرور دمشق کو چھوڑ کر رہے گا۔ پھر آپ نے زید بن ابوسفیان کو بلایا اور دمشق کا والی بنا کر بھیج دیا۔

(الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۹۰)

حکام کی نظر میں آپ کی اہمیت: حضرتِ سعید کے بیٹے بیان فرماتے ہیں: جب حضرت امیر معاویہ نے حاکم مدینہ مروان کو لکھا کہ وہ لوگوں سے ان کے بیٹے کی بیعت لے۔ اس وقت ایک شامی مروان کے پاس موجود تھا۔ جب مروان نے بیعت لینے میں تاخیر کی تو اس شامی نے کہا آپ کو کس چیز نے بیعت لینے سے روک رکھا ہے۔ تو مروان

نے کہا میں سعید بن زید کے انتظار میں ہوں۔ پہلے وہ بیعت کریں تو پھر دیگر اہل مدینہ بھی بیعت کرلیں گے کیوں کہ اس وقت ان کی حیثیت شہر کے سردار جیسی ہے۔ یہ سن کر اس شامی نے کہا میں ابھی ان کو جا کر لے آتا ہوں۔ شامی حضرت سعید کے پاس آیا اور چلنے کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا تم چلو میں بعد میں آؤں گا۔ اس پر شامی نے کہا ابھی چلیے ورنہ آپ کی گردن ماردوں گا، یہ سن کر حضرت سعید کو غصہ آ گیا اور آپ نے فرمایا ''تو مجھے ایسے لوگوں کی طرف بلا رہا ہے جن سے میں نے اسلام پر جنگ کی ہے''۔

یہ سن کر وہ واپس چلا گیا اور پورا واقعہ مروان کو سنایا۔ مروان نے کہا خاموش بیٹھ جا۔ اسی بیچ حضرت ام المومنین کا انتقال ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ وصال حضرت زینب کا ہوا تھا۔ ام المومنین نے اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت حضرت سعید بن زید کو کی تھی۔ جب شامی نے دیکھا کہ حاکم مدینہ مروان نماز جنازہ خود نہیں پڑھا رہا ہے بلکہ کسی کا انتظار کیا جا رہا ہے تو شامی نے مروان سے کہا، آپ نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھا رہے ہیں؟ مروان نے جواب دیا، میں اس انسان کے انتظار میں ہوں جس کی تو گردن مارنا چاہتا ہے کیوں کہ ام المومنین نے اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت اسی کو کی ہے۔ تب شامی پر آپ کا مرتبہ پورے طور پر واضح ہوا، اور اس نے رب کی بارگاہ میں استغفار کیا۔ اس کو امام بغوی نے اپنی معجم میں بیان کیا ہے۔ (الریاض النضرۃ ج ۴، ص: ۲۹۸)

اولاد: حضرت سعید بن زید کی اولاد کی تعداد اکتیس ہے۔ ان میں تیرہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں ہیں۔ (ایضاً)

مقام: حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمن اور سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنگ میں سرکار کے آگے رہتے تھے اور نماز میں سرکار کے پیچھے رہتے ہیں۔ (اسد الغابۃ)

وصال: آپ کا وصال ۵۰، ۵۱، یا ۵۲ ہجری میں مدینہ شریف کے قریب میں وادیٔ عقیق میں ہوا، جنازہ عقیق سے مدینہ شریف لایا گیا، مدینہ شریف ہی میں دفن کیا گیا،

حضرت سعد نے غسل دیا، حضرت سعد اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آپ کی قبر مبارک میں اترے۔ آپ نے ستر سال سے زائد عمر پائی۔

(الاصابۃ ج ۳،ص:۹۷، سیر أعلام النبلاء ج ۱،ص: ۱۴۰، الریاض النضرۃ ج ۴،ص:۲۹۱)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★ ★ ★

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تمہید: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی مومن کے لیے وہ تمغہ ہے جس کی چمک سے دنیا منور ہوتی ہے اور آخرت سنور کر تابناک ہو جاتی ہے۔ اس غلامی کے ساتھ جب صحابیت کا شرف ضم ہو جائے تو کائنات ہستی کی عظمتیں اس پر سلام وتہنیت کے پھول نچھاور کرتی ہیں۔ یہ رفعت تو ہر صحابی کو حاصل ہے خواہ وہ وقت کے تھوڑے سے حصے ہی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت سے فیض یاب ہوئے ہوں۔ لیکن کیا کوئی اندازہ کر سکے گا ان نفوس کے تقدس کا اور ان پاک بازان امت کے مراتب کا کہ جنہوں نے سرکار کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہو، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دور رہ کر ان کی زندگی کی رعنائیاں ختم ہو جاتی ہوں بلکہ زندگی ان پر بار بن جاتی ہو اور صاحب زندگی خود اپنی زندگی سے ناراض دکھائی دیتا ہو۔ پھر ان خوش نصیبوں کے درمیان بھی کچھ مقدر کے سکندر وہ ہیں جن کی قربت ورفاقت کا عالم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو سفر وحضر میں اپنی ذات سے دور نہ کریں، قضائے حاجت کو تشریف لے جائیں تو طہارت کے پانی کا مشکیزہ اٹھانا انہیں نصیب فرمائیں، غسل فرمائیں تو پردہ یہ کریں، وضو فرمائیں تو اعضائے مبارکہ یہ دھلائیں یہاں تک کہ وقت ضرورت نعلین پاک قدم مبارک سے نکال کر سروں کا تاج یہ بنائیں انہیں ذوات میں ایک ذات کو عبداللہ کہا جاتا ہے۔ (رضی اللہ عنہ)

تعارف: آپ کے باپ کا نام مسعود اور دادا کا نام غافل ہے، ماں ام عبد بنت عبدود

ہیں۔ ماں کی طرف منسوب کرتے ہوئے انہیں ابن ام عبد کہا جاتا ہے۔ سابقین اولین میں آپ کا شمار ہے۔ یہ اس وقت اسلام لائے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن اور بہنوئی دولت ایمان سے مالا مال ہوئے اور حضرت عمر اس وقت تک اس نعمت سے محروم تھے۔ عبداللہ بن مسعود ان خوش نصیب افراد میں سے ایک ہیں جنہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ (اسد الغابۃ حرف العین ج ۳، ص: ۳۸۲)

نام ونسب: آپ کا نام عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم ہے۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۳۸۲)

عبداللہ بن مسعود کے دامن میں فضائل ومناقب کے ان گنت لعل وگوہر موجود ہیں جن کی درخشندگی آج بھی مومنوں کے قلوب کو جلا بخش رہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہے؟ اس کا جواب ہر صاحب شعور جانتا ہے کہ جہاں سے ان کے اسلام لانے کی ابتدا ہوئی وہیں سے قسمت کا عروج شروع ہوا کیوں کہ اسلام ہی تو وہ نعمت ہے جو اللہ کی غیر محدود نعمتوں کا مخزن ہے۔

قبلِ اسلام مشغلہ: اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی حیثیت عرب کے ایک امیر عقبہ بن ابی معیط کے چرواہے کی ہے۔ مکہ کی وادیوں اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں لوگوں سے دور رہ کر اپنے آقا کی بکریاں ہی چرانا ان کا بہترین مشغلہ ہے۔ یہ زمانہ تو وہی ہے کہ آفتاب نبوت جلوہ بار ہو چکا ہے، تاریکیاں چھٹنے والی ہیں، ہدایت وآگہی کے ستارے نمودار ہونے والے ہیں، لیکن ایک چرواہے کو جب اس کی مصروفیات کے آئینے میں دیکھا جائے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی بادیہ نشینی سے عبارت ہوتی ہے، نہ اسے معاشرے سے کوئی گہرا تعلق ہوتا ہے، نہ حالات زمانہ سے وہ پورے طور پر آشنا ہوتا ہے، اس کی زندگی کا خاکہ یوں تیار کیا جا سکتا ہے کہ صبح سویرے اٹھ کر بکریاں لے کر نکل جانا اور رات پڑے تھکے ہارے واپس آنا، جو کھانے کو مل جائے اس سے کھا کر صبح تک سو جانا۔ اس ماحول میں کیا اپنی ذات اور کیا دنیا کی رفتار کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں۔ ہاں عرب کا ایک

چرواہا اگر کچھ سوچ سکتا ہے تو صرف اتنا کہ ریگ زار میں سبزہ زار کہاں میسر آسکے گا۔

عبداللہ بن مسعود نوجوانی کی دہلیز پر ہیں آپ کے صبح وشام پوری امانت داری کے ساتھ اپنے آقا کی بکریاں چرانے میں بیت رہے ہیں، اچانک قسمت یاوری کرتی ہے اور انہیں ایک عجیب واقعہ پیش آتا ہے عبداللہ کی نگاہوں نے مشاہدہ کیا کہ ادھیڑ عمر والے انسان ان کی طرف بڑھ رہے ہیں، جن کے چہرے پر وقار اور جسم بڑی حد تک تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں، پیاس کی شدت سے پیدا ہونے والی خشکی ہونٹوں پر ظاہر ہوچکی ہے، دونوں آکر عبداللہ کے پاس ٹھہرتے ہوئے سلام کرتے ہیں۔ آنے والوں نے اس نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم ان بکریوں سے ہمارے لیے اتنا دودھ نکالو جسے پی کر ہم اپنی پیاس بجھا سکیں اور اپنے سوکھے ہوئے حلق کو تر کرسکیں۔

حیرت انگیز نظارہ: اس نے بغیر کسی تردد کے جواباً عرض کیا جناب! یہ بکریوں کا ریوڑ میرا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے میں تو صرف نوکر اور امین ہوں۔ چرواہے کا جواب اس کی فہم وفراست اور دور جہالت میں پائی جانے والی امانتی اقدار کا مکمل آئینہ دار ہے۔ جواب سن کر دونوں حضرات مطمئن نظر آئے ناراضگی یا ناپسندیدگی کا کوئی اثر بھی ان کے چہروں سے ظاہر نہ ہوا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ دونوں آنے والے کون تھے؟ ایک ہادیٔ اعظم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور دوسرے آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اچھا ایک ایسی بکری ہمارے پاس لے آؤ جس نے نہ ابھی بچہ دیا ہو اور نہ اس کے ساتھ نر کا تعلق ہوا ہو۔

چرواہے نے ایک ایسی ہی بکری کو آپ کے سامنے لا کھڑا کردیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے محبت کے ساتھ دیکھا اور اس کے تھن پر ہاتھ پھیرنے لگے، چرواہا پاس ہی کھڑا تھا وہ فکرمند تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے! کیا ایسی بکری دودھ دے گی جس کا ابھی نر سے تعلق بھی نہ ہوسکا ہے! (لیکن اسے کیا خبر تھی کہ جس ذات والا صفات کے ہاتھ میں بکری کا تھن ہے اس کی بارگاہ میں تو بے زبانوں کو زبان اور بے جانوں کو جان میسر آجاتی ہے، کم عمر

بکری کے تھن میں دودھ کا آجانا تو پھر بھی آسان کام ہے) اس وقت چرواہے کی حیرت واستعجاب کی حد نہ رہی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تھن پر ہاتھ پھیرتے وقت کچھ پڑھا اور تھن پھولنا شروع ہوگیا اور تیزی کے ساتھ دودھ نکلنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک گہرا پتھر لے کر حاضر خدمت ہوے۔ پتھر کا برتن دودھ سے بھر گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود پیا اپنے ساتھی حضرت ابوبکر کو پلایا اور اس نوجوان کو بھی سیراب کردیا۔ نوجوان اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے منظر کی تصدیق نہیں کر پا رہا تھا لیکن یہ ایسی حقیقتِ ثابتہ تھی جس کا انکار بھی ممکن نہیں تھا۔ جب سب لوگ سیراب ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تھن سے فرمایا: سکڑ جا! حکم پاتے ہی تھن سکڑنا شروع ہوگیا یہاں تک کہ اپنی اصل حالت پر آ کر ٹھہر گیا۔ نوجوان جو تصویرِ حیرت بنا سب کچھ دیکھ رہا تھا عرض کرتا ہے حضور! جو آپ نے پڑھ کر بکری کے تھن پر دم کیا ہے وہ مجھے بھی سکھا دیجیے؟ سرکار نے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "یرحمك الله فإنك غليم معلم" اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے تم تو سیکھے سکھائے ہو۔ (الاستیعاب ج۱، ص: ۴۰۷، صور من حیاۃ الصحابہ ص: ۱۰۰)

آپ کا قبولِ اسلام: ظاہر بات ہے کہ اتنا عظیم واقعہ اپنی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد عبداللہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقانیت وصداقت اور آپ کی شخصیت کی عظمت ورفعت سے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت عبداللہ کے دل میں گھر کر گئی اور غیب داں نبی نے تو پہلی ہی نظر میں عبداللہ کی شخصیت میں پوشیدہ صلاح وخیر کے خزانے کو تاڑ لیا تھا۔ دونوں طرف سے محبت بڑھی اور عبداللہ ایمان لے آئے اور یہ بخت آور نوجوان بکریوں کی خدمت چھوڑ کر سید الخلق کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوگیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنی قربت ورفاقت کے لیے منتخب فرمالیا۔

غزوات میں شرکت: آپ سابقین اولین میں سے ہیں، حبشہ اور مکہ دونوں کی طرف آپ نے ہجرت فرمائی، بدر واحد اور یرموک وغیرہ غزوات میں آپ شریک رہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱، ص: ۴۶۱-۴۶۷)

حضور سے کمال قربت: حضرت ابوعمر بیان فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کو اپنی ذات کے ساتھ ضم فرمایا یہ حضور کے پاس آتے جاتے، آپ کو نعلین مقدس پہناتے، ساتھ میں سفر کرتے، حضور غسل فرماتے تو یہ پردہ کرتے، حضور سو جاتے تو یہ بیدار کرتے یہاں تک کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اذنك علی ان ترفع الحجاب و ان تسمع سوادی حتی انهاك" جب تک میں تمہیں منع نہ فرماؤں تمہیں اجازت ہے کہ میری رازدارانہ گفتگو سن سکتے ہو اور میرے پاس داخل ہو سکتے ہو۔ صحابہ کے درمیان آپ صاحب سواد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (رسول اللہ کے رازدار) اور صاحب سواک (مسواک رکھنے والے) کے مبارک القاب سے مشہور ہوئے۔ آپ بدر، حدیبیہ دونوں میں شریک رہے، حبشہ اور مکہ دونوں کی طرف آپ نے ہجرت کی اس لیے آپ صاحب ہجرتین بھی ہیں اور دونوں قبلوں کی طرف منہ کرکے آپ کو نماز پڑھنا بھی میسر ہے۔ (الاستیعاب ج۱، ص: ۴۰۷، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۱۰۱)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مل جانے کے بعد آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کثرت سے آتے جاتے، آمد و رفت کی کثرت کو دیکھ کر لوگ آپ کو اہل بیت سے شمار کرتے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اور میرا بھائی یمن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم عبداللہ بن مسعود کو اہل بیت نبوت کا ایک فرد شمار کرتے تھے کیوں کہ عبداللہ بن مسعود اور ان کی والدہ کی آمد و رفت سرکار کے دولت کدہ میں ایسی ہی تھی جیسے گھر والے اپنے گھر میں آتے جاتے ہیں۔

(الاصابۃ ج۴، ص: ۱۲۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تو ایک آن کے لیے حاضر ہو جانا ہی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے کافی ہوتا ہے مگر یہاں تو حالت ہی جدا ہے۔ عبداللہ کے لیے تو حاضری ارزاں کر دی گئی ہے گویا کہ آپ کی تربیت ہی سرکار کے دولت خانہ میں ہوئی

اس لیے عبداللہ کی حیات سرکار کی طرز زندگی، عادات حسنہ اور اخلاق کریمانہ کی پیکر مجسم تھی۔

حضور سے کمال مشابہت: عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ ہمیں ایسے شخص کا نام بتائیے جو صورت اور سیرت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے قریب تر ہو، تا کہ ہم ایسے بزرگ سے دین حاصل کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں جو صورت اور سیرت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے قریب تر ہو۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مدرسۂ رسول میں خوب تعلیم پائی یہاں تک کہ آپ صحابۂ کرام میں قرآن کریم کے سب سے بڑے قاری، معانیٔ قرآن کے زبردست عالم اور احکام شریعت کے عظیم المرتبت فقیہ بن گئے۔ اپنے دعوے کی تائید میں قارئین کے لیے ہم ایک ایسا واقعہ پیش کررہے ہیں جسے پڑھ کر مذکورہ بالا سطور کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

بے مثال ذہانت: خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان عرفات میں تشریف فرما ہیں۔ ایک صاحب حاضر بارگاہ ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے امیر المومنین! میں ابھی کوفہ سے آرہا ہوں اور وہاں کے ایک اہم معاملہ کو آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں جسے دیکھنے کے بعد میں بہت فکر مند ہوں اور فکر کے ازالہ کے لیے آپ سے عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فاروق اعظم نے فرمایا: اسے فوراً بیان کیجیے۔ عرض کیا حضور! میں نے کوفہ میں ایک انسان کو دیکھا ہے جو اپنے دل کی تختی سے مصحف کا املا کراتا ہے۔ (اس وقت اس کے پاس کوئی کتاب یا نوشتہ نہیں ہوتا اور وہ زبانی املا کراتا ہے)

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنا غصہ ہوئے کہ ایسا غصہ آپ کم ہی فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کا چہرۂ مبارکہ غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ آپ نے غضبناک لہجے میں فرمایا: مجھے بتاؤ وہ کون ہے؟ آنے والے نے کہا حضور اسے عبداللہ بن مسعود کہا جاتا ہے۔ عبداللہ کا نام سنتے ہی آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا یہاں تک کہ آپ پچھلی حالت پر واپس

آ گئے اور آپ نے اس شخص سے فرمایا: خدا کی قسم! میرے علم کے مطابق اس کا عبداللہ بن مسعود سے زیادہ مستحق اس وقت روئے زمین پر اور کوئی نہیں، اور فرمایا: میں تمہیں اس کی یقین دہانی کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک واقعہ سنا رہا ہوں۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص: ۳۹۸، الاستیعاب ج ۱ ص: ۴۱۰)

مسحور کن تلاوت: ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ باہر تشریف لائے اور میں بھی ان دونوں کے ہم راہ تھا۔ ہم لوگوں نے ایک شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے پایا ہم اس کے پاس پہنچ گئے۔ وہ شخص ہم لوگوں سے بے خبر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو کر اس کی قرأت کو بڑے غور سے سماعت فرمانے لگے۔ پھر حضور نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن کریم تروتازہ اس طور پر پڑھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا تو اسے چاہیے کہ وہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کے طریقے پر قرآن کریم کی تلاوت کرے۔ ہم قارئین کو بتادیں کہ یہ نماز پڑھنے والا انسان جس کی قرأت کو خود سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سماعت فرما رہے تھے کوئی اور نہیں، یہ عبداللہ بن مسعود ہی تھے۔

انہماک عبادت: نماز کے بعد عبداللہ بن مسعود اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرمانے لگے مانگو تم جو مانگو گے تمہیں عطا کیا جائے گا۔ عبداللہ بن مسعود ہم لوگوں کی آمد اور گفتگو سے آخر تک بے خبر ہی رہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ صبح جا کر یہ سارا واقعہ عبداللہ کو بتاؤں گا۔ صبح جب میں نے انہیں یہ خوش خبری دی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر مجھ سے پہلے ہی انہیں خوش خبری سنا چکے ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی خیر میں ابوبکر پر سبقت کرنے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ ابوبکر مجھ پر سبقت کر چکے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص: ۳۹۹)

غواص بحر قرآن: حضرت مسروق روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں قرآن کریم کی ہر ہر آیت

سے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کس سلسلے میں نازل ہوئی اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی انسان اللہ کی کتاب کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو میں ضرور اس کے پاس حاضر ہو جاتا۔ (صفۃ الصفوۃ ج۱ ص: ۴۰۲)

شاید کسی کے ذہن پر یہ بات دستک دے رہی ہو کہ عبداللہ بن مسعود نے اپنے بیان میں مبالغہ آرائی کی ہے لہٰذا ہم اسے مطمئن کرنے کے لیے پھر ایک واقعہ پیش کر رہے ہیں۔ عجب اتفاق ہے کہ اس واقعہ کا بھی تعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ملاقات ایک سفر کے دوران ایک قافلے سے ہوئی، رات کی تاریکی کے باعث قافلے والوں کو پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ حضرت عمر کا حکم پا کر ایک آدمی نے قافلے والوں کو ندا کی "من این القوم" آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟ قافلے والوں کی طرف سے جواب آیا "من الفج العمیق" دور دراز مقام سے۔ اور پھر سوالات و جوابات کا سلسلہ اس طور پر دراز ہوتا چلا گیا۔

سوال۔ "أین تریدون" کہاں جانا چاہتے ہو؟

جواب۔ "البیت العتیق" خانۂ کعبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سمجھ لیا کہ قافلے میں کوئی عالم قرآن موجود ہے تو پھر علمی سوال شروع فرمائے۔

سوال۔ "أی القرآن اعظم" ثواب کے اعتبار سے قرآن کی سب سے عظیم آیت کریمہ کون سی ہے؟

جواب۔ "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" ﴿البقرۃ ۲۵۶﴾

سوال۔ "أی القرآن احکم" سب سے احکم آیت کون سی ہے؟

جواب۔ "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسٰنِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی" ﴿النحل ۹۰﴾ اللہ تعالیٰ عدل احسان اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

سوال۔ "أي القرآن أجمع" قرآن کی جامع ترین آیت کریمہ کون سی ہے؟

جواب۔ "فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝" ﴿الزلزلۃ ۸﴾ جس نے دنیا میں ذرہ برابر نیکی کی ہے اس کا بدلہ قیامت میں دیا جائے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے اس کا مزہ بھی وہ چکھے گا۔

سوال۔ "أي القرآن أخوف" قرآن کی سب سے زیادہ خوف طاری کر دینے والی آیت کریمہ کون سی ہے؟

جواب۔ "لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا" ﴿النساء ۱۲۳﴾ ترجمہ: کام نہ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا وہ اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

سوال۔ "أي القرآن أرجىٰ" قرآن کی سب سے امید افزا آیت کریمہ کون سی ہے؟

جواب۔ "قُلۡ يٰعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ" ﴿الزمر ۵۳﴾ اے محبوب! فرما دیجیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا یقیناً وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان سے پوچھو کیا اس قافلے میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟ قافلے والوں نے جواب دیا "اللّٰھم نعم" خدا کے فضل سے اس قافلے میں عبداللہ بن مسعود موجود ہیں، سارے سوالوں کے جوابات خود حضرت عبداللہ بن مسعود ہی دے رہے تھے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۱، ص: ۴۰۱)

صاحب قرآن کی خواہش: حضرت عبداللہ بن مسعود کا اندازِ تلاوت کتنا عمدہ، لطیف، شیریں اور پُر اَز خشیت تھا۔ اس کو سمجھنے کے لیے ہم تاریخ کے سینے سے ایک اور ہیرا نکالتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود کو بلایا اور

فرمایا: عبداللہ قرآن کریم کی تلاوت کرو عرض کی حضور! میں آپ کے سامنے قرأت کروں، آپ تو صاحب قرآن ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ہی پر تو قرآن کریم نازل فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں کسی دوسرے سے سننا چاہتا ہوں۔ حکم کے مطابق عبداللہ نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی جب آپ اس آیتِ کریمہ پر پہنچے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍۢ بِشَهِيدٍۢ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَـٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍۢ يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَعَصَوُا۟ ٱلرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ ٱلْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ ٱللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾ ﴿النساء ۴۲﴾ ترجمہ: تو کیسی ہوگی وہ (گھڑی) جب امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں، اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کردی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہیں چھپا سکیں گے تو سرکارِ دوعالم پر گریہ طاری ہوگیا آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا: بس کرو عبداللہ بن مسعود۔ (رجال حول الرسول ص: ۱۳۴)

اگر ایک طرف صحبتِ رسول کی برکت سے عبداللہ کا سینہ علوم وعرفان کا خزینہ بن گیا تھا تو دوسری طرف حضور کی محبت وشفقت نے ان کو حددرجہ نڈر اور جری بنادیا تھا۔ وہ صرف ایک اچھے قاری قرآن اور عالم قرآن ہی نہ تھے بلکہ وہ اپنے وقت کے عظیم اولوالعزم مجاہد بھی تھے۔ نامساعد حالات میں بھی حوصلہ مندی سے کام لینا ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ وہ اس وقت بھی کسی معاملہ سے پیچھے نہیں رہتے تھے جب کہ پانی سر سے اونچا ہو رہا ہو۔

جرأت وبے باکی: اسلام لانے سے پہلے یہی عبداللہ بن مسعود کبھی اشراف مکہ کی مجلس سے گزرتے تو سر جھکائے دبے پیروں، بغیر آواز کیے ہوئے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد ان کی مجلس میں جاتے ہیں، سادات قریش اور لیڈران قریش کعبہ مقدسہ کے پاس بیٹھے ہوئے مصروف گفتگو ہیں۔ یہ ان کے سر پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے تلاوت قرآن کرنے لگے۔ واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دن صحابۂ کرام بیٹھے گفتگو میں مشغول تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان بے سروسامانی کی زندگی گزار رہے تھے اور ہر جگہ کفار مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ

بنے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا کہ کفار قریش کے سامنے کبھی کسی محفل میں بلند آواز سے اس طور پر قرآن کی تلاوت نہیں کی جاسکتی۔ جیسے ہماری اپنی محفلوں میں بلند آواز سے تلاوت کی جاتی ہے۔ کیا ہے کوئی ایسا مرد مجاہد! جو کفار کو بلند آواز سے قرآن پاک سنائے۔

عبداللہ بن مسعود جذبۂ جاں نثاری سے سرشار ہو کر گویا ہوئے اس کام کو انجام دینے کے لیے میں تیار ہوں۔ صحابہ نے جواب دیا آپ اس خطرناک کام کے لیے موزوں نہیں رہیں گے۔ اس کام کے لیے ایسا انسان چاہیے جس کا قبیلہ اسے کفار کے شر سے بچا سکے۔ عبداللہ نے جواب دیا تم لوگ کفار کی شرارت کی فکر چھوڑ دو، ان کی شرارت سے حفاظت کے لیے مجھے میرا رب کافی ہے۔ دوسرے دن خانۂ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پاس ایک آواز ان الفاظ کے ساتھ بلند ہوتی ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ ﴿الرحمن ۲﴾ کفار تفکر آمیز لہجے میں کہتے ہیں ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ دوسروں نے جواب دیا: یہ اس کی تلاوت کر رہا ہے جسے محمد عربی خدا کا کلام بتاتے ہیں۔ پھر کیا تھا پوری مجلس منتشر ہوگئی اور عبداللہ پر ٹوٹ پڑی۔ کفار ان کو مارتے جاتے مگر یہ تلاوت کرتے جاتے۔ جتنا اللہ نے چاہا انہوں نے اپنی زبان سے تلاوت کی۔

عبداللہ زخمی چہرہ، زخمی جسم لیے صحابہ کے پاس واپس آئے تو سب نے بیک زبان مغموم انداز میں فرمایا: یہ سب وہی ہوا جس کا ہمیں خوف تھا۔ تو عبداللہ نے بہت ہی جرأت مندانہ جواب دیا۔ گھبرانے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کفار کے اس ظلم وستم کے باوجود بھی اگر تم چاہو تو کل دوبارہ میں ان کے سامنے نغمۂ لاہوتی گنگناؤں صحابہ نے کہا بس کرو عبداللہ! تم نے کفار کی ناپسندیدگی کے باوجود انہیں قرآن کی آیات سنادیں۔ پس یہ تمہارے لیے کافی ہے۔ (رجال حول الرسول ص: ۱۳۳)

پہاڑ سے بھاری پنڈلی: اللہ و رسول کی محبت ایسا خزانہ ہے کہ جس کے مثل کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی۔ جس دل کو یہ دولت بے بہا مل جاتی ہے وہ دل اور دل والا دونوں ہی رفعت و بلندی کے اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جہاں پرواز خیال کا طائر کبھی نہیں پہونچ

سکتا۔ یہ عبداللہ بن مسعود ہیں جسم دیکھوتو دبلا پتلا، سر سے قدم تک نظر ڈالو تو نہایت ہی پست قد، ظاہری قد کی لمبائی اتنی کم کہ یہ کھڑے ہوں اور بلند قامت انسان بیٹھا ہوتو دونوں دیکھنے میں یکساں نظر آئیں یہ تو ظاہری قد و قامت ہے لیکن ان کی ذات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کتنی بلند ہے اس کا اندازہ آنے والی سطور سے کریں۔

اللہ کے حبیب نے فرمایا: اگر میں بغیر مشورے کے کسی کو امیر بناتا تو عبداللہ بن مسعود کو امیر منتخب کرتا اور فرمایا: مجھے اپنی امت کے لیے وہ پسند ہے جو عبداللہ میری امت کے لیے پسند کرتے ہیں اور میری امت کے بارے میں مجھے وہ ناپسند ہے جو چیز عبداللہ کو امت کے بارے میں ناپسند ہے۔

اللہ اکبر جسم اتنا دبلا پتلا کہ دیکھنے میں ہڈیوں کا مختصر ڈھانچہ دکھائی دے مگر اس جسم کا وقار اتنا کہ اللہ و رسول ہی اس کی قدر کو جانیں۔ ایک مرتبہ عبداللہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کے اوپر کچھ توڑ کر لانے کے لیے چڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ درخت کے اوپر چڑھے تو عبداللہ کی پتلی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر صحابۂ کرام کو ہنسی آگئی۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا: تم عبداللہ کے پیروں کو دیکھ کر ہنس رہے ہو سنو! میزان قیامت میں عبداللہ کے ان پتلے پتلے پیروں کا وزن احد پہاڑ سے بھی زیادہ ہے۔ ع

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زورِ بازو کا

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱، ص: ۴۰۸)

ابوجہل کا قاتل کون: اس دبلے پتلے جسم کو قادر مطلق نے کتنی قوت عطا فرمائی قارئین کرام اندازہ فرمائیں۔ بدر کی معرکہ آرائی ہے جہاں بڑے بڑے پہلوان دہشت زدہ نظر آتے ہیں ہر طرف خوف و ہراس کی دیواریں کھڑی ہیں، بے اطمینانی کا عالم ہے، اتنے میں عبداللہ بن مسعود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ابوجہل کو قتل کر دیا ہے، سرکار نے ارشاد فرمایا: "بالله الذی لا إله غیره لانت قتلته" اس

ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کیا تم نے اسے قتل کر دیا ہے؟ عبداللہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! حضور فرطِ محبت سے جھومتے ہوئے چلے اور فرمایا چلو مجھے چل کر دکھاؤ، عبداللہ حضور کے ساتھ ہو لیے اور وہاں پہونچ گیے جہاں وہ واصل جہنم ہوا پڑا تھا۔ سرکار نے اس کے سر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا "الحمد لله الذی اخزاك هذا فرعون هذه الأمة" حمد وثنا ہے اس خدا کے لیے جس نے ابوجہل کو رسوائی کی موت مارا۔ ابوجہل اس امت کا فرعون تھا۔

حضرت عبداللہ نے ابوجہل کو جب اپنی تلوار سے قتل کرنا چاہا تو تلوار نا کام ثابت ہوئی پھر آپ نے اس کی ہی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ جب عبداللہ نے حضور سے یہ عرض کیا تو حضور نے ابوجہل کی تلوار بطورِ غنیمت عبداللہ کو عطا فرما دی۔ اس امت کا فرعون، عبداللہ جیسے دبلے پتلے کے ہاتھوں قتل ہو رہا ہے۔ وہ بھی اس ذلت کے ساتھ کہ اس کی تلوار ہے اور اسی کی گردن۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

(الاستیعاب ج۱ ص:۴۰۹)

آپ کی حیثیت امیر المومنین کی نظر میں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عبداللہ بن مسعود کو کوفہ کا والی منتخب فرمایا اور اہل کوفہ کو لکھا میں تمہاری جانب عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں اصحاب رسول میں شریف ترین بدری صحابی ہیں، ان کا حکم مانتے رہنا اور ان کی قدر کرنا، بے شک میں اپنی ذات پر عبداللہ بن مسعود کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود دیکھنے میں تو دبلے پتلے ہیں لیکن اللہ نے انہیں علم سے بھر دیا ہے۔ (الاستیعاب ج۱ ص:۴۱۰)

اہل کوفہ کی محبت: اہل کوفہ جن کا حکام کے ساتھ برا سلوک تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ لیکن عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ کی تاریخ کا رخ الگ اور جدا ہے۔ اہل کوفہ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی صواب دید کے مطابق کوفہ سے مدینہ واپس بلایا تو

کوفہ والے حضرت عبداللہ کے پاس جمع ہو گئے اور کہا آپ ہرگز واپس نہ جائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہمارے رہتے آپ کسی بھی ناپسندیدہ امر کو نہیں دیکھیں گے۔ لیکن حضرت نے فرمایا: نہیں میں ایسا نہیں کرسکتا۔ امیر المومنین کی اطاعت میرے اوپر فرض ہے۔ میں اس سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ (الاستیعاب ج ا، ص:۴۱۰)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نظروں سے وہ سب کچھ دیکھا جو کسی ناقص الایمان کو اپنے ہدف سے باز رکھنے کے لیے کافی تھا۔ انہوں نے عہد حکومت میں دولت کے ڈھیر، قیصر وکسریٰ کے خزانے دیکھے لیکن کبھی کسی چیز کی اپنے لیے تمنا ظاہر نہ فرمائی۔ ہاں ایک تمنا ضرور ان کے سینے میں تادم حیات مچلتی رہی۔ کتنی مبارک ہے وہ آرزو، اے کاش!

ذوق تمنا: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: کہ جنگ تبوک کے موقع پر میں رات میں اٹھ کر ایک طرف نکلا۔ میں نے ایک روشنی دیکھی اور اپنا رخ روشنی کی طرف موڑ دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موجود ہیں۔ اور عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول انتقال فرما چکے ہیں۔ ان حضرات نے ان کے لیے قبر کھودی ہے۔ خود سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کھودنے میں حصہ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کو لحد میں اتارنے کی تیاری کررہے تھے تو سرکار خود ان کی قبر میں اترے۔ اور فرمایا: اپنے بھائی کو مجھ سے قریب کرو۔ انہیں سرکار کے قریب کردیا گیا۔ جب انہیں قبر میں اتار دیا تو سرکار نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی اے میرے مولیٰ! میں اپنے اس غلام سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ عبداللہ فرماتے ہیں اے کاش! وہ قبر میری ہوتی۔

(رجال حول الرسول ص:۱۳۸)

کمال قناعت: عبداللہ بن مسعود پر بھی وہ دن آیا جس سے کسی کو فرار نہیں۔ مرض وصال لاحق ہوا۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت عثمان نے پوچھا کسی چیز کی شکایت ہے؟ عرض کیا مجھے میرے گناہوں پر

شکایت ہے۔ پوچھا کیا چاہتے ہو؟ کہا رب کی رحمت...... امیر المومنین نے کہا میں تمہارا وہ وظیفہ جاری کروں جو کئی سالوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ جواب دیا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ امیر المومنین نے فرمایا: وہ وظیفہ تمہارے بعد تمہاری بیٹیوں کے کام آئے گا۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا اے امیر المومنین! آپ میری بیٹیوں سے متعلق تنگ دستی کی فکر نہ کریں۔ میں نے انہیں حکم دے رکھا ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کیا کریں۔ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا ہے ''جس نے ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت جاری رکھی اسے کبھی فاقہ نہیں ہوگا''۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص: ۴۹۸، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۱۰۷)

اقوال زریں: سب سے بہتر مالداری نفس کی مالداری ہے۔ سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے، بدترین گمراہی دل کی گمراہی ہے۔ سب سے بڑی خطا جھوٹ ہے۔ بدترین کمائی سود ہے۔ سب سے بری خوراک یتیم کا مال ہے۔ (رجال حول الرسول ص: ۷۱۳)

وصال: حضرت عبداللہ بن مسعود کا انتقال ۳۲ھ مدینہ منورہ میں ہوا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک قول ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہوئی۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ج ۱ ص: ۴۱۰)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب: آپ کا مبارک نام انس بن مالک بن نضر بن زمزم بن زید بن حرام بن جندب اور والدہ ام سلیم بنت ملحان ہیں۔ کنیت ابوحمزہ ہے۔ آپ خزرجی انصاری صحابی خادم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے لوگوں میں مشہور ہیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۱، صفحہ: ۵۳)

بچپن اور محبت رسول: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے باشندے تھے، بچپن ہی میں آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو کلمۂ توحید و رسالت کا درس اس وقت دیا جب کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں اعلان نبوت فرما چکے ہیں، اور ابھی ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف نہیں لائے ہیں، اپنی والدہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ سننے کے بعد آپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبتوں کے اسیر ہو گئے، بن دیکھے ہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے۔

بن دیکھے ہی کسی کا شیدا ہو جانا یہ صرف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ اس عالم رنگ و بو میں ایسے اسیران محبت سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں جو بغیر دیکھے ہی کسی کے دیوانے ہو گئے ہیں۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ انسان بجائے آنکھوں کے کانوں کے ذریعہ کسی کا شیدا ہو جاتا ہے۔ ننھی عمر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت حضرت انس کے سینے میں انگڑائیاں لینے لگی، تقریباً دس سال کی عمر ہی میں کتنی

مرتبہ عالم خیال میں لقائے یار کے تانے بانے بُنے گئے، کبھی خیال آتا کہ مکہ چل کر ہی جمال یار پر جان نچھاور کی جائے، مگر صغرسنی اور طول مسافت زنجیر پا ثابت ہوتیں، معاً خیال آتا کہ خورشیدِ رسالت جس کی ضیا پاشیوں سے پورے عالم کا منور ہونا مقدر ہو چکا ہے، اہل یثرب کے قلوب کو تاریک تو نہ چھوڑے گا، جس طریقے سے خورشید عالم تاب، عالم کو روشنی کی خیرات بانٹتے ہوئے اپنا سفر شروع کرتا ہے اور ہر خطۂ زمین کو روشن کرتا چلا جاتا ہے، ضرور خورشیدِ رسالت کی توجہ بھی اہل یثرب کے تاریک دلوں کی طرف ہوگی اور دیکھتے دیکھتے تاریکیاں کالے کوسوں رخصت ہو جائیں گی، تانے بانے پردۂ ذہن پر پھیلے ہوئے ہوتے کہ اچانک نا مساعد حالات کے تصورات کی آندھی آتی اور ماقبل کے خیالی خیمے کی طنابیں اکھاڑ پھینکتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی کے انہیں مراحل سے گزر رہے ہیں کہ مدینہ شریف میں ایک خبر پھیلتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ منورہ کو رشکِ ارم بنانے آرہے ہیں۔ سفر شروع ہو چکا ہے، راستہ طے کیا جا رہا ہے۔ اسی خبر نے مدینے کے ہر گھر کو بہجت وسرور اور ہر قلب ونظر کو ضیا ونور سے معمور کر دیا ہے۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ عشاق کے دل سینوں سے نکل کر مدینہ طیبہ کی راہوں میں محبوب کے استقبال کے لیے بچھے جا رہے ہیں، ہر نئی صبح کے طلوع ہوتے ہی بچے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سرپٹ دوڑتے دکھائی دیتے، لبوں پر ایک ہی ترانہ ہے "ان **محمداً** قد جاء، ان **محمداً** قد جاء" (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۱۰)

حضور کا استقبال: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان دوڑنے والوں کے ساتھ دوڑتے لیکن محزون خاطر ہو کر واپس آجاتے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے شرف یاب نہ ہو پاتے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی مدینہ طیبہ میں داخل ہی نہ ہوئے ہیں، اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں، عشاق کے لیے سپیدۂ سحر نوید جانفزا لے کر آیا ہے۔ خبر ہے کہ رشد وہدایت کے والی، صلاح وفلاح کے حامی، نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شریف سے بالکل قریب آچکے ہیں۔ بچے ہوں کہ جوان، ادھیڑ

ہوں یا بوڑھے، سب مستانہ وار، پروانہ وار راہ شوق کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ ایک مقام پر رک کر منتظر نگاہوں کو فرش راہ کیے کھڑے ہیں، چھوٹی چھوٹی بچیاں چھتوں پر کھڑے ہو کر ''طلع البدر علینا'' کا ترانہ گنگنانے کو بے تاب ہیں۔ آخر وہ وقت بھی آیا جب بے قرار نگاہوں کو قرار آیا، مضطرب قلوب کو سکون میسر آیا ''مرحباً بنبی الرحمۃ، طلع البدر علینا''، جیسے نعرہائے محبت کے گلہائے رنگا رنگ سے فضا معطر ہو گئی۔ (ایضاً)

حضور کی بارگاہ میں پیارا تحفہ: پیارے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جگہ قیام فرماتے ہیں، پروانوں کا ہجوم شمعِ نبوت پر نثار ہو رہا ہے، لقائے محبوب کا تسکین بخش سلسلہ شروع ہو چکا ہے، لوگ محبتوں کے تحائف لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں، اچانک ایک خاتون حاضری کی سعادت حاصل کرتی ہیں اور عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ! مدینے کے ہر مرد و زن نے آپ کی بارگاہ میں تحفہ پیش کیا ہے، میری بھی دیرینہ خواہش ہے کہ آپ کی بارگاہ میں ادنیٰ سا تحفہ پیش کروں۔

جانتے ہیں یہ خاتون کون ہیں۔ یہ عزت مآب خاتون حضرت انس کی والدہ ماجدہ ہیں جو تحفے میں ایک انوکھی چیز پیش کرنے آئی ہیں۔ ایسے تحفے لوگ کسی کو کم ہی دیا کرتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا سچا یقین ہے کہ جس بارگاہ میں تحفہ پیش کیا جا رہا ہے وہاں کائنات کی کوئی بھی چیز خواہ وہ اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ سہی لیکن اس عالی مرتبت بارگاہ کی رفعتوں کے سامنے تو ادنیٰ ہی قرار پاتی ہے۔ عرض کرتی ہیں حضور! میرے نور نظر لخت جگر کو بطور تحفہ قبول فرما کر میرے اور میرے بچے کے اوپر کرم فرمائیں، میرے پاس اس کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے جس کو آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں، اس کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمالیں۔

حضرت انس کی والدہ کے ایثار و خلوص اور عزم محکم کو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھکرا نہ سکے۔ تبسم ریز نظریں حضرت انس کے معصوم سے چہرے کی جانب اٹھتی ہیں اور آن کی آن میں حضرت انس کے نصیبے کو جگمگا دیتی ہیں۔ پاس آنے کا اشارہ فرمایا: حضرت انس نہایت ہی مؤدبانہ طور پر حاضر ہونے کے لیے کھڑے ہوئے، بھولا سا چہرہ ہے، پیشانی

پرا بھرے ہوئے کچھ بال ہیں، نبی سے قریب تر ہو گئے، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دست شفقت حضرت انس پر پھیرنا شروع فرمایا اور پیشانی کے بالوں کو مس فرماتے اور لاڈ و پیار سے انہیں کھینچتے ہیں۔ (بعد میں حضرت انس نے ان بالوں کو کٹانا چاہا تو حضرت انس کی والدہ نے یہ کہتے ہوئے منع فرما دیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو کھینچتے تھے اور خوش طبعی فرماتے تھے) آخر آقائے کائنات نے حضرت انس کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرما لیا، ادھر حضرت انس نے خادم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کا لقب پایا، ادھر کونین کی وسعتیں نصیبہ انس کا طواف کرنے لگیں کہ خدام رسول ہی کائنات کے وارث و امام ہوتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳، ص: ۳۹۸، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۱۱)

حضرت انس دس سال کی عمر میں خدمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مشرف ہوئے اور انہیں رسول کریم کی صحبت میسر آئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سرپرستی میں ان کے صبح و شام گزرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت انس سے اس سے بھی زیادہ محبت فرماتے جو ایک باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے، ان محبتوں نے حضرت انس کو بندۂ بے دام بنا ڈالا، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد ایک آن کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ خدمت رسول چھوڑ کر زندگی کو کسی دوسری چیز میں مصروف کیا جائے۔ یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ دس سال کی طویل مدت گزر گئی یہاں تک کہ نبی کریم کو ان کے رب تعالیٰ نے اپنے جوار میں بلا لیا۔

قارئین کرام اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول خدا کی صحبت میں حاصل ہونے والی ایک آن کروڑوں سال پر بھاری ہوتی ہے تو جو ذات دس سال سفر و حضر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مصاحب رہی ہو اس کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

حضرت انس نے نبوت کے چشمۂ صافی سے جو پانی پیا تھا اس نے نفس کا تزکیہ کیا، رسول اللہ کی پیاری پیاری باتیں سن کر سینہ احادیث رسول کا خزینہ بنا اور سفر و حضر میں ساتھ رہنے کی بنیاد پر جو اخبار و اسرار آپ پر منکشف ہوئے اس نے آپ کی ذات کو اقران سے ممتاز کر دیا۔

رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادات واطوار، خصائص واوصاف اور محبت ومؤدت سے جو فیض حضرت انس نے پایا رہتی دنیا اس پر رشک کرتی رہے گی۔ دس سال تک حضور کی خدمت کرنے کے بعد آپ کے اخلاق کریمانہ سے متعلق جو تائثر حضرت انس پیش کرتے ہیں وہ صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بلند پایہ اخلاق ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ فرماتے ہیں:

"کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من أحسن الناس خلقاً وارحبھم صدراً"

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اخلاق مند تھے، عفوودرگزر میں آپ کا سینہ سب سے کشادہ تھا اور آپ ہی سب سے زیادہ محبت عطا فرمانے والے ہیں'' (سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ باب خلق النبی حدیث نمبر: ۲۰۱۵)

حضور کا دست شفقت: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عفوودرگزر کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام سے باہر بھیجا، میں چلا۔ راستے میں مجھے کچھ بچے کھیلتے دکھائی دیے، میں بھی ان میں شریک ہوگیا اور اس کام کو نہ کرسکا جس کے لیے مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ کیا تھا۔ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ پیچھے سے میرے کپڑے کو کسی نے پکڑلیا ہے۔ پیچھے مڑکر دیکھا تو میں دم بخود رہ گیا کہ حضور کی ذات رحمت تبسم کناں ہے۔ حضور گویا ہوئے اے انس! کیا تم نے وہ کام کرلیا جس کے لیے میں نے تمہیں بھیجا تھا۔ میری اس بچکانہ حرکت پر میرے آقا نے نہ مجھے ڈانٹا نہ جھڑکا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۱۲)

پیغمبرانہ تربیت: اور صرف یہی واقعہ نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں:

"واللہ لقد خدمت عشر سنین فما قال لشئی صنعتہ لم صنعتہ ولا لشئی ترکتہ لم ترکتہ"

خدا کی قسم میں نے دس سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی، کسی کام کے کرنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ تم نے کیوں نہ کیا۔ (سنن الترمذی ایضاً حدیث نمبر:۲۰۱۵)

رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت انس کو کبھی کبھی محبت و پیار میں بجائے انس کے 'انیس' کہہ کر آواز لگاتے اور کبھی یا بنی (میرے بچے) فرماتے۔ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضرت انس سے کمال محبت کی دلیل ہے۔ پند ونصیحت اس انداز پر فرمائی جاتی جیسے ایک باپ اپنے حقیقی بیٹے کو وعظ ونصیحت فرماتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ حضرت انس کو رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائیں ان میں سے چند نمونے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

"یا بنی ان قدرت ان تصبح و تمسی ولیس فی قلبك غش لأحد فافعل"

اے میرے بیٹے! اس طور پر صبح وشام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو اگر تم یہ کر سکتے ہو تو کر گزرو۔ (سنن الترمذی کتاب العلم باب الاخذ بالسنۃ حدیث نمبر:۲۶۷۸)

"یا بنی إن ذلك من سنتی ومن أحیا سنتی فقد أحبنی ومن أحبنی کان معی فی الجنة"

اے میرے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں رہے گا۔ (ایضاً)

"یا بنی إذا دخلت علی أهلك فسلم یکن برکة علیك وعلیٰ أهل بیتك"

اے میرے بیٹے! جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو، یہ تمہارے اور گھر والوں کے لیے برکت کا سبب ہوگا۔ (سنن الترمذی کتاب الاستیذان باب التسلیم اذا دخل بیته حدیث نمبر:۲۶۹۸)

مذکورہ بالا نصیحتوں کے اندر ایک طرف علم وعرفان کا سمندر موجزن ہے تو دوسری طرف محبت وشفقت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ تعمیر شخصیت کے لیے جن خوبیوں کا ہونا

ناگزیر ہے۔ان کا کتنے عمدہ وحسین پیرائے میں درس دیا جارہا ہے۔ایک نوخیز کو عمدہ عادات کا خوگر بنانے کی کوشش کی جارہی ہے اور یا بنی کے معنی خیز الفاظ کی تکرار سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینے میں اس کم سن روحانی فرزند کی چھپی ہوئی محبت طشت از بام ہورہی ہے۔یقیناً ایک مربی کے لیے یہی شایاں ہے۔

بدرودیگر غزوات میں شرکت: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن سے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں مشغول ہو گئے تھے۔خدمت کی برکت حضرت انس کو میدان بدر تک کھینچ لائی جب کہ دوسرے کم عمر صحابہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں دی اور انہیں واپس جانا پڑا لیکن حضرت انس بحیثیت مجاہد نہیں بلکہ خادم رسول کی حیثیت سے بدر میں شریک رہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ غزوات میں شرکت فرمائی۔(سیر اعلام النبلاء ج ۳،ص:۳۹۷)

مشکوۃ نبوت کا فیضان: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانحہ ارتحال کے بعد تقریباً اسّی (۸۰) سال بقید حیات رہے۔اس اسّی (۸۰) سالہ زندگی میں آپ مرجع خلائق بنے رہے۔مشکوٰۃ نبوت سے علم وعرفان کے جو چراغ آپ کے سینے میں روشن ہوئے وہ تادم اخیر ایک عالم کو منور کرتے رہے۔

حضرت انس کی زندگی عشق رسول کا گلدستہ تھی۔آپ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں پر حریص تھے۔محبت ونفرت کا وہی معیار تھا جو ان کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا تھا۔اس چیز سے محبت فرماتے جس سے نبی نے محبت کی تھی۔وہ انہیں ناپسند تھا جو نبی کو ناپسند تھا۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلی ملاقات کی یاد انہیں حشاش بشاش بنادیتی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے یوم ارتحال کو یاد کر کے اس درجہ غمگین ہوجاتے کہ آنکھوں سے اشک رواں ہوجاتے۔آپ کے آس پاس کا پورا ماحول غمزدہ ہوجاتا حتیٰ کہ وہ لوگ جو آپ کے پاس ہوتے وہ بھی آپ کے ساتھ رونے لگتے۔(صور من حیاۃ الصحابۃ،ص:۱۴)

آپ اکثر فرمایا کرتے کہ میں نے دودنوں کی طرح اپنی زندگی میں کوئی دن نہیں

دیکھا۔ ایک وہ دن جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور دوسرا دن وہ جس میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ جس دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ آپ کی آمد سے مدینہ کا ہر ذرّہ منور ہو گیا تھا اور جس دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے جوار خاص میں گیے اس دن ہر چیز تاریک ہو گئی تھی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۱۴)

ناز شفاعت: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حصول شفاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کمال وثوق رکھتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے مجھے امید ہے کہ قیامت میں جب اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملوں گا تو دامنِ رحمت پکڑ کر عرض کروں گا "یارسول اللہ هذا خويدمك انيس"۔ یارسول اللہ! یہ آپ کا ادنیٰ خادم انیس حاضر خدمت ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آخری دیدار سے متعلق فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زیارت میں نے پیر کے دن کی جب ایام علالت میں حضور نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور صحابۂ کرام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ "كأنه ورقة مصحف" گویا کہ وہ قرآن کریم کا ورق تھا۔

ذوق عبادت: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس کی بڑی عمدہ تربیت فرمائی تھی اور ایک مدت دراز تک آپ کو حضور کی صحبت وخدمت میسر رہی جس کی برکتیں آپ کی ذات میں نمایاں نظر آتی تھیں۔ آپ کی نماز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بہت مشابہ تھی۔ حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس کی مایا نماز سے زیادہ کسی کی نماز حضور کی نماز کے مشابہ نہیں دیکھی۔ حضرت انس بن سیرین فرماتے ہیں: سفر و حضر میں حضرت انس سب سے عمدہ طریقہ پر نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک انصاری راوی بیان فرماتے ہیں: حضرت انس نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے دونوں قدموں سے خون بہنے لگتا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳، ص: ۴۰۰)

دعاے برکت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام وفادار اور خادم خاص کے لیے متعدد مرتبہ دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا بہت مشہور ہے "اللّٰهُمَّ أرزقه مالاً وولداً وبارك له" اے اللہ تعالیٰ! انس کو مال واولاد اور ہر چیز میں برکت عطا فرما۔ یہ اس دعا کا اثر تھا کہ آپ مال واولاد میں انصار پر فوقیت رکھتے تھے اور آپ کی نظروں کے سامنے آپ کے بیٹے، بیٹی اور پوتا پوتی کی تعداد سو (۱۰۰) کے قریب تھی اور خود آپ کی عمر مبارک سو (۱۰۰) سے متجاوز ہوئی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ا، صفحہ: ۵۴)

حضرت انس کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس میں ایک ایسا پھول تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی، یہ حضور ہی کی دعا کا نتیجہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح آپ نے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کثیر احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے بھی خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت ابن سیرین، امام حمید، امام ثابت بنانی، امام قتادہ، امام حسن بصری اور امام زہری وغیرہ کے نام خاص طور پر مشہور ہیں۔ (اسد الغابہ، جلد: ا، صفحہ: ۲۹۶)

آپ کی دعا کا اثر: آپ مستجاب الدعوات تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو جلد قبول فرمالیتا، چناں چہ ایک مرتبہ آپ کے زمین کے چوکیدار نے آکر کھیتوں کے سوکھے ہونے کی شکایت کی، آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چند رکعت نماز نذرانہ پیش کر کے اللہ کی بارگاہ میں بارش کی دعا کی چوکیدار کا بیان ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بارش نازل ہونے لگی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳، ص ۴۰۰)

شان وصال: جب حضرت انس کو مرض الموت لاحق ہوا تو آپ نے گھر والوں سے فرمایا: مجھے "لا إله إلا الله محمد رسول الله" کی تلقین کرو۔ گھر والے تلقین کرتے آپ بھی کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے یہاں تک کہ یہی مبارک کلمہ ورد زباں تھا اور آپ کی روح

مالک حقیقی سے جاملی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۱۶)

تبرک وتوسل: حضرت انس کے پاس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چھڑی تھی جس کے بارے میں آپ نے وقت وصال وصیت فرمائی کہ اس کو میرے ساتھ دفن کردینا۔ آپ کی وصیت کو عملی جامہ پہناتے ہوئے آپ کے گھر والوں نے اس چھڑی کو آپ کے پہلو میں رکھ کر دفن کردیا۔ (اسد الغابہ، جلد:۱، ص:۲۹۶)

کاش گروہ وہابیہ اسلاف کرام کے نقوش حیات کو نشان منزل جان کر زیست کے پر پیچ راستوں پر سفر کرتا تو کبھی گمراہ نہ ہوتا۔

سن وصال: آپ کی سن وفات میں اختلاف ہے امام واقدی کے نزدیک ۹۱ھ ہے ۹۲، ۹۳ ہجری کے قول بھی تاریخ میں مذکور ہیں بعض حضرات کے نزدیک آپ کی عمر ایک سو دس سال ہوئی، آپ کی نماز جنازہ قطن بن مدرک یا حسن بن عثمان نے پڑھائی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج۱، ص:۵۴)

صاحب مرقاۃ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں: آپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کو فقہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سکھانے کی خاطر مدینہ منورہ سے بصرہ منتقل ہوگئے تھے۔ تقریباً ایک سو تین (۱۰۳) سال کی عمر میں بصرہ ہی کے اندر وفات پائی۔ آپ بصرہ میں انتقال فرمانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔ (مرقات، جلد:۱، صفحہ:۱۳۹)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب: آپ کا نام سعید، والد کا نام عامر بن حزیم ہے آپ قریشی صحابی ہیں، فتح خیبر سے پہلے اسلام لائے اور مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شرکت فرمائی، صحابۂ کرام کے درمیان آپ کا زہد وتقویٰ اور فضل وکمال نمایاں شان کا حامل ہے۔ (اسد الغابۃ، جلد: ۲، صفحہ ۴۸۳)

قبول اسلام کا سبب: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا ہی دل سوز اور سبق آموز ہے۔ مکہ جو کسی وقت اسلام کے چاہنے والوں کے لیے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو چلا ہے، ہر طرف اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں رچی جا رہی ہیں، اسی اثنا میں بدر کا منفرد اور تاریخ ساز معرکہ وجود میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرزندانِ اسلام کو فتح مبین عطا فرماتا ہے، لات وعزیٰ کے پجاریوں کو ہزیمت وشکست دے کر ذلیل ورسوا فرماتا ہے، اس شکست وریخت کے مشروب کو گلے کے نیچے اتارنا طاغوتی قوتوں کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن سا ہو گیا ہے، کفار کے چہرے آتش غضب سے طمطما رہے ہیں، بپھرے ہوئے شیر کی طرح دیوان گانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پھاڑ دینا چاہتے ہیں اگر کہیں کوئی دیوانۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان بانیان کفر کے ہاتھوں چڑھ جاتا تو اس کو ایسی سزا دی جاتی جس کو دیکھ کر زمین کا سینہ وفورِ غم سے پھٹ جاتا۔

مشہور صحابیٔ رسول حضرت خبیب بن عدی کو دھوکے سے کفار مکہ گرفتار کر چکے ہیں،

انہیں سزا دینے کی تیاری چل رہی ہے، سردارانِ قریش انہیں ایسی سزا دینا چاہتے ہیں کہ جسے دیکھنے اور سننے کے بعد مکہ کا کوئی بھی فرد دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے کی غلطی نہ کرے۔ حصولِ مقصد کے لیے قتل گاہ کا پہلے ہی اعلان کر دیا گیا لوگوں کو وہاں پہنچنے کی دعوت دی جا رہی ہے، ظلم کے خوگر، کفار مکہ صحابیٔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا انجام دیکھنے کے لیے ازدہام کی شکل میں چل رہے ہیں۔ مرد عورت، جوان بوڑھے اور بچے سبھی اس جلوس میں شریک ہیں جو علاقۂ تنعیم کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس جلوس کی صدارت وسرپرستی ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ وغیرہ جیسے سرآوردہ افراد کر رہے ہیں۔ اس بھیڑ میں ایک جوان ہے جسے سعید بن عامر کہا جاتا ہے جو عنفوان شباب اور چھلکتی جوانی کی حوصلہ مند جرأتوں کے سہارے بھیڑ کو چیرتے ہوئے سردارانِ قریش کے دوش بدوش کھڑا ہو جاتا ہے اور اس مظلوم و بے کس قیدی کو بڑے قریب سے دیکھتا ہے جس کو ہتھکڑیوں نے جکڑ رکھا ہے، اس کی نگاہیں یہ بھی مشاہدہ کر رہی ہیں کہ اس قیدی کو عورتیں، بچے اور جوان دھکے دے دے کر شہادت گاہ سے قریب کر رہے ہیں، اس کو قتل کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے کہ دیوانۂ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے انتقام لے لیا جائے اور اس کی ہلاکت مقتولینِ بدر کا بدلہ ہو جائے۔

جب ان سرکشوں اور طاغیوں کا ہجوم ٹھیک اس جگہ پہنچ گیا جو جگہ دیوانۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کے لیے تجویز کی گئی تھی۔ نوجوان سعید ایک جگہ کھڑے ہو کر اپنے لمبے قد کے سہارے خبیب بن عدی کو بغور دیکھنے لگا۔ اب وہ منظر سامنے آ رہا ہے جسے دیکھنے کے بعد بہادر اور شجاع افراد کے قدموں تلے سے زمین کھسک جاتی ہے، پہلوانوں کی نظروں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے، حضرت خبیب بن عدی کو تختۂ دار پر پھانسی دینے کے لیے چڑھایا جا رہا ہے یکا یک بچوں اور عورتوں کی چیخ و پکار کے درمیان ایک باوقار غیر مرعوب آواز بلند ہوتی ہے: ''إن شئتم أن تركتموني أركع ركعتين قبل مصرعي فافعلوا'' اے کفر وشرک کے حامیو! اگر تم چاہو تو مجھے قتل کرنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔ پھر سعید نے

دیکھا قیدی نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور نماز شروع کر دی جلدی جلدی دو رکعت نماز ادا کی گئی۔ قارئین غور فرمائیں! اس جلدی کے عالم میں بھی کتنی تمام، کتنی کامل اور کتنی حسین ہوں گی وہ دونوں رکعتیں جنہیں ایک عابد زندگی کے آخری لمحات اور مخالف حالات میں اپنے معبود حقیقی کو نذر کر رہا ہے۔

نماز مکمل ہوتے ہی خبیب بن عدی یہ کہتے ہوئے کفار کی طرف متوجہ ہوئے ''خدا کی قسم اگر مجھے یہ گمان نہ ہوتا کہ تم کہو گے کہ میں نے موت کے ڈر سے نماز کو لمبا کر دیا ہے تو ضرور میں نماز کو بہت لمبی کر دیتا'' پھر سعید نے اپنی نگاہوں سے وہ دیکھا جسے دیکھ کر لباسِ انسانیت تار تار ہو جاتا ہے، جس کی مذمت کے لیے الفاظ کا دامن تنگ تر دکھائی دیتا ہے۔ سعید کی قوم ایک زندہ انسان کو تختۂ دار پر کھڑا کرنے کے بعد اس کے بدن کو تراش رہی ہے، ایک عضو کے بعد دوسرے عضو کو کاٹ رہی ہے اور ساتھ ہی سوال کر رہی ہے:

''أتحب أن یکون محمد مکانك وأنت ناج'' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں آزاد کر دیں اور تمہاری جگہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو تختۂ دار پر چڑھا دیں۔ اس مشرکانہ اور کافرانہ سوال کے جواب میں دیوانۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں انہیں تاریخ اسلام تا قیامت عقیدتوں بھرا اسلام پیش کرتی رہے گی۔ ملاحظہ ہوں اس شیر دل انسان کے وہ آخری الفاظ جو تختۂ دار سے گونج رہے ہیں اور زمانہ جسے گوش ہوش سے آج بھی سماعت کر رہا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

''واللہ ما أحب أن أکون آمناً وادعاً فی اھلی وولدی وأن محمداً یوخذ بشوکة'' خدا کی قسم مجھے یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اقدس میں کانٹا چبھایا جائے اور میں سلامت رہوں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص:۱۸)

آنچ ان تک نہ پہنچے جلا دو مجھے
یہ دلِ زارِ عاشق کو منظور ہے

زبان ایک لفظ کے بعد دوسرے لفظ کا تلفظ کر رہی ہے اور جسم سے قطرہ در قطرہ خون

کا سیلان ہو رہا ہے۔ اتنا پرعزم اور جرأت مندانہ جواب سننے کے بعد کفران کی جانب سے ہر خوش فہمی سے مایوس ہو گیا، ہوا میں آوازیں بلند ہوئیں اس کو قتل کرو، قتل کرو۔

سعید کی نگاہوں نے دیکھا کہ خبیب نے تختۂ دار پر کھڑے کھڑے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور دنیا چھوڑنے سے پہلے اپنے رب سے اتنا عرض کیا:

''اے اللہ! ان میں سے ہر ایک سے تو بدلہ لے کر ہلاک کر دے، ان میں سے کسی کو بھی مت چھوڑ'' یہ الفاظ ختم ہی ہونے پائے تھے کہ سعید نے دیکھا کہ خبیب کا جسم ان گنت تلواروں اور نیزوں کی زد میں آ چکا تھا کفار کی آتش غضب سرد ہو گئی اور وہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون بہانے کے بعد خوشی اور مستی کے عالم میں گھر واپس ہوئے اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں مصروف ہو گئے، زمانہ کی رفتار اور واقعات کے تسلسل نے کفار مکہ کے اذہان سے خبیب اور ان کے قتل کو بھلا دیا اور نہ ہی انہوں نے اس واقعہ کو تازہ رکھنے کی کبھی کوشش کی لیکن سعید کا دل ودماغ اس قصہ کو بھلا پانے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں ہے، چاہتے ہوئے بھی اس واقعہ کو بھول پانا ممکن نظر نہیں آتا، سوتے تو خواب میں خبیب نظر آتے، جاگتے ہوئے عالم خیال میں وہی مناظر آنکھوں میں سمائے رہتے، کبھی تختۂ دار پر ان کا چڑھنا یاد آتا، تو کبھی جسم کا تراشا جانا، کبھی قتل کرو، قتل کرو کی جھنکار سماعتوں سے ٹکراتی، یکا یک عجز و نیاز کے سانچے میں ڈھلی وہ دونوں رکعتیں یاد آ جاتیں جو تختۂ دار پر ادا کی گئی تھیں۔ یہ منظر ابھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو پاتا کہ کفار قریش کے خلاف کی گئی دعا کے الفاظ سعید کے جسم پر لرزہ طاری کر دیتے، اسے یہ ڈر بڑی شدت سے ستا رہا تھا کہ کہیں آسمانی بجلی گر کر اس کے وجود کو خاکستر نہ کر دے، یا پہاڑ سے کوئی چٹان ٹوٹ کر اس کے مجموعے کو منتشر نہ کر دے۔

ان خیالات ونظریات نے سعید سے اس کی رونق حیات چھین لی ہے، نہایت ہی کشمکش کے عالم میں مبتلا ہے لیکن خبیب کے قتل نے جو سبق سعید کو پڑھایا تھا اسے وہ بار بار دہرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جانتے ہیں کیا ہے وہ سبق جو تختۂ دار پر کھڑے ہو کر خبیب نے پوری دنیا کو پڑھایا تھا، انہوں نے درس دیا تھا ''حقیقی زندگی یہ ہے کہ انسان اپنی آخری

سانسوں تک عقیدے کی راہ میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردے'' انسان کا ایمان جب اس کے قلب میں راسخ ہوتا ہے تو اس سے عجائبات کا صدور اور خوارق العادت امور کا ظہور ہوتا ہے۔

وہ دنیا سے جاتے جاتے زمانے کو یہ بھی بتا گئے کہ جس ذات کے اصحاب اس سے اتنی محبت کرتے ہوں وہ نبی کوئی عام آدمی نہیں بلکہ آسمان سے تائید یافتہ نبی ہی ہوسکتا ہے، جوان یہ سبق دہراتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سینہ کو کھول دیا، ظلمات سے نکال کر عالم نور میں لا کھڑا کیا، اور اسے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرما دی ایک دن وہ آیا کہ سعید نے مجمع عام میں اپنے ایمان لانے کا اظہار کر دیا، کفر اور اس کی ہر برائی، اصنام اور ان کی پوجا سے برأت کا اعلان فرما دیا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۱۹)

مدنی زندگی: ایمان لانے کے بعد حضرت سعید نے مدینہ شریف کی جانب ہجرت فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کرلیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔

حضرت سعید کو جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت میسر آئی کبھی بھی آپ نے سرکار کو اپنے کسی قول وفعل سے ناراض نہ کیا یہاں تک کہ سرکار اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو حضرت سعید خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھلی تلوار کی طرح رہے اور یہی معاملہ آپ کا خلیفۂ ثانی کے ساتھ بھی برقرار رہا۔

قارئین آپ کے صلاح، تقویٰ خیر اور دور اندیشی کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اسلام کے اولین دونوں خلیفہ آپ کی سچائی، پاکبازی اور آپ کی ذات میں موجود خشیت الٰہی پر پورا وثوق ویقین رکھتے تھے، اسی وجہ سے یہ دونوں حضرات آپ کی نصیحتوں کو بڑے غور سے سماعت کرتے تھے۔ (ایضاً ص:۲۰)

آپ کی زندگی آنے والی نسلوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے، خاص کر ان نفوسِ قدسیہ کے لیے جو رضائے مولیٰ کے لیے دنیا کو ٹھکرا کر آخرت کو پسند کرتے ہیں نفسانی

وجسمانی تمام خواہشات سے اپنے دامن کو بچا کر رضائے الٰہی کے جویاں رہتے ہیں۔

امیر المومنین کو نصیحت: اب ہم قارئین کے لیے ایک دلچسپ واقعہ پیش کر رہے ہیں جس سے اوپر بیان کردہ باتوں کی تصدیق ہوگی اور حضرت سعید کی باوقار شخصیت کا تعارف بھی۔ حضرت عمر کی خلافت کے اولین ایام میں حضرت سعید عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچتے ہیں اور کہتے ہیں: اے عمر! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں لوگوں سے مت ڈرنا، تمہارا قول تمہارے فعل کی مخالفت نہ کرے اس لیے کہ انسان کی سب سے بہتر بات وہ ہوتی ہے جس کی تصدیق اس کا عمل کرتا ہو، اور سنو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسلمانوں کے معاملات کا والی بنایا ہے تو تم آرام طلبی میں نہ پڑ جانا بلکہ تمہاری توجہ مسلمانوں کے معاملات کی طرف مکمل طور پر ہونا چاہیے، چاہے مسلمان تمہارا قریبی ہو یا دور کا، ان کے لیے وہ پسند کرنا جو اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرتے ہو، اور وہ چیز ناپسند کرنا جو اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے ناپسند کرتے ہو، پیچیدہ معاملات کی تہہ تک پہنچنا پھر حق فیصلہ صادر کرنا اور ملامت کرنے والوں کا خوف کبھی مت کرنا۔

حضرت عمر نے فرمایا: یہ سب کون کر سکے گا اے سعید؟ جواب دیا: آپ جیسا انسان یہ سب کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کا تنہا والی مقرر فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: اگر یہی بات ہے تو آؤ اس معاملہ میں میری مدد کرو، میں تمہیں شہر حمص کا حاکم متعین کرتا ہوں۔ حضرت سعید نے عرض کیا: عمر میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں مجھے اس آزمائش میں مبتلا مت کرنا۔ پھر تو حضرت عمر نے غضب ناک ہو کر فرمایا: تم عجیب لوگ ہو کہ خلافت کا بوجھ میرے گلے میں ڈال کر الگ ہٹ جانا چاہتے ہو، خدا کی قسم میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ سعید مجبور ہو گئے اور حضرت عمر کے اس فیصلہ کو ٹھکرا نہ سکے۔ حضرت عمر نے ''حمص'' کا والی مقرر فرماتے ہوئے کہا: سعید میں تمہارے لیے بیت المال سے کچھ مال مقرر کیے دیتا ہوں تاکہ تمہارے اخراجات آسانی سے چل سکیں، اس پر اس مرد خدا نے عرض کیا حضور! مجھے بیت المال سے جو وظیفہ ملتا ہے وہ میرے اخراجات کے لیے کافی ہے

مزید کی ضرورت نہیں۔ (صفۃ الصفوۃ من الطبقۃ الثالثۃ ممن شھد خندق ج ۱، ص: ۶۶۱)

حمص کا امیر، حمص کا فقیر: حضرت سعید خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق حمص روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہو گئے۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ امیر المومنین حمص تشریف لائے، دوران گفتگو امیر المومنین نے فرمایا: مجھے حمص کے ضرورت مند فقرا کی لسٹ دیجیے تاکہ بیت المال سے ان کی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے۔ امیر المومنین کے حکم پر فوراً عمل درآمد ہوا اور فقرا کی لسٹ بنا کر امیر المومنین کو سونپ دی گئی۔ امیر المومنین فقرا کے ناموں کو پڑھنا شروع کرتے ہیں پڑھتے پڑھتے نگاہیں ایک سطر پر آکر مرکوز ہو جاتی ہیں پہلے کچھ سمجھنے کی کوشش کی، پھر سوال کرتے ہیں یہ سعید بن عامر کون ہیں؟ عرض کیا گیا: ہمارے امیر! فرمایا: تمہارے امیر اور فقر و فاقہ کی زندگی، یہ کیسے؟ لوگوں نے جواباً عرض کیا: اے امیر المومنین! یقیناً یہ ہمارے امیر کا نام ہے، بخدا ان کا حال یہ ہے کہ کئی کئی دن گزر جاتے ہیں اور ہمارے امیر کے یہاں چولہا نہیں جلتا ہے۔ ایک مردِ خدا کا یہ حال سننے کے بعد امیر المومنین میں یارائے ضبط نہ رہا، بلا اختیار آنکھوں نے اشک باری شروع کی، اتنا روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ کچھ دیر بعد امیر المومنین نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک ہزار دینار سے بھری تھیلی ان لوگوں کو عطا فرمائی اور فرمایا: جا کر سعید سے میرا سلام کہنا اور یہ تحفہ ان کی خدمت میں پیش کر کے کہنا کہ امیر المومنین نے اس کو تمہاری ضرورتوں کے لیے بھیجا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۱، ص: ۶۶۴، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۲۱)

فقر کی اعلیٰ مثال: قاصد سعید کے پاس پہنچا اور امیر المومنین کا بھیجا ہوا تحفہ عنایت کیا۔ سعید نے اس کی طرف توجہ فرمائی، دیکھتے ہیں کہ دیناروں کی ایک تھیلی ہے جو امیر المومنین کی بارگاہ سے بھیجی گئی ہے۔ دیکھتے ہی بلند آواز سے آپ نے "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون" پڑھا جیسے کہ ایک مسلمان بوقتِ مصیبت ان الفاظ کو بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ آواز سن کر بیوی پوچھتی ہیں کیا معاملہ ہے؟ کیا امیر المومنین کے ساتھ کوئی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے؟ فرمایا: اس سے بھی بڑا۔ عرض کیا کیا ہلاکت کی کوئی بڑی نشانی ظاہر ہوئی ہے؟ فرمایا: اس سے بھی بڑا معاملہ ہے۔ عرض کیا کیا قیامت آنے والی ہے؟ فرمایا: اس سے بھی بڑا

حادثہ ہے۔ عرض کیا: فرمائیں تو سہی معاملہ کیا ہے؟ حضرت سعید نے جواب دیا: دنیا مجھ پر داخل ہوگئی ہے، فتنے نے مجھے گھیر لیا ہے۔ وفا شعار اہلیہ نے عرض کیا: مجھے حکم فرمائیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں! حکم کے مطابق چند تھیلیاں لائی گئیں اور دینار اس میں بھر کر ادھر سے گزرنے والے مسلمانوں کے لشکر پر تقسیم کر دیے گئے۔ بیوی نے عرض کیا: اے سرتاج! اگر آپ کچھ دینار گھر کے لیے رکھ لیتے تو بہت بہتر ہوتا، وقتِ ضرورت ہمیں کام آتے حضرت سعید نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول سے سنا ہے کہ اگر جنت کی حور دنیا کی طرف جھانک لے تو پوری دنیا مشک کی خوشبو سے مہک اٹھے، خدا کی قسم میں ان کے مقابلہ میں دینار اختیار نہیں کر سکتا۔ (اسد الغابۃ جلد ۲ صفحہ: ۴۸۴)

عمر کا دورۂ حمص: حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین کی عطا کردہ ذمہ داریوں کو کمال دیانت کے ساتھ نبھاتے ہیں کہ اچانک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام کے دورے پر نکلے اور مختلف شہروں کا گشت کرتے ہوئے شہر حمص پہنچے۔ یہ وہی شہرِ حمص ہے جسے دوسرے الفاظ میں 'کویفہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کویفہ کا معنیٰ ہوتا ہے چھوٹا کوفہ، اس کو کویفہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے باشندوں میں کوفہ کے باشندوں کا ایک خاص مزاج پایا جاتا تھا اور وہ یہ کہ جس طرح کوفہ کے لوگ اپنے حکام اور امرا سے متعلق کثیر شکایتیں رکھتے تھے اور انہیں بارگاہِ خلافت تک پہنچاتے رہتے تھے، اس معاملہ میں حمص کے رہنے والے بھی کوفے والوں سے کسی طور پر کم نہ تھے۔

حضرت عمر کے وہاں پہنچنے پر اہل حمص امیر المومنین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، بعد سلام سلسلۂ کلام شروع ہوا مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت عمر حمص کے امیر سے متعلق اہل حمص سے سوال کرتے ہیں ''کیف وجدتم اُمیرکم''، تم نے اپنے امیر کو کیسا پایا؟

ہم قارئین کو بتادیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عدل وانصاف مظلوم کے لیے رحمت خدا اور ظالم کے لیے قہر الٰہی تھا۔ جب وہ میزان عدل لے کر کھڑے ہوتے تو عام آدمی اور حاکم وقت دونوں ان کی نظر میں برابر ہوا کرتے۔ سوال سنتے ہی لوگوں نے شکایتوں کی جھڑی لگادی۔ سعید بن عامر کی چار ایسی شکایتیں کہ اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو

ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، اہل حمص نے پیش کر ڈالیں۔

سعید سے مواخذہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً حضرت سعید کو طلب کیا اور بارگاہِ رب العالمین میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر عرض کرتے ہیں مولیٰ! مجھے سعید پر مکمل بھروسہ اور اعتماد ہے تو اس اعتماد کی لاج رکھ لینا۔ جب دونوں فریق جمع ہو گئے تو حضرت عمر نے فرمایا: بتاؤ تمہیں اپنے امیر سے کیا شکایت ہے؟

اہل حمص۔ ہمارے امیر آفس بہت تاخیر سے آتے ہیں۔

عمر۔ اے سعید! تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

سعید بی مجھے میرا ضمیر حقیقت حال بتانے سے منع کر رہا ہے خدا کی قسم مجھے اس کا انکشاف قطعاً ناپسند ہے لیکن ایسے حالات میں خاموش تماشائی بنا رہنا اقبالِ جرم کے مترادف ہوتا ہے، اب انکشاف حقیقت میری مجبوری بن گیا ہے۔ اے امیر المومنین! میں نے اپنے گھر میں اپنے عیال کے لیے کوئی خادم نہیں رکھا ہے، صبح نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر آٹا گوندھتا ہوں، کچھ دیر خمیر بننے کا انتظار کرتا ہوں، پھر روٹی بناتا ہوں، کھانے سے فارغ ہو کر وضو کرتا ہوں اور لوگوں کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔

عمر۔ اے اہل حمص! اس کے سوا بھی تمہاری کوئی شکایت ہے؟

اہل حمص۔ ہاں امیر المومنین! ہمارے امیر رات کے وقت ہماری کوئی بات نہیں سنتے ہیں۔

عمر۔ سعید اس کے بارے میں تمہارا کیا کہنا ہے؟

سعید۔ اے امیر المومنین! فرائض وواجبات کے سوا دن کو میں نے لوگوں کے لیے خاص کر رکھا ہے اور رات میں نے اپنے معبود کے لیے خاص کر رکھی ہے۔

عمر۔ اور کچھ کہنا چاہتے ہو اے لوگو؟

اہل حمص۔ ہمارے امیر ہر ماہ ایک دن چھٹی کرتے ہیں۔

عمر لوگوں کے سوال کا جواب دو اے سعید!

سعید۔ امیر المومنین میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، اور جو کپڑے میرے بدن

پر موجود ہیں ان کے سوا میرے پاس دوسرا لباس نہیں ہے، مہینے میں ان کو ایک مرتبہ دھلتا ہوں، پھر کپڑوں کے سوکھنے کا انتظار کرتا ہوں اور دن کے آخری حصہ میں آفس حاضر ہوجاتا ہوں۔

عمر۔ حمص والو! تم اپنا آخری سوال بھی اپنے امیر کے سامنے پیش کر سکتے ہو؟

اہل حمص - ہمارے امیر پر ایک دن ایسا آتا ہے کہ یہ بے ہوش ہوجاتے ہیں اور دنیا و مافیہا کو بھول جاتے ہیں۔

عمر۔ کیا؟ کہنا چاہو گے اے سعید!

سعید۔ امیر المومنین! میں نے خبیب بن عدی کے قتل کا منظر ملاحظہ کیا ہے۔ میں اس وقت مشرک تھا، قریش خبیب سے کہہ رہے تھے: کیا تمہیں پسند ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمہاری جگہ لے لیں اور تم آزاد ہوجاؤ؟ خبیب کا جواب تھا: مجھے آرام ملے اور مصطفیٰ کے قدم ناز میں کانٹا چبھے یہ مجھے کبھی بھی کسی بھی صورت میں منظور نہیں ہے۔ امیر المومنین! جب وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے آتا ہے، اور میں قریش کے ظلم اور خبیب کی مظلومیت کا تصور کرتا ہوں تو میرا نفس مجھ سے سوال کرتا ہے تم نے خبیب کی مدد کیوں نہ کی، تمہارا قوتوں بھرا وجود دیوانۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کام کیوں نہ آسکا تم نے اپنی جان اس پر نچھاور کیوں نہ کردی، کیا خدا تمہیں معاف فرمائے گا؟ کیا تمہارے اس جرم کی تلافی ممکن ہے؟ اس جیسے ان گنت سوال پیدا ہوتے ہیں، ذہن بوجھل ہوتا ہے اور پھر میری ذات مجھ سے اور میں اپنی ذات سے جدا ہوجاتا ہوں حتیٰ کہ کسی دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہوں۔

سعید سے سارے سوالوں کے جواب سن لینے کے بعد امیر المومنین کے چہرے پر دل نواز تبسم انگڑائیاں لینے لگا، شان بندگی بجالاتے ہوئے بارگاہِ خدا میں حمد وثنا کے پھول پیش کیے ''الحمد للہ الذی لم یفیل فراستی'' تمام تعریف اس ذاتِ واحد کے لیے جس نے سعید کے متعلق میرے گمان کو برباد نہ جانے دیا۔

سخاوت: امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار حضرت سعید کو عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا: انہیں اپنے کام میں لاؤ۔ حضرت سعید کی بیوی کو جب اطلاع ہوئی تو خوشی سے جھوم اٹھیں اور عرض کیا: تمام تعریفیں اس خدا کے لیے

جس نے ہمیں آپ کی وجہ سے غنی کر دیا۔ حضرت سعید نے فرمایا: تمہیں ایک بہتر اور زیادہ نفع بخش بات نہ بتادوں؟ بیوی نے عرض کیا بتائیے! حضرت سعید نے جواب دیا ''یہ اشرفیاں ہم اس ذات کو سونپ دیتے ہیں جو تمہیں اس وقت واپس فرمائے جب تمہیں اس کی سخت ضرورت ہوگی، باوفا بیوی کے پاس ہاں کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔

اشرفیوں کو تھیلیوں میں بھر کر مسلم فقرا، غربا، مساکین اور خستہ حال بیوہ عورتوں کی جانب روانہ کر دیا گیا اور سعید کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک ایک ایک اشرفی اللہ کی بارگاہ میں خرچ نہ کر ڈالی۔ (صفۃ الصفوۃ من الطبقۃ الثالثۃ ممن شھد خندق ج ۱، ص: ٦٦٦)

ہزاروں رحمتیں نازل ہوں حضرت سعید اور ان کے ساتھیوں کی قبروں پر کہ جن کا فقر وقار اسلام ہے اور جنہوں نے رب کے قول ''وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' ﴿الحشر ۹﴾ کی تصدیق کا حق ادا فرما دیا، رہتی دنیا ان کی سیرت سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔

وصال: حضرت سعید کے انتقال کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا: ملک شام کے شہر قیساریہ میں ۱۹ھ میں انتقال ہوا۔ اور ابونعیم نے کہا رقہ میں انتقال ہوا اور وہیں آپ کی قبر انور رہے اور بعض نے فرمایا: شہر حمص میں انتقال ہوا۔ بعض کے نزدیک سن وصال ۲۰ھ ہے۔ وقت وصال آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

(اسد الغابۃ فی تمییز الصحابۃ جلد ۲، صفحہ: ۴۸۴)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: دَورِ اوّل میں اسلام لانے والے صحابہ میں سے ایک

وہ۔ جس نے اسلام کی خاطر مکہ چھوڑ کر حبشہ کو اختیار کیا۔
وہ۔ جس نے بعد میں مدینۃ الرسول کو مسکن بنایا۔
وہ۔ جس نے قاصد نبی ہونے کا شرف پایا۔
وہ۔ وہ جس نے قیصر وکسریٰ سے نگاہیں لڑائیں۔
وہ۔ جسے قیصر کی سطوت اور کسریٰ کی شوکت مرعوب نہ کرسکی۔
وہ۔ جس نے قیصر وکسریٰ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسلام کی ترجمانی فرمائی۔
وہ۔ جسے ابلتے ہوئے تیل کا جوش اور بحرِ حسن کا تموج بھی اسلام سے بال برابر منحرف نہ کرسکا۔
وہ۔ جس کے ثابت النسب ہونے کی گواہی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرمائی۔
وہ۔ جس کے عظیم کارنامے پر امیر المومنین حضرت عمر نے فرطِ محبت سے ان کی پیشانی کو چوم لیا۔
وہ۔ جو تاریخ کے سینے کا ایک انمول ہیرا ہے۔
وہ۔ جسے تاریخ عبداللہ بن حذافہ سہمی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

نام ونسب: عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لؤی قرشی سہمی۔ آپ کی کنیت ابوحذافہ ہے۔

آپ کی والدہ کو بنت حرثان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے ان کو اصحاب بدر میں شمار کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ بدر میں آپ شرکت نہ کر سکے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت عروہ اور حضرت ابن شہاب وغیرہ ثقات حضرات نے آپ کا نام شرکائے بدر میں ذکر نہیں فرمایا ہے۔ (اسد الغابۃ حرف العین ج ۳، ص: ۲۱۳)

حضور کی گواہی: آپ ہی ایسے صحابی ہیں جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے گواہی دی کہ ''تمہارا باپ حذافہ ہے''۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر فلما سلم قام على المنبر فذكر الساعة وذكر ان بين يديها امور اعظاماً ثم قال من أحب أن يسأل عن شئى فليسأل عنه فو الله لا تسألونى عن شئى إلا أخبرتكم ما دمت فى مقامى هذا" قال: فسأله عبدالله بن حذافة فقال: من ابى، قال! ابوك حذافة"

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ سورج ڈھلنے کے بعد تشریف لائے اور جب نماز ظہر ادا فرمالی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا تذکرہ کیا اور قیامت کی نشانیوں کو ذکر فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں جو آئے مجھ سے پوچھ لے۔ خدا کی قسم تم جو پوچھو گے میں تمہیں اس کا جواب عطا کروں گا جب تک میں اس جگہ موجود ہوں (بعد میں یہ عام اجازت نہیں رہے گی) تو عبداللہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا باپ حذافہ ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب ما یکره من کثرة السوال، صحیح المسلم کتاب الفضائل باب توقیر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم)

اس حدیث کو امام بخاری اور کثیر محدثین کرام نے اختلاف الفاظ کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔

ابن حجر کا تبصرہ: اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں فرمایا: قتادہ کی روایت میں وہ سبب بھی موجود ہے جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ سوال کرنے پر مجبور ہوئے، وہ سبب یہ تھا کہ جب کوئی شخص حضرت عبداللہ کے ساتھ جھگڑا کرتا تو انہیں حرامی کہہ دیا کرتا تھا۔ لہٰذا حقیقت کی وضاحت کے لیے حضرت عبداللہ نے یہ سوال کیا بعد میں آپ کی والدہ نے آپ کو اس بات پر ڈانٹا (مقصد یہ تھا کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اگر میں اس معاملہ میں گنہ گار ہوتی تو رہتی دنیا تک رسوائی مقدر ہو جاتی)

امیر لشکر: عبداللہ بن حذافہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی لشکر کا امیر بنایا ہے، حضرت عبداللہ کے حصہ میں ایک سریہ کی امارت آئی، اس سریہ میں ایک خاص معاملہ یہ پیش آیا کہ لوگوں نے ایک جگہ آگ روشن کی حضرت عبداللہ نے اپنے ماتحت لوگوں سے فرمایا: کیا آپ لوگوں پر یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میرے حکم کو مانیں؟ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! ضرور آپ کا حکم ماننا ہمارے لیے لازم ہے۔ آپ نے فرمایا: تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ، جب لوگ آگ میں داخل ہونے کے لیے تیار ہو گئے اور آپ کو ظن غالب ہو گیا کہ لوگ داخل ہو جائیں گے تو آپ نے داخل ہونے سے منع فرما دیا اور فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو مزاحاً ایسا حکم دیا۔

جب لوگ واپس پلٹ کر آئے اور بارگاہِ رسالت میں واقعہ پیش کیا تو اللہ کے رسول نے فرمایا: "من أمركم بمعصية فلا تطيعوه" (سیر اعلام النبلاء، جلد: ۲، صفحہ: ۱۳)

مذکورہ واقعہ کے بیان میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے ہم نے علامہ ذہبی کے قول پر اعتماد کیا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو فلاح دارین کی بشارت دیتا ہے جہاں وہ ایک وفادار

مسلمان کو آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں کا مژدہ سناتا ہے، وہیں دنیا میں بسا اوقات اسے ایسے مواقع عطا کرتا ہے کہ جس کو پالینا اس وجود خاکی کے لیے بغیر اسلام کے ممکن نہ تھا۔ اسلام کی بساطت سے کٹھن سے کٹھن منزلیں اور دشوار گزار راہیں بھی صبر و رضا کے سائے میں آسانی سے طے کرلی جاتی ہیں اور اس راہ کے مسافر کا کارواں بغیر لڑکھڑائے اور بغیر ڈگمگائے اپنی منزل کو پالیتا ہے۔

شاہانِ وقت کو دعوتِ اسلام: اسلام کی سربراہی نے عبداللہ کو دو مواقع ایسے عطا کیے نہ جسے تاریخ بھول سکتی ہے اور نہ ہی مسلمان اس کو فراموش کرسکتے ہیں، اور زندہ دل غیر متعصب قومیں ان دونوں موقعوں پر عبداللہ کی بہادری، جرأت مردانہ اور قوتِ فیصلہ پر انہیں داد و تحسین سے نوازتی رہیں گی۔

ہجرت کے ساتویں سال اور بعض مؤرخین کے نزدیک چھٹے سال پیغمبر اسلام نے ایک بہت ہی اہم اور جرأت مندانہ فیصلہ فرمایا اس کے پیچھے آپ کا منشا یہ تھا کہ اسلام جو آفاقی مذہب ہے اسے آسمان کے کناروں کی طرح پھیلایا جائے اور اس کے نظام بندگی و نظام سیاست سے پوری دنیا کو متمتع کیا جائے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ عجمی بادشاہوں کو خطوط کے ذریعہ دعوتِ اسلام پیش کی جائے کیوں کہ ''الناس علیٰ دین ملوکہم'' کے تحت اس طریقے پر اسلام کو عام کرنا اور اس کو گھر گھر پہنچانا بہت آسان ہوجائے گا اس مہم کے لیے چھ جاں باز صحابہ رضی اللہ عنہم کا انتخاب کیا گیا۔ ان کے مبارک اسما درج ذیل ہیں:

۱- حاطب بن ابی بلتعہ- کو مقوقس شاہ مصر کے لیے۔
۲- شجاع بن وہب- کو حارث بن ابی شمر غسانی (نصاریٰ عرب کا سردار) کے لیے۔
۳- دحیہ بن خلیفہ- کو روم کے بادشاہ قیصر کے لیے۔
۴- سلیط بن عمر- کو ہوذہ بن علی کے لیے
۵- عبداللہ بن حذافہ- کو ایران کے بادشاہ کسریٰ کے لیے۔

۶- عمرو بن امیہ- کونجاشی شاہ حبشہ کے لیے منتخب کیا گیا۔

(الكامل فی التاریخ، ج۲، ص: ۹۵، سنة ست من الهجرة، ذكر مكاتبة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم)

کٹھن منزل: ان چھ جاں بازوں میں ایک نام حضرت عبداللہ بن حذافہ کا بھی ہے جنہیں کسریٰ کی طرف خط لے کر جانے کی ذمہ داری سونپی گئی، کسریٰ اس وقت کی دو سپر پاور میں سے ایک تھا۔ قارئین اس مہم کے خطرات پر غور فرمائیں قاصد اس ملک کی زبان سے آشنا نہیں، بادشاہ کے مزاج سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا، وہاں کے نشیب وفراز سے آگاہ نہیں، اس کے باوجود پیغام لے کر جانا ہے اور پیغام بھی وہ کہ جس میں بادشاہ کو اس کے باطل دین (جسے وہ حق سمجھتا ہے) کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جارہی ہے اور ایسی قوم دعوت دے رہی ہے جو کل تک اس کے تابع فرمان تھی، یقیناً اس راہ پر وہی چل سکتا ہے جس نے اپنی جان جاں آفریں کو سپرد کرنے کی مکمل تیاری کر رکھی ہے جو اس سفر پر روانہ ہوا گویا کہ وہ مفقود ہے اور جو سلامت لوٹ آیا وہ نو مولود ہے۔

بوجھ امانت: چناں چہ حضرت عبداللہ کو کسریٰ کے پاس گرامی نامہ لے جانے کا حکم ملتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم پاتے ہی حضرت عبداللہ نے کسریٰ کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کی، سواری کو سنوارا، اہل خانہ کو خیر آباد کہتے ہوئے اس پر خطر مہم پر روانہ ہو گئے۔ راہِ حق کا مسافر، اللہ کے رسول کا قاصد زمین کے نشیب وفراز کو طے کرتا انجام سے بے خبر چلا جارہا ہے، اگر کوئی فکر دامن گیر ہے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ رسولِ گرامی کے بھروسے اور اعتماد کی لاج رکھ لے، جان سلامت رہے یا نہ رہے لیکن حضور کا خط کسریٰ تک سلامتی کے ساتھ پہنچ جائے، تن تنہا یہ سفر پورا کیا، راستہ میں کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا لیکن رحمت رب ضرور شامل حال تھی، فارس پہنچ کر کسریٰ کے دربار میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، اذن حاصل ہونے کے بعد جناب عبداللہ عرب کی سادگی پر اسلامی وقار کا غازہ لیے دربار شاہی میں داخل ہوئے، شان فقیری میں بھی شاہی رعب سے مرعوب نہیں ہیں، ان کی

نگاہوں کی تیزی بھرے دربار میں ان کی دلیری کا لوہا منوا رہی ہے۔

حضرت عبداللہ کسریٰ کے قریب ہوئے اور رسول گرامی وقار کا خط کسریٰ کے حوالہ کیا اور اپنی عظیم ذمہ داری سے سبک دوش ہوئے، کسریٰ نے مترجم کو بلا کر خط سننا شروع کیا، خط کی ابتدا اللہ کے مقدس ومحترم نام یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی گئی تھی۔ مترجم نے ترجمہ کر کے بتایا ''اللہ کے نام سے شروع جو نہایت ہی مہربان اور رحم والا'' یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے ایران کے بادشاہ کسریٰ کی طرف بھیجا گیا ہے، اس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست کی اتباع کی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۳۷)

کسریٰ کا غضب: مترجم بس اتنا ہی پڑھ سکا تھا کہ کسریٰ مارے غضب کے تلملا اٹھا، چہرہ غصہ سے لال پیلا ہو رہا تھا، گردن کی رگیں جوش غضب سے پھڑک رہی تھیں کیوں کہ یہ خط رائج الوقت شاہی آداب کے مطابق نہ تھا، اس خط میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کسریٰ کے نام سے پہلے کیا گیا تھا، کسریٰ نے خط کو مترجم کے ہاتھ سے غصہ سے چھین لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اس نے یہ جاننے کی بھی قطعاً کوشش نہیں کی کہ اس خط میں کیا لکھا ہے، وہ خط کو پھاڑتے وقت چیخ چیخ کر یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا غلام اور یہ طرز کلام، اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عبداللہ کو مجلس سے نکال دیا گیا، عبداللہ دربار سے اس تردد کے ساتھ باہر ہوئے کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا یا چھوڑ دیا جائے گا، خرد نے جواب دیا کہ اب کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے، جان جائے یا رہے رسول اللہ کا خط کسریٰ تک پہنچ چکا ہے، حق امانت ادا ہو چکا ہے۔ (بعض ترجمہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کسریٰ کی آتش غضب جب سرد ہو گئی تو حضرت عبداللہ کو تلاش کیا گیا لیکن لوگ ان کی گردِ راہ کو بھی نہ پا سکے)

عبداللہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ کہہ سنایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ واقعہ سن کر صرف اتنا کہا: ''مزق اللہ ملکہ'' اللہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرما دے۔ ادھر کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو حکم

لکھ بھیجا'' مجھے اطلاع ملی ہے کہ حجاز میں کسی انسان نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے فوراً گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو۔ باذان نے تاخیر کیے بغیر اپنے چنندہ لوگوں میں سے دو کو اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اطلاع ملتے ہی ان دونوں کے ساتھ کسریٰ سے ملاقات کے لیے روانہ ہو جائیں، حکم عدولی کی صورت میں ہلاکت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص: ۹۷ بحوالہ صور من حیاۃ الصحابہ ص: ۳۸)

کسریٰ کے قتل کی اطلاع: باذان کے دونوں قاصد بانو یہ اور خرخسرہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ قاصدوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا نیز کہا کہ اگر آپ نے باذان کی بات مان لی تو اس میں آپ کا فائدہ ہے ورنہ کسریٰ آپ کو اور آپ کی قوم دونوں کو تباہ کر دے گا۔ سرکار نے خط پڑھ کر تبسم فرمایا اور انہیں حکیمانہ انداز میں اسلام لانے کی دعوت دی اور اگلے دن ملاقات کرنے کا حکم دیا۔

رات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خبردار فرمایا کہ پیکر نخوت وغرور کسریٰ پرویز کو اس کے لڑکے شیرویہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے، صبح کو جب دونوں قاصد دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکار نے فرمایا: "أبلغا صاحبكما ان ربى قد قتل ربه كسرىٰ فى هذه الليلة لسبع ساعات مضت منها" جاؤ اپنے صاحب کو جا کر بتا دو کہ میرے رب تعالیٰ نے باذان کے رب کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ آج رات جب کہ سات پہر گزر چکے تھے تو ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا۔ سرکار نے فرمایا: جاؤ باذان کو جا کر ان ساری باتوں کی خبر دے دو اور یہ بھی کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کی آخری سرحدوں تک پہنچ کر رہے گی بلکہ وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کوئی کھر اور سُم والا جانور موجود ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: ''باذان کو میرا یہ پیغام بھی دے دینا کہ وہ اگر اسلام قبول کرے گا تو اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی، اس کا ملک اور اس کا ساز وسامان اسی کے پاس رہنے دیا جائے گا'' (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص: ۹۸)

کسریٰ کا گورنر اسلام کی آغوش میں: جب یہ قاصد واپس جانے لگے تو حضور

نے ایک کمر بند جو سونے اور چاندی سے مزین تھا تحفۃً باذان کے پاس بھجوایا۔ قاصد سفر طے کر کے باذان کے دربار میں حاضر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری گفتگو سنائی، تو باذان نے کہا یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں بلکہ نبی کا معلوم ہوتا ہے، اگر یہ بات جو انہوں نے بتائی ہے صحیح ہے تو وہ ضرور نبی ہیں اور میں ان پر ایمان لے آؤں گا اور اگر غلط ہے تو ہم خود صاحب رائے ہیں۔ اللہ کی قدرت کچھ دیر گزری تھی شیرویہ کا خط باذان کو مل گیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی، باذان نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ کئی فارسی النسل لوگ مسلمان ہوئے۔ (الکامل فی التاریخ سنۃ ست من الھجرۃ ذکر مکاتبۃ الرسول ج۲،ص:۹۸)

ابن حذافہ کی کامیابی: کسریٰ سے ملاقات کرنا اور مخالف حالات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا کر صحیح وسالم واپس آجانا ایسا کارنامہ ہے جسے بھلا پانا تاریخ کے لیے ممکن نہیں ہے، کسریٰ سے فارغ ہو کر اب ہم قیصر کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ ماقبل میں ایک سپر پاور کو کسریٰ کے نام سے پہچانا جاچکا ہے۔ دوسری سُپر پاور کا نام قیصر، زمانۂ جاہلیت میں یہی دو ملک ایسے تھے کہ طاقت وقوت میں ان کے ہم پلہ ہونا تو بڑی بات ان کی طاقت کا عشر عشیر بھی کسی ملک کو حاصل نہ تھا، قیصر کے ساتھ بھی حضرت عبداللہ کا ایک عظیم واقعہ پیش آیا جو واقعہ ان کے ایمان کی صداقت، عقیدے کی قوت اور اللہ کی راہ میں ان کے خلوص ومحبت کی منہ بولتی دلیل ہے۔

اسلامی لشکر روم میں: ہجرت کے انیسویں سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا جس میں عبداللہ بن حذافہ بھی شریک تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان اپنی سطوت وشوکت کا پرچم لیے پوری دنیا کی طرف بڑھ رہے تھے اور دنیا نے ان کی بہادری اور شجاعت کا لوہا مان لیا تھا، ہر طرف ان کی ثابت قدمی، قوت ایمانی اور اللہ ورسول سے ان کی وفاداری کے چرچے عام ہو رہے تھے، دنیا یہ باور کر چکی تھی کہ مسلمان اپنے دین کی خاطر تاج شاہی کو بھی ٹھوکر لگا دیتا ہے۔ یہ ساری باتیں روم کے بادشاہ قیصر نے

بھی سن رکھی تھیں۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو جانچے اور جو سنا تھا اس کا مشاہدہ اپنی نگاہوں سے کرے لہٰذا اس نے اپنی فوج کو تاکیدی حکم دے رکھا تھا کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی ان کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو اسے ہرگز قتل نہ کریں بلکہ اسے زندہ قیصر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۲۱۴، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۴۱)

مسلمان رومیوں کی قید میں: مرضیٔ مولیٰ حضرت عبداللہ کو ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ رومیوں نے گرفتار کر لیا اور تعمیل حکم کرتے ہوئے قیصر کی بارگاہ میں پہنچا دیا گیا۔ حضرت عبداللہ کے بارے میں قیصر کو بتایا کہ یہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اولین ساتھیوں میں سے ایک ہے، اب عبداللہ روم کے بادشاہ قیصر کے دربار میں بیڑیوں میں جکڑے کھڑے ہیں، وہ قیصر کہ جس کے خوف سے فرد نہیں حکومتیں لرزتی ہیں، مگر ایمان نے ان کو اس درجہ نڈر اور شجاع بنا دیا تھا اس کا قدرے اندازہ آنے والے مکالمے سے کیا جا سکتا ہے۔ بادشاہ نے پہلے تو نظر بھر کر دیر تک عبداللہ کو دیکھا اور پھر کہا:

(اسد الغابۃ ج ۲، ص: ۲۱۴، صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۴۱)

قیصر کے ساتھ مکالمہ: قیصر بی میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں کیا تم اس کو قبول کرو گے؟

عبداللہ اپنی بات بیان کیجیے۔

قیصر۔ ہم تم پر اپنا مذہب نصرانیت پیش کر رہے ہیں اور تمہیں اس میں داخل ہونے کی دعوت پیش کر رہے ہیں یاد رکھو! اگر تم نے ہمارا مذہب قبول کر لیا تو نہ صرف یہ کہ ہم تم کو آزاد کر دیں گے بلکہ تم کو اپنے ملک کی مکرم ترین ہستی بنا دیں گے۔

عبداللہ۔ (حقارت بھری نظروں سے اس کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے بولے) مجھے ایک ہزار مرتبہ موت کو گلے لگانا تمہاری دعوت قبول کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

قیصر۔ میں تمہیں ذکی، ہوشیار اور ملک رانی کا ماہر سمجھ رہا ہوں، اگر تم میرا کہا مان جاؤ تو میں تمہیں اپنی آدھی بادشاہت کا مالک بنا دوں گا۔

عبداللہ۔(بیڑیوں کے درمیان سے مسکراتے ہوئے) آدھی بادشاہت کو چھوڑو تم اپنی پوری مملکت اور عرب کی پوری ملکیت بھی مجھے اس لیے پیش کرو کہ میں دینِ محمدی سے پھر جاؤں تو پوری عمر تو درکنار میں ایک لمحے کے لیے بھی اس مقدس دین سے منحرف ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

قیصر۔(غضب سے طمطماتے ہوئے) تو پھر میں تمہیں قتل کردوں گا۔

عبداللہ۔اپنی چاہت پوری کیجیے۔

فوراً قیصر نے حکم نافذ کردیا کہ اس کو سولی دینے کے طریقے پر لٹکاؤ، حکم پاتے ہی عبداللہ کو تختۂ دار پر کھڑا کردیا گیا، ماہر تیراندازوں کو بلاکر اپنی خاص زبان میں کہا کہ اس کے بدن کو بچاتے ہوئے بدن کے قریب سے تیراندازی کرو حکم پاتے ہی تیراندازوں نے اپنا کام شروع کردیا سنسناتے تیر عبداللہ کے جسم کے بالکل پاس سے گزر رہے ہیں قیصر بار باران پر نصرانیت قبول کرنے کا دباؤ بڑھا رہا ہے لیکن اللہ کا یہ شیر انکار پر انکار کیے جارہا ہے۔(ایضاً)

ابن حذافہ کا استقلال: جب قیصر کو یہ یقین ہوگیا کہ یہ حربہ بھی کامیاب ہونے والا نہیں تو تختۂ دار سے ان کو اتارلیا گیا اور ایک کڑھائی میں تیل گرم کرنے کا حکم دیا۔ جب تیل میں اُبال آ گیا اور اس کا درجۂ حرات نقطۂ انتہا کو پہنچ گیا تو دو مسلمان قیدیوں کو بلایا اور ایک کو کڑھائی میں ڈال دیا گیا، کھولتے تیل نے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کرکے اس کو پارہ پارہ کرڈالا۔ یہ سب کچھ عبداللہ کے سامنے ہورہا ہے اور عبداللہ سے نصرانیت قبول کرنے کا اصرار کیا جارہا ہے لیکن وہ مسلسل انکار کیے جارہے ہیں، اپنے ایک بھائی کو کڑھائی میں جلتے دیکھ کر عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، ظالموں نے عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھے تو سمجھے کہ عبداللہ موت کے ڈر سے رورہا ہے، درباریوں نے قیصر کو خبر دی کہ عبداللہ رورہا ہے، خبر سنتے ہی قیصر کو بھی یقین ہوگیا کہ اب اس مسلمان پر موت کا ڈر طاری ہوگیا ہے جس کے سبب یہ آہ وبکا کررہا ہے۔(ایضاً)

آزمائش کا آخری مرحلہ: قیصر نے کہا اس کو میرے دربار میں پیش کیا جائے،

عبداللہ کو دوبارہ قیصر کے سامنے پیش کر دیا گیا، قیصر نے اس امید پر کہ اب اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ ایک مسلمان کو نصرانی بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ پھر عبداللہ کو نصرانیت قبول کرنے کے لیے کہا لیکن اس مرد خدا نے توہین آمیز لہجے میں قیصر کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ قیصر نے کہا: اے نادان مسلمان! جب تو نصرانیت قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر روتا کیوں ہے؟ اور جب تجھے مرنے سے ڈر لگ رہا ہے تو نصرانیت قبول کیوں نہیں کر لیتا؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا: میرے رونے کا سبب یہ نہیں کہ مجھے موت سے ڈر لگ رہا ہے بلکہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اب اس کھولتے تیل میں ڈال دیا جائے گا جیسے میرا بھائی دنیا سے جا چکا ہے، میں بھی چلا جاؤں گا، زندگی ختم ہو جائے گی اور زندگی کے ختم ہوتے ہی خدمتِ دین کا موقع ہاتھ سے چلا جائے گا۔ افسوس! جسم میں ایک جان ہے جو قربان ہونے جا رہی ہے، میری خواہش یہ تھی کہ جتنے میرے جسم پر بال ہیں اللہ تعالیٰ اگر اتنی جانیں مجھے عطا فرماتا تو ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتا۔ قیصر کو یہ سن کر بہت تعجب ہوا اور اس نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا اے عبداللہ! میں تمہیں آزاد کر دوں گا اگر تم میری پیشانی چوم لو۔ عبداللہ نے فرمایا: اگر میں تمہاری پیشانی چوم لوں تو کیا تم دوسرے مسلمان قیدیوں کو بھی آزاد کر دو گے۔ بادشاہ نے کہا ہاں! میں تمہارے ساتھ دوسرے قیدیوں کو بھی رہا کر دوں گا۔ (ایضاً)

اور پیشانی چوم لی: عبداللہ کی مومنانہ فراست نے فیصلہ کرنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی بلکہ فیصلہ کر دیا کہ اے عبداللہ اگر پیشانی چوم لینے سے تمہاری جان بھی بچ جائے جو آگے اسلام کے کام آئے اور دوسرے مسلمان قیدیوں کی جانیں بھی بچ جائیں جن کی دین متین کو ضرورت ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے تمہیں ایسا کر لینا چاہیے، عبداللہ نے اس طاغی کی پیشانی چوم لی، اس نے حضرت عبداللہ اور آپ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو آزاد کر دیا۔

حضرت عبداللہ کا یہ فیصلہ کتنا اہم اور کتنا عمدہ تھا اس کا اندازہ آنے والے واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں

پہنچے اور پورا واقعہ سنایا۔ حضرت عمر نے مسرت بھرے انداز میں عبداللہ کو دیکھا اور اپنے سامنے کھڑے ان مسلمانوں کو دیکھا جو کبھی رومیوں کی قید میں تھے لیکن عبداللہ کی فراست نے انہیں آزاد کرا کر یہاں لا کھڑا کیا تھا تو امیر المومنین کھڑے ہوئے اور عبداللہ کی پیشانی کو چوم لیا اور فرمایا: ہر مسلمان کو عبداللہ کی پیشانی کا بوسہ لینا چاہیے اور میں اس کی شروعات کر رہا ہوں۔ حضرت عمر جیسا دانشور اور دور اندیش جس فیصلے کی اتنی قدر کرے وہ فیصلہ غیر معمولی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ (سیر اعلام النبلاء، جلد: ۲ صفحہ: ۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کبھی حضرت عبداللہ سے مزاحاً فرماتے کہ تم وہ ہو جس نے عجمی کافر کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا تو حضرت عبداللہ جواب دیتے، ہاں میں وہ ہوں کہ اللہ نے میرے بوسے کے بدلے اسّی (۸۰) مسلمان قیدیوں کو آزاد فرما دیا تھا۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۲۱۴)

وصال: حضرت عبداللہ کا وصال مصر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا۔ (ایضاً)

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ دوس کا نامور سردار، اشراف عرب کی ایک ممتاز شخصیت، انسانی حمیت ومروت کا ہمالیہ، بے مثال مہمان نواز، جود وسخا کا خوگر، قوی احساس کا مالک، ذکاوت وفطانت میں اپنی مثال آپ، شاندار ادیب، نابغۂ روزگار شاعر، کلام شناسی کا ماہر، قادرالکلام عربوں میں سے ایک، تاریخ عرب جسے طفیل بن عمرو دوسی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جود وسخا کا یہ عالم کہ پتیلی آگ سے نہ اترتی، رات ہو یا دن آنے والوں کے لیے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا۔ ان کے یہاں بھوکوں کو کھانا، دہشت زدوں کو اطمینان اور امان کے متلاشیوں کو امان ملتی۔ رب قدیر کسی ذات سے متعلق جب خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو حالات اتنی تیزی سے بدلتے ہیں کہ انسانی قوت ادراکیہ اسے سمجھ پانے سے قاصر وعاجز رہ جاتی ہے۔

نام ونسب: طفیل بن عمرو بن طریف بن عاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔ آپ قبیلۂ دوس کے چشم وچراغ ہیں۔ (الاستیعاب ج۱ص: ۳۶۴)

مکہ میں آمد: جزیرۂ عرب کے ساحلی علاقہ تہامہ سے طفیل کا وطنی تعلق ہے۔ غیر اسلامی تہذیب کے سایے میں پروان چڑھے، سردار بنے اور اپنی تہذیب کے مطابق پورے قبیلے کی کامیاب سرپرستی فرمائی۔ اچانک مکہ جانے کا ارادہ کیا، سامان سفر تیار ہوا اور سفر شروع ہوگیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب مکہ کے اندر دو تہذیبیں آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ نئ

رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان تنازع اپنے شباب پر ہے، ہر ایک کو اعوان وانصار کی ضرورت ہے۔ اس تنازع میں نبیٔ رحمت کا ہتھیار حق وایمان کی طاقت ہے اور آپ اپنے اس مضبوط ہتھیار کے ذریعہ اپنی دعوت کو فروغ دینا چاہتے ہیں، جبکہ قریش رائج الوقت مادی ہتھیاروں سے لیس ہو کر آپ کی دعوت کی بھرپور مخالفت کر رہے ہیں۔ لوگوں کو قبولیت حق بلکہ اس کی سماعت سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش اور تدبیر کر رہے ہیں۔

طفیل کو مکہ کا ماحول عجیب نظر آیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے آپ کو اس معرکہ میں پھنسا ہوا پایا۔ مکہ آنے سے پہلے نہ انہیں اس بات کا کوئی علم تھا اور نہ ہی محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ان کے دل میں کوئی خیال گزرا تھا اور نہ ہی قریش کی محمد عربی کے ساتھ دشمنی کا کوئی معاملہ ان کے حاشیۂ خیال میں تھا۔ ایک نو وارد کے سامنے اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق اہل مکہ کتنے خطرناک عزائم رکھتے تھے۔ لوگوں کو پیغمبر اسلام سے دور رکھنے کے لیے کیسے کیسے ہتھیار استعمال کرتے تھے اس کا قدرے اندازہ خود طفیل کے آنے والے بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ طفیل بیان کرتے ہیں:

میں مکہ حاضر ہوا، جوں ہی سرداران قریش نے مجھے دیکھا نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی اور میرا شاندار خیر مقدم کیا، ہر طرف سے مبارک بادیاں پیش کی گئیں اور قابل قدر خلوص کے ساتھ میری میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔

تمہیدی گفتگو کے بعد بڑے ہی حکیمانہ اور ناصحانہ انداز میں سرداران قریش اپنے حقیقی مقصد کی طرف متوجہ ہوئے۔ انداز اتنا قاتلانہ کہ کوئی وجہ نہیں کہ انسان گفتگو سن کر اس کو دل کی گہرائیوں میں نہ اتار لے۔ حقیقی مونس وغمخوار کی زبان میں کہتے ہیں: آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہم تہِ دل سے آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ لیکن آپ یہاں کے لیے نئے ہیں، آپ ہمارے مہمان اور ہم آپ کے میزبان ہیں۔ میزبان ہونے کے ناطے یہاں کے خیر وشر پر آپ کو مطلع کرنا ہمارا فرض منصبی ہے۔ لہٰذا غور سے ہمارے معروضات

سماعت کریں تا کہ قبل از وقت ہر خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکیں۔

مکہ میں ایک ایسا انسان ظاہر ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی اور خدا کا پیغمبر بتا تا ہے۔ انداز بیان نہایت عمدہ ہے، اس کی گفتگو بڑی جاذب ہے، کلام بے حد دلکش ہے، اس کے الفاظ میں وہ نشہ ہے کہ سننے کے بعد عقل وخرد کے کئی تاجدار مدہوش ہو کر اس کے قدموں میں پڑے ہیں اور قدموں میں پڑے رہنے کو زندگی کی معراج تصور کرتے ہیں۔ دنیا ان کو ذلیل کہہ رہی ہے اور وہ اپنے آپ کو آنے والے زمانے کا امام سمجھ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ لوگوں پر اس نے جادو کر دیا ہے۔ اس کا اثر ہم پر یہ ہوا کہ اس نے ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا، حمایت کا شیرازہ بکھیر دیا، بہتر ڈھنگ سے چل رہے ہمارے نظام زندگی کو معطل کر ڈالا، اب ہم اس چیز کو لے کر فکر مند ہیں کہ جو مصیبت ہم پر، ہماری قوم پر اور ہماری سرداری پر نازل ہوئی ہے اس کی گزند آپ، آپ کی قوم اور آپ کی سرداری پر نہ لگ جائے۔ ہم آپ کو مشورہ دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ ہمارے مشورے کو اہمیت دیں تو ہمارا مشورہ یہی ہے کہ اس کے پاس نہ جانا، اس سے بات نہ کرنا، اس کی کوئی بات اپنے کان تک نہ پہنچنے دینا۔ اس لیے کہ اس کی بات میں جادو ہے۔ اس کے ذریعہ اس نے کتنے بیٹوں کو ان کے باپ سے، بھائیوں کو ان کے بھائیوں سے اور شوہروں کو ان کی بیویوں سے جدا کر دیا۔ نہ صرف جدا کر دیا بلکہ ایک کو دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

طفیل کہتے ہیں کہ سرداران قریش یکے بعد دیگرے مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق حکایات وواقعات سنا سنا کر میری ذات اور میری قوم سے متعلق مجھے ڈراتے رہے یہاں تک کہ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا، نہ اس انسان کے پاس جاؤں گا، نہ گفتگو کروں گا اور نہ اس کی کوئی بات سنوں گا۔ نتیجتاً جب صبح کو میں طواف کعبہ کرنے اور بتوں سے برکت حاصل کرنے کے ارادے سے مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے اپنے دونوں کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی، صرف اس لیے کہ اس کی کوئی بات میرے کان تک نہ پہونچ جائے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب حرف الطاء ج ا ص: ۳۶۴، سیر اعلام النبلاء ج ا ص: ۳۴۶)

آفتاب ہدایت سے ملاقات: میں مسجد حرام میں داخل ہوا دیکھا کہ وہ انسان کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہا ہے۔لیکن اس کی نماز ہماری نماز سے جدا، اس کا طریقۂ عبادت ہمارے طریقے سے الگ ہے۔انداز عبادت مجھے بہت بھایا اور پسند آیا۔وہ طریقۂ عبادت اتنا دلکش اور دل نشیں تھا کہ میں بغیر کسی ارادے کے اس سے قریب ہوتا چلا گیا۔یہاں تک کہ میں اس کے بہت نزدیک پہونچ گیا۔شاید قدرت کا یہی فیصلہ تھا کہ میں اس کے کچھ بول سنوں اور یہی ہوا۔میں نے اس ذات سے بڑا ہی عمدہ اور حسین کلام سماعت کیا۔میں نے دل میں سوچا کہ اے طفیل! تم ایک عقلمند انسان ہو اور تمہیں اپنی عقل پر بڑا ناز بھی ہے، تم ذی ہوش اور باشعور بھی ہو، تمہیں قدرت نے کھرے کھوٹے کی پرکھ بھی عطا کی ہے، اچھے اور برے کی تمیز تمہیں حاصل ہے۔اس کا حسن و قبح تم پر مخفی نہیں رہ سکتا۔آخر تم کیوں اس کا کلام نہیں سنتے، کیا چیز تمہیں آڑے آرہی ہے، اس کی بات سنو تو سہی۔اچھی لگے قبول کر لینا اور اگر بری لگے تو ترک کر دینا۔(الاستیعاب حرف الطاج ۱، ص: ۳۶۵)

طفیل آغوش رحمت میں: میں کچھ دیر وہیں ٹھہرا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر چل دیے۔میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ حضور گھر میں داخل ہو گئے اور آپ کے پیچھے میں بھی داخل ہو گیا۔میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا: آپ کی قوم نے آپ سے متعلق عجیب و غریب واقعات سنا کر مجھے اتنا خوف زدہ کر دیا کہ مارے خوف کے میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں آپ کا معاملہ میرے کانوں تک نہ پہونچ جائے مگر قدرت کو آپ کی زبان سے کچھ سنوانا ہی منظور تھا، اس لیے مجھے وہ موقع میسر آیا کہ آپ سے کچھ سن سکا۔جب آپ کا کلام سنا تو میں سنتا ہی رہ گیا کیوں کہ وہ بڑا عمدہ اور حسین کلام تھا۔یہ اس کی جاذبیت ہے کہ مجھے کشاں کشاں آپ کے پیچھے لے آئی ہے۔میں نے عرض کیا: مجھ پر اپنا دین پیش فرمائیے! آپ نے مجھ پر اپنا دین پیش فرمایا اور سورۂ اخلاص و فلق کی تلاوت فرمائی۔خدا کی قسم میں نے اس سے بہتر کوئی کلام کبھی نہ سنا اور نہ اس دین سے مناسب و معتدل دین کبھی دیکھا۔اسلام کی حقانیت میرے دل

و دماغ میں سما گئی۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور کے سامنے پھیلا دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر داخل اسلام ہو گیا۔ (الاستیعاب حرف الطاء ج۱ ص: ۳۶۵)

عزم تبلیغ: قبول اسلام کے بعد طفیل کچھ دن مکہ میں ٹھہرے رہے، سرکار کی معیت میں بعض امور دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور کچھ قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر اپنی قوم کی طرف واپسی کا ارادہ ظاہر فرماتے ہوئے سرکار سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں ایسا انسان ہوں کہ جس کی اس کی قوم میں اطاعت کی جاتی ہے، میری قوم مجھے سردار مانتی ہے میں ان کی طرف واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، میں ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کروں گا، انہیں اسلام کے محاسن بتاؤں گا، شاید وہ لوگ بھی ہدایت پا جائیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔ لہٰذا آپ میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کے لیے کوئی نشانی ظاہر فرما دے جو میری دعوت کے لیے مددگار ہو اور ان کے لیے اسلام کی قبولیت کا سبب بن جائے۔ (ایضاً)

طفیل کے لیے دعاے مستجاب: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کرم فرمایا اور بارگاہِ رب العالمین میں عرض کیا "**اللّٰھُمَّ اجعل لہ آیۃ**" اے اللہ! طفیل کے لیے کوئی نشانی ظاہر فرما دے۔ حضور سے اجازت لے کر میں اپنی قوم کی طرف چل دیا اور راستہ طے کرتے ہوئے اپنی آبادی کے قریب پہونچا تھا کہ سرکار کی دعا کا اثر ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے عظیم نشانی میرے جسم میں ظاہر فرما دی، میری دونوں آنکھوں کے بیچ ایک نور ظاہر ہوا جو چراغ کی طرح روشن تھا۔ اب میرے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ قوم اپنی کج فہمی کی بنیاد پر کہے گی کہ طفیل اپنے آبائی دین سے پھر گیا اور اس نے اصنام کی پوجا چھوڑ دی، طفیل کے اس فعل پر معبود ناراض ہو گئے ہیں اور دونوں آنکھوں کے بیچ روشنی اسی ناراضگی کی دلیل اور طفیل کے دین سے پھرنے کی سزا ہے۔ میں نے فوراً ارحم الراحمین کی بارگاہ میں دعا کی "**اللّٰھُمَّ اجعلہ فی غیر وجھی**" اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے سے کسی دوسری جگہ منتقل فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے منتقل ہو کر میرے کوڑے کے بالائی حصہ پر آ گیا، میرا کوڑا قندیل کی طرح

جگمگانے لگا۔(الاستیعاب فی معرفة الأصحاب حرف الطاج ا،ص:۳٦۵)

پورا گھر اسلام کی آغوش میں: جب میں پہاڑ کی بلندی سے ان کی طرف اتر رہا تھا تو میری قوم کے لوگ غور سے اس روشنی کو ملاحظہ کر رہے تھے۔گھر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے میرے والد مجھ سے ملنے آئے۔میرے والد عمر کا خاصہ فاصلہ طے کر چکے تھے اور خاندان کے بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، جوں ہی انہوں نے مجھ سے ملاقات کرنا چاہی میں نے کہا: خبردار! مجھ سے الگ رہیے کیوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی رشتہ اس وقت باقی نہیں ہے۔والد نے کہا: میرے بیٹے ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ تم تو میرے پیارے پیارے بیٹے ہو، میں نے کہا اگر وجہ سننا چاہتے ہیں تو سنیے! میں نے اپنا آبائی دین ترک کر کے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے۔اپنے آپ کو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں دے دیا ہے اور تم ابھی تک اس دین سے بیزار ہو۔میرے والد نے کہا بیٹے جو تمہارا دین ہے وہی میرا دین ہے۔میں تم سے جدا ہو کر کہاں جاؤں گا۔بس پھر کیا تھا میں نے ان کو کلمہ پڑھا کر حلقہ بگوش اسلام کرلیا اور طہارت ونظافت وغیرہ کی تاکید فرمائی۔پھر میری بیوی حاضر ہوئی۔اسے بھی میں نے وہی جواب دیا جو اپنے والد کو دیا تھا، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی۔اس نے کہا میرے سرتاج جو آپ کا دین ہے وہی میرا دین بھی ہے۔نہ میں آپ سے الگ رہ سکتی ہوں اور نہ آپ کے دین سے جدا ہوسکتی ہوں۔میں نے اس کو بھی کلمہ پڑھایا اور حکم دیا جاؤ! ذوالشریٰ بت کے پاس جو پانی کا جھرنا ہے، اس پانی سے غسل کر کے آؤ۔ذوالشریٰ کا نام سن کر اس کو کچھ تشویش ہوئی تو میں نے کہا کہ میرا مقصد لوگوں سے دور بھیجنا ہے۔رہا ذوالشریٰ تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ پتھر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ پتھر میں نہ بنانے کی صلاحیت ہوتی ہے، نہ بگاڑنے کی، نہ فائدہ پہونچانے کی اور نہ تکلیف دینے کی۔(اسد الغابہ حرف الطاج ۳،ص:۸۷)

ابو ہریرہ سے ملاقات: طفیل جب اپنے گھر والوں کو حلقہ بگوش اسلام کر چکے تو آپ کی توجہ قوم کی طرف ہوئی۔قبیلۂ دوس کو اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔لیکن توفیق خدا

وندی کے بغیر ذرہ بھی نہیں ہلتا، مذہب تبدیل کرنا تو بڑی بات ہوتی ہے۔ قبیلۂ دوس کی قسمت میں یہ سعادت ابھی تک نہیں آئی تھی، قدرت کا فیصلہ کچھ اور تھا مگر اس قبیلے میں ایک انسان ایسا تھا جس کے لیے رب کی مشیت ہدایت کا فیصلہ فرما چکی تھی۔ اس مقدس ہستی کو تاریخ اسلام حضرت ابو ہریرہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ طفیل نے جوں ہی پیغام اسلام ابو ہریرہ کے سامنے پیش فرمایا وہ اسلام لے آئے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۳۰۰)

بارگاہِ رسالت میں پھر حاضری: زمانہ گزرتا رہا، ماہ وسال آگے بڑھتے رہے، ہر ایک اپنے مقصد کو پانے کے لیے کوشاں رہا، کتنوں نے اس کو پایا اور کتنے نامراد ہوئے، کوئی بامراد ہو کہ بے مراد، رفتارِ زمانہ پر اس کا کوئی فرق نہیں پڑتا، دنیا اسی نہج پر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ طفیل نے طاقت بھر کوشش کی لیکن قوم پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر مایوس اور سراسیمگی کی حالت میں اس مسیحا کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا جو نہ جانے کتنے پتھر دلوں کو موم سے زیادہ نرم کر چکا ہے۔ اس نے مردہ دلوں کو حیات ابد بخشی ہے۔ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنا کر اس میں ایمان واسلام کے درخت اگائے ہیں اور درخت اعمال صالحہ کے پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے ہیں۔ نسیم سحر کے ناز خرام جھونکے گلشن محمدی سے جنتی خوشبو کو اپنے دوش پر سوار کر کے پورے عالم کو معطر کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یعنی محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی کلفت و پریشانی بیان کرنے کے بعد زخمی دل پر مرہم شفا لگانا چاہتے ہیں۔ سفر کے لیے تیار ہوئے ساتھ میں حضرت ابو ہریرہ کو لیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔

طفیل بیان کرتے ہیں کہ سلام ودعا کے بعد حضور نے جو پہلا کلام فرمایا وہ یہ تھا "ما ورائك الطفیل"، اے طفیل! تمہارے متبعین، پیروکار اور قوم کا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ملوث ہے، میں نے لاکھ سمجھایا لیکن اس کی عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں، میری باتوں سے ان میں کوئی نرمی پیدا نہ ہو سکی، فسوق وعصیان میں غرق ہیں،

کفر شدید ان پر قبضہ جمائے ہوئے ہے، کسی بھی صورت میں ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

(صور من حیاۃ الصحابہ ص:۳۰)

دوس کے لیے دعاے ہدایت: میری بات سننے کے بعد حضور اٹھے، وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہوے، پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو بارگاہ رب میں دعا کے لیے بلند کیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ابو ہریرہ سہم گیے۔ ابو ہریرہ کا گمان یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قوم دوس کے خلاف دعا کرنے والے ہیں، گھڑیاں پوری ہو رہی ہیں کہ قوم دوس ہلاک ہو جائے گی اور صفحۂ ہستی سے اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا۔ اسی خوف زدہ حالت میں ابو ہریرہ کی زبان سے ''واقوماہ'' (ہائے میری قوم تو تباہ ہونے والی ہے) نکلا، لیکن رحمت عالم کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ باطل شکن، سکون بخش، راحت افزا اور تسلی آمیز تھے ''اللّٰھُمَّ اھد دوساً، اللّٰھُمَّ اھد دوساً، اللّٰھُمَّ اھد دوساً''، اے اللہ! قوم دوس کو ہدایت عطا فرما۔ دعا کے بعد اللہ کے رسول نے طفیل سے فرمایا طفیل ایک بار پھر پلٹ کر اپنی قوم کی طرف جاؤ اور نہایت ہی محبت بھرے پیرائے میں نرم لہجے میں اپنی قوم کو اسلام کا پیغام سناؤ۔ (صور من حیاۃ الصحابہ ص:۳۱)

تبلیغ کا دوسرا مرحلہ: اپنے آقا کا حکم پاتے ہی عزم جواں کے ساتھ دوبارہ اپنی قوم کی طرف چل دیے۔ عالم تصور میں یہ یقین کر لیا ہے کہ قوم کے دلوں پر جمی کفر کی چٹان مصطفی کے دعائیہ الفاظ کی ضرب سے چکنا چور ہو چکی ہے۔ طفیل صرف گرد وغبار اور سطح قلب پر پھیلے ہوے سنگ ریزوں کو صاف کرے گا اور اللہ کے حکم سے پتھریلی زمین سے اسلام کا چشمۂ صافی جاری ہو جائے گا۔

طفیل فرماتے ہیں: کہ میں اپنے گاؤں آنے کے بعد مسلسل اپنی قوم کو دعوت اسلام دیتا رہا، یہاں تک کہ سرکار مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ شریف ہجرت فرما گئے۔ بدر واحد اور خندق جیسے معرکہ ہائے اسلام بھی گزر گئے اور میں اپنی قوم کو ہدایت پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ حضور کی دعاے مستجاب رنگ لائی۔ قبیلۂ دوس کے بہت سے افراد نے اسلام کو گلے لگا

لیا۔ایک لمبی مدت گزرنے کے بعد جب میں دوبارہ سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میرے ساتھ قبیلۂ دوس کے اسّی (۸۰) گھر تھے جو اسلام کے دامن رحمت سے وابستہ ہو چکے تھے۔ہمیں دیکھ کر سرکار بہت خوش ہوئے، ہماری طرف کرم خاص کے ساتھ متوجہ ہوئے اور ہمیں خیبر کی غنیمتوں سے حصہ عطا فرمایا۔(اسد الغابۃ ج ۳،ص:۸۷)

بت جلا یا کفر مٹایا: ہم نے عرض کیا حضور! یہ آپ کے غلام حاضر خدمت ہیں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہر غزوہ میں ہمیں آپ اپنے لشکر کے میمنہ حصہ میں جگہ عنایت فرمائیں۔ طفیل فرماتے ہیں: ہم آفتاب رشد وہدایت کے ساتھ زندگی گزارتے رہے، آپ کی دید سے ایمان وعمل کی دنیا میں باد بہاری کے جھونکے چلتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور کو فتح مکہ کا عظیم انعام عطا فرمایا۔فتح مکہ کے بعد میں نے عرض کیا: حضور مجھے عمر بن حممہ کے مشہور بت "ذو الكفين" میں حملہ کرنے کی اجازت دیں تاکہ میں اس کو جلا کر راکھ کر دوں۔حضور نے اجازت مرحمت فرمادی۔اپنی قوم کے چند افراد کو لے کر طفیل اپنے مقصد کی طرف بڑھے، آپ اس مقام پر پہونچے جہاں بت رکھا تھا، جہاں روزانہ صبح وشام کتنی پیشانیاں اس جھوٹے خدا کے سامنے جھکتی تھیں۔جب اس جھوٹے خدا کو آگ کے حوالے کرنے کی تیاری کی گئی تو اس کے پرستاروں کی خاصی تعداد اس کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ جس میں مرد، عورتیں، ادھیڑ اور بچے سبھی تھے۔وہ اس بات کے انتظار میں تھے کہ آسمان سے بجلی گرے گی اور ذو الکفین کو گزند پہونچانے والوں کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔لیکن طفیل اپنی خداداد جرأتوں کے سہارے ذو الکفین کے بچاریوں کی بھیڑ میں اس کی طرف بڑھے اور بت کے منہ میں آگ ٹھونستے ہوئے یہ رجز گنگنایا۔

"يا ذالكفين لست من عبادك . ميلادنا اقدم من ميلادك . انى حشيت النار فى فوادك" اے ذو الکفین! میں تیرا پجاری نہیں، ہماری میلاد تیرے میلاد سے مقدم ہے۔بیشک میں تیرے منہ میں آگ بھر چکا ہوں۔

(الاستیعاب ج ا ص:۳۶۶،اسد الغابۃ ج ۳ ص:۸۷)

جوں جوں آگ اس کو کھاتی جارہی تھی، توں توں قبیلۂ دوس کے بقیہ افراد کے سینوں میں بچا ہوا کفر راکھ ہوتا جارہا تھا۔ کیوں کہ آج ذوالکفین کے پرستاروں کا بھرم ٹوٹ چکا تھا جسے وہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں اپنا پشت پناہ اور مددگار سمجھا کرتے تھے، وہ آج عاجز و مجبور ہو کر لقمۂ نار بنا ہوا تھا۔ جھوٹے معبود کی حقیقت کھل چکی تھی اور قادر حقیقی کا حسن قدرت بے نقاب نظر آرہا تھا۔ پورا قبیلہ اسلام کی آغوش میں آ گیا۔ ان کا اسلام قابل مبارک باد ہے اور تاریخ اسلام کو ان نفوس قدسیہ پر ناز ہے۔

اس کے بعد طفیل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کرلیا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے جا ملے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور خلیفہ منتخب ہوئے تو طفیل نے اپنی ذات، اپنی تلوار اور اپنے بیٹے کو خلیفۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کردیا کہ انہیں جس طریقے پر چاہیں استعمال فرمائیں۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۳۲)

طفیل کا ذوق شہادت: حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں اسلام پر ایک بہت ہی نازک وقت آیا کہ جب اسلام کے مستقبل کو لے کر لوگوں میں چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں۔ وجہ یہ تھی کہ وصال فرمایا تو ایک طرف کچھ لوگ زکاۃ کے منکر ہوگئے۔ دوسری طرف مسیلمہ کذاب نے دعوۂ نبوت عام کر ڈالا اور اپنے ساتھ خاصی تعداد اپنے پیروکاروں کی اکٹھا کرلی۔ خلیفۂ رسول نے نہایت ہی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ طفیل بھی خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق مسیلمہ کذاب کے گروہ کے خلاف جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے عمرو کو بھی لے لیا۔ شہادت کے جذبات ان کے رگ وپے میں سمائے ہوئے تھے۔ یمامہ کی طرف سفر جاری تھا کہ راستہ میں ایک عجیب وغریب خواب دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے، آپ حضرات اس کی تعبیر بیان فرمائیں۔ ساتھیوں نے کہا: آپ اپنا خواب بیان کیجیے؟ طفیل کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ میرے سر کو مونڈ دیا گیا ہے، میرے منہ سے ایک پرندہ نکل کر اڑ گیا۔ ایک عورت نے مجھے

اپنے پیٹ میں داخل کرلیا ہے۔ میرے بیٹے نے طاقت بھر مجھے تلاش کیا لیکن وہ تلاش کرنے سے عاجز رہا۔

لوگوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ مبارک ہو خواب میں خیر ہے۔ لوگ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ طفیل نے قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا: میں اس خواب کی تعبیر یہ سمجھتا ہوں کہ میرے سر کے مونڈے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کاٹ دیا جائے گا اور پرندے کے نکلنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ میری روح پرواز کر جائے گی اور عورت کے پیٹ میں داخل ہونے کی تعبیر یہ ہے کہ زمین کھود کر مجھے اس میں دفن کر دیا جائے گا۔ مجھے اس خواب کی وجہ سے امید واثق ہو چلی ہے کہ میں اس سفر میں جام شہادت نوش کروں گا۔ اور میرے بیٹے کا مجھے تلاش کرنے کے باوجود نہ پانا اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود بھی شہادت کی طلب میں ہے۔ لیکن اسے اس سفر میں شہادت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ وہ بعد میں یہ مرتبہ پائے گا۔ (الاستیعاب ج۱ص:۳۶۶)

قربان جایئے! حضرت طفیل کی ذکاوت وفطانت پر کہ آپ نے جو تعبیر بیان فرمائی مستقبل کے لمحوں نے حرف بحرف اس کی تصدیق فرمادی۔ معرکۂ یمامہ میں طفیل اعدائے اسلام پر برق خداوندی بن کر گرے اور اخیر میں زخموں سے چور ہو کر زمین پر آئے اور شہدائے کرام کی بلند پایہ جماعت میں شریک ہو گئے۔ ان کا بیٹا عمرو بھی کمال بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹا رہا اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔ خود بھی زخموں سے چور ہو گیا، عمرو کا داہنا ہاتھ جنگ میں کٹ گیا، عمرو غازیان اسلام کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا، اپنے باپ اور ہاتھ کو ہمیشہ کے لیے یمامہ کی سرزمین پر چھوڑ آیا۔

ہاتھ جنت میں ذات مدینہ میں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں عمرو امیر المومنین کے پاس حاضر ہوئے۔ امیر المومنین کے لیے کھانا لایا گیا۔ آپ نے اپنے پاس بیٹھے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور ان کو شریک طعام کرلیا۔ لیکن عمرو شرماتے ہوئے کھانے سے پیچھے ہٹ گئے۔ امیر المومنین سمجھ گئے کہ دست بریدہ ہونے کی وجہ سے

عمرو شرم محسوس کررہے ہیں۔آپ نے فرمایا: کیا تم اپنے ہاتھ کی وجہ سے شرم کررہے ہو۔ جواب دیا ہاں، امیر المومنین نے فرمایا: خدا کی قسم میں اس وقت تک اس کھانے کو چکھ نہیں سکتا جب تک تم اپنے کٹے ہوے ہاتھ سے اس کھانے کو خلط ملط نہ کردو۔خدا کی قسم اس وقت حاضرین میں تمہیں ایسے شخص ہو جس کا بعض حصہ جنت میں پہونچ چکا ہے۔

(صفة الصفوة باب من لم يشهد بدرا ج١،ص:٢٠٣)

شہادت: آپ کی شہادت ۱۱ھ جنگ یرموک میں ہوئیجس دن سے باپ نے شہادت پائی اس دن سے بیٹا بھی شہادت کے لیے بے قرار تھا۔ بیٹے کی دیرینہ آرزو معرکۂ یرموک میں پوری ہوئی۔معرکۂ یرموک میں قتال کرتے کرتے آپ بھی اپنے باپ کی طرح منصب شہادت سے سرفراز ہو گئے۔(اسد الغابۃ، باب الطاج ۳،ص:۷۹)

قابل مبارکباد ہیں طفیل کہ وہ خود بھی شہید ہیں اور شہید کے والد بھی ہیں۔

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآله واصحابه وخلفائه اجمعین۔

حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف: اسلام لانے سے قبل دشمنان اسلام میں ایک مشہور نام، جنگ بدر کے قائدین میں کفار قریش کا ایک ممتاز قائد، جس کی قیاس آرائی اور عقل کی پختگی اتنی مشہور کہ بدر کے دن اسلامی فورس کی تعداد کا اندازہ کرنا اس کا حصہ بنا، قریش کے سورما شیاطین میں سے ایک نامور شیطان، تاریخ اسے عمیر کے نام سے پہچانتی ہے۔

نام ونسب: عمیر بن وہب بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح، آپ کی کنیت ابو امیہ ہے۔ (الاستیعاب ج۱ص:۴۸۵)

قبیلۂ قریش میں باوقار شخصیت کے مالک اور صفوان بن امیہ کا چچازاد بھائی، اسلام اور اہل اسلام کو دفن کرنے کے لیے قریش اپنی پوری تیاری کے ساتھ میدان بدر میں اکٹھا ہوئے۔ سرداران قریش نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد عمیر بن وہب کو اسلامی لشکر کا معائنہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عمیر نے اپنے گھوڑے کو اسلامی لشکر کے چاروں طرف گھمایا اور چکر لگانے کے بعد اطلاع دی کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو کے قریب ہے، کچھ کم یا کچھ زیادہ لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری بات بھی کہی جو پریشان کن بھی تھی اور حیرت انگیز بھی جس کی کفار قریش کو عمیر کی جانب سے نہ توقع تھی اور نہ ہی ادنیٰ سی امید۔ (ایضاً)

اعتراف حقیقت: عمیر نے کہا: میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو چراغ کی طرح روشن ومنور ہیں، پیاس کی شدت بھی ان کی رمق حیات نہیں چھین سکتی، جن کے جسم جذبۂ

جاں نثاری کے آئینہ دار ہیں، ان کا کوئی سپاہی اس وقت تک جاں بلب نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مدمقابل کو موت کے گھاٹ نہ اتار دے لہٰذا اے کفار قریش! ہمیں اپنے فیصلے سے متعلق نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

قریش جو اپنی طاقت کے نشے میں چور اور از حد مغرور تھے انہوں نے عمیر کے مشورے پر غور کرنے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی اور فیصلہ کن انداز میں کہا عمیر بز دلی چھوڑ و اور قوم کے مزعومہ مقصد پر مدد کرو، قوم کے سامنے بہادری بھری باتیں کر کے ان میں جوش وولولہ بھرنے کی کوشش کرو، پھر کیا تھا عربوں کو بز دلی کا طعنہ دینا ان کے جوش غضب کو دعوت دینا ہے عمیر گھوڑے پر چڑھا اور مسلمانوں کی طرف تیر اندازی شروع کر دی۔ جنگ بدر میں پہلا تیر جس انسان نے چلایا وہ عمیر بن وہب ہے، تیر کا چلنا تھا میدان بدر جنگ کے شعلوں سے بھڑک اٹھا۔ (اسد الغابۃ حرف العین ج ۴، ص: ۲۸۸)

تذکرہ میدان بدر کا نہیں عمیر کے کفر کا ہے، جنگ کا جو نتیجہ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ دنیائے کفر اسے سن کر آج بھی لرز اٹھتی ہے، کتنے کفار قتل ہوئے، کتنے زخمی ہوئے اور خاصی تعداد مسلمانوں کے قیدی ہونے کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں رہی اگر چہ عمیر اپنی جان بچانے میں کامیاب رہا لیکن اس کا بیٹا ضرور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

(الاستیعاب ج ۱، ص: ۴۸۵)

غم زدہ باپ: قارئین غور کر سکتے ہیں کہ جس کا جوان بیٹا دشمن کی قید میں زندگی گزار رہا ہو تو اس کے باپ سے متعلق سکون کا تصور کیسا؟ دن کٹ جائے تو رات کاٹنا دشوار اور اگر رات گزر جائے تو دن کی گھڑیاں کیسے گنی جائیں، نہ کھانے میں مزہ، نہ زندگی میں سکون، نہ زندگی کی آرائشوں سے کوئی ناطہ، نہ دنیا کی رنگینیوں سے کوئی رشتہ، بیٹے کا غم اور عالم تنہائی اور بڑی مصیبت، غم غلط کرنے کے لیے کبھی عمیر ادھر ادھر نکل جاتا۔ ایک دن عمیر خانۂ کعبہ پہنچا اور ایک مقام پر صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ صفوان بن امیہ نے سلسلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا واقعۂ بدر کے بعد زندگی بدتر دور سے گزر رہی ہے،

مقتولینِ بدر کا تصور زندگی کا مزہ غارت کیے ہوئے ہے، عمیر نے کہا آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔اب زندگی میں کوئی کیف باقی نہیں لیکن ایک حسرت ضرور باقی ہے صفوان نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا وہ کیا؟ عمیر نے جواب دیا کاش مجھ پر قرض کا بوجھ اور اہل وعیال کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں ضرور مدینہ کا سفر کرتا اور محمد عربی کو قتل کر کے مقتولین بدر کا بدلہ لیتا، انہیں مردہ دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔معاذ اللہ تعالیٰ (الاستیعاب ایضاً)

جانِ عالم کے قتل کی سازش: اس راہ میں میرے لیے کوئی دشواری بھی نہ تھی کیوں کہ میرا بیٹا ان کی قید میں ہے میں اسے چھڑانے کا حیلہ کرتا اور یہ عظیم کام کر گزرتا۔ صفوان کا چہرہ کھل اٹھا جسم حرکت میں آ گیا گویا اس کے مردہ جسم میں روح پلٹ آئی ہو، عمیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا اگر یہی بات ہے تو تمہیں ہرگز فکر نہیں کرنی چاہیے، تمہارے قرض کا ذمہ دار بھی میں ہوں اور تمہارے اہل وعیال کے اخراجات کا کفیل بھی میں وہ بھی اس طور پر جیسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہوں اسی کے مطابق تمہارے اہل وعیال کا بوجھ بھی میرے ذمہ ہے۔اسی بات پر دونوں میں معاہدہ ہو گیا اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ یہ گفتگو نہایت ہی رازدارانہ ہے ہم میں سے کوئی بھی افشائے راز نہیں کرے گا۔

سفر کی تیاری شروع ہوئی، بہتر سواری کا انتظام کیا گیا، محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لیے عمدہ تلوار کا انتخاب ہوا، اسے صیقل کرنے کے بعد زہر میں بجھایا گیا۔ جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو مدینہ منورہ کی جانب سفر شروع ہو گیا۔

(الإصابة فی تمییز الصحابة ذکر من اسمه عمیر ج۵،ص:۳۶)

عمیر بن وہب کا رخ مدینہ منوہ کی طرف ہے اور سینہ میں عداوتِ رسول کے شعلے بھڑک رہے ہیں، وہ ان شعلوں کو مصطفی کے خون سے بجھانا چاہتا ہے وہ جلد از جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کا خواب دیکھ رہا ہے۔خیال ہی خیال میں مدینہ منورہ آ گیا شہر میں داخل ہوا مسجد نبوی پہنچا اور اپنی اونٹنی کو مسجد کے قریب بٹھا دیا۔اچانک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اس دشمن خدا پر پڑی، حضرت عمر اپنے احباب کے ساتھ

بیٹھے بدر کا تذکرہ کررہے تھے یہ لوگ اسلام کی فتح یابی اور کفر کی رسوائی پر خوشیاں منا رہے تھے اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کررہے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمیر کو جب تلوار کے ساتھ مسجد نبوی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خطرہ محسوس کیا اور فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے،عرض کیا یا رسول اللہ! عمیر بن وہب مسجد میں تلوار کے ساتھ داخل ہوا ہے یہ بڑا ہی دغاباز اور مکار کافر ہے،اس کی جانب سے مطمئن نہیں رہا جاسکتا یہ کوئی بھی شرارت بھرا اقدام کرسکتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اسے میرے پاس لاؤ! عمر باہر آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق حفاظتی اقدام کے لیے فوراً تیار ہوجائیں۔اشارہ پاتے ہی صحابۂ کرام پروانوں کی طرح شمع نبوت کے چاروں طرف پھیل گئے۔اب حضرت عمر عمیر کو لے کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے۔ابن وہب اللہ ورسول کا دشمن اپنی تلوار لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا اور زمانۂ جاہلیت والا سلام ''انعمو اصباحاً'' پیش کیا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:ہمارے یہاں یہ نہیں بلکہ اہل جنت کا سلام پیش کیا جاتا ہے۔یہ اللہ رب العزت کی کرم نوازی ہے کہ اس نے ہمیں جاہلیت کے سلام سے بچا کر جنت کا سلام عطا فرمایا۔سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمیر آیئے اور بتایئے کیسے آنا ہوا۔

(الاصابۃ ج۵،ص:۳۶)

حضور کی غیب دانی:عمیر نے کہا میں اپنے اس بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں جو آپ کا قیدی ہے آپ کو ہمارے لوگوں کو رہائی دے دینا چاہیے کیوں کہ آخر تو آپ ہمارے ہی خاندان کے ایک فرد ہیں۔رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اگر اسی لیے آئے ہو تو ساتھ میں تلوار کیوں لائے۔عمیر نے شاطرانہ چال چلتے ہوئے کہا برا ہو ہماری تلواروں کا،تلواریں تو ہمارے ہاتھوں میں میدان بدر میں بھی تھیں لیکن کیا ہماری تلواریں ہمیں قتل ہونے اور دنیا کی نظر میں ذلیل ورسوا ہونے سے بچا سکیں یہ تلوار تو بھولے سے

میرے ساتھ آ گئی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عمیر! سچ سچ بتاؤ آخر کیوں آئے ہو؟ عمیر نے ایک مرتبہ پھر جھوٹ بولا، میں اپنے بیٹے کو آزاد کرانے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ سب تو میں نے سن لیا اب ذرا اس معاہدے کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ جو صفوان بن امیہ سے خانۂ کعبہ میں کر کے آئے ہو۔ یہ جملہ سن کر عمیر کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی، گھبرا کر کہا ''ما شرطت لہ شیئاً'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جھوٹ مت بولو تم نے مجھے قتل کرنے کا ذمہ اپنے سر لیا تھا اور تمہارے قرض اور اہل وعیال کا بوجھ صفوان بن امیہ کے ذمہ قرار پایا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اپنی ذمہ داری پوری نہ کر سکے کیوں کہ اللہ نے مجھے تمہارے شر سے محفوظ رکھا۔ (ایضاً)

عمیر قتیل تیغ اسلام: ہادیٔ عالم کے ان جملوں نے عمیر کے دل کی دنیا بدل دی، سالہا سال سے صنم خانۂ دل میں سجے ہوئے کفر وشرک کے بت پاش پاش ہو گئے، نور ہدایت سے ظلمت کدۂ کفر منور ہو گیا، غیض وغضب، حسد وعناد، کینہ وضغینہ کی سلگتی ہوئی آگ کو زبان نبوت سے جھڑنے والے بارانِ رحمت کے قطروں نے ہمیشہ کے لیے سرد کر دیا، شرح صدر ہوا اور شقاوت سعادت میں بدل گئی، حجابات اٹھے، حقیقت بے نقاب ہوئی، شکوک وشبہات دور ہوئے۔ یقین حاصل ہوا اور زبان پکار اٹھی ''أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنك رسول الله'' (ایضاً)

عمیر نے عرض کیا حضور! ہم آپ کی تکذیب کرتے تھے، آپ اپنے پاس آسمانی خبریں آنے کا دعویٰ کرتے تھے، ہم آپ کو آپ کے دعوے میں جھوٹا جانتے تھے لیکن آج آپ کا صدق آسمان کے سورج سے زیادہ واضح ہو گیا ہے کیوں کہ اس گفتگو کے بارے میں صفوان اور میرے سوا کوئی تیسرا نہ جانتا تھا۔ یہ آسمانی خبریں ہیں جس نے آپ کو ہماری باتوں سے باخبر کر دیا۔ یقیناً آپ اللہ کے بھیجے ہوئے مقدس رسول ہیں۔

(اسد الغابۃ حرف العین ج ۴، ص: ۲۸۹)

دشمن رسول خنزیر سے بدتر: عمیر نے ہدایت پانے پر اللہ کی حمد وثنا بیان کی جو ایک مسلمان کا طریقہ ہوتا ہے اور یہ دیکھنے کے بعد کہ عمیر جیسا سنگ دل انسان اسلام کے سایۂ رحمت میں آ گیا مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، یہ خوشی یہاں تک بڑھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''عمیر جب یہاں داخل ہو رہا تھا تو میری نظر میں خنزیر سے بھی بدتر تھا لیکن آج ایمان لانے کے بعد وہ میری نظر میں میری بعض اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ (اسد الغابۃ حرف العین ج ۴، ص: ۲۸۹)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غیب دانی ایک مشرک کے لیے سبب اسلام ثابت ہوئی۔ عمیر بن وہب نے جب مصطفیٰ کی باتیں سنیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ مدینہ میں بیٹھ کر مکہ کے پوشیدہ حالات پر اتنی گہری نظر پیغمبر کے سوا کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا گویا کہ امور غیبیہ پر مطلع ہونا نبوت کی نشانی اور دلیل ہوتا ہے لیکن آج حالات بدل چکے ہیں، بعض لوگ اس حد تک جا پہنچے ہیں کہ انہیں یہ کہتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔ ''ایسا علم (غیب) تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے''۔ (حفظ الایمان ص: ۱۵۔ مکتبہ تھانوی دیوبند) العیاذ باللہ۔

ہزاروں رحمتیں نازل ہوں صحابۂ کرام کی مقدس جماعت پر جنہوں نے نبی کی غلامی کا حق ادا کر دیا، دشمن رسول کو دیکھ کر ان کے خون میں ابال آ جاتا تھا اور اسے وہ خنزیر سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ اے کاش! ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چلتے تو کبھی بھی دشمنانِ خدا ورسول کو گلے نہ لگاتے۔

اسلام میں وسعت اخلاق: اسلام کی آغوش رحمت میں آ جانے کے بعد عمیر دقت نظر کے ساتھ اس دین کی غیر معمولی وسعتوں اور رسولِ گرامی وقار کی عظمتوں پر غور کرنے لگے، کبھی بدر کی معرکہ آرائی یاد آتی تو کبھی مکہ میں اسلام کے خلاف کی گئی چال بازی معاً خیال آتا کہ میں وہی ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زہر آلود تلوار لے کر آیا تھا تا کہ انہیں قتل کر دوں۔ جرائم کے اس بحر ناپیدا کنار کو کلمۂ اسلام نے ایک لمحے

سے بھی کم میں سکھا دیا ہے، میرے گناہوں کے دفتر پر قلم عفو چلا دیا گیا ہے، کتنی گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے اس دین میں، اسلام نے مسلمانوں کو کیسا صفائے باطن عطا کیا ہے کہ انہوں نے میری خطاؤں اور عداوتوں کو یکسر بھلا دیا ہے اور خلوص دل کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہو گئے ہیں۔

میری یہ تلوار جو کبھی نبی کے قتل کے لیے چنی گئی تھی ان کی نگاہوں کے سامنے چمکتی رہے گی اور انہیں ماقبل کے واقعات مشتعل نہ کر سکیں گے، وہ صرف یہی سوچیں گے کہ عمیر اسلام لانے کے بعد جماعت مسلمین کا ایک فرد ہے، اصحاب رسول میں سے ایک صحابی ہے، اس کے لیے وہ ساری بھلائیاں اور حقوق ثابت ہیں جو عام صحابہ کو حاصل ہیں اور اس کے اوپر صرف وہی پابندیاں ہیں جو دوسروں پر عائد ہوتی ہیں۔ اگر یہی بات ہے اور یقیناً یہی بات ہے پھر تو اسلام بہت ہی عظیم دین ہے اور یہی دین دین کامل اور پیغمبر اسلام انسان کامل ہیں۔ (رجال حول الرسول ص: ۲۲۴)

جذبۂ خدمت: چند لمحوں میں حضرت عمیر نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس دین سے متعلق ان کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں، جتنی انہوں نے اس سے دشمنی کی تھی اس سے زیادہ دین کی خدمت کرنی چاہیے، جتنی مخالفت کی تھی اس سے زیادہ دعوت دینی چاہیے، عمیر کی زندگی اس میں گزرنا چاہیے جو اللہ و رسول کو پسند ہو، یعنی صدق و وفا، طاعت و جہاد ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہو جائے۔

یہی سب کچھ سوچ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میں نے زمانۂ کفر میں اپنی طاقت بھر شمع اسلام کو بجھانے کی کوشش کی اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جو کچھ ہو سکتا تھا وہ سب کچھ میں کر گزرا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ہلاکت خیز انجام سے بچا لیا۔ اب اگر حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں قریش میں جا کر انہیں اللہ و رسول کی طرف بلاؤں اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں۔

رسول گرامی وقار انہیں قرآن سکھانے اور ان کے بیٹے کو آزاد کرنے کا حکم صحابۂ کرام کو پہلے ہی دے چکے تھے۔ حضور نے ان کی اس خواہش کو بھی پورا فرمایا اجازت ملنے کے بعد عمیر مکہ روانہ ہو گئے۔ (رجال حول الرسول ص:۲۳۹)

صفوان کی بے قراری: ادھر مکہ کا حال یہ تھا کہ صفوان بن امیہ خوشی میں مچل رہا تھا، وہ مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں ایک ہی راگ الاپتا تھا اے مکہ والو! میں عنقریب تمہیں اتنی بڑی خوشی کی خبر دینے والا ہوں کہ تم بدر کے غم کو بھول جاؤ گے لیکن صفوان کا انتظار لمبا ہو رہا تھا اور بے قراری بڑھ رہی تھی، وہ مدینہ شریف سے آنے والے قافلوں اور سواروں سے ایک ہی سوال کیا کرتا تھا کیا مدینہ میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ لیکن کوئی بھی انسان اسے خوشی کا مژدہ نہ سنا سکا یہاں تک کہ ایک شخص نے صفوان کو جواب دیتے ہوئے کہا وہاں پر ایک غیر معمولی حادثہ پیش آیا ہے۔ یہ سن کر صفوان کو مانو کہ دنیا کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہو گئی ہو، اشتیاق بھرے لہجے میں کہا مجھے جلد بتاؤ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ آنے والے نے جواب دیا عمیر نے اسلام قبول کر لیا ہے، وہ وہاں اسلام کا درس حاصل کر رہا ہے اور قرآن سیکھ رہا ہے۔

اس خبر نے صفوان کی ساری خوشیوں کا خون کر دیا اس کے خوابوں کا تاج محل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمیں بوس ہو گیا، لیکن حسرت و یاس کے سوا کیا ہو سکتا تھا، قریش نے عمیر پر لعنت و ملامت کی اور صفوان بن امیہ نے یہ عہد کیا کہ وہ کبھی بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا اور نہ ہی اس سے کلام کرے گا۔

تبلیغ اسلام: حضرت عمیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت لے کر مکہ شریف پہنچے اور تبلیغ اسلام شروع فرما دی اور آپ کی تبلیغ سے بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ (الإصابة فی تمییز الصحابة ذکر من اسمه عمیر ج ۵، ص: ۳۷، واقعہ نمبر: ۲۰۶۲)

(اسد الغابة حرف العین ج ۴، ص: ۲۸۹، رجال حول الرسول ص: ۲۳۹)

صفوان کو امان: دن گزرتے رہے، حالات بدلتے رہے، آخر ایک دن وہ بھی آیا جس دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے نبی کے صدقے فتح مکہ کا عظیم تحفہ عطا فرمایا۔ پیغمبر

اسلام اور مسلمان فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، اب کفر کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی جس میں وہ پناہ حاصل کر سکے۔۔ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ستانے والے اور کمزور وناتواں مسلمانوں پر تیرونیزہ برسانے والے یا تو اسلام قبول کر کے پیغمبر اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ حاصل کر رہے تھے یا پھر مکہ سے منہ چھپا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے، ہر طرف افراتفری کا ماحول تھا۔ ایسے وقت عمیر کو اپنے قدیم دوست صفوان کی یاد آئی۔ عمیر کو پتہ چلا کہ صفوان جدہ پہنچ کر وہاں سے یمن بھاگنا چاہتا ہے دوڑتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوئے عرض کیا حضور! صفوان جو اپنی قوم کا سردار ہے آپ سے بھاگ کر اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دینا چاہتا ہے، حضور اسے امان عطا فرمائیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "ھو اٰمن" جاؤ اسے امان دے دی گئی۔ عرض کیا حضور کوئی نشانی عطا فرمادیں تا کہ وہ آپ کے امان دینے پر دلیل بن جائے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں نشانی کے طور پر وہ عمامہ عطا فرمایا جس کے ساتھ آپ فاتح مکہ کی حیثیت سے ام القریٰ میں داخل ہوئے تھے۔

(رجال حول الرسول ص:۲۴۱)

صفوان مسلمان: اب عمیر صفوان کو ڈھونڈنے نکلے تو صفوان کو ساحل سمندر پر پایا وہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈالنے کا ارادہ کر رہا تھا، عمیر نے صفوان سے کہا: میرے ماں باپ تم پر قربان خدا کے واسطے اپنی جان کو ہلاک مت کرو۔ تمہیں اللہ کے رسول نے امان عطا فرمادی ہے۔ صفوان نے کہا تمہارے لیے تباہی ہو، مجھ سے دور ہٹ جاؤ اور بات مت کرو۔ عمیر نے کہا صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ افضل، نیک اور حلیم ہیں، ان کی عزت تمہاری عزت اور ان کا ملک تمہارا ملک ہے، صفوان نے کہا ان سے مجھے اپنی جان کو خطرہ ہے۔ عمیر نے کہا ایسا مت سوچو وہ تمہارے گمان سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں اور تمہارے تصور سے بھی زیادہ کریم ہیں۔ یہ سن کر صفوان واپس ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں

حاضر ہوا اور بولا کہ عمیر کہتے ہیں آپ نے مجھے امان عطا فرمادی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمیر سچ کہتے ہیں یقیناً میں نے تمہیں امان عطا فرمادی ہے۔ صفوان نے کہا مجھے دو ماہ کی مہلت عطا فرمائیے۔ رحمت عالم نے جواب دیا میں تمہیں چار ماہ کی مہلت عطا کر رہا ہوں۔

غور وفکر کرنے کے بعد صفوان بن امیہ بھی ایمان لے آئے اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ یہ حضرت عمیر بن وہب کی حکمت ودانائی اور دوراندیشی ہی تھی کہ جس نے صفوان بن امیہ کے لیے جنت کی راہ ہموار کردی۔

(رجال حول الرسول ص:۲۴۱، البدایہ والنہایہ، جلد:۶ص:۵۸۷)

اعتذار: تلاش بسیار کے بعد بھی تاریخ وصال اور مدفن پر اطلاع نہ ہوسکی۔

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★

ماخذ ومصادر

۱۔ قرآن مجید

۲۔ صحیح البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ

۳۔ صحیح المسلم، امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ

۴۔ جامع الترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ

۵۔ ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، متوفی ۲۷۵ھ

۶۔ سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، متوفی ۲۷۵ھ

۷۔ سنن النسائی، امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ

۸۔ مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل متوفی، ۲۴۱ھ

۹۔ السنن الکبریٰ، امام ابوبکر احمد حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ

۱۰۔ جامع الاحادیث، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۱۱۔ المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ الحاکم النیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ

۱۲۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، علامہ محمد بن یوسف شامی صالحی، متوفی ۹۴۲ھ

۱۳۔ کنز العمال، علامہ متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری، متوفی ۹۷۵ھ

۱۴۔ المعجم الصغیر، امام سلیمان بن احمد الطبرانی، متوفی ۳۶۰ھ

۱۵۔ الخصائص الکبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۱۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ
۱۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ
۱۸۔ المعجم الکبیر للطبرانی، امام سلیمان بن احمد، متوفی ۳۶۰ھ
۱۹۔ تفسیر قرطبی، علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ
۲۰۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین بن عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ
۲۱۔ تفسیر خازن، علامہ علی بن محمد خازن، شافعی، متوفی ۷۲۵ھ
۲۲۔ تفسیر طبری، علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ
۲۳۔ تفسیر معالم التنزیل، امام ابومحمد الحسین بن مسعود فراء بغوی، متوفی ۵۱۶ھ
۲۴۔ تفسیر روح البیان، علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ
۲۵۔ روح المعانی، علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمد آلوسی بغدادی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ
۲۶۔ خزائن العرفان، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ
۲۷۔ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی۔
۲۸۔ ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری
۲۹۔ معرفۃ الصحابۃ، علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ
۳۰۔ الاصابۃ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ
۳۱۔ اسد الغابۃ، علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ
۳۲۔ سیر اعلام النبلاء، علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ
۳۳۔ الاستیعاب، حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عمر بن عبدالبر، متوفی ۴۶۳ھ
۳۴۔ الریاض النضرۃ، علامہ امام احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری، میلاد ۶۱۵ھ
۳۵۔ البدایۃ والنہایۃ، حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ
۳۶۔ الکامل فی التاریخ، علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ

۳۷۔ تاریخ اسلام للذہبی، علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ

۳۸۔ حلیۃ الاولیاء، علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، متوفی ۴۳۰ھ

۳۹۔ صفوۃ الصفوۃ، علامہ جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ

۴۰۔ طبقات ابن سعد، علامہ محمد بن سعد زہری، متوفی ۲۳۰ھ

۴۱۔ رجال حول الرسول، الدکتور خالد محمد خالد

۴۲۔ تاریخ ابی الفداء، الدکتور اسماعیل بن ابی الفداء

۴۳۔ غرر فی فضائل عمر علامہ جلا الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۴۴۔ امیر المومنین عمر بن خطاب، الدکتور علی محمد صلابی،

۴۵۔ عثمان بن عفان، شیخ محمد رضا، متوفی ۱۳۶۹ھ

۴۶۔ الصحابۃ ومکانتھم، محمود عیدان احمد دیلمی، قاہرہ۔

۴۷۔ تاریخ الخلفاء، علامہ جلا الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۴۸۔ تاریخ طبری، علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ

۴۹۔ مختصر تاریخ دمشق، امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور، متوفی ۷۱۱ھ

۵۰۔ عیون الاخبار، علامہ ابومحمد بن عبداللہ المعروف بابن قتیبہ، متوفی ۲۷۶ھ

۵۱۔ کتاب المغازی للواقدی، علامہ محمد عمر بن الواقدی، متوفی ۲۰۷ھ

۵۲۔ نور الابصار، شیخ مومن بن حسن من علماء القرن الثالث عشر الھجری

۵۳۔ تاریخ الرسل والملوک، علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ

۵۴۔ المنتظم، علامہ جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ

۵۵۔ تاریخ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمن ابن خلدون، متوفی ۸۰۸ھ

۵۶۔ تاریخ المدینہ، امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ

۵۷۔ تاریخ یعقوبی، شیخ احمد بن ابی یعقوب، متوفی ۲۸۷ھ

۵۸۔ صور من حیاۃ الصحابۃ، الدکتور عبدالرحمن باشا

۵۹۔ محض الصواب فی فضائل عمر، شیخ یوسف بن حسن بن عبدالہادی مبرد، متوفی ۹۰۹ھ

۶۰۔ تاریخ کبیر، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ

۶۱۔ تہذیب الکمال، علامہ جمال الدین ابویوسف المزی، متوفی ۷۴۲ھ

۶۲۔ ذخائر العقبیٰ، علامہ امام احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری، میلاد ۶۱۵ھ

۶۳۔ الاخبار الطوال، علامہ احمد بن داؤد دینوری، متوفی ۲۸۱ھ

۶۴۔ غایۃ المقصد فی زوائد المسند، علامہ علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی، متوفی ۸۰۷ھ

۶۵۔ تدریب الراوی، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۶۶۔ عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ

۶۷۔ فتح الباری، علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ

۶۸۔ نزہۃ القاری، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، متوفی ۱۴۲۱ھ

۶۹۔ عارضۃ الاحوذی، الامام ابن عربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ

۷۰۔ شرح النووی، علامہ محی الدین ابوذکریا یحیٰی بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ

۷۱۔ مرقات شرح مشکوٰۃ، ملاعلی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ

۷۲۔ شرح المواہب اللدنیہ، علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ

۷۳۔ کنز الایمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ

۷۴۔ فتاویٰ رضویہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ

۷۵۔ حدائق بخشش، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ

۷۶۔ خطبات محرم، فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی، متوفی ۱۴۲۲ھ

۷۷۔ شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب

۷۸۔ مقالات سعیدی، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب

۷۹۔ مقالات، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری،
۸۰۔ الامن والعلیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ
۸۱۔ خلفائے راشدین، علامہ اختر حسین فیضی مصباحی
۸۲۔ بزبانِ حکایت، علامہ ارشد القادری، مرتب مولانا غلام زرقانی، متوفیٰ ۱۴۲۱ھ
۸۳۔ تحفۂ اثنا عشریہ، حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ
۸۴۔ سیرت الرسول، علامہ، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری
۸۵۔ تذکرۂ مشائخ قادریہ، مفتی عبد المجتبیٰ رضوی۔
۸۶۔ علی بن ابی طالب، شیخ ارمان سرحدی۔
۸۷۔ گلستاں، علامہ، شیخ شرف الدین سعدی شیرازی، متوفی ۶۹۱ھ
۸۸۔ سوانح کربلا، صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ
۸۹۔ حفظ الایمان، مولوی اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ
۹۰۔ تقویۃ الایمان، مولوی اسماعیل دہلوی، متوفی ۱۲۴۶ھ

MA'ARIF-E-SAHABA

Vol. 1-2
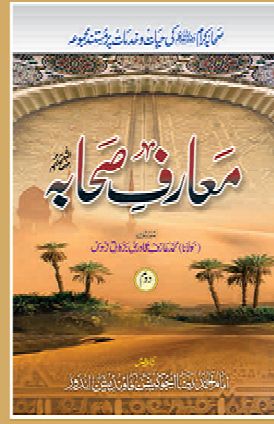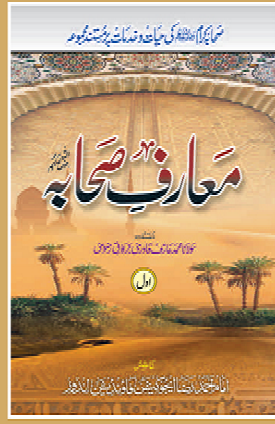
امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن اندور

- امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن خالص دینی و ملی تنظیم ہے۔
- فروغ اہل سنت کے لئے ۲۰۱۲ء میں اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔
- یہ تنظیم عوام میں دینی و مذہبی بیداری پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کرتی ہے۔
- تنظیم علمائے اہل سنت کی تصانیف اور ان کے بیانات کی سیڈیاں تقسیم کرتی ہے۔
- معاشرے کو ستھرا بنانے کے لئے ہفتہ وارانہ، ماہانہ اور سالانہ جلسوں اور محفلوں کا انعقاد کرتی ہے۔
- جن علاقوں میں اہل سنت کی مساجد و مکاتب نہیں ہیں وہاں انھیں قائم کرکے تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔

IMAM AHMED RAZA EDUCATION FOUNDATION, INDIA